يا مولا كريم صلوات الله عليك و عجل فرجك

مَن مَاتَ وَلَم يَعرِف الاِمَامَ زَمَانِهٖ مَاتَ مِيتَةً الجَاهِلِيَّة

نہج المعرفت

فی

اسماء القائمؑ

(جلد دوم)

خطباتِ عالیہ

شہزادہ فصیح البیان

السیّد محمد جعفر الزمان نقوی البخاری

مصنف کا نام : مخدوم السید محمدؒ جعفرؒ الزمان نقوی البخاری

کتاب : نہج المعرفت فی اسماء القائم جلد دوم

مرتب : مہتاب اذفر

تکنیکی معاونین : علی رضا، بلال حسین

سنۂ اشاعت :2014ء

تعداد :1000

پرنٹرز : فدک پرنٹنگ پریس لاہور

ایڈیشن :سوم

پبلشرز :القائم ویلفیئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کراچی

کمرہ نمبر 11اے اینڈ کے چیمبر 14 ویسٹ اینڈ وہارف روڈ

کراچی نمبر 2 پوسٹ کوڈ 74000 پاکستان

فون نمبر 021-3220537,32311979,32311482

Email: klbehaider@yahoo.com

ملنے کا پتہ : المنتظرین پبلیکیشن جمن شاہ ضلع لیہ

فون نمبر : 0606460259

ویب سائٹ : www.Khrooj.com

www.jammanshah.com

Email.jammanshah@gmail.com

ISBN-978-969-8806-57-6

بسم الله الرحمن الرحيم

يا مولا كريم عجل الله فرجك و صلوات الله عليك

انتساب

میں اپنی یہ کتاب خاتون اول، ملیکۃ الروم، ام الحجۃ صلوات اللہ علیہا کے نام کرتا ہوں کہ جن کے احسانات کے وزن سے میری گردن ہمیشہ مائل بہ سجود رہتی ہے اور جن کے لخت جگر عجل اللہ فرجہ الشریف کی محبت میرا واحد سرمایہ حیات اور دنیا و عقبیٰ کی پونجی ہے مجھے یقین ہے کہ وہ اپنی بے پناہ شفقت اور لا متناہی کرم کی وجہ سے اسے شرف قبولیت عطا فرمائیں گے

جعفر نقوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم
یا مولا کریمؑ عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک و علی آبائک الطاہرین المعصومین

فہرست عناوین

نمبر شمار	عنوانیہ اسم مبارک		صفحہ نمبر
1	کیا کہوں؟		1
2	عرض مرتب		3
3	سلطانِ منصور	عجل الله فرجه الشريف [خطبہ اول]	5
4	سلطانِ منصور	عجل الله فرجه الشريف [خطبہ دوم]	22
5	سلطانِ منصور	عجل الله فرجه الشريف [خطبہ سوم]	39
6	الغوثؑ، قطبؑ	عجل الله فرجه الشريف [خطبہ اول]	61
7	الغوثؑ، قطبؑ	عجل الله فرجه الشريف [خطبہ دوم]	88
8	ہادیؑ	عجل الله فرجه الشريف	108
9	سِرّ اللہؑ	عجل الله فرجه الشريف	127
10	دلیلؑ	عجل الله فرجه الشريف	147
11	بیت اللہؑ	عجل الله فرجه الشريف	168
12	ذوالقدرۃالجامعۃؑ	عجل الله فرجه الشريف	190

............☆............

یا ھو یا من ھو لا ھو الا ھو الحی القیوم یا ھو یا من لا یعلم ما ھو الا ھو الحی القیوم العلی العظیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک

کیا کہوں؟

حمد ہے اس ذات واجب الوجود کی کہ جس نے اپنی بے پناہ محبت کی وجہ سے عالمِ امکان کو خرقہ وجود سے نوازا اور اس نے اپنے بے پناہ احسان کی وجہ سے ہماری ہدایت کیلئے اپنے انوار خالص کو قبائے بشری میں ملبوس فرما کر ہمارے درمیان نازل فرمایا اور اس طرح احسان فرمایا کہ کوئی اس کے احسان کو سمجھ ہی نہ سکا اور پھر اس نے انسانیت کی بے وقار جھولی میں اپنے نورِ خاص کے درخشاں نور پارے ڈال دیئے اور ہم پر یہ بھی احسان فرمایا کہ ہمیں ان کی معرفت کا حکم دیا تا کہ ہم کسی متوقع بے ادبی کے ارتکاب سے محفوظ رہ سکیں۔

دوستو! مجھ سے یہ کہا گیا ہے کہ میں اپنے ہی کج مج خطابات کے بارے میں کچھ عرض کروں مگر مجھے نہیں معلوم کہ مجھے کیا کہنا چاہیے کیونکہ جو کچھ مجھے کہنا تھا وہ میں نے سٹیج پر کہہ دیا اور اسے مہتاب اذفر نے آپ کے سامنے رکھ دیا ہے میں اس کے بارے میں صرف اتنا کہنا چاہوں گا کہ مجھے اپنی کوتاہی فکر اور تنگ ظرفی کا اعتراف ہے کیونکہ میں اپنے مالک ومنعم ازل شہنشاہ معظم ولی العصر عجل الله فرجه الشريف کے بارے میں ان کے شایان شان کچھ بھی نہیں کہہ سکا کیونکہ میں ان کی معرفت سے عاجز محض ہوں۔ ہاں جو کچھ میں نے عرض کیا ہے یہ بھی انہی کے کرم اور توفیق سے کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ عرفا کو اس میں میری بہت سی کوتاہیاں نظر آئیں گی اور امید ہے کہ وہ

میری معذوریوں اور مجبوریوں کو سامنے رکھتے ہوئے مجھ سے درگزر فرمائیں گے اور دعا بھی فرمائیں گے کہ میں ان کے معیار پر پورا اتر سکوں اور اگر کچھ لوگوں کو اس میں ان کے مخصوص نظریات کی تردید نظر آئے گی تو انہیں یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ تو ایک فقیر کا درس ہے اس میں ان کے مطلوبہ و مقصودہ علم کی باتیں کہاں سے ملیں گی اور وہ مجھے اپنا مخالف نہ سمجھیں کہ فقیر تو کسی کا مخالف نہیں ہوتا بلکہ سب سے پیار کرتا ہے اور اسی پیار کی وجہ سے تو اپنے کشکول کے نمک پارے آپ کے سامنے رکھ رہا ہے یہ اور بات ہے کہ وہ آپ کے قابل نہ ہوں مگر ہماری بھی مجبوری ہے کہ ہمارے پاس اس کے علاوہ کچھ ہے ہی نہیں۔

اگر انہیں یہ پسند آئیں تو دعا کریں اگر ناپسند ہوں تو بھی دعا کریں کہ مالک و منعم ازل عجل اللہ فرجہ الشریف اس فقیر کی معرفت کو کامل فرمائے تاکہ آپ کے شایان شان کوئی بات پیش کر سکے۔ ہاں کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جو فقرا سے کبھی بھی راضی نہیں ہو سکتے تو ان کیلیئے بھی فقیرانہ جملہ ہی کہوں گا کہ ''بھلا ہو بابا''۔

ہاں اگر میری کوئی بات آپ کو اچھی لگے یا بری اس سے ماوریٰ ہو کر یہ دعا تو ضرور کیجیئے کہ ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی حکومت اِلٰہیہ کا قیام جلدی ہو خاندان تطہیر علیہم الصلوات والسلام کے صدیوں کے ویران گھروں کی رونق جلدی بحال ہو اور ملکہٗ عالمین بی بی صلوات اللہ علیہا کا پاک گھر جلدی آباد ہو۔

آمین یارب العالمین

جعفر نقوی

اللھم صل علیٰ محمدؐ وآل محمدؐ و عجل فرجھم بقائمھمؑ صلوات اللہ علیہ والسلام

یا ھو یا من ھو لا ھو الا ھو الحی القیوم یا ھو یا من لا یعلم ما ھو الا ھو الحی القیوم العلی العظیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک

عرضِ مرتّب

شکر ہے اس ذات کا کہ جس کے احسان کے سامنے لفظ شکر بھی ہمیشہ شرمندہ وغرق ندامت رہتا ہے اور حمد وشکر جیسے الفاظ اس کی عظمت کے سامنے ناکافی وتہی دامن رہتے ہیں تو میں عرض کر رہا تھا کہ شکر اس منعم ومنّان کا کہ جس نے مجھے یہ اعزاز بخشا کہ میں اُس کے نمائندگانِ ذات کی نصرت میں کچھ نہ کچھ کرسکا ہوں۔

قارئین کرام! اپنے استاد گرامی القدر واجب التعظیم کے خطبات کی تجمیع کا کام بھی میرے لئے بہت بڑا اعزاز ہے اس سے قبل میں ایک جلد مکمل کر چکا ہوں اور اس سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے آج اسمائے مبارکہ پر مبنی خطبات کی دوسری جلد آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں اور یہ تو نہیں بتا سکتا کہ اس موضوع پر کتنے مجلّدات آپ کے سامنے پیش کرسکوں گا ہاں اتنا تو یقینی ہے کہ 600 سے زیادہ اسمائے مبارکہ ہیں اور ایک جلد میں تقریباً پچیس خطبات لا رہا ہوں اور کئی اسمائے مبارکہ ایسے بھی ہیں کہ جن پر میرے استاد ذی وقار نے دو دو تین تین خطبات بھی دیئے ہیں اور کئی اسمائے مبارکہ تو ایسے بھی ہیں کہ جن پر آپ نے چودہ خطبات تک دیئے ہیں اس لئے مجلّدات کی تعداد کے بارے میں کوئی حتمی بات نہیں کی جاسکتی۔ ہاں اندازہ ہے کہ ان کی تعداد تیس سے زیادہ ہوگی اور اسمائے مبارکہ کے علاوہ جو خطبات ہیں انہیں بھی میں جمع کر رہا ہوں ان کتب کی تعداد کے بارے میں بھی کچھ

کہنا قبل از وقت ہوگا- ہاں ایک کتاب اس سے قبل آپ کے سامنے آ چکی ہے جس میں توحید اور خاندان تطہیر صلوات اللہ علیھم اجمعین کے مابین جو تعلّق ہے اس میں اس مقدّس رشتہ کو واضح کیا گیا ہے- امید ہے اس علمی پس ماندگی کے دور میں ان کتب کا وجود نعمت عظمیٰ سے کم نہیں ہوگا اب میں آپ اور اس کتاب کے درمیان زیادہ دیر حائل نہیں رہنا چاہتا

اسی کے ساتھ ان حضرات کا شکریہ بھی ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت میں تعاون کیا جن میں جناب سید مظہر حسین موسوی آف کراچی ، جناب سید مسرت عباس آف شیخوپورہ ، جناب سید علامہ حسن عسکری صاحب ، جناب علامہ غلام شبیر آف لاڑکانہ، جناب میاں شمیم اعجاز آف شورکوٹ اور ان کے علاوہ اپنے تکنیکی معاونین جناب علی رضا اور جناب بلال حسین خان کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں

والسلام

مرتب ......

مہتاب اذفر

اللھم صل علیٰ محمدؐ وآل محمدؐ و عجل فرجھم بقائمھمؐ صلوات اللہ علیہ والسلام

یا ھو یا من ھو لا ھو الا ھو الحی القیوم یا ھو یا من لا یعلم ما ھو الا ھو الحی القیوم العلی العظیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک

سلطانِ منصورؑ

عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه

الحمد لله رب العالمين و صل علىٰ محمدؐ و آلهٖ اجمعين خصوصاً على حجة الله فى العالمين عجل الله فرجه الشريف و آبائه المعصومين و امهاته الطاهرين الطيبين صلوات الله عليهم اجمعين و لعنة الله علىٰ اعدائهم اجمعين من يوم الازل الى يوم الدين

☆ من قتل مظلوماً فقد جعلنا لوليهٖ سلطانا فلا يسرف فى القتل انه كان منصورا ( )

اے فارسانِ دشتِ عرفان!

آپ کے سامنے میں ایک عرصے سے اپنے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف کے اسمائے مبارکہ پر گفتگو کر رہا ہوں اب پھر اسی سلسلے سے منسلک ہو رہا ہوں اور آج کا عنوانیہ اسمِ مبارک ہے

شہنشاہ المنصور عجل الله فرجه الشريف وصلوات الله عليه

یہ تو عربی کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ منصور کا اصل مادّہ نَصَرَ ہے جس کے عام معنی مدد

کے لئے جاتے ہیں اور منصور کیونکہ اسمِ مفعول ہے اس لئے اس کے معنی ہوں گے وہ ذات کہ جس کی نصرت کی جائے یا نصرت کی گئی ہو۔

ہم جب قرآن کریم کا ترجمہ تلاوت کرتے ہیں تو اس میں دیکھتے ہیں کہ جہاں بھی لفظ نصرت آئے یا مدد آئے یا اعانت آئے اس کے معنی مدد ہی کے لئے جاتے ہیں حالانکہ یہ بات درست نہیں ہے بلکہ عربی زبان بھی دوسری زبانوں کی طرح ہے کہ جس میں دو الفاظ ایسے کبھی نہیں ہوتے کہ جو ہمہ پہلو ایک معنی رکھتے ہوں بلکہ ہر دو الفاظ میں بنیادی طور پر کوئی نہ کوئی فرق ضرور ہوتا ہے اسے ہم ترتیب سے واضح کرتے ہیں

مدد

دوستو! پہلے ہم لفظ ''مدد'' کے معنی دیکھ لیں جسے ہم نصرت کے معنی میں لیتے ہیں حالانکہ یہ لفظ نصرت کے معنی میں لانا غیر موزوں ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ ''مدد'' کا لفظ عربی الاصل نہیں ہے بلکہ یہ سریانی کا لفظ ہے اور اس کے بنیادی معنی ہیں

''کسی چیز میں اضافہ کرنا یا کسی چیز کو وسعت دینا یا پھیلانا''

جیسا کہ کلام الٰہی میں فرمایا گیا ہے وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِيْن یعنی ہم نے ان کے اموال میں وسعت دی اور اولاد میں بھی وسعت دی کیونکہ یہ وسعت ایک طرح سے ان کی امداد بھی تھی اس لئے عام معنی امداد کے لئے جاتے ہیں کہ ہم نے ان کی اولاد اور مال کے ذریعے امداد فرمائی لیکن مدد ہر اس امداد کو کہتے ہیں کہ جس میں اضافے یا وسعت کا تصور ضرور موجود ہو جیسا کہ جب آدمی کسی سے جنگ کر رہا

ہوتا ہے اور اسے اپنے مددگار کم نظر آتے ہیں یا کافی نظر نہیں آتے تو وہ اپنے دوستوں سے مدد کی اپیل کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تم اپنے چار آدمی لے کر میری مدد کرو یعنی میرے مددگاروں میں اضافہ کردو۔ اسی مفہوم کو اللہ جل جلالہ نے بھی بیان فرمایا ہے
یُمۡدِدۡکُمۡ رَبُّکُم بِخَمۡسَةِ آلافٍ میں فرمایا ہے کہ تمہارے رب نے پانچ ہزار ملکوت سے تمہاری مدد فرمائی یعنی تمہارے لشکر میں پانچ ہزار مددگاروں کا اضافہ فرمایا ؒ
اسی طرح عربی میں مــدّد الشی یعنی چیز میں اضافہ کرنا یا اسے وسعت دینا کے معنی میں آتا ہے۔

اعانت

اعانت کا جو لفظ ہے اس میں اضافے اور وسعت کا کوئی تصور موجود نہیں ہوتا۔ اعانت، معاون، تعاون، استعانت جیسے الفاظ کا بنیادی تصور کسی کے ساتھ مل کر ہاتھ بٹانا اس کو Assist کرنا Cooperate کرنا ہے یعنی کوئی آدمی کسی بھاری چیز کو اٹھا رہا ہو مگر وہ اکیلے آدمی سے نہیں اٹھ رہی تو کوئی اس کے ساتھ تعاون کرتا ہے اور وہ چیز اٹھوا کر اس کے سر پر رکھوا دیتا ہے، یہ تعاون ہے۔ کوئی آدمی ایک کام کرتا ہے اور وہ اسے ختم نہیں کرسکتا یا اسے وقت پر ختم نہیں کرسکتا اور وہ کسی کو تنخواہ پر رکھ لیتا ہے تا کہ وہ اس کے ساتھ کام کروائے تو وہ اس کا معاون ہوتا ہے۔ اسی لئے کمشنرز کو حکومت اسسٹنٹ کمشنر دیتی ہے کہ وہ ان کے کام میں معاون ہوں مگر اس میں وسعت کا کوئی تصور نہیں ہوتا بلکہ ساتھ دینے کا تصور ہوتا ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا
تَعَاوَنُواۡ عَلَى الۡبرِّ وَالتَّقۡوَىٰ یعنی امور خیر میں تم ایک دوسرے کا ساتھ دو مگر برائی اور شر کے کاموں میں ایک دوسرے کا ساتھ نہ دو۔

اعانت اور مدد میں ایک یہ بھی فرق ہوتا ہے کہ مدد میں جو اضافہ ہوتا ہے وہ یک طرفہ ہوتا ہے یعنی کوئی یہ نہیں کہتا کہ میں بھی اس میں اضافہ کرنے میں مصروف ہوں تم بھی اس میں شامل ہو جاؤ بلکہ وہاں مدد گار ہی کی طرف سے سب کچھ ہوتا ہے مدد مانگنے والے کی طرف سے کوئی کوشش یا عمل نہیں ہوتا مگر تعاون میں مدد مانگنے والے اور مدد دینے والے دونوں کا عمل برابر ہوتا ہے

اس کی ایک مثال دیتا ہوں کہ آپ ایک کار پر جا رہے ہیں راستے میں ایک ریت کا ٹیلا آ جاتا ہے اور آپ کی گاڑی پھنس جاتی ہے، آپ چند آدمی بلا لیتے ہیں وہ اسے پیچھے سے دھکّا دیتے ہیں اور آپ گاڑی سے بھی زور لگواتے ہیں جب دو زور مل جاتے ہیں تو گاڑی نکل جاتی ہے یہ جو لوگ آئے تھے انہوں نے گاڑی کے ساتھ تعاون کیا ہے

پھر گاڑی آگے جا کر بند ہو جاتی ہے اور وہ تھی بھی دھکّا سٹارٹ - اب آپ نے ایک ٹریکٹر والے کو بلایا اور اس نے ٹوچین ڈال کر اسے باہر کھینچ لیا - یہاں گاڑی کا اپنا کوئی عمل و جدوجہد نہ تھی بلکہ ٹریکٹر پر کلّی انحصار تھا اس لئے یہ تعاون نہیں ہے یعنی تعاون میں اپنی جدوجہد بھی شامل ہوتی ہے -

ہم جب نماز میں کہتے ہیں کہ☆ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ تو اس میں ہم کلّی انحصار کی بات نہیں کرتے بلکہ اپنی جدوجہد کو بھی شامل رکھتے ہوئے اپنے خالق سے تعاون کی اپیل کرتے ہیں کہ ہم بھی کوشش تو کریں گے مگر یہ کام ہمارے اکیلے کے کرنے کا نہیں ہے بلکہ تیرا تعاون نہ ہو تو مجھ اکیلے سے کچھ بھی نہ ہو سکے گا -

یہاں ایک بات کرتا چلوں کہ بعض لوگوں نے اس آیت سے یہ مطلب نکالنے کی

کوشش کی ہے کہ امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام سے مدد مانگنا جائز نہیں ہے حالانکہ یہاں تو مدد کا ذکر ہی نہیں ہے بلکہ تعاون کی بات ہے اور خالق نے خود فرمایا ہے کہ تَعَاوَنُواْ عَلَى الْبرِّ وَالتَّقْوَىٰ یعنی امورِ خیر میں امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام تو کجا ایک عام مومن سے بھی تعاون کی اپیل کی جا سکتی ہے اور اس پر تعاون کرنا فرض بھی ہو جاتا ہے تو امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام سے کوئی تعاون کی اپیل کرے تو کیسے شرک ہو جاتا ہے؟

ایک صاحب کہنے لگے کہ ہمیں شہنشاہ معظم صلوات اللہ علیہ سے مدد نہیں مانگنا چاہیے کیونکہ یہ شرک ہے، میں نے یہی آیت تلاوت کی اور یہی دلیل بھی دی اور ان کے اپنے عمل کی طرف توجہ بھی دلائی کہ آپ تو ہر کسی سے اپنے درس کیلئے مدد مانگتے ہیں اس پر انہوں نے فرمایا قریب اور زندہ سے مدد مانگنا شرک نہیں ہے ہاں اہل قبر سے کچھ مانگنا یا کسی بعید سے کچھ مانگنا شرک ہے، میں نے ان سے گزارش کی کہ جناب آپ نے بجا فرمایا ہے مگر آپ شرک کی تعریف بھی تو دیکھیں کہ شرک تو ہے اللہ کی صفات یا ذات میں کسی کو شریک کرنا اور اللہ کی صفات خود دیکھ لیں وہ فرماتا ہے کہ وہ حی و لا یموت ہے اور وہ فرماتا ہے کہ ☆نَحۡنُ أَقۡرَبُ إِلَيۡهِ مِنۡ حَبۡلِ ٱلۡوَرِيدِ یعنی اللہ زندہ بھی ہے اور قریب بھی ہے اب اگر حقیقی شرک سے بچنا ہے تو کسی زندہ اور قریب سے مدد نہ مانگیں۔ کسی مردہ اور بعید سے مدد مانگنا کوئی بے فائدہ کوشش تو کہی جا سکتی ہے مگر شرک نہیں کہلائی جا سکتی۔ ہاں یہ اس وقت شرک قرار پائے گی جب آپ اللہ کو نعوذ باللہ مردہ اور بعید قرار دیں تب یہ مدد مانگنا شرک ہو گی اور سچ تو یہ ہے کہ ہم تو ویسے بھی خاندان پاک کے جملہ افراد اطہار علیہم الصلوات و السلام کو حی و

قریب سمجھتے ہیں - ہمارے شعار میں سے ہے کہ ہم جو عریضہ لکھتے ہیں اس میں تو ہم جناب حسین بن روح تو کیا سارے نواب اربعہ کو حی و مرزوق وقریب سمجھ کر عریضے سپردِدریا کرتے ہیں اس لئے آپ کے شرک کی تعریف میں یہ مدد مانگنا بھی نہیں آتا آگے آپ کی مرضی-

دوستو! مدد اور استعانت میں جو فرق تھا وہ تو آپ سمجھ چکے ہیں اب ہم اگلی منزل کی طرف قدم بڑھاتے ہیں-

بات یہ ہے کہ جب کسی انسان کا کوئی مقصد سامنے ہوتا ہے تو انسان اس کیلئے جد وجہد کرتا ہے گویا وہ ایک جنگ کررہا ہوتا ہے ماحول اور مانعین کے ساتھ لڑرہا ہوتا ہے اس کی جنگ علمی ہوتی ہے یا حربی، قلمی ہوتی ہے یا عملی، گرم جنگ ہوتی ہے یا سرد، اپنے آپ سے ہوتی ہے یا اپنے غیر سے، بہر حال اس کی ایک جنگ ہی ہوتی ہے اور وہ اپنے مقصد کے حصول کیلئے مصروف پیکار رہوتا ہے اب اس میں کئی صورتیں ہوتی ہیں

(1) وہ تنہا اپنے مقصد کو پا سکتا ہے یا یہ جنگ جیت سکتا ہے-

(2) وہ تنہا مقصد کو حاصل نہیں کرسکتا ہاں اگر کوئی اس کے ساتھ اس جنگ میں شامل ہو جائے تو اسے کامیابی حاصل ہوسکتی ہے-

(3) وہ اس جنگ میں شریک ہی نہ ہوا بلکہ کہیں سے کوئی اس کا ہمدرد آیا اور اس نے فتح اس کی جھولی میں ڈال دی-

پہلی صورت میں انسان خود ہی سب کچھ ہوتا ہے دوسری صورت میں دوسرے اس کے معاون و مددگار رہوتے ہیں- اس کے مقصد کے حصول کیلئے اس کی جد وجہد میں شریک ہوتے ہیں تیسری صورت میں وہ خود بھی اپنے مقصد کے حصول کی جد وجہد

میں شریک نہیں ہوتا اس کے انصار ہی سب کچھ ہوتے ہیں۔

ان آخری دونوں صورتوں کیلئے جامع لفظ ہے ''نصرت'' یعنی معاونت و استعانت بھی اس میں آجاتی ہے اور مدد یا اس کی اجتماعیت میں یا اس کے مال میں یا دوستوں میں اضافہ بھی اس میں آجاتا ہے۔

اس بات کی وضاحت سے قبل میں آپ کو ''نصرت'' کے بارے میں عرض کرتا چلوں۔ نصرت و ناصر و منصور کا مادّہ نَصَرَ ہے اور ناصر وہ ہوتا ہے جو کسی کا اس کے مقصد کے حصول میں ساتھ دے اور نصیر اسے کہتے ہیں کہ جو کسی کو اس کے مقصد کے حصول تک پہنچا دے اسی لئے خالق کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک اسم مبارک نصیر بھی ہے کہ جس کی نصرت کے بغیر کوئی اپنے مقصد کو نہیں پا سکتا۔

جب ہم کلام اِلٰہی کو سطحی نظر سے دیکھتے ہیں تو ہمیں اللہ کا دہرا معیار Double Standard نظر آتا ہے ایک طرف اللہ متعدد مقامات پر فرماتا ہے کہ

☆مَا لَكُم مِّن دُونِ اللّهِ مِن وَلِيٍّ وَلاَ نَصِيرٍ

تمہارے لئے اللہ کے علاوہ نہ کوئی ولی ہے اور نہ کوئی نصیر ہے

ایک اور مقام پر فرماتا ہے کہ

☆أُوْلَـئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللّهُ وَمَن يَلْعَنِ اللّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ نَصِيراً

یعنی بہت سی آیات یہ بتا رہی ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی نصیر نہیں ہے۔

دوسری طرف اللہ جل جلاله نے اپنے حبیب صلی الله علیه و آلہٖ وسلم کی ایک دعا نقل فرمائی ہے وہ فرماتے ہیں

☆رَبِّ أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَأَخْرِجْنِي مُخْرَجَ صِدْقٍ وَاجْعَل لِّي مِن

لَّدُنكَ سُلْطَاناً نَّصِيْرا......(بنی اسرائیل80)

اے ہمارے محبّ ازل تو ہمیں جس میں داخل فرمانا پسند فرماتا ہے اس میں خالصتاً داخل فرمادے اور جس سے نکالنا چاہتا ہے اس سے پوری طرح خارج فرمادے اور ہمیں اپنی طرف سے ایک ایسا نصرت فرمانے والا عطا فرما جو نصیر بھی ہو اور صاحب تسلط بھی یعنی جس کی نصرت لدّنی ہو ۔

اس بات سے تفاسیر چھلک رہی ہیں کہ سلطان نصیر شہنشاہ معظم امیرالمومنین علیہ الصلوات و السلام ہی ہیں

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تو فرماتا ہے کہ اس کے سوا کوئی نصرت فرمانے والا ہے ہی نہیں اور جو اس کے علاوہ کسی کو نصیر بنائے گا ناکام ہوگا یا بقول وہابی ازم اللہ کے سوا کسی کو نصیر و مددگار ماننا شرک ہے دوسری طرف اللہ کے حبیب مطلق صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اسی سے ایک صاحبِ تصرف نصیر مانگ رہے ہیں اور شرک سے بھی نہیں ڈر رہے، آخر کیوں؟

اگر نعوذ باللہ انہیں یہ بات بھول بھی گئی تھی تو اللہ جل جلالہ انہیں یاد دلا دیتا کہ آپ کو یہ بات نہیں کہنا چاہیے تھی کیونکہ یہ تو شرک ہے اور شرک وہ ظلم عظیم ہے کہ جس میں بخشش کی بھی گنجائش نہیں ہے یا یہ فرما دیتا کہ آپ یہ کیا کر رہے ہیں کہ مجھ ہی سے میرا شریک مانگ رہے ہیں یہ میں برداشت نہیں کر سکتا ، چاہیے تو یہ تھا کہ اللہ انہیں ڈانٹ دیتا اگر وہ حبیب کی محبت کی وجہ سے ڈانٹ نہ سکتا تھا تو پیار سے ٹوک دیتا مگر ایسا کچھ نہیں ہوا روکنا ٹوکنا تو کجا الٹا ان کی اس بات کا ذکر کر کے سلطان نصیر مانگنا سنت قرار دیا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

چلو اللہ جل جلالہ انہیں نہ روکتا نہ ٹوکتا مگر اس بات کو اپنے کلام کا حصہ تو نہ بناتا اس سے تو ایک ایسی بات کو رواج ملنے کا امکان تھا کہ جو نعوذ باللہ شرک ہے اور ہم جیسے دیوانے لوگوں کیلئے گویا شرک کے جواز پر مہرِ تصدیق ثبت تو نہ کی جاتی مگر اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ اللہ جل جلالہ نے اس دعا کو ایک سنتِ حسنہ کا مقام دیا اور سارے مسلمانوں کو اس کی ترغیب دی ہے کہ اللہ سے امیرالمومنین علیہ الصلوات و السلام کو مانگو کیونکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا علیہم السلام مع شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سب نے اللہ جل جلالہ سے امیرالمومنین علیہ الصلوات و السلام کو جب تک مانگا نہیں کوئی اپنے مقصد میں کامیاب ہوا ہی نہیں ہے

ناصر و نصیر کیلئے یہ لازم نہیں ہوتا کہ وہ ظاہر بھی ہو کیونکہ نصرت چھپ کر بھی کی جا سکتی ہے اور ظاہراً بھی کی جا سکتی ہے جیسا کہ شہنشاہ معظم امیرالمومنین علیہ الصلوات و السلام نے فرمایا تھا

☆ نَصَرتُ الاَنبِیَاءَ سِرّاً وَ نَصَرتُ مُحَمَّد صلی اللّٰہ علیہ و آلہٖ وسلم جَھرَاً وَ عَلَانِیَۃً

یعنی ہم نے جملہ انبیا علیہم السلام کی چھپ کر نصرت فرمائی ہے اور اپنے پاک بھائی کی نصرت ہم نے ظاہراً فرمائی ہے -

پاک خاندان علیہم الصلوات و السلام سے مدد اور نصرت کے منکرین بھانت بھانت کی بولیاں بولتے ہیں انہیں یہ سوچنا چاہیے کہ نصرت اور مدد طلب کرنا شرک نہیں ہے کیونکہ خود اللہ جل جلالہ عام مومنین سے مدد طلب کرتا ہے اور ساتھ ہی یہی فرماتا ہے کہ جو میری نصرت کرے گا میں اس کی نصرت کروں گا -

اب یہ بات انہیں بھی سوچنا چاہیے کہ اللہ جب عام گنہگار مومن سے مدد مانگ لے تو کوئی شرک نہیں ہے اور ایک گنہگار مومن امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام سے مدد مانگ لے تو کیسے شرک ہو جاتا ہے؟

افسوس کی بات یہ ہے کہ جو لوگ ساری دنیا سے کہتے ہیں کہ اللہ کے سوا کسی سے مدد نہ مانگو وہی لوگ اپنے درسوں کیلیۓ طلبا کیلیۓ در در پہ جا کر مدد کی بھیک مانگتے نظر آتے ہیں اور اس پر بھی اپنا راگ الاپتے پھر رہے ہیں- یہ ان پر اللہ کا عذاب نہیں تو کیا ہے؟

جب ہم سیاسی لیول پر دیکھتے ہیں تو کوئی مذہبی جماعت کسی نہ کسی ملک کی امداد کے بغیر چلتی ہوئی نظر نہیں آتی کوئی امریکہ سے مدد لے رہا ہے کوئی سعودی عرب سے تو کوئی ایران سے کوئی کویت سے تو کوئی ہندوستان سے مدد لے کر اپنے مذہب کی دکان چمکا رہا ہے اور جو غیر ملکی امداد سے محروم ہیں وہ اپنی محرومی پر نوحہ خوان نظر آتے ہیں اب ان سے یہ کون پوچھے کہ امریکہ کے یہودیوں سے مدد مانگنا تو جائز ہے اور امیر المومنین اور ان کے پاک خاندان علیھم الصلوات و السلام سے مدد مانگنا جائز نہیں ہے تو آخر کیوں؟ یہ آپ کا دہرا معیار کیا ہے؟ کہیں یہ ڈبل سٹینڈرڈ Double Stanard محمد و آل محمد علیھم الصلوات و السلام سے دشمنی کی وجہ سے تو نہیں ہے؟

حالانکہ کوئی نبی ایسا نہیں جس نے ان سے مدد نہ مانگی ہو،

کوئی مومن ایسا نہیں ہے جس نے ان سے مدد نہ مانگی ہو،

کوئی ولی ایسا نہیں ہے کہ جس نے ان سے مدد نہ مانگی ہو،

بلکہ اللہ نے بھی ان سے خود مدد مانگ کر بتایا ہے کہ انہی سے مدد مانگنا عین دین ہے اور عین حق ہے تو پھر یہ شرک شرک کے نعرے کیوں لگائے جا رہے ہیں یہ تو اللہ کے

نصیر لدّنی ہیں اللہ کی طرف سے سلطانِ نصیر ہیں بلکہ اللہ کی عین نصرت ہیں اور اللہ بھی جب کسی کی نصرت فرماتا ہے تو ان کے ذریعے ہی نصرت فرماتا ہے کیونکہ یہ نصر اللہ ہیں اللہ کے مظہرِ تام ہیں اسی لئے تو انہوں نے فرمایا تھا کہ ہم نے ہر نبی کی نصرت اور مدد غائبانہ فرمائی ہے اور اپنے پاک بھائی کی مدد ظاہراً فرمائی ہے -

سچ تو یہ ہے کہ کوئی نبی اپنے مقصد میں کامیاب ہو ہی نہیں پایا جب تک انہوں نے اس کی نصرت نہیں فرمائی-

شہنشاہ معظم امیرلمومنین علیہ الصلوات و السلام کا اسمِ مبارک تھا ''سلطانِ نصیر'' اور ہمارے شہنشاہِ معظم ہمارے امام زمانہ عجل الله فرجه الشريف کا اسمِ مبارک ہے ''سلطانِ منصورؑ'' عجل الله فرجه الشريف

اب دیکھنا یہ ہے کہ ان میں فرق کیا ہے؟

میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ کوئی نبی یا ولی ایسا نہیں ہے کہ امیرالمومنین علیہ الصلوات و السلام نے جس کی نصرت نہ فرمائی ہو یعنی جس نے اوّلین و آخرین کی ہمہ وقت ہمہ پہلو مدد فرمائی ہو انہیں سلطان نصیر علیہ الصلوات و السلام کہا جاتا ہے اور اوّلین و آخرین کے جملہ انبیا و رسل و اولیا و اوصیا و ملکوت و کروبیاں نے جن کی نصرت کرنا ہو انہیں سلطان منصور عجل الله فرجه الشريف کہا جاتا ہے

کلام مجید میں انبیا ما سلف علیہم السلام کے ایک میثاق کا ذکر موجود ہے جس کے بارے میں کئی مرتبہ میں بہت کچھ عرض کر چکا ہوں یہاں اس کے بارے میں عرض کروں گا کہ ازل میں اللہ جل جلالہ نے جب انبیا علیہم السلام کو نبوّت کی دولت سے سرفراز فرمانا چاہا تو پہلے ان سے ایک حلف لیا جس کا ذکر اللہ نے ان الفاظ میں فرمایا ہے

☆ وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيِّيْنَ لَمَا آتَيْتُكُم مِّن كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَ كُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنصُرُنَّه () الخ

اللہ نے ازل میں انبیاء علیہم السلام کو کتاب وحکمت عطا فرمائی اور وعدہ لیا کہ بعد میں ایک رسول تشریف لائیں گے تم ان پر ایمان بھی لاؤ اور ان کی نصرت بھی کرنا ہے اگر یہ وعدہ نہ کریں تو پھر آپ کو نبوّت وحکمت نہیں مل سکتی پھر انہوں نے وہاں یہ اقرار کیا اور انہیں نبوّت مل گئی۔

پہلے ان سے ایمان لانے کا حکم فرمایا گیا اور ایمان کی جو مشہور عام تعریف ہے اس کے تین اجزا ہیں () زبان سے اقرار کرنا () دل سے تصدیق کرنا () اور عملی طور پر اسے اپنے اوپر لاگو کرنا یہ حصہ عمل Practical کا ہے -

اب آیہ میثاق کو اس تعریف کے تناظر میں بھی دیکھ لیں کہ پہلے اللہ جل جلالہ نے ان سے فرمایا

☆ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَى ذَلِكُمْ إِصْرِی

کیا تم نے اقرار کرلیا ہے یعنی کیا اسلام لا چکے ہو زبانی اقرار کر چکے ہو تا کہ تمہیں نبوّت سے نوازا جائے قالو اقررنا عرض کیا بیشک ہم اقرار کر چکے ہیں یعنی اقرار تو عالم ارواح میں ہو رہا ہے کیونکہ اس کا تعلّق عقائد سے تھا جو اصل اصول دین ہے اس کے بعد لتؤمنن به میں فرمایا جا رہا ہے کہ آنے والے پر ایمان بھی لانا یعنی عملی زندگی میں جب داخل ہونا تو اس اقرار پر عمل کر کے ثابت کرنا، اس کے احکامات کی پابندی کرنا اس کی اطاعت کرنا یعنی Practically بھی اس کی نصرت کرنا ہے۔

ازل میں تو Oral زبانی اقرار تھا پھر اس زندگی میں آ کر اس کا Practical کرنا تھا

اور یہ تو آپ جانتے ہیں کہ Practical نصرت کا جو حصہ ہے اس کے تین شعبے ہوتے ہیں

() علمی نصرت زبان وقلم سے نصرت کرنا یعنی تبلیغ

() مالی نصرت یعنی کسی مال کی قربانی دے کر نصرت کرنا

() جانی نصرت یعنی کام میں نصرت کرنا جنگ میں نصرت کرنا وغیرہ

انبیا ما سلف علیھم السلام نے علمی نصرت بھی کی ساری زندگی پاک خاندان علیھم الصلوات و السلام کا ذکر کرتے رہے مالی نصرت بھی غائبانہ طور پر کی مگر جانی نصرت کا انہیں ابھی تک موقعہ ملا ہی نہیں ہے۔

جہاں تک اقرار کا تعلّق ہے تو اللہ کو گواہ کے انبیاء نے اس پاک خاندان علیھم الصلوات و السلام سے یوم الست جو اقرار کیا اس پر عمل کر کے وہ اس وقت دکھلائیں گے جب نور سرورکونین صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اپنے آخری آئینے میں عکس آ رہا ہوگا اور خود سرور کونین صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم بھی نور واحد کے آخری عکس کی نصرت کیلئے تشریف لائیں گے اور ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی آپ کی معیّت میں لشکر ابلیس کے خلاف جنگ کریں گے تا اینکہ عالمین کے سامنے لیظھرہ علی دین کلہ کی تفسیر ہو جائے گی کہ باقی کوئی دین نہ رہے گا صرف اور صرف دین اسلام جو اللہ کا پسندیدہ دین ہے وہی رہے گا

امام صادق علیہ الصلوات و السلام نے ابن ابی شیبہ سے فرمایا اللہ کی قسم آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم تک کسی نبی کو نہیں بھیجا گیا مگر اسے رجعت میں بلایا جائے گا تا کہ امیر المومنینؑ علیہ الصلوات و السلام جتنی تلوار چلائیں اس کے بعد فرمایا ابھی تک اس آیت کی تفسیر ظاہر نہیں ہوئی یہ سن کر سلام بن مستنیر نے عرض کیا مولا میری

جان آپ پر فدا ہو اس آیت کی تاویل کب ظاہر ہو گی ؟

فرمایا جب تمام انبیا و رسل علیہم السلام کو اللہ جل جلالہ شہنشاہ امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام کے گرد جمع فرمائے گا اور لوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم یعنی لواء الحمد ان کے ہاتھ میں دیا جائے گا اس روز امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام تمام مخلوق کے امیر اور سردار ہوں گے ۔

بات یہ ہے کہ جب شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کا خروج ہوگا تو ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا علیہم السلام ان کی نصرت کیلئے دنیا میں واپس بلائے جائیں گے اور چونکہ شہنشاہ امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام نے جملہ انبیا علیہم السلام کی مدد فرمائی ہوئی ہے لیکن آج تک کسی نبی و رسول نے ان کی مدد نہیں کی چنانچہ انہیں یہ موقعہ دیا جانا ہے اور وہ بھی ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے زمانے میں کہ جب چہاردہ معصومین علیہم الصلوات و السلام بھی آپ کی نصرت کیلئے تشریف لائیں گے اور اس وقت جو آخری جنگ ہے وہ دریائے دجلہ کے کنارے ابلیس کے ساتھ ہونا ہے اور اسی دن کو یوم وقت معلوم کہا گیا ہے اس دن سارے انبیا علیہم السلام امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام کے ہمرکاب ہوں گے اور اس دن شہنشاہ معظم کے دستِ مبارک میں شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا لواء الحمد ہوگا اور وہ اس طرح اپنے آخری بیٹے کی نصرت کیلئے تشریف لائیں گے ۔

ابلیس کے ساتھ جو آخری جنگ ہونا ہے اس کے بارے میں شہنشاہ معظم صادق آل محمد علیہ الصلوات و السلام نے فرمایا گویا ہم دیکھ رہے ہیں کہ لشکر حق ابلیسی لشکر سے پسپا ہو رہا ہے اور ان کے لشکر کے جوانوں کی ایڑیاں دریائے دجلہ کے پانی سے تر ہو رہی

ہیں اور ابلیسی فوج کے حوصلے جوان ہوتے جا رہے ہیں اس وقت اچانک ابلیس ایک چیخ مارے گا اور ساری فوج کو بھاگنے کا حکم دے گا اس کے ساتھی اور سالاران لشکر اس سے کہیں گے تیرا دماغ تو خراب نہیں ہوگیا ؟ اب جبکہ ہم فتح پانے والے ہیں تو ہمیں فرار کا حکم دیتا ہے؟ وہ ملعون کہے گا کہ جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں وہ تم نہیں دیکھ رہے ذرا آسمان کی طرف نگاہ کرو۔ جب وہ آسمان کی طرف نگاہ کریں گے تو دیکھیں گے کہ اس وقت شہنشاہ انبیاصلی الله علیه و آلهٖ وسلم لشکر ملکوت کے ساتھ آسمان سے نازل ہو رہے ہوں گے اور ان کے ہاتھ میں آتشیں تلواریں ہوں گی جنہیں دیکھ کر لشکرِ ابلیس کی کمر ٹوٹ جائے گی اور سب بھاگنے کی کوشش کریں گے اور شہنشاہ انبیاصلی الله علیه و آلهٖ وسلم آ کر اپنے پاک بھائی کی مدد فرمائیں گے اور لشکرِ ابلیس کے ساتھ جنگ میں بذاتِ خود شریک ہو جائیں گے ۔اس وقت ابلیس بھاگے گا اور بیت المقدّس میں پناہ لے گا اور وہاں جا کر شہنشاہ انبیاصلی الله علیه و آلهٖ وسلم اس کی گردن مار دیں گے اور اس دن قائم آلِ محمدعجل الله فرجه الشریف کی ابدی حکومت قائم ہو جائے گی۔

اس روایت کو دیکھ کر ایک صاحب نے یہ تبصرہ فرمایا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ شہنشاہ انبیا صلی الله علیه و آلهٖ وسلم اور شہنشاہ امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام اور ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاعلیهم السلام سارے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشریف کی نصرت کریں گے کیا یہ ان کی کسرِ شان نہیں ہے؟

میں نے عرض کیا بھائی صاحب آپ تو تبلیغ فرماتے ہیں کہ اللہ جل جلالہ کے سوا کسی سے مدد نہ مانگو کیونکہ اللہ کے سوا کوئی کسی کی مدد و نصرت نہیں کرسکتا ۔

انہوں نے فرمایا کہ ہاں ہم یہی کہتے ہیں -

میں نے عرض کیا اگر ایک چوڑا چمار اللہ سے مدد و نصرت طلب کرے اور اللہ جل جلالہ خود آ کر اس کی مدد فرمائے تو کیا یہ اللہ کے کیلئے باعثِ کسرِ شان نہیں ہے؟ کہ وہ ایک کمی کمین کی نصرت کیلئے خود آ جائے -

کئی لوگ ایسے بھی ہیں جو شہنشاہ امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام کے بارے میں مدد و نصرت کے قائل ہیں وہ بھی یہی کچھ کہتے ہیں کہ وہ اپنے لختِ جگر کی مدد کیلئے آ جائیں تو گویا یہ ان کی شان اور مرتبے کے خلاف ہے مگر وہ خود یہی کہتے ہیں کہ چاہے کوئی گناہگار بندہ ہی کیوں نہ مولا کو نصرت کیلئے بلائے تو وہ نصرت ضرور فرماتے ہیں مگر وہ یہ باتیں کرتے ہوئے کبھی نہیں سوچتے کہ ایک کمی کمین کی مدد کیلئے آ جانا ان کے خلافِ شان نہیں ہے -

بھائی یہ تو خود سوچ لو کہ جب ایک کمی کمین کی مدد کیلئے اللہ جل جلالہ آ جائے تو اس کی الوہیت میں کوئی فرق نہیں آتا اور امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام کی عظمت اور شان میں کوئی فرق نہیں آتا تو کیا ان کے اپنے بیٹے کی نصرت میں آ جانے سے نعوذ باللہ ان کی شان میں فرق آ جائے گا؟

اگر کسی کو آخری شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی نصرت میں انبیاء علیہم السلام اور خاندان تطہیر علیہم الصلوات و السلام کا تلوار اٹھانا بہت ہی ناگوار گزر رہا ہو تو پھر وہ یوں سمجھ لے کہ خالق کائنات کا وعدہ ہے کہ وہ اس کائنات کو دینِ اسلام سے بھر دے گا اور شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف صرف اللہ کے دین کیلئے جنگ کریں گے اور تلوار اٹھائیں گے اور دورِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم میں جتنی جنگیں ہوئیں اللہ کی

نصرت میں تلواریں اٹھائی گئیں اور جن لوگوں نے تلواریں اٹھائیں انہوں نے نحن انصار الله کا نعرہ لگا کر تلواریں اٹھائیں نہ کہ ان کے پیش نظر صرف ذات رسول کریم صلی الله علیه و آلهٖ وسلم تھی

اسی طرح ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاعلیهم السلام نے خود اللہ کے دین کیلئے پتھر کھائے، سر قربان کیئے اب اگر ایک مرتبہ پھر سبھی مل جل کر اللہ کی نصرت میں شہنشاہ معظم قائم آل محمدعجل الله فرجه الشریف کے دور میں تلواریں بلند کر لیں تو کون سا پہاڑ ٹوٹ پڑے گا؟

اس آخری دور میں جو وہ نصرت کریں گے اسے بھی دین حق ہی کی نصرت تصور کر لیں سرپرستی چاہے جس کی بھی ہو

ویسے بھی دنیا کا دستور ہے اولاد کی مدد کرنا بزرگوں پر لازم ہوتا ہے اور ساری دنیا کے بزرگ اولاد کی مدد کرتے ہیں مالی مدد بھی کرتے ہیں جانی مدد بھی کرتے ہیں کوئی اس پر کبھی بھی اعتراض نہیں کرتا یہاں بھی اعتراض کی گنجائش نہیں تھی کیونکہ یہ ان کے آخری لخت جگر ہیں- یہ ان کے سارے پاک گھر کا کلّی سرمایا ہیں اور یہ بقیۃ الانبیاعجل الله فرجه الشریف ہیں یہ بقیۃ الاولیا وبقیۃ الاوصیاعجل الله فرجه الشریف ہیں اور اپنے بقیے کی حفاظت کرنا اان کی نصرت کرنا قطعی ان کے خلاف شان نہیں ہے-

ہمیں تو یہ دعا کرنا چاہیے کہ خالق ہمیں ان کی نصرت کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں وہ روز سعید جلدی دکھائے کہ جب شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشریف کی ابدی حکومت کا اعلان ہوا ور ہم ان کی رکاب میں ان کی نصرت کا اعزاز و معراج پائیں-

آمین یارب العالمین

اللهم صل علیٰ محمدؐ وآل محمدؐ و عجل فرجهم بقائمهمؑ صلوات الله علیه والسلام

یا هو یا من هو لا هو الا هو الحی القیوم یا هو یا من لا یعلم ما هو الا هو الحی القیوم العلی العظیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک

سلطانِ منصور

عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه

الحمد لله رب العالمين و صل علیٰ محمدؐ و آلهٖ اجمعين خصوصاً على حجة الله فى العالمين عجل الله فرجه الشريف و آبائه المعصومين و امهاته الطاهرين الطيبين صلوات الله عليهم اجمعين و لعنة الله علیٰ اعدائهم اجمعين من يوم الازل الى يوم الدين

من قتل مظلوماً فقد جعلنا لوليه سلطاناً فلا يسرف فى القتل انه كان منصورا ( )

اے سواران کشتیء عرفان!

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ ہم نے ایک سلسلۂ گفتگو شروع کیا ہوا ہے آج ہم عرفان کی کشتی اگلی منزل کی طرف کھینے چلے ہیں آج ہم اس بات سے آغاز کرتے ہیں کہ نصرت کیا ہے؟

اسے سمجھنے کیلئے ایک مثال پیش کرتا ہوں دیکھئے کوئی شخص ایک مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے اور وہ اس مقصد کے حصول میں تنہا کامیاب نہیں ہوسکتا تو اس وقت وہ اپنے مددگار بلاتا ہے یا اس کے کئی مددگار بن جاتے ہیں- جب ان مددگاروں کو دیکھتے ہیں

تو پتہ چلتا ہے کہ ان کی کئی قسمیں ہوتی ہیں کیونکہ مدد کی کئی قسمیں ہوتی ہیں جیسا کہ انگلش میں آپ کئی الفاظ دیکھتے ہیں:

Help (مدد) کرنا، Cooperate (تعاون) کرنا، Assist (نیابت میں کام کرنا)

، Contribute (حصہ داری) کرنا مالی نصرت کیلئے Aid، Grant، یا Donation

وغیرہ کے الفاظ بھی استعمال ہوتے ہیں یہ سب مدد یا نصرت شمار ہوتے ہیں-

جب ہم نصرت لینے والوں پر غور کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ ان کی دو قسمیں ہیں

(1) منصورِ محتاج (2) منصورِ غیر محتاج

ہمارے ہاں جو تصور ہے وہ یہ ہے کہ مدد وہ لیتا ہے جو مدد کا محتاج ہوتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ طالب نصرت کیلئے یہ لازم نہیں ہے کہ وہ کسی کی نصرت کا محتاج بھی ہو یا ضرورت مند ہو یا وہ تنہا اپنے مقصد کی تکمیل نہ کر سکتا ہو بلکہ منصور دو طرح کے ہوتے ہیں۔ایک وہ جو کسی کی مدد لینے پر مجبور ہونے کی وجہ سے مددگار بنتا ہے کیونکہ وہ منصور تنہا کام کرنا بھی چاہے تو نہیں کر سکتا

دوسرا وہ منصور ہوتا ہے کہ جو کسی کا اعزازاً مددگار بنتا ہے وہ اکیلا ہونے کے باوجود اپنا مقصد حاصل کر تو سکتا ہے مگر کچھ لوگوں کو اعزاز دینا چاہتا ہے یعنی وہ چاہتا ہے کہ اس کی مدد سے کسی کو کچھ مل جائے اس لئے وہ اپنے ناصر بناتا ہے درحقیقت اسے انصار کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ مددگاروں کو اس کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ اس کی مدد میں انہیں کچھ نہ کچھ مل سکتا ہے، جیسا کہ خالق نے جہاں بھی مدد طلب کی ہے تو وہ منصور مجبور نہ تھا اسی طرح پاک خاندان صلوات اللہ علیہم اجمعین نے جہاں جہاں نصرت طلب کی ہے وہاں ان کا مقصد یہ تھا کہ ہماری مدد کر کے کچھ لوگوں کا بھلا ہو جائے

ورنہ وہ نصرت لینے پر مجبور نہ تھے بلکہ وہ سارا کام تنہا کر سکتے تھے-

اقسامِ انصار

اس کائنات کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے کہ جو پاک مالک علیہ الصلوات و السلام کی نصرت نہ کرنا چاہتی ہو اور یا بقدرِ عقل وشعور نصرت نہ کر رہی ہو لیکن جب ہم اس کائنات کا مشاہدہ کرتے ہیں تو اس کائنات میں موجود مخلوق کی دو قسمیں نظر آتی ہیں

(1) واقفانِ سرحق

(2) ناواقفانِ سرحق

جو واقفانِ سرحق ہوتے ہیں کہ وہ رازِ مشیت اور فیصلۂ ازل کے شناسا ہوتے ہیں انہیں مالک پاک علیہ الصلوات و السلام کا متعیّن کردہ انجام پہلے سے معلوم ہوتا ہے -
ان کی جو نصرت ہوتی ہے وہ مالک پاک علیہ الصلوات و السلام کی کلّی اطاعت ہوتی ہے اس میں انہیں اپنی طرف سے کوئی فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں ہوتا بلکہ مکمل اطاعت اور حکم کی تعمیل ہی حقیقی نصرت ہوتی ہے- یہ واقفان سرِحق پوری کائنات میں سے صرف پاک خاندان کے جملہ پاک افراد علیہم الصلوات و السلام ہی ہوتے ہیں ان کے علاوہ کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو واقفِ سرِحق ہو یعنی اللہ جل جلالہ کے ازلی فیصلوں کو کوئی دوسری مخلوق نہیں جانتی صرف وہی ذوات جانتی ہیں جو اللہ جل جلالہ کے نورِ ازل سے تعلّق رکھتی ہیں

دوسرا گروپ ہے ناقفانِ سرِّحق

اس کائنات کی جملہ انواع یا ساری مخلوق ناواقفِ سرِّحق ہی ہے اس میں جمادات ہیں، نباتات ہیں، حیوانات ہیں، انسان ہے، جنّات ہیں، ملکوت ہیں، کرّوبیاں و

مقربین ہیں یا انبیا و رسل علیہم السلام ہیں یہ سارے صاحبِ شعور تو ہوتے ہیں مگر ان میں سے کوئی بھی واقفِ رازِ الٰہی نہیں ہوتا، یعنی اللہ جل جلالہ کے ازلی فیصلوں سے ان میں سے کوئی بھی آشنا نہیں ہوتا۔

اس لئے ان کی شرافت و اشرفیت کے درجات اپنے فرائض کو پہچاننے اور ان کی بروقت ادائیگی پر منحصر ہوتے ہیں۔ یہی وہ مرحلہ ہے کہ جہاں انسانوں میں سے مومنین باللہ ملکوت کو بھی بہت پیچھے چھوڑ جاتے ہیں اور یہی مومنین باللہ اشرف المخلوقات قرار پاتے ہیں ورنہ بحثییت نوع کے انسان ملکوت سے بدرجہا پست و ادنیٰ نوع ہے یوں سمجھیں کہ مومنین ہی کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ اشرف المخلوقات ہیں نہ کہ پوری نوعِ انسان۔

جو لوگ پوری نوعِ انسان کی اشرفیت کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں جب ان سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ وہ کس حوالے سے پوری نوع انسان کو ملکوت سے بھی افضل کہتے ہیں یا اس نوع انسان کی وہ امتیازی خصوصیت کیا ہے کہ جس کی وجہ سے یہ تمام خلائق سے اشرف ہے؟

اس کا جواب بہت سے مفکرین نے دیا ہے مگر جو سب کا مشترکہ جواب ہے وہ یہ ہے کہ انسان میں گناہ کی صلاحیت موجود ہے اور اگر یہ گناہ سے بچ جائے تو یہ ساری مخلوق سے افضل اشرف ہو جاتا ہے تا اینکہ اس خصوصیت کی بنیاد پر یہ ملکوت سے بھی افضل ہو جاتا ہے۔

اس نظریے میں لاتعداد نقائص ہیں۔

پہلا نقص تو یہ ہے کہ اس کی اشرفیت کو مشروط رکھا گیا ہے یعنی شرط یہ ہے کہ اگر یہ گناہ

سے بچ جائے تب اشرف ہے۔
یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کوئی صفتِ مشروط ذاتی صفت قرار دی جاسکتی ہے؟
جو چیز مشروط ہوتی ہے وہ ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی ہوسکتی۔ اس لئے جو چیز نہیں بھی ہوسکتی وہ ذات کا حصہ کیسے بن سکتی رہے؟
پھر یہ شرط بھی ایسی ہے کہ جس کو پورا کرنا پوری نوع انسان کے بس کا روگ ہی نہیں ہے اگر اس پوری نوع انسان کے چھ ارب لوگوں میں سے اس شرط کو دس بیس آدمی پورا کر بھی لیں تو کیا ان دس بیس آدمیوں کی وجہ سے پوری نوع انسان بغلیں بجانا شروع کردے گی کہ ہم تو ملکوت سے افضل نوع کے فرد ہیں اور کیا یہ تعمیم علمی و عقلی و منطقی لحاظ سے درست بھی ہوسکتی ہے؟
اس میں سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ وجہ فضلیت استعدادِ گناہ کو قرار دیا گیا ہے یعنی شرافت وفضیلت صلاحیت گناہ ہی میں مضمر و منحصر ہے۔
اس دلیل کو صرف ایک ہی جواب باطل کر دیتا ہے کہ اگر صلاحیت گناہ کی موجودگی میں بچ جانا ہی بنیاد فضیلت وشرافت ہے تو سب سے اشرف واعلیٰ صرف اللہ جل جلاله ہے کیا اس میں بھی صلاحیت گناہ کا تصور کیا جاسکتا ہے؟
اگر صلاحیت گناہ ہے تو وہ اللہ کیسے رہے گا؟
اگر نہیں ہے تو وہ اشرف واعلیٰ نہ بن سکے گا اور اس طرح انسان خدا سے بھی اشرف ثابت ہوگا؟ (اس پر مکمل بحث امتیاز العالین میں دیکھیں)
یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انواع عالم کے افراد میں درجاتِ اشرفیت کا تعیّن کرنے کا پیمانہ کیا ہے؟

میں نے پہلے گذارش کی ہے کہ موجودگان عالم کے دو گروپ ہیں

() واقفِ سرِّ حق () ناواقفِ سرِّ حق

ان میں سے پاک خاندان علیہم الصلوات و السلام کے علاوہ جتنی مخلوق ہے وہ سارے ناواقفِ سرِّ حق ہیں

واقفِ سرِّ حق کیلئے باعث فضیلت کمالِ اطاعت ہے جتنی جتنی اطاعت کامل ہوگی درجاتِ فضیلت بڑھتے جائیں گے۔

ناواقفِ سرِّ حق کیلئے کمالِ اطاعت باعث فضیلت نہیں ہوتا

بلکہ عشق ومؤدّت کی روشنی میں ماورائے امر جو فرائض ہوتے ہیں ان کی تشخیص کرنا، ان پر استنباط کرنا اور عشق کی مشعل کی روشنی میں ان فرائض کو پہچان کر ان کی بروقت ادائیگی کرنا ہی درجات کی بلندی کا پیمانہ ہوتے ہیں اور ان کی ادائیگی ہی سے وہ اشرف و اعلیٰ بن جاتا ہے اور یہ صلاحیت صرف نوعِ انسان میں موجود ہے باقی انواعِ عالم اس قوت سے محروم ہیں مثلاً جمادات ہی کو دیکھیں تو ان کے بارے میں ارشاد ہے

☆يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَا فِىْ السَّمَاوَاتِ وَمَا فِىْ الْأَرْض

یعنی ہر غیر ذوالعقول بھی اتنا شعور رکھتا ہے کہ وہ اللہ کی تسبیح کرتا ہے کیونکہ ''ما'' لفظ ہمیشہ غیر ذوالعقول کیلئے آتا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سارے جمادات و نباتات معرفت خدا اور رسول و امام سے بہرہ ور ہوتے ہیں

اور ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ جب امر کے ماتحت انہیں انبیاء و رسل علیہم السلام کے خلاف استعمال کیا گیا انہوں نے امر کی تعمیل کو واجب سمجھتے ہوئے عمل کر دکھایا ہے

مثلاً حضرت نوح علیہ السلام پر پتھر برسے اور انہیں زخمی کیا ۔
اسی طرح باقی انبیاء علیہم السلام پر بھی پتھر برسے کیونکہ امر تھا انہوں نے خوب زخمی کیا
خود تاجدار انبیاء صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی ذات کو پتھر خوب پہچانتے تھے ان کے ہاتھ
پر سنگریزوں اور پتھروں نے کلمہ پڑھ کر سنایا، پتھروں نے سجدہ کیا، اشجار نے سجدہ
کیا، یہ تاریخی شواہد ہیں جنہیں کوئی رد نہیں کر سکتا
مگر جب امر ملا تو انہی پتھروں نے طائف میں اتنا زخمی کیا کہ جسمِ اطہر کے خون سے
آپ کی نعلین بھر گئی پھر اُحد میں ایک پتھر نے جبینِ مبارک کو زخمی کیا ایک نے دندانِ
مبارک زخمی کر دیئے
ممکن ہے کہ کوئی کہہ دے کہ انہیں اس کا شعور نہ تھا اور اس بے شعوری کی وجہ سے
انہوں نے یہ گستاخی کی ہے ۔
دوستو! ایسا ہرگز نہیں ہے یہ کام ان سے اس لئے نہیں ہوا کہ انہیں شعور نہیں تھا بلکہ ان
میں شعور ثابت ہے مگر امر تھا کہ کفّار تمہیں جس غرض کیلئے استعمال کریں وہ کرو ۔
کربلا میں امام مظلوم علیہم الصلوات و السلام پر پتھروں کی بارش ہوئی انہوں نے زخمی بھی کیا ۔
جو شہادتیں زہروں سے واقع ہوئی ہیں وہ آپ کو معلوم ہیں مگر یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ
ان چیزوں کو شعور نہ تھا بلکہ زہروں میں بھی شعور ثابت ہے جیسا کہ ایک کھانے میں
حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو زہر دیا گیا تو کھانا بول پڑا کہ میں زہر آلودہ ہوں ۔
ان باتوں سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ جمادات میں شعور و معرفت موجود ہے
مگر امر کی تعمیل میں ہر کام کرتے رہے ۔
خود امام مظلوم علیہ الصلوات و السلام پر تیروں اور تلواروں کی بارش ہوئی خنجر سے شہید کیا

گیا باقی آئمہ اطہار علیھم السلام کو بھی زہر سے شہید کیا گیا یہ سب کام جمادات نے کیا اور وہ ان کے امر کے تحت کیا حالانکہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ جب پہلی مرتبہ امام مظلوم علیہ الصلوات و السلام پر کربلا میں تیروں کی بارش ہوئی تو ہر تیر آ کر فضا میں معلق ہو جاتا تھا اور اتنے تیر فضا میں معلّق تھے کہ معلوم ہوتا تھا جیسے چاند کے گرد ہالہ ہو، کوئی تیر قریب نہیں آیا ایک خاص فاصلہ پر ہر تیر رک گیا اور ہر تیر کی زبان سے یہ گفتگو ہوئی کہ آقا ہمارے لئے کیا حکم ہے کیا ہم واپس اپنے چلانے والے کے جگر میں اتر سکتے ہیں؟ کیا ہمیں آپ کی نصرت میں کام کرنے کی اجازت ہے؟ تو امام علیہ الصلوات و السلام نے فرمایا کہ تم زمین پر گر جاؤ۔

یہ اس وقت کا واقعہ ہے کہ جب اتمام حجّت کیلئے امام مظلوم علیہ الصلوات و السلام نے خطبہ نہیں دیا تھا مگر جب اتمام حجّت ہو گیا تو پھر تیروں کو امر دیا کہ کفّار و ظالمین کی عین خواہش کے مطابق عمل کر کے دکھاؤ کہ تم کتنے پابندِ امر ہو۔

اس حکم کے بعد کوئی تیر کوئی تلوار خالی نہیں گئی تا اینکہ زخموں پر زخم لگتے چلے گئے تیروں نے ایسا زخمی کیا کہ جنوب کی ہوا شمال کی طرف نکل جاتی تھی

تو اس بات سے ثابت ہوا کہ جمادات شعور و معرفت کے حامل تھے مگر امر امام علیہ الصلوات و السلام کے ماتحت چلنا انہوں نے اپنا فرض سمجھا اور ماورائے امر جو فرائض تھے انہیں نہیں سمجھے۔

اب نباتات ہیں تو ان میں بھی شعور و معرفت موجود ہے بحیرہ راہب کا مشہور واقعہ ہے کہ اس نے تاجدار انبیاء صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو بچپن میں دیکھ کر بتایا تھا کہ یہ اللہ کے نبی ہیں تو اس سے پوچھا گیا کہ تم نے کیسے پہچانا ہے؟ اس نے کہا میں نے دیکھا

ہے کہ جہاں سے یہ گزرتے ہیں اشجار ان کا سجدہ کرتے ہیں ڈالیاں ان کے سامنے جھک جاتی ہیں -

امام جعفر صادق علیہ الصلوات و السلام کے حکم پر درخت کا چلنا، یونانی طبیب کی فرمائش پر درخت کا پھول پھل دینا، یہ سب چیزیں بتا رہی ہیں کہ ان میں مکمل شعور و معرفت ہے اگر انہیں حکم مل جائے تو امر کی تعمیل میں انی انا ربك بھی کہہ دیتے ہیں- ان چیزوں سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ بھی پابندِ امر ہیں اور ہر اس امر کو اپنا فریضہ سمجھتے ہیں جو بارگاہِ قدس سے صادر ہوتا ہے-

اسی طرح حیوانات کو دیکھیں اصحاب کہف کا کتا ہے جو حاملِ شعور و معرفت دکھایا گیا ہے، مدائن کے کتّے جناب سلمان فارسی سلام اللہ علیہ کے حکم پر پہرہ دے رہے ہیں، حواب کے کتّے کسی ناقہ سوار پر بھونک رہے ہیں، مدینے کے کتے کسی کی لاش کو کھا رہے ہیں، تو یہ سب چیزیں امر کے ماتحت ہیں اور یہ ان کی شعوری تعمیل امر تھی نہ کہ لاشعوری میں یہ اعمال صادر ہوئے-

حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اپنے دراز گوش یافور کو حکم دیتے ہیں کہ فلاں صحابی کو بلا لاؤ یہ نہیں بتاتے کہ وہ کہاں ہے مگر وہ نہ راستہ بھولتا ہے نہ کسی سے پوچھتا ہے اسی صحابی کو جا کر بلا لاتا ہے- بالم باعور کا گدھا ہے تو اسے یہ کسی نے نہیں بتایا کہ یہ جناب یوشع بن نون کے خلاف دعا کرنے جا رہا ہے حالانکہ بالم باعور دین موسیٰ علیہ السلام پر قائم تھا اور بہت بڑا عالم بھی تھا اسمِ اعظم اسے عطا ہوا تھا، جب یہ مراقبہ کرتا تھا تو اس کی نگاہ عرش تک جاتی تھی مگر بادشاہ کے کہنے پر جناب موسیٰ علیہ السلام کے وصی جناب یوشع بن نون علیہما السلام کے خلاف نکل کھڑا ہوا اور ان کے لشکر کو بددعا

دینے پر تیار ہو گیا مگر گدھے نے جانے سے انکار کر دیا جب مارا پیٹا گیا تو بتا دیا کہ جان دے سکتا ہوں مگر نبی کے خلاف جو دعا کرنے کو جا رہا ہے اسے نہیں لے جا سکتا اسے اتنا مارا گیا کہ وہ مر گیا مگر ایک قدم نہ اٹھایا کہ اسے امر نہیں تھا۔

متوکل عباسی ملعون کسانوں سے کہتا ہے کہ مزار مقدّسہ کو گرا کر ہل چلا دو اور ان پر زراعت کرو بیل مر جاتے ہیں مگر مزارات کے قریب نہیں جاتے کیونکہ امر نہیں تھا مگر کربلا کی اسی زمین پر امام مظلوم علیہ الصلوات و السلام کے خلاف انہیں استعمال کیا جاتا ہے تو استعمال ہو جاتے ہیں اور انہیں دشمن جس طرح چاہتے ہیں استعمال کرتے ہیں پھر کسی گھوڑے نے انکار نہیں کیا کیونکہ انہیں یہی شعور حاصل تھا کہ امر کو ادب پر فوقیت حاصل ہے یعنی حیوانات میں شعور و معرفت تھی مگر امر کی تعمیل میں کل بھی مصروف تھے اور آج بھی ہیں۔

ملکوت و جنّات جب نصرت کا عین وقت تھا امام مظلوم علیہ الصلوات و السلام کے امر سے یک سرِ مو تجاوز نہ کر سکے کیونکہ جملہ انواع عالم اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ امر امام علیہ السلام سے تجاوز کرنا ہلاکت ہے۔

اب آپ نے دیکھ لیا کہ جمادات سے ملکوت تک سارے انواع عالم امر امام علیہ الصلوات و السلام کی زنجیر میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اُدھر جملہ انواع عالم ہیں اِدھر ایک خاتون ہے۔ جوان بیٹے کی قربانی دے چکی ہے مگر نصرت کی حسرت ابھی باقی ہے۔ امام مظلوم علیہ الصلوات و السلام امر فرماتے ہیں جہاد نہ کرو، شریعت دامن گیر ہے کہ عورت پر جہاد حرام ہے، اللہ حکم دے رہا ہے کہ عورت پر جہاد ساقط ہے، حجتّ خدا منع فرما رہے ہیں کہ جہاد نہ کرو، مگر وہب کلبی کی والدہ ماجدہ بی بی قمر سلام اللہ علیہا عرض کرتی

ہیں کہ مالک آپ جانیں اور آپ کا دین جانے ، ہمارا دینِ عشق تو یہی کہتا ہے کہ آقا کی نعلین پر جان قربان کردو، سو قربان ہو گئی۔

اس خاتون نے عشق و مؤدّت کی روشنی میں امر سے ماورا جو فرائض تھے انہیں پہچانا اور ان کو بروقت ادا بھی کیا اور اپنے عمل سے ملکوت کو بہت پیچھے چھوڑ دیا

جنگ اُحد ہے، ایک خاتون ہے جس کا اسم گرامی نصیبہ بنت کعب سلام اللہ علیہا ہے، بڑے بڑے اصحاب بھاگ رہے ہیں حتیٰ کہ اس کا بیٹا بھی بھاگتا ہے یہ تلوار لے کر بیٹے کے سامنے آجاتی ہے کہ تم بھی اپنے آقا کو چھوڑ کر بھاگ رہے ہو اگر اس حالت میں بھاگو گے تو تمہیں میری لاش پر سے گزرنا پڑے گا تمہیں شرم نہیں آتی ؟ ماں کے احساس دلانے پر بیٹا پھر واپس لوٹا اور ایسی جنگ کی کہ دشمن بھی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا تا اینکہ اس نے اپنی جان آقا کی نعلین پر قربان کردی پھر یہی والدہ خود تلوار لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے گرد پھرنے لگی ،چھتیس زخم حبیب خدا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی نصرت میں سینہ پر کھائے۔

چشم تاریخ نے دیکھا کہ شمع نبوّت روشن ہے سارے چھوڑ کر بھاگ گئے ایک امیر کائنات علیہ الصلوات و السلام ایک ابودجانہ بن خراش تمیمی سلام اللہ علیہ اور ایک یہی خاتون نصیبہ بنت کعب سلام اللہ علیہا پروانہ وار شمع رسالت کے گرد گھوم رہے ہیں۔ شریعت روک رہی ہے، امر خدا خلاف ہے، حکم رسول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم دامن گیر ہے مگر اپنے فرائض کی تشخیص میں کتنا خوب صورت استنباط کر کے عمل کر رہی ہے کہ فرشتے محوِ حیرت ہیں اور اس کے قدموں میں جبینیں جھکا رہے ہیں۔

اس واقعہ سے میں ایک نکتہ عرض کرتا چلوں کہ جب اس کا بیٹا بھاگنے لگا تو اس نے اتنا

شدید ایکشن Action کیوں لیا؟ اس کی کیا وجہ تھی؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ کائنات کی ہر شریف زادی کو اپنی عصمت بہت عزیز ہوتی ہے۔ یہاں یہ سوال نہیں تھا کہ بیٹا جہنّم میں جائے گا بلکہ یہاں اس خاتون کو خطرہ لاحق ہوا تھا کہ اس کی اپنی عصمت پر حرف آئے گا اور آنے والی نسلیں کہیں گی کہ اگر حلال زادہ ہوتا تو نہ بھاگتا۔ بھاگنے والے تو بھاگ بھاگ کر اپنا نسب بیان کر رہے تھے مگر یہ ثابت کرنا چاہتی تھی کہ جس طرح عصمتِ مریم سلام اللہ علیہا پر شک کرنا کفر ہے اسی طرح میری عصمت کا گواہ بھی یہی بیٹا ہے اور میں بھی جناب مریم سلام اللہ علیہا سے کم نہیں ہوں اس کا زندہ بیٹا اس کی عصمت کا گواہ تھا اور میرا یہ خون میں ڈوبا ہوا بیٹا بھی زندہ ہے اور میری عصمت کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔

جناب مریم سلام اللہ علیہا کے بیٹے سے پوچھنے کی نوبت تو آئی تھی مگر یہاں پوچھنے کی اگر گنجائش باقی ہو تو میں دراطہر کی کنیز بھی نہیں

جی چاہتا ہے ایک دو واقعات اور بھی سپرد قلم کرتا چلوں:

ایک صحرا ہے امیر کائنات علیہ الصلوات و السلام اور جناب میثم تمارؒ سلام اللہ علیہ جا رہے ہیں، امیر کائنات علیہ الصلوات و السلام نے اپنے عصا سے ایک لکیر کھینچی اور فرمایا کہ ہمارا حکم ہے تم کو یہیں ٹھہرنا ہے خود آگے چلے گئے اور ایک ٹیلے کے پیچھے جا کر مصروف مناجات ہو گئے۔ کچھ دیر بعد دیکھا تو جناب میثم قریب کھڑے ہیں۔ فرمایا کیا تمہیں امر امام علیہ الصلوات و السلام کی اہمیت معلوم ہے؟ عرض کیا معلوم ہے۔ فرمایا پھر یہاں کیوں آیا ہے؟ عرض کیا آقا آپ تنہا تھے زمانہ دشمن ہے عشق نے ٹھہرنے نہ دیا تو چلا آیا۔

اب دیکھیں یہاں امر امام علیہ الصلوات و السلام کی خلاف ورزی بھی ہے اور اس میں استحسان بھی ہے۔

ایک اور مقام بھی دیکھ لیں کہ بظاہر امر کی تعمیل ہے مگر یہی تعمیلِ امر جہنّم کا حق دار بنا رہی ہے۔

شب عاشور میں حجتّ خدا امام وقت شہنشاہ معظم سلطان کربلا علیہ الصلوات و السلام حکم فرما رہے ہیں سب لوگ مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ

امر مل گیا تو لوگ جا رہے ہیں کیونکہ ان میں سے کچھ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ امر کی تعمیل کرنا عین دین ہے مگر ان تابعین امر کو دنیا کی پوری طاقتیں مل کر بھی جہنّم سے نہیں بچا سکتیں۔ دوسری طرف امر نہ ماننے والے ہیں امام علیہ الصلوات و السلام فرماتے ہیں بلکہ حکم دیتے ہیں کہ امر امام ہے جاؤ، وہ عرض کرتے ہیں اگر ہم ہزار بار قتل کئے جائیں ہزار بار ہمیں آگ میں جلا کر ہماری راکھ اڑا دی جائے مگر اس امر کی تعمیل نہ ہوگی کیونکہ عشق کا امر ہے نعلین پاک پر اپنی جانیں قربان کر دو۔

جناب جون علیہ السلام جناب ابوذر علیہ السلام کے غلام کے بارے میں مؤرخین نے لکھا ہے کہ اسے امام مظلوم علیہ الصلوات و السلام نے فرمایا تھا اے جون تم ہمیں بہت عزیز ہو مگر تمہارا نام شہدائے کربلا کی فہرست میں کاتب تقدیر نے نہیں لکھا لہٰذا چلے جاؤ، ہمارا امر ہے جاؤ۔

اس نے رو کر عرض کیا کہ پروردگار عالم کی قسم جب تک اپنا سیاہ اور بدبودار خون آپ کے طاہر اور خوشبودار خون میں شامل نہ کرلوں گا نہیں جاؤں گا۔

آئمہ ہُدیٰ علیہم الصلوات و السلام فرماتے ہیں کہ جب جناب جون سلام اللہ علیہ نے

جذبۂ عشق میں ڈوب کر یہ فقرہ کہا تو اسی وقت لوح محفوظ پر شہدائے کربلا کی فہرست میں جناب جون سلام اللہ علیہ کا نام سنہری حروف میں لکھ دیا گیا یعنی عشق نے تقدیر بدل دی اور اعزاز یہ ملا کہ خود شہنشاہ کربلا علیہ الصلوات و السلام اس کی لاش پر رو کر فرماتے ہیں بابی انت و امی اے جون! میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں ، دوسری طرف امر پر چلنے والوں کا خیمۂ اطہر سے باہر نکلنے والا پہلا ہی قدم جہنّم میں پڑا

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کچھ فرائض ایسے ہیں جن میں امر کی تعمیل نہ کرنا ہلاکت ہے اور کچھ فرائض وہ ہیں جن میں امر کی تعمیل کرنا ہلاکت ہے۔ اب ان میں سے تشخیص کرنا کہ کون سے فرائض امر کے ماتحت ہیں اور کون سے مافوق الامر ہیں ان کی پہچان کا معیار یا پیمانہ کیا ہے؟

اس کیلئے عرض کروں گا کہ ان فرائض کی واضح تشخیص یہ ہے کہ امر کو دیکھیں کہ کیا امر امام علیہ الصلوات و السلام ان کی اپنی پاک ذات سے متصادم تو نہیں ہے؟

اگر امر امام علیہ الصلوات و السلام ہماری ذات اور متعلّقات سے متصادم ہے تو اس سے انحراف ہلاکت ہے اور اگر امر امام علیہ الصلوات و السلام خود ان کی ذات سے متصادم ہے تو اس کی تعمیل ہلاکت ہے جہاں امر امام ساقط ہو جاتا ہے وہاں امر عشق لاگو ہو جاتا ہے والدۂ وہب کلبی سلام اللہ علیہا کو معلوم تھا کہ امر خدا اور رسول اور امر امام علیہ الصلوات و السلام پر عمل کرنے سے اس کی جان بچ سکتی ہے خود اس کیلئے اس میں ایک سہولت تھی ، رخصت تھی اور انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ امر کی تعمیل نہ کرنے میں ہی اپنے زمانے کے شہنشاہ علیہ الصلوات و السلام کی حفاظت ہو سکتی ہے تو انہوں نے حکم کو بالائے طاق رکھتے ہوئے مشکل راستہ اختیار کیا اور حق کو پا لیا

جہاں حکم امام علیہ الصلوات و السلام ہمارے مزاج نفس امّارہ کے خلاف ہے وہاں اس کی تعمیل واجب ہے مثلاً روزے کا حکم ہے، نماز کا حکم ہے، جملہ اعمال صالحہ کا حکم ہے، مالی واجبات کا حکم ہے یہ سب ہماری ذات سے متصادم ہیں اس لئے ان پر تعمیل واجب ہے اور نافرمانی یا حکم کی خلاف ورزی ہلاکت ہے، اسی سے آگے خود استنباط کیا جا سکتا ہے یعنی جن لوگوں نے ماورائے احکام فرائض کو پہچانا ہے انہوں نے ایک طرح سے دنیا اور عقبیٰ دونوں کو امامِ وقت کی محبت اور عشق میں داؤ پر لگا دیا کیونکہ وہ بھی یہ سمجھتے تھے کہ امام وقت کے حکم کی خلاف ورزی باعث ہلاکت ہے مگر انہوں نے جنت کو خیر باد کہہ دیا اور جہنّم کو بھی گلے سے لگا لیا اور اپنے امام وقت کی خیر اور جانثاری پر عمل کیا کیونکہ ایک طرف ان کی اپنی خیر تھی دوسری طرف ان کے خیال کے مطابق ان کے امام کی خیر تھی سو اس پر انہوں نے اپنی دنیا و عقبیٰ کی خیر کو پس پشت ڈال دیا اور مالک کی خیر کو سامنے رکھا تو انہیں ایک کمال ترک کی وجہ سے ملکوت عرش سے بھی اونچا مقام عطا ہوا۔

وجوہاتِ نصرت

اب اس مقام پر ایک اور طرف بھی توجہ مبذول کروانا چاہتا ہوں جس پر شاید مجھ سے پہلے کسی نے توجہ نہ کی ہو۔

بات یہ ہے کہ کبھی آپ نے سوچا ہے کہ آخری زمانے میں اوّلین و آخرین کو شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی نصرت میں کھڑا کرنے کی کیا ضرورت ہے کیا کوئی ایسا دشمن بھی سامنے ہوگا کہ جس کیلئے اوّلین و آخرین کی نصرت کی ضرورت محسوس ہو اور جس کے فنا کرنے پر شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف اکیلے قادر نہ ہوں؟

کیا چند لاکھ ملاعین یا چند کروڑ یا چند ارب یا چند کھرب دشمنوں کیلئے انہیں لشکر ملکوت کو بلانے کی ضرورت ہے؟ کیونکہ وہ جناب اپنے مقدمۃ الجیش پر موجود ایک فرشتے کو حکم دے دیں تو وہی ایک سارے لوگوں کیلئے کافی ہو جائے جبکہ اس مقدمۃ الجیش میں جناب عزرائیل کی موجودگی کا پتہ بھی ملتا ہے اور انہیں تو ان ملاعین کے فنا کرنے کا پہلے سے بھی کافی Experience ہے انہیں تو Train کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے وہ تو پہلے سے تربیت یافتہ ہیں۔

اسی طرح کسی کو بھی مسلط فرما دیں تو انہیں ایک طرفتہ العین میں فنا کے گھاٹ اتار دے چاہے وہ ایک چیونٹی ہی کیوں نہ ہو وہ بھی کھربوں انسانوں کے خاتمے پر قادر ہو جائے اب ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا کو بلانا اور ان کے ساتھ اپنے اجداد طاہرین کو بھی نصرت میں یاد فرمانا تو ایسے ہے جیسے کوئی گھر کی ایک موم بتی کو بجھانے کیلئے پوری دنیا کے فائر برگیڈ Fire Brigade کی فوج کو بلا لے

بات صرف اتنی سی ہے کہ نصرت کیلئے اس بلانے کی وجہ دشمن کی طاقت نہیں بلکہ اس کی کئی وجوہات ہیں پہلی وجہ یہ ہے کہ جنہیں بلایا جائے گا انہیں اعزاز عطا فرمانا مقصد ہو گا یعنی انہیں یہ فخر حاصل ہو جائے گا کہ ہم نے آخری شہنشاہ کی نصرت کی ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ آج تک دشمن نے جو کچھ کیا ہے جو جو مظالم ڈھائے ہیں ان کے مظالم کا درد اور صدمہ سب کو پہنچا ہے اور ہر فرد چاہتا تھا کہ میں بھی دشمن سے انتقام لوں اور ان کی خواہش انتقام کو دیکھتے ہوئے انہیں دشمن سے بدلہ لینے کا موقعہ دیا جانا ضروری ہے کیونکہ جس کے دل میں درد ہوتا ہے اس کے درد کا حقیقی علاج یہ ہے کہ وہ بدست خود انتقام لے سو اس علاج کیلئے انہیں بلانا لازم ہو گا۔

تیسری وجہ یہ بھی ہے کہ اوّلین وآخرین کا آخرشہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف کی نصرت میں کھڑا ہو جانا شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف کیلئے بھی باعث احتشام ہوگا اگر چہ انہیں نصرت کی ضرورت نہ بھی ہو تب بھی انبیا و مرسلین علیھم السلام کا بے نیام تلواریں لے کر ان کے ساتھ چلنا یا ان کے گرد و پیش رہنا ان کی شاہی اور عظمت و جلالت کے قیام کیلئے اور ان کے رعب اور وقار میں اضافے کا باعث بن جائے گا جیسا کہ جب کوئی سربراہ مملکت اپنی ہی فوج سے گارڈ آف آن لیتا ہے تو اس وقت اس کے ساتھ کئی فوجی تلواریں بے نیام کر کے آگے پیچھے چلتے ہیں یہ اس کی حفاظت کیلئے نہیں ہوتا بلکہ اس کے جاہ جلال میں اضافہ کیلئے ہوتا ہے۔

علامہ اقبال کے مزار پر اور قائداعظم کے مزار پر ایک فوجی دستہ ہمہ وقت اسلحہ سے لیس ہو کر کھڑا رہتا ہے یہ اس کی حفاظت کیلئے نہیں ہوتا بلکہ اس مقام کی عظمت کے اظہار کیلئے ایسا کیا جاتا ہے اسی طرح اوّلین وآخرین جب آپ کے سامنے اپنی تلواریں بے نیام کر کے گارڈز Guards کی طرح نعرے لگائیں گے تو آپ کی بھرپور عزت افزائی ہوگی ورنہ دشمن کی کیا اوقات ہے۔

اب دعا کا وقت ہوگیا ہے کہ ہم مل کر دعا کریں کہ اللہ جلالہ ہمیں وہ وقت جلدی دکھائے کہ جب اس کے آخری نائب عجل اللہ فرجہ الشریف کی حکومت کا اعلان ہو اور ہمیں خالق ان کے انصار میں شامل فرمائے اور ان کی زیارت سے ہماری ترستی ہوئی آنکھوں کو پرنور فرمائے

آمین یارب العالمین

اللھم صل علیٰ محمدؐ وآل محمدؐ و عجل فرجھم بقائمھمؑ صلوات اللہ علیہ والسلام

یا ھو یا من ھو لا ھو الا ھو الحی القیوم یا ھو یا من لایعلم ماھو الا ھو الحی القیوم العلی العظیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک

سلطانِ منصور

عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه

الحمد لله رب العالمین و صل علیٰ محمدؐ و آلہٖ اجمعین خصوصاً علی حجة الله فی العالمین عجل الله فرجه الشريف و آبائه المعصومین و امهاته الطاهرين الطيبين صلوات الله علیهم اجمعین و لعنة الله علیٰ اعدائهم اجمعین من یوم الازل الی یوم الدین

من قتل مظلوماً فقد جعلنا لولیه سلطاناً فلا یسرف فی القتل انه کان منصورا ( )

اے بادہ پیمانِ عرفانیات!

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ ہم اپنے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف کے اسمائے مبارکہ پر گفتگو کرر ہے ہیں اور آج ایک پڑاؤ کی طرف اپنا سفر شروع کرتے ہیں اور یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ ہم شہنشاہ معظم کے اسم مبارک **منصور** عجل الله فرجه الشريف پر بات کرر ہے تھے -

میں عرض کرر ہا تھا کہ ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف کی ذات پاک وہ ذات ہے کہ اوّلین و آخرین کے جملہ مومنین کو ان کی نصرت کرنے والا بنایا گیا ہے اور کوئی

نبی یا وصی یا ولی یا فرشتہ ایسا نہیں ہے کہ جس نے آپ کی نصرت نہ کی ہو یا آئندہ نصرت نہ کرے گا- ماضی میں انبیا ورسل علیھم السلام نے ان کی زبانی نصرت کی ہے یا علمی نصرت کی ہے -

اب کوئی شخص یہ سوچ سکتا ہے کہ جب انبیا ورسل علیھم السلام کا زمانہ تھا تو اس وقت شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف تو وہاں ظاہراً موجود ہی نہیں تھے تو انبیا ورسل علیھم السلام نے ان کی نصرت کیسے کی؟

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح ناصر ونصیر کیلئے لازم نہیں کہ ظاہراً نصرت کرے اسی طرح منصور کیلئے بوقت نصرت وہاں ظاہر وموجود ہونا بھی ضروری نہیں ہوتا ہے

اللہ اور امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام ناصر ونصیر ہیں مگر نہ ہی اللہ نے کبھی کسی کی ظاہر ہو کر نصرت فرمائی ہے اور نہ امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام نے انبیائے ماسلف علیھم السلام کی ظاہر ہو کر کبھی نصرت فرمائی ہے اسی طرح منصور کا ظاہراً حاضر ومشہور و موجود ہونا ضروری نہیں ہوتا-

مقصدِ اعلیٰ

دوستو! میں نے ابتدا میں کہا تھا کہ ہر انسان اپنی ذات یا حیات کا ایک مقصد متعیّن کرتا ہے پھر اس کے حصول کیلئے خوب جدو جہد کرتا ہے جب یہ محسوس کرتا ہے کہ اس کے اس مقصد میں دوسروں کا شامل ہونا لازم ہے چاہے وہ اس کی ضرورت یا مجبوری کی وجہ سے ہو یا دوسروں کے بھلے کی وجہ سے ہو پھر وہ اپنے ناصرین بناتا ہے اور انہیں آگاہ کرتا ہے کہ نصرت کیا ہے؟ اور انہیں ایک ٹریک Track دیتا ہے ایک فریم ورک Framework دیتا ہے کہ اس کام کو کس طرح کرنا ہے پھر اس کے

معاونین کا عمل اس کے عمل میں شامل ہو جاتا ہے

اب یہاں بھی ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اصل مقصد کیا ہے؟

ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا و رسل کی اتنی بڑی قربانیوں کا مقصد کیا ہے؟

پاک خاندان علیهم الصلوات و السلام کی محنتوں اور قربانیوں کا مقصد کیا ہے؟

اتنے لوگوں نے نصرت میں جانیں قربان کی ہیں تو اس کا مقصد کیا ہے؟

یہ بھی ہم جانتے ہیں کہ ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے تم اپنے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشریف کی نصرت کرو جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ جس کی نصرت کی جاتی ہے اس کا ایک مقصد ہوتا ہے وہ منصور مقصود بالذّات نہیں ہوتا اس لئے ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشریف کی ذات اس کائنات کیلئے تو گوہر مقصود ہیں ہی مگر نصرت کے حوالے سے وہ مقصود بالذّات نہیں ہیں بلکہ ان کا بھی ایک مقصد ہے اور اس کے حصول میں انہوں نے بوجہِ کرم ہمیں بھی شامل ہونے کی دعوت دی ہے ہمارے لئے یہ معلوم کرنا بھی ضروری ہے کہ ان کا مقصد پاک کیا ہے؟

میں نے آقائی و مرشدی دام ظلہ تعالیٰ کے حوالے سے ایک مرتبہ ایک مثال دی تھی کہ ایک ٹیم کو کسی پہاڑ کی بلندی پر موجود خزانے کے حصول کیلئے بھیجا گیا اس ٹیم کا ایک سربراہ بنایا گیا اور اس کے سپرد ہوا کہ وہ اس ٹیم کی قیادت کرے اور اس ٹیم کی نگرانی ایک کمانڈر کے سپرد ہوئی کہ جو ہیلی کو پٹر پر اس قافلے کی نگرانی میں مصروف رہے اور جو زمین پر چلنے والی ٹیم کا قائد ہو اس کے ہاتھ میں ایک موبائل ٹیلی فون دیا گیا تاکہ اس کا اس ٹیم کے کمانڈر سے مسلسل رابطہ ہو جو اوپر سے سارے احکامات جاری کر رہا ہے۔

اسی طرح وہ بلند و بالا پہاڑ یا منزلِ مقصود خود شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف ہیں جو ٹیم ہے وہ منتظرین کی جماعت ہے اس کی قیادت مرشد پاک کے سپرد ہوتی ہے کہ جنہوں نے اس منزل مقصود تک جماعت کو لانا ہوتا ہے

اور اس ٹیم کے جو کمانڈر ہیں وہ جناب ابوالفضل العباس علیہ الصلوات و السلام ہیں مرشد پاک سے رابطہ فرما کر اس جماعت کیلئے احکام جاری فرماتے ہیں اور ان کا غائبانہ طور پر مرشد پاک سے رابطہ ہوتا ہے۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف تو ایک منزل مراد ہیں اور ان کے ذریعے ہمیں جو خزانہ ملنا ہے وہ کیا ہے؟ کیونکہ یہی وہ خزانہ ہے کہ جو اصل مقصد و مراد ہے۔

وہ خزانہ ہے توحید و آلِ توحید علیہم الصلوات و السلام کو ظاہراً ان کا حقیقی مقام دلانا کیونکہ یہ مقام شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے علاوہ کوئی نہیں دلا سکتا اس لئے اوّلین و آخرین کو ان کا ناصر بنا دیا گیا ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء و رسل علیہم السلام کو ان کے انصار میں شمار فرما دیا گیا وہ اپنی پوری زندگی اسی جدوجہد میں مصروف رہے کہ اس دنیا پر توحید و آلِ توحید علیہم الصلوات و السلام کو ان کا حقیقی مقام مل جائے۔

اس سے قبل میں بتا چکا ہوں کہ ناصر اور منصور میں وحدت زمانی شرط نہیں کہ وہ ایک ہی زمانے میں موجود ہوں یہ ضروری نہیں ہے اس لئے جو ماضی کے انبیا و رسل علیہم السلام نے جدوجہد کی ہے وہ بھی ان کی نصرت قرار پائی اور وہ بھی شہنشاہِ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی نصرت ہی شمار ہوئی کیونکہ منصور حقیقی یہی جناب علیہ الصلوات و السلام ہیں اور پھر ان کے ظہور کے بعد انہیں ظاہری نصرت کی دعوت دی جائے گی اور وہ ظاہراً

آ کر بھی نصرت کریں گے۔

کربلا میں جو کچھ ہوا یہ بھی ایک نصرت کا عمل تھا یہ جو کہا جاتا ہے کہ شہنشاہ کربلا علیہ الصلوات و السلام کسی کا فدیہ بنے ہیں یہ تصور درست نہیں ہے کیونکہ جناب اسماعیل علیہ السلام کا انہیں فدیہ قرار دینا ان کے خلاف شان ہے کیونکہ مالک کبھی اپنے مملوک کا صدقہ نہیں بن سکتا بلکہ کوئی جزو کل کا صدقہ و فدیہ تو ہوسکتی ہے مگر کوئی کل کسی جزو کا فدیہ یا صدقہ نہیں بن سکتا اس لئے امام مظلوم علیہ الصلوات و السلام اپنی کسی جزو کا فدیہ و قربانی نہیں بنے بلکہ وہ کل سے تعلّق رکھتے ہیں اور آلِ توحید علیہم الصلوات و السلام سے تعلّق رکھتے ہیں اور انہوں نے اگر قربانی دی ہے تو اپنی کل پر دی ہے کہ جس کا وہ جزو تھے اور وہ کل توحید ذات ہوسکتی ہے یا ملکہ عصمت وحدانیۃ الکبریٰ صلوات اللہ علیہا ہوسکتی ہیں کیونکہ ان کے نور کا اصل وکل وہی ذوات ہیں

اللہ جل جلالہ کو ظاہراً اس کا حقیقی مقام تب مل سکتا ہے کہ ملکۂ وحدت صلوات اللہ علیہا کو ان کا حقیقی مقام مل جائے جب تک انہیں ان کا حقیقی مقام ظاہراً نہیں دیا جاتا اللہ کی وحدت کو حقیقی مقام نہیں مل سکتا ہاں اگر پردۂ پاک کو ان کا حقیقی مقام مل جاتا ہے تو سارے مسائل خود بخود حل جاتے ہیں

ان کو حقیقی مقام ملنے سے انتقام بھی ہو جاتا ہے

ان کو حقیقی مقام ملنے سے سارے دکھوں کا ازالہ بھی ہو جاتا ہے

ان کو حقیقی مقام ملنے سے حکومتِ الٰہیہ کا قیام بھی ہو جاتا ہے اور یہی حقیقت ہے کہ یہ ساری نصرتیں دراصل ملکۂ عالمین مبدہ معصومین صلوات اللہ علیہا کی نصرت تھیں

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ دراصل ملکۂ عالمین مبدہ معصومین صلوات اللہ علیہا

کی نصرت کس طرح ہے؟

دوستو! جس حدیث قدسی میں تخلیق وتکوین کی غرض و غایت بیان ہوئی ہے اس میں ہے کہ کنت کنزاً مخفیاً یعنی میں اللہ ایک پوشیدہ خزانہ تھا پھر میں نے پسند فرمایا کہ میں پہچانا جاؤں اور اس لئے میں نے تخلیق وتکوین کا سلسلہ جاری فرمایا تاکہ میں پہچانا جاؤں یعنی وجہ تخلیق وتکوین عرفان الٰہی ہے

اس سے کچھ لوگوں نے یہ مطلب لیا ہے کہ اس تخلیق سے کائنات اور جن وانس کی تخلیق مراد ہے جبکہ ایسا نہیں ہے

کیونکہ اس کائنات اور اس میں جو موجودات ہیں جو انواع واجناس مخلوق ہیں ان میں سے کوئی ایک نوع بھی ایسی نہیں ہے کہ جو اللہ جل جلالہ کا کماحقّہ عرفان حاصل کر سکے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر جن وانس میں سے کسی کو خالق کا عرفان حاصل ہو جائے تو وہ اللہ اللہ ہی نہ رہے گا کیونکہ عرفان کا تعلّق مشاہدے سے ہوتا ہے اور مشاہدہ الٰہی ہو جائے اور وہ اللہ انسان کو کسی طرح بھی نظر آ جائے تو وہ وہ نہ رہے گا دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ انسان ہو یا کوئی اس سے اعلیٰ مخلوق ہو کسی میں بھی یہ صلاحیت و قابلیت واستعداد موجود ہی نہیں ہے کہ وہ اللہ جل جلالہ کا کماحقّہ عرفان حاصل کر سکے یہ تو انسان کیلئے امر محال ہے سچ تو یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ کا عرفانِ ذات خود اس کی اپنی ذات کے سوا کسی کو ہو ہی نہیں سکتا۔

اللہ جل جلالہ نے اپنے عرفانِ ذات کیلئے خود اپنے ہی نورِ ذات کو مخصوص فرمایا ہے

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ جل جلالہ کا عرفان اس کی اپنی ذات کے علاوہ کوئی حاصل ہی نہیں کر سکتا اور وہ عرفان اسے پہلے ہی سے حاصل بھی تھا تو اس

نے یہ کیوں فرمایا ہے کہ میں نے چاہا کہ میرا عرفان حاصل کیا جائے سو اس خواہش کی تکمیل کیلئے میں نے سلسلۂ تخلیق وتکوین شروع کیا ہے۔

یہاں ایک کلّیہ پیش کرتا ہوں اس کی تشریح نہیں کروں گا کیونکہ بات بہت لمبی ہو جائے گی اور منزل تک نہ پہنچ سکوں گا اس کی تفصیل وتشریح پھر کبھی عرض کروں گا وہ کلّیہ یہ ہے کہ

''جس کو بھی اپنا وجدان حاصل ہوتا ہے وہ ہمیشہ وجودِ غیر سے ہوتا ہے''

اللہ جل جلالہ کے سامنے ایک طرف یہ حقیقت تھی کہ اللہ کے نورِ ذات کے علاوہ کسی میں یہ صلاحیت پیدا ہی نہیں ہو سکتی کہ وہ اس کی ذات کا عرفان حاصل کر سکے دوسری طرف یہ کلّیہ تھا کہ کسی کو بھی اپنا وجدان غیر کے وجود سے ہوتا ہے اور یہاں غیر میں یہ صلاحیت ہی نہیں ہو سکتی تو اس کا کیا حل کیا جائے کہ وجدان ذات حاصل ہو جائے؟

اس مسئلے کا واحد حل یہ تھا کہ وہ اپنی ہی ذات کے نور سے کوئی نور مشتق فرمائے کیونکہ اس کے نور کے علاوہ کوئی اس کا عرفان پا نہیں سکتا اب جو نور اس کے نورِ ذات سے ایجاد ہو وہ ظاہراً اس سے جدا بھی ہو اور باطناً اس سے متّصل بھی ہو دیکھنے میں وہ جدا بھی ہو اس کا غیر بھی نظر آئے مگر حقیقتاً اس کا اپنا ہی نور ہو اگر اس کا اپنا نور نہ ہوگا تو اس کا عرفان حاصل نہ کر سکے گا کیونکہ اس کا کلّی غیر یہ صلاحیت پا نہیں سکتا اس طرح وہ اسے اپنی ذات کی دریافت یا وجدان نہ دے سکے گا یعنی وہ چاہتا یہ تھا کہ وہ خود کو دریافت بھی کرا لے اور اس میں دوئی کا تصور بھی پیدا نہ ہو۔

اس مقصد کیلئے اس نے اپنے کمال قدرت کا مظاہرہ فرماتے ہوئے اپنے نورِ ذات

سے ایک نور جدا فرمایا وہی نورمن نور ذات تھا وہی نور ام الانوار تھا وہی اصل الانوار تھا مبدۂ انوار معصومین صلوات اللہ علیھم اجمعین تھا پھراس نورِاوّل سے اس نے دوسرا نور جدا فرمایا پھراس جدا ہونے والے نور سے تیسرا نور جدا فرمایا اوراس طرح اختراعِ انوار معصومین کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ نور اوّل ام الانوار اصل الانوار نور کس ذاتِ انور کا تھا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ ملکۂ عالمین مبدۂ انوارِ معصومین یعنی اُمّ اَبِیھَا کی مصداق ذات پاک صلوات اللہ علیھا کا نور تھا کیونکہ یہی نور ہی اصل المعصومین علیھم الصلوات و السلام ہے اوراسی نور نے اللہ جل جلالہ کواس کا وجدان دیا کیونکہ یہ نور ایک طرح سے اس کا نورِ ذات بھی تھا اس لئے اس کا کماحقّہ عرفان بھی رکھتا تھا اور دوسری طرح سے وہ اس کا غیر بھی تھا اس لئے اسے اس کا وجدان بھی دے رہا تھا گویا وہ اللہ جل جلالہ اپنی ہی ذات سے اپنی ہی ذات کو پہچان رہا تھا اوراپنے ہی نور کی وجہ سے خود کو دریافت کررہا تھا اوراس کا وجود اس نورِ اوّل کوخود ان کا وجدان بھی دے رہا تھا جس طرح اللہ جل جلالہ کو یہ نور وجدان دے رہا تھا اسی طرح اللہ بھی اس نور کوان کا وجدان بخش رہا تھا۔

صاحبان اسرار کے سامنے جو تفاسیر فرمائے گئے ہیں ان میں فرمایا گیا ہے کہ سورۂ اخلاص بظاہر اللہ کی شان میں ہے مگر حقیقتاً اس مبدہ معصومین صلوات اللہ علیھا کی شان میں ہے اس کا اثباتیہ وسلبیہ انداز ہی اس کا گواہ ہے کہ ان کی شان میں فرمایا گیا ہے

☆قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ()اللَّهُ الصَّمَدُ()لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ()وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُواً أَحَدٌ

گویا ایک طرح سے یہ ان کی اوّلین حقیقت کی وضاحت ہے

اسی طرح یہ سلسلۂ عرفان و وجدان شروع ہوا اور ان کے فوراً بعد نورِ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے اور ان کے نور سے نورِ امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام نے جامۂ نمود کو زینت بخشی مگر یہ قبل بعدِ زمانی کے اعتبار سے ایک سیکنڈ کے اربویں حصے سے بھی لاکھوں گنا کم میں تھا یا ایک حسّی مثال سے سمجھا جائے تو یوں ہوا کہ جیسے بجلی کا سوئچ آن ہونے اور بلب کے روشن ہونے کا دورانیہ ہوتا ہے بس اسی طرح یہ سب کچھ ہو گیا اور وہ اتنے کم وقت میں ہوا کہ وقت بھی اسے دریافت نہیں کر سکتا گویا سب کچھ ایک ہی وقت میں ہو گیا۔

یہ سب ایک دوسرے کے عرفان کیلئے نورِ ذات سے جدا ہوتے گئے اور یہ سلسلۂ ایجاد جاری ہو گیا

اب اگلا مرحلہ سامنے تھا یعنی ان انوارِ اطہار علیہم الصلوات و السلام کے عرفان کیلئے بھی کسی نہ کسی کا وجود لازم تھا سو اس لئے انواع و اجناسِ عالم کو لبادۂ وجود بخشا گیا کائنات کی تخلیق دراصل انوارِ اِلٰہی کے عرفان کیلئے ہوئی ہے نہ کہ خود ذاتِ اِلٰہی کے عرفان کیلئے اسی حقیقت کو ایک حدیث قدسی میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے

☆ لَولَاكَ لَمَا خَلَقتُ الَافلَاكَ وَ لَولَاعَلِی عَلَیهِ الصَّلوَاتُ وَ السَّلَامُ لَمَا خَلَقتُكَ وَ لَولَا السَیِّدَۃُ النِّسَاءِ العَالَمِینَ لَمَا خَلَقتُكُمَا

اے میرے حبیب! اگر آپ خیر ہوتے تو اس کائنات کو لباسِ وجود نہ بخشا جاتا کیونکہ انہیں آپ کے عرفان کیلئے جامۂ وجود عطا ہوا ہے اور اگر امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام نہ ہوتے تو آپ بھی خیر ہوتے اور اگر مبدہ معصومین صلوات اللہ علیہا خیر ہوتیں تو

پھر آپ دونوں شہنشاہوں کو اذنِ نمود نہ بخشا جاتا کیونکہ ان کا عرفان ذات آپ کے انوار اطہار علیھم الصلوات و السلام کے علاوہ کسی کے بس کا روگ ہے ہی نہیں

اب یہاں تک یہ بات تو سمجھ میں آ گئی کہ یہ سب کچھ عرفان و وجدان ہی کیلیئے تھا اب ہم ایک منزل اور آگے جاتے ہیں

ایک مغربی مفکر کی کتاب میں دیکھ رہا تھا اور وہ تخلیق کائنات کے اسرار پر بات کر رہا تھا ایک مقام پر اس نے ایک فقرہ لکھا کہ

''مجھے یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ خالق کو بیٹھے بیٹھے کیا سوجھی کہ اس نے یہ کائنات خلق کر دی اور اس میں انسان کو پیدا کر دیا''

یعنی کائنات کی تخلیق کے مقصد کو سمجھنا ایک مشکل امر ہے اب اسی سلسلے کو میں آگے بڑھاتا ہوں

جب یہ سلسلہ چل نکلا تو انوارِ معصومین علیھم الصلوات و السلام تک نوبت پہنچی اور پھر ان کے عرفان کیلیئے معصومین ہی کو خلق فرمایا گیا کیونکہ معصومین کا عرفان معصومین ہی کو حاصل ہو سکتا تھا اس لئے فرشتوں کی تخلیق کا سلسلہ شروع ہوا اس میں ملکوت و قدسیان و کروبیاں کو خلق فرمایا گیا لیکن ان میں ایک خامی تھی وہ یہ کہ ان کا عرفان اختیاری نہ تھا بلکہ اجباری تھا یا اضطراری و تفویضی تھا اب اس مقام پر یہ ضرورت محسوس کی گئی کہ اگر کوئی ذی عقل و ذی شعور و خود مختار مخلوق خلق کی جائے اور اس کی فطرت میں خواہشِ عرفان و تلاشِ محبوب کا جذبہ رکھ دیا جائے تو کیا وہ ان پاک انوار اطہار علیھم الصلوات و السلام کے عرفان کی خواہش مند ہو گی یا نہیں -

اس غرض کیلیئے سب سے پہلے مافوق الانسان ایک نوع خلق ہوئی جسے آپ نوعِ انبیا

کہہ سکتے ہیں اس نوع کے افراد کو جزوی طور پر اختیار مل گیا کہ وہ خود بھی عرفانِ انوار اطہار علیھم الصلوات و السلام کیلئے جدو جہد کریں سو انہوں نے اس جزوی اختیار کو استعمال کرتے ہوئے جس قدر اپنی طرف سے کوشش کی اس کے حساب سے انہیں درجات عطا فرمائے گئے اور فضلنا بعضکم ببعض کا مظاہرہ ہوا اور ان کے مابین ایک درجہ بندی ہوتی گئی۔

یہاں یہ بات یاد رہے کہ انہیں جو اختیار دیا گیا تھا اس میں گناہ و معصیت کا انہیں اختیار نہ تھا بلکہ صرف ترک اَولیٰ تک اختیار دیا گیا تھا

(ترک اولیٰ کیا ہوتا ہے یہ آپ پہلے سن چکے ہیں)

ان کے بعد جن و انس کی تخلیق ہوئی کہ جنہیں مکمل سے کچھ کم اختیار دیا گیا تھا لیکن انہیں عرفان کا مکمل اختیار دیا گیا اور اس کی سرشت اور فطرت میں شوقِ عرفان اور تلاش کا جذبہ فیڈ Feed کر دیا گیا تھا اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ ماضی کا انسان کبھی پتھروں کی پوجا کرتا تھا کبھی چاند ستاروں کی کبھی پہاڑوں کی اور کبھی اشجار کی الغرض مظاہر فطرت میں سے کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ جس کی انسان نے پوجا نہ کی ہو دراصل یہ سب کچھ اس سے وہ فطری جذبہ ہی کروا رہا تھا کہ جو اس کی سرشت میں فیڈ Feed کر دیا گیا تھا اس کی مثال ایسی تھی جیسے ایک اندھا ایک بہت بڑے کباڑ خانے میں بیٹھا ہوا ہو اور اس کمرے میں ہر طرف کباڑ کا سامان بکھرا ہوا ہو اور اچانک وہ ایک بہت ہی دلکش خوشبو محسوس کرے اور وہ اسے تلاش کرنے کیلئے چل پڑے مگر اسے کچھ دکھائی نہیں دیتا وہ ایک قدم چلتا ہے تو کسی چیز سے ٹکرا کر گر جاتا ہے پھر وہ وہاں سے اٹھتا ہے تو دوسری چیز پر گر جاتا ہے بس اسی طرح یہ اندھا انسان

اپنے محبوبانِ ازل کی جستجو میں کبھی پتھروں پر گرا کبھی درختوں پر گرا اور کبھی پہاڑوں پر گرا اور سارے سمجھتے رہے کہ یہ ان کی پوجا کر رہا ہے حالانکہ یہ اس کے سفر کا ایک حصہ تھا

اللہ جل جلالہ نے انسان کی اس حالت پر ترس کھایا اور اس کی ہدایت کیلئے انبیاعلیھم السلام مبعوث فرمائے تاکہ یہ اندھا انسان ایک ایک چیز پر گرتا نہ پھرے

پھر جب انسان کو انبیاعلیھم السلام نے آ کر محبوبِ حقیقی کا پتہ دیا تو وہ اس کے سامنے سجدہ ریز ہو گیا لیکن پھر بھی ابتدائی سٹیج پر ہی بار بار اٹکتا رہا اور اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ سارے لوگ جانتے ہیں کہ اس انسان پر ابلیس نے کس طرح قابو پایا اور اسے خود اپنے رہنماؤں کے خلاف کیسے اکسایا اور انجام کیا ہوا۔

اس سارے معاملے کو آپ بغور دیکھیں گے تو پتہ چلے گا کہ انبیاعلیھم السلام کی ساری تبلیغ کی اعلیٰ ترین کڑی کون سی ہے؟ وہ مبدءٔ معصومین معدنِ نبوّت و رسالت علیھم الصلوات و السلام ہی ثابت ہوں گے کیونکہ عرفانِ توحید مقصد بالذّات نہیں ہے بلکہ مقصود بالذّات ملکۂ عالمین صلوات اللہ علیھا کا عرفان ہی ہے اور اسی کیلئے سارے انبیاعلیھم السلام نے پوری جدوجہد کی ہے اور کربلا میں بھی جو مقصدِ شہادت تھا وہ بھی اسی ذاتِ اقدس صلوات اللہ علیھا کے عرفان کی منزل کا درس دینا تھا اور اس کی تکمیل انہی کے آخری لختِ جگر عجل اللہ فرجہ الشریف نے فرمانا ہے اس لئے جملہ عالمین کو ان کے ناصرین میں شامل فرما کر انہیں منصور عجل اللہ فرجہ الشریف کا نام بخشا گیا -

مفہومِ نصرت

دوستو! اب یہاں یہ بھی عرض کرنا ضروری ہے کہ نصرت کا مفہوم کیا ہے؟

نصرت کے مفہوم کوسمجھنے میں بھی ہم ایک عوامی غلط فہمی میں مبتلا رہتے ہیں اور وہ غلط فہمی یہ ہے کہ عوامی طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ فتح نصرت کا لازمہ ہے

حالانکہ نصرت مقصد کے حصول کیلئے ہوتی ہے نہ کہ فتح کیلئے ہوتی ہے

یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ انسان ظاہراً شکست کھا رہا ہو اور اس کا مخالف فاتح ہو رہا ہو اور اس مفتوح وشکست خوردہ شخص کو اس کا مقصد بھی حاصل ہو رہا ہو

یا یوں سمجھیں کہ ہر مقصد کا حصول فتح میں نہیں ہوتا بلکہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی کے مقصد کا حصول ہو ہی شکست میں یعنی مقصد کی کامیابی کا انحصار فتح یعنی جیت پر نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات شکست ہی میں آدمی کے مقاصد کا حصول ہوسکتا ہے

یعنی حصولِ مقصد اور چیز ہے اور فتح اور چیز ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے

☆ كَانَ حَقّاً عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ

یعنی ہم پر مومنین کی نصرت کرنا ان کا حق ہے اور اللہ جل جلالہ کسی کی حق تلفی نہیں فرماتا کیونکہ یہ عیب ہے، جناب عیسیٰ علیہ السلام نے حوارین سے فرمایا

☆مَنْ أَنصَارِىْ إِلَى اللّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنصَارُ اللّهِ

کون ہے جو اللہ کے مقصد کی تکمیل کیلئے میری نصرت کرے اس وقت حوارین نے عرض کیا ہم اللہ کی نصرت کرنے والے انصار ہیں دوسری طرف اللہ جل جلالہ فرماتا ہے کہ إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُم آپ اللہ کی نصرت کریں اللہ آپ کی نصرت فرمائے گا۔

ہم تاریخ اور اناجیل خمسہ اٹھا کر دیکھیں کیا حوارین کو کوئی ظاہری فتح بھی نصیب ہوئی ہے؟ ساری کتب یہی بتاتی ہیں کہ ان کی پوری زندگی ظلم سہتے گزری ہے اور کسی

چھوٹے سے قصبے پر بھی انہیں ظاہری حکومت نہیں ملی اسی طرح جب ہم ماضی کا مشاہدہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ مومنین کو اکثر مقامات پر شکست کا سامنا رہا ہے فتح تو کسی کسی کو نصیب ہوئی ہے کیا ہم ان کی شکست سے یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ انہیں اپنے مقصد میں ناکامی ہوئی ہے؟ یا اللہ نے ان کی نصرت نہیں فرمائی ؟

انبیاعلیھم السلام میں سے کوئی نبی ایسا نہیں جس نے یہ نہ کہا ہو

☆ رَبِّ انصُرنِی عَلَی قَومِ الکَافِرِین (مفسدین ، ظالمین)

ایک طرف اللہ جل جلالہ فرماتا ہے کہ مجھ پر مومنین کی نصرت کرنا فرض ہے پھر یہ بھی ثابت ہے کہ جملہ انبیاعلیھم السلام نے نصرت طلب بھی فرمائی مگر مشاہدہ یہ بتاتا ہے کہ چند انبیاعلیھم السلام کو چھوڑ کر باقی سب ظاہراً ناکام وشکست خوردہ نظر آتے ہیں کسی کو آرے سے شہید کیا گیا کسی کو تلوار سے کسی کو کنویں میں ڈالا گیا کسی کو صلیب پر لٹکایا گیا الغرض کوئی دردناک طریقہ ایسا نہیں ہے کہ جس سے انبیاعلیھم السلام کو شہید نہ کیا گیا ہو تو کیا اس سے ہم یہ سمجھ لیں کہ وہ اپنے مقصد میں ناکام ہوئے ہیں؟ کیا ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ اللہ نے ان کی نصرت نہیں فرمائی ؟ یا یہ کہ وہ اپنے مقصدِ حیات کو نہیں پا سکے؟

حقیقت یہ ہے کہ کوئی نبی ایسا نہیں ہے کہ جس نے اپنے مقصد حیات کو نہ پایا ہو یا اپنے مقصد کے حصول کے بغیر دنیا سے رخصت ہوا ہو۔ یہ تو پہلے ہی عرض کیا جا چکا ہے کہ کوئی نبی ایسا نہیں ہے کہ جس کی نصرت امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام نے نہ فرمائی ہو اور یہ تو ناممکن ہے کہ امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام کسی کی نصرت فرمائیں اور اسے اپنے مقصد میں ناکامی ہو۔

بات صرف اتنی ہے کہ ان سب کی کامیابی اوران کے مقصد کا حصول فتح میں نہ تھا بلکہ ان کی کامیابی ان کی شکست میں تھی اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ مومنین کو ہر جگہ کامیابی فتح کی شکل میں نہیں ملتی بلکہ مقصد کے حصول میں کامیابی اور چیز ہے اوراس میں فتح کا حاصل ہونا اور چیز ہے اور کامیابی کے ساتھ فتح ایک اضافی چیز ہے یا ایک اضافی نعمت ولطف وانعام ہے۔

تو میں عرض کررہا تھا کہ مقصد کی کامیابی فتح کی مرہون نہیں ہوتی اور نہ ہی فتح پر منحصر ہوتی ہے

آپ سوال کرسکتے ہیں اس کی کیا دلیل ہے؟ تو میں عرض کروں گا کہ وہ ذات جس نے اس دنیا کے فاتحین کے سارے ریکارڈ توڑ دیئے جنھوں نے ہر میدان میں اپنی فتح کا ڈنکا اس طرح بجایا کہ چاردانگِ عالم میں ان کی فتح کی دھوم مچ گئی جو فاتحِ عالم فاتحِ خیبر وفاتحِ بدر وحنین کے نام سے مشہور ہیں انہوں نے کسی بھی جنگ میں فتح پر یہ نہیں فرمایا کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا ہوں۔

ہاں ایک مقام ہے کہ جہاں یہ فقرہ فرمایا وہ بھی اس وقت جب انیس ماہ رمضان کی شب کو ابن ملجم ملعون بظاہر اپنے بدترین مقصد میں کامیاب ہوا اور سراطہر پر کاری ضرب چلی تو سجدے میں جاتے ہی آپ نے فرمایا

☆ انی فزت برب الکعبہ ...... اللہ کی قسم ہم آج کامیاب ہوگئے ہیں

ظاہراً یہاں آپ کی بجائے آپ کا ملعون دشمن کامیاب ہوا اور وہ اپنی کامیابی پر خوش بھی تھا مگر وہ اس کامیابی کو اس فخر سے بیان نہ کرسکا کہ جس فخر سے آپ نے فرمایا کہ ہمیں رب کعبہ کی قسم آج ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئے ہیں۔

اس بات کو خود دیکھیں کہ یہ فقرہ وہ ذات فرما رہی ہے جو فاتحِ اعظم ہے مگر کسی فتح کو اس مقام سے اونچا نہیں سمجھ رہے تو ثابت ہوا کہ ظاہری فتح کچھ اور ہے اور مقصد میں کامیابی کچھ اور ہے اور کامیابی فتح پر منحصر نہیں ہے۔

ہاں جب یہ دونوں شامل ہو جائیں تو سونے پر سوہاگہ کی طرح ہوتے ہیں

جیسا کہ شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف کے بارے میں ارشاد ہے

☆إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ( ) وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجاً

ہاں جب ان کے زمانے میں نصر اللہ یعنی امیر المومنین علیهم الصلوات و السلام اپنے لختِ جگر کی نصرت کیلئے تشریف لائیں گے تو پھر دنیا ان کے دین میں داخل ہونے کیلئے ٹوٹ پڑے گی یعنی وہاں کامیابی بھی ہے اور فتح بھی ہے جو نور علیٰ نور کی طرح ہے

تو میں عرض کر رہا تھا کہ نصرت کا مطلب فتح کا حصول نہیں ہوتا بلکہ مقصد کی کامیابی ہی مقصدِ نصرت ہوتا ہے۔

آپ واقعۂ کربلا روز سنتے ہیں اس میں ایک فقرہ آپ کے سامنے بار بار دہرایا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ امامِ مظلوم عليه الصلوات و السلام نے آخری وقت فرمایا

☆هَلْ مِنْ نَاصِرٍ يَنْصُرنَا کیا کوئی ایسا ہے جو ہماری نصرت کرے؟

جب آپ نے یہ فرمایا تو آسمان سے زمین تک ہر چیز نے عرض کیا ہم نصرت کیلئے حاضر ہیں۔ ملکوت آئے، جنّات آئے، ساری مخلوق نے لبیک کہا جمادات سے لے کر کروبیاں تک ارواحِ انبیا عليهم السلام سمیت ہر چیز نے لبیک کہا بھی اور حاضر ہو کر اجازت طلب کی۔

ہوا یہ کہ سب حاضر ہوئے اور نصرت کرنے کی اجازت چاہی مگر امام مظلوم علیہ الصلوات و السلام نے سب کی نصرت ٹھکرا دی آخر کیوں؟ اگر کسی کی نصرت قبول نہیں کرنا تھی تو بلایا کیوں تھا؟

بات صرف اتنی تھی کہ جو بھی نصرت کیلئے آئے تھے وہ ناواقفِ سرِّ حق تھے اور وہ نصرت کا مفہوم ظاہری فتح سمجھ رہے تھے وہ سمجھتے تھے کہ ہمیں اس دو چار لاکھ شامیوں کو فی النار کرنا ہے اور اس قلیل لشکر کو کثیر پر فتح یاب کرنا ہے وہ مقصدِ عظیم کو نہیں سمجھ رہے تھے وہاں نصرت فتح کی شکل میں نہیں کرنا تھی کیونکہ وہاں مقصد مظلومیت میں مضمر تھا فتح میں نہیں تھا۔

ہنگامہ مظلومیت کا نام ہی کامیابی تھا فتح کا نام شکست تھا وہاں تو فتح سے بہت اونچا مقامِ کامیابی سامنے تھا کیونکہ دشمن جسے احساس شکست سمجھ رہا تھا وہ مقام صبر تھا اور اس مقام کو پانا بڑی ہمّت کا کام تھا بااختیار ہوتے ہوئے ہر ظلم کو ہنس کر قبول کرنا معمولی بات نہیں ہے تیر کھا کر دشمن کو مرحبا کہنے کیلئے بہت بڑے حوصلے اور ہمّت کی ضرورت ہوتی ہے مگر نصرت کیلئے آنے والے اس بات سے بے خبر تھے کہ کامیابی کیا ہے؟ اگر کامیابی فتح میں ہوتی تو ان ملکوت میں سے صرف ایک کو اجازت دے دی جاتی یا پھر اپنے اختیارات کی ایک ہلکی سی جھلک دکھاتے تو فتح کی دیوی ان کی نعلین کے سامنے سجدہ ریز ہوتی مگر وہاں اتنے طاقتور ناصرین کی نصرت کو ٹھکرایا جا رہا ہے اور دوسری طرف اس کامیابی کے مفہوم کو جھولے میں سویا ہوا ایک کمسن شہزادہ سمجھ کر جب زبانِ حال سے لبیک یا ابتاہ کہتا ہے تو اس کی نصرت قبول کر لی جاتی ہے؟ اور انہیں میدان میں لایا جاتا ہے کہ یہ ہمارا سب سے بڑا جانباز ناصر ہے یہ اتنا بڑا

ناصر ہے کہ اسے سب سے آخر میں لایا جارہا ہے۔
بات صرف اتنی تھی کہ جن لوگوں نے نصرت کے مفہوم کو نہیں سمجھا ان کی نصرت رد فرما دی گئی۔
جناب زعفر جن نصرت کیلئے حاضر ہوئے وہ دشمن کی مکمل بربادی کا سامان تیار کر کے لائے اور بظاہر بہت بڑی آفر کی اور ان کے سامنے دشمن کو برباد کرنا کوئی بڑی بات نہ تھی مگر اس کی آفر ٹھکرا دی گئی آخر کیوں؟
اگر نصرت کا مطلب دشمن پر ظاہری فتح پانا تھا یا دشمن کو برباد کرنا تھا تو دشمن کی بربادی کیلئے اتنے بڑے انصار کو ٹھکرانا اور چند معصوم بچوں کی آفر کو قبول کرنا مناسب نہ تھا۔
یہی ردّ و قبول بتا رہا ہے کہ نصرت کا مفہوم وہ نہ تھا کہ جو ملکوت اور جنّات نے سمجھا تھا بلکہ نصرت کا مفہوم وہ تھا کہ جو یہ کمسن معصوم بچّے سمجھ چکے تھے وہاں مقصد یہ تھا کہ ایک ایسا ہنگامۂ درد پیدا کیا جائے کہ پوری انسانیت کا کلیجہ منہ کو آ جائے اور یہ کام جتنی خوش اسلوبی سے معصوم بچّے انجام دے سکتے تھے اتنی خوش اسلوبی سے نوجوانوں کی جوانیاں بھی انجام نہیں دے سکتی تھیں۔
ہم شہنشاہ وفا علیہ الصلوات و السلام کی زیارت پڑھتے ہوئے یہ ادا کرتے ہیں
☆ اَلسَّلَامُ عَلَیكَ یَا نَاصِرَالحُسَینَ الشَّهِیدِ ،اَلسَّلَامُ عَلَیكَ یَا نَاصِرَ دِینِ اللّٰهِ
اے شہنشاہ کربلا علیہ الصلوات و السلام کی نصرت فرمانے والے ہمارا آپ پر سلام ہو، اے اللہ کے دین کی نصرت فرمانے والے ہمارا آپ پر درود و سلام ہو
یہ فقرے ادا کرتے ہوئے کبھی ہم نے یہ بھی سوچا ہے کہ انہوں نے کونسی نصرت کی

ہے؟ جسے ہم نصرت سمجھتے ہیں وہ تو انہیں شہنشاہ کربلاعلیہ الصلوات و السلام نے کرنے ہی نہیں دی انہیں کلّی طور پر پابند رکھا گیا تھا

اگر کوئی کہے کہ جن چند ملاعین کو آپ نے فی النار کیا تھا اسی کی وجہ سے ہم انہیں ناصر کہہ کر مخاطب کرتے ہیں یہ بات بھی درست نہیں ہے

بات یہ ہے کہ ان کی حقیقی نصرت مظلومیت کے ساتھ زین چھوڑ نا تھی ان کی مظلومیت اور درد ہی ان کی اصل نصرت تھی اور وہ اس حقیقت کو سمجھتے تھے کہ دشمن کو برباد کرنا نصرت کے منافی ہے چار دشمنوں کو برباد کرنا نصرت نہ تھی بلکہ صبر و برداشت ہی اصل نصرت تھی

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس طرح جناب میثم تمارسلام اللہ علیہ نے تعمیلِ امر نہیں کی تھی یا جس طرح جناب وہب کی والدۂ ماجدہسلام اللہ علیہا نے امام مظلومعلیہ الصلوات و السلام کے روکنے کے باوجود جنگ کر لی کیا شہنشاہ وفاعلیہ الصلوات و السلام ایسا کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے تھے؟

دوستو! یہ تو ہم سوچ ہی نہیں سکتے کہ شہنشاہ وفاعلیہ الصلوات و السلام کا معیارِ معرفت ان کنیزوں سے نعوذ باللہ کم تھا- بات وہی ہے کہ جو میں نے پہلے عرض کی تھی کہ جو ناواقفِ سرِّ حق ہے اس کی تکلیفِ شرعی اور ہے اور جو واقفِ سرِّ حق ہوتے ہیں ان کی تکلیفِ شرعی اور ہوتی ہے، ناواقفِ رازِ الٰہی کیلیئے یہ بات عین دین ہے کہ وہ اپنے مالک کی خیر میں ان کے حکم سے صرف نظر کر لے مگر واقفِ اسرارِ الٰہی کیلیئے اطاعت کلّی ہی نصرت ہوتی ہے اور یہ وضاحت میں پہلے کر چکا ہوں کہ پاک خاندانعلیہم الصلوات و السلام کا ہر فرد واقفِ اسرارِ الٰہی ہوتا ہے اس لئے ان کے کسی بچّے نے بھی

ایسا قدم نہیں اٹھایا حتیٰ کہ جناب فضہ سلام اللہ علیہا کا معیارِ معرفت جناب وہبؑ کی والدۂ ماجدہ سلام اللہ علیہا سے اور نصیبہ خاتون سلام اللہ علیہا سے لاکھوں گنا زیادہ بلند تھا اس لئے انہوں نے بھی یہ قدم نہیں اٹھایا کیونکہ وہ بھی حرم اطہر میں رہتے ہوئے واقفِ اسرارِ الٰہیہ ہو چکی تھیں اس لئے انہوں نے کوئی ایسا قدم نہیں اٹھایا اور نہ ہی کسی دوسرے پاک فرد علیہ الصلوات و السلام نے یہ قدم اٹھایا ہے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ وہاں نصرت یہ ہے کہ جس سے مقصد میں کامیابی ہو اور مقصد وہاں مظلومیت تھا۔ اب جب سلطان منصور عجل اللہ فرجہ الشریف کا زمانہ آئے گا تو پھر سارے سسٹم System بدل جائیں گے اور ان کے زمانے میں نصرت کے ساتھ فتح کو جوڑ دیا جائے گا کیونکہ ظلم و جور کے ڈرامے کا وہی ڈراپ سین ہوگا اور یہی اس کا کلائی میکس Climax ہوگا اس وقت ملکۂ عالمین صلوات اللہ علیہا کے نور ازلیہ کو ان کا مقام مل جائے گا اور یہ اس وقت ہوگا جب اس مقام کے ظہور کا وقت آئے گا یعنی جب آٹھ آئمۂ ہدیٰ علیہم الصلوات و السلام اپنے لختِ جگر سلطانِ منصور عجل اللہ فرجہ الشریف کا تخت کاندھے پر اٹھا کر اوّلین و آخرین کے سامنے آسمان سے نازل ہوں گے تو دنیا دیکھے گی گیارہ اماموں میں سے صرف انہی اماموں نے تخت کو اٹھایا ہوا ہے کہ جنہیں کسی نہ کسی مسلک کے لوگوں نے اللہ مانا ہے ان کے کاندھے پر عرشِ الٰہیہ ہوگا اس پر سلطان منصور عجل اللہ فرجہ الشریف جلوہ افروز ہوں گے اور پھر وہ تخت اوّلین و آخرین کے سامنے موزوں کیا جائے گا اور اس وقت ☆ يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ

کا مظاہرہ ہوگا یہی ساق اللہ ہیں کہ جن پر نظام الٰہی کا قیام ہے ان کے سامنے

عالمین کوسجدہ ریز کر دیا جائے گا اس کے بعد ملکۂ عالمین صلوات اللہ علیہا کے مقام کے اظہار کیلئے ان کا خیمۂ وحدانیت اوّلین وآخرین کے سامنے نصب کیا جائے گا اور پھر وہ منظر ساری کائنات دیکھی گی کہ جب تیرہ پاک مع اولاد اطہار علیہم الصلوات و السلام شہنشاہ زمانہ سلطان منصور عجل اللہ فرجہ الشریف سمیت برہنہ تلواریں لے کر ان کے خیمۂ وحدانیت کے گرد پہرہ دینے میں مصروف ہوں گے اس وقت دنیا کو پتہ چلے گا کہ ہاں آج کوئی ذی عزت مستور صلوات اللہ علیہا بھی تشریف لائی ہیں اور ان کا مقام یہ ہے کہ جنہیں لوگ خدا سمجھتے رہے تھے آج وہ ان کے پہرہ داروں میں شامل ہو کر فخر محسوس کر رہے ہیں حتیٰ کہ ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف جب تلوار بلند کر کے فرمائیں گے تو حکم ہوگا کہ یا ایھاالناس غضوا ابصارکم او مجمعِ اوّلین و آخرین اپنی آنکھیں پیوند زمین کر دو

جب وہ اپنی جدۂ طاہرہ صلوات اللہ علیہا کے خیمۂ وحدانیت کا پہرے داروں کی طرح ایک طواف فرمائیں گے تو ان کا سر فخر سے اونچا ہو جائے گا کیونکہ وہ محسوس کریں گے کہ انہیں صدیوں کی محنت کا ثمر مل گیا ہے آج ان کی مراد بر آئی ہے آج انہیں معراجِ سعادت نصیب ہوئی ہے کیونکہ مقدّس ماؤں کی پہرہ داری کی سعادت کسی کسی خوش نصیب بیٹے کو حاصل ہوتی ہے۔

اب یہاں کوئی انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ میدانِ عدل میں پہرے کی کیا ضرورت ہے اس کا جواب یہ ہے کہ پہرہ صرف حفاظت کیلئے نہیں ہوتا بلکہ اعزاز اور تعظیم کیلئے بھی ہوتا ہے جیسا کہ کسی سربراہ مملکت کو جب گارڈ آف آنر پیش کیا جاتا ہے تو اس کے ساتھ برہنہ تلوار لے کر دو گارڈز چلتے ہیں جو اس کی حفاظت کیلئے نہیں ہوتے بلکہ اس

کے اعزاز کیلیئے ہوتے ہیں کہ اس سے اس کی عزت وتکریم کا مظاہرہ ہوتا ہے ورنہ ہم مزار قائد پر یا مزار اقبال پر گارڈز کو نہ دیکھتے کیونکہ انہیں تو کوئی خطرہ ہوتا ہی نہیں ہے مگران کے مزار پر گارڈز ان کی عزت کے اظہار کیلیئے کھڑے کیئے جاتے ہیں اسی طرح وہاں بھی سارے معصومین صلوات اللہ علیھم اجمعین تلواریں بے نیام کیئے پہرہ دے کراپنی مرکزی ذات معدنِ امامت ونبوّت ورسالت صلوات اللہ علیھا کے جاہ وجلال اورعزت وعظمت کا اظہار فرمائیں گے نہ کہ کسی دشمن کے خوف سے یہ کام ہوگا دعا کریں وہ روز سعید جلدی آئے جب ملکۂ عالمین مبدۂ انوار معصومین ام الانوار الطاہرین معدن النبوّت والرسالت صلوات اللہ علیھا کوان کا حقیقی مقام مل جائے اور سارے پاک گھر کےغم وآلام کا مکمل خاتمہ ہوجائے۔

اگر ہم غور سے دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ دعائے تعجیل فرج کا حقیقی مقصد ہے ہی پاک پردہ دارانِ وحدت صلوات اللہ علیھن کی خوشیوں کوطلب کرنا کیونکہ انہی کی خوشیوں ہی میں ساری خوشیاں مضمر ہیں انہی کی خوشیوں کے ساتھ ساری خوشیاں وابستہ ہیں

آمین یارب العالمین

اللھم صل علیٰ محمدؐ وآل محمدؐ و عجل فرجھم بقائمھمؑ صلوات اللہ علیہ والسلام

یا ھو یا من ھو لا ھو الا ھو الحی القیوم یا ھو یا من لا یعلم ما ھو الا ھو الحی القیوم العلی العظیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک

الغوثؑ وقطبؑ الاقطاب

عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه

الحمد لله رب العالمين و صل علىٰ محمدؐ و آلهٖ اجمعين خصوصاً على حجة الله فى العالمين عجل الله فرجه الشريف و آبائه المعصومين و امهاته الطاهرين الطيبين صلوات الله عليهم اجمعين و لعنة الله علىٰ اعدائهم اجمعين من يوم الازل الى يوم الدين

قال الله تبارك و تعالىٰ فى كتاب المبين بسم الله الرحمن الرحيم

تبارك الذى بيده الملك

اے بلا نوشانِ معرفت!

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ ہم نے اپنے امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے اسمائے حسنہ پر تقاریر کا ایک سلسلہ شروع کیا ہوا ہے اب اسی سلسلے کو آگے بڑھاتے ہیں۔
خالق فرماتا ہے برکت والی ہے وہ ذات کہ جس کے ہاتھ میں ملک یعنی نظامِ عالم ہے اور جہاں جہاں تک اس کا نظام وقانون وحکم نافذ ہے وہ اس کا ملک ہے' وہ اس کی حکومت کا دائرہ ہے اور اس کی حکومت کی حد کسی کو معلوم نہیں ہوسکتی۔

دوستو! اس آیت میں جو الفاظ موجود ہیں مجھے ان میں سے باقی الفاظ کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہنا ہمارا مطلوبہ لفظ صرف ''ملک'' ہے

ملک کسے کہتے ہیں؟ اس کے بارے میں اتنا تو آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جو علاقہ کسی ایک حاکم یا بادشاہ کے ماتحت ہوتا ہے اور اس میں اسی کا قانون اور سکہ چلتا ہے اس کی فرمانروائی ہوتی ہے وہ ملک ہوتا ہے اور جہاں سے اس کے قانون اور حکم کی حد اختتام شروع ہوتی ہے وہاں سے کسی اور بادشاہ کا ملک شروع ہوتا ہے اور یہ بھی آپ جانتے ہیں کہ اللہ جل جلالہ کے ملک یعنی حکومت اِلٰہیہ کی کوئی حد نہیں ہے وہ ملک لامحدود ہے یہ کائنات ایک لامحدود سمندر کی طرح ہے اور اس میں ہماری یہ زمین ایک قطرے کے ہزارویں حصے کے برابر ایک علیحدہ آزاد حکومت یا ملک ہے یہاں کا نظام ایک علیحدہ سلطنت کی طرح کا ہے یا یوں سمجھیں کہ اللہ جل جلالہ کے United States System کی ایک علیحدہ State ہے یا اس حکومتِ اِلٰہیہ کا ایک صوبہ ہے اور یہ تو ساری دنیا جانتی ہے کہ کوئی حکومت ایسی نہیں ہوتی جس میں عمال و حکام نہ ہوں وزیر مشیر افسران ادنیٰ و اعلیٰ ماتحت و بالا نہ ہوں۔ حکومت فردِ واحد کا نام نہیں ہوتا حکومت One Man Show ہو ہی نہیں سکتی بلکہ ایک پوری مشینری ہوتی ہے جو حکومت کے نظم ونسق کو قائم رکھتی ہے ان کے جملہ عہدہ داروں کے نام ہوتے ہیں کوئی اے سی ہوتا ہے کوئی ڈی سی ہوتا ہے کوئی کمشنر ہوتا ہے یہ عہدے نیچے سے شروع ہوتے ہیں اور اوپر تک جاتے ہیں اسی طرح حکومت اِلٰہیہ کے جو عہدے ہیں ان سے متعلّق جو اسمائے مبارکہ بیان ہوئے ہیں ان میں سے دو اسمائے مبارکہ ہیں قطب الاقطابؑ اور غوث الغوثؑ عجل الله فرجه الشريف

جو زیارتِ منقولہ ہیں یا ادعیہ و روایات ہیں ان میں یہ اسمائے مبارکہ منقول ہوئے ہیں مثلاً آپ زیارتوں میں یہ فقرے دیکھ سکتے ہیں

السلام علیٰ غوث اللّٰهفان

السلام عليك ايهالعلم المنصوب

والغوث و الرحمة الواسعة

ولا غوث الا عندك

و يخرج الله منه غوث هٰذه الامة

قطب العلوم والاحكام

قطب رحى الهدىٰ

و راس دائرة الايمان و قطب الوجود و سماء الجود

قطب السماء التوحيد و قطب السخا و الجود

دوستو! ان فقروں کے نقل کرنے سے ہمارا مدّعا صرف اتنا ہے کہ یہ ثابت ہو جائے کہ یہ اسمائے مبارکہ ہمارے امام زمانہ عجل الله فرجه الشريف ہی کے ہیں اور عموماً کئی دیگر آئمہ ہُدیٰ علیه الصلوات و السلام کو بھی ان اسما سے موسوم کیا گیا ہے مگر خصوصاً ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف ہی کے یہ اسمائے مبارکہ ہیں جیسا کہ صاحبان کتب غیب کا ان اسمائے مبارکہ کے بارے میں یہ اتفاق ہے کہ قالت الامامية ان المراد به القائمؑ المنتظر عجل الله فرجه الشريف

اس اسم قطبؑ سے مراد ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف ہی ہیں یعنی کئی طرح سے یہ اسمائے مبارکہ امام زمانہ عجل الله فرجه الشريف کے ثابت ہوتے ہیں میں ایک

ایک کا حوالہ کیا دوں اب یہاں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ ان دو اسماء کی ماہیت کیا ہے؟
ان دو اسمائے مبارکہ کے مابین حقیقی فرق کوئی نہیں ہے مگر اس میں ایک عہدے کے دو حصوں کو واضح کیا گیا ہے یعنی ایک ذات کی دو حیثیتوں کو اس میں بیان کیا گیا ہے کیونکہ قطبیت اس ذات کے مرکز عالمین ہونے کو ظاہر کرتی ہے اور غوثیت اس ذات کے اس پہلو کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ جس سے دکھی انسان ان سے استفادہ کرتا ہے

اس نام پاک کے لغوی معنی ہیں ''فریادرَس''، ''مشکل کشا'' دکھی اور غمزدہ انسان کی مدد فرمانے والا

جس طرح ایک شخص ڈاکٹر ہوتا ہے اور وہ کسی کا باپ بھی ہوتا ہے اور کسی کا بیٹا بھی ہوتا ہے وہ اس کی حیثیتیں ہیں کیونکہ وہ ایک مریض کیلئے ڈاکٹر ہوتا ہے باپ کیلئے بیٹا ہوتا ہے بیٹے کیلئے باپ ہوتا ہے اسی طرح شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی لاکھوں حیثیتوں میں سے یہ دو بھی ہیں

قطب کہتے ہیں چکی کی مرکزی میخ کو کیونکہ شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف گردش دوراں کے مرکز ہیں اور انہی کی وجہ سے یہ زمین اپنے مقصدِ تخلیق کو پورا کر رہی ہے جیسے چکی کی میخ نہ ہو تو وہ اپنا کام نہیں کرسکتی اسی طرح وجود حجتؑ ہی سے یہ کائنات اپنا کام کرتی ہے اگر چکی کی میخ نہ ہو تو اس کے اجزا منتشر ہو جاتے ہیں اسی طرح علت مبقیہ بھی وجود حجتؑ ہی ہوتا ہے سارے نظام کو چکی کی میخ ہی کنٹرول کرتی ہے اسی طرح نظام عالم کو قطب الاقطاب حجتِ دوراں عجل اللہ فرجہ الشریف و صلوات اللہ علیہ ہی کنٹرول فرماتا ہے'

ویسے تو یہ اسمائے مبارکہ اور یہ حیثیتیں سبھی معصومین علیھم الصلوات و السلام کو حاصل ہوتی ہیں اور خصوصی طور پر ہمارے شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف ہی کو حاصل ہیں

غوثیت کا تعلّق دکھی انسانیت سے ہے کہ جب بھی کسی انسان پر کوئی مشکل وقت آئے تو اس کی مدد اور فریاد رسی کا منصب بھی ہمارے شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف کو حاصل ہے جیسا کہ ابوالوفا شیرازی کی روایت میں بھی اس بات کو اس طرح واضح فرمایا گیا ہے کہ اے مومنینِ عالم! جب تمہاری گردن سے دشمن کی تلوار کی دھار مس کر رہی ہو تو اس وقت ہمارے آخری لختِ جگر عجل اللہ فرجہ الشریف کو مدد کیلئے پکاروگے تو دشمن کی تلوار کے چلنے سے بھی پہلے وہ تمہاری مدد فرمائیں گے بہ الفاظ دیگر اگر وہ دشمن کی تلوار کی دھار کے نیچے سے آکر تمہیں نہ نکالیں تو غوث الغوث عجل اللہ فرجہ الشریف نام نہیں

دوستو! اس سرعتِ استمداد کو سمجھنا ہو کہ اتنے قلیل وقت میں اس نازک حالت میں اتنی جلدی وہ کیسے مدد فرما سکتے ہیں تو ہمیں اللہ جل جلالہ کے نظامِ حکومت کو سمجھنا پڑے گا ورنہ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آسکتی

رب ذوالجلال والاکرام جل جلالہ نے مقدّس کتاب میں ایک ازلی حقیقت کو اس امّت کیلئے دہرایا ہے اور فرمایا ہے

☆وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ () إِنَّ فِي هَذَا لَبَلَاغاً لِّقَوْمٍ عَابِدِيْن ......(سورہ الانبیاء 106)

ہم نے یہ بات ماضی کی کتاب یعنی جناب داؤد علیہ السلام پر نازل شدہ کتاب میں ذکر کے بعد لکھ دی تھی کہ یقیناً ہمارے صالح بندے اس زمین کے وارث ہوتے رہیں گے یہ بات عابد لوگوں تک پہنچانے کے قابل تھی

اس میں دو الفاظ ایسے ہیں کہ جن کی وضاحت کرنا لازم ہے ایک لفظ ہے کتبنا
دوستو! کلام پاک میں کتب اکثر مقامات پر کسی چیز کے وجوب کیلئے ہی آیا ہے جیسے
و کُتِبَ علیکم الصیام یعنی ہم نے تمہارے اوپر روزے لکھ دیئے ہیں یعنی واجب
قرار دیئے ہیں
اسی طرح فرمایا کُتِبَ علیکم القصاص کہ قصاص کو تمہارے لئے واجب قرار دیا
ہے اسی طرح فرمایا و کُتِبَ علیکم القتال یعنی جہاد بھی تم پر واجب کر دیا گیا ہے یا
فرمایا گیا ہے و کَتَبَ علیٰ نفسهِ الرحمة یعنی اللہ جل جلاله نے رحمت فرمانا اپنے
نفس پر واجب قرار دیا ہوا ہے یعنی محولہ بالا آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ جل جلاله
نے یہ بات بھی واجب قرار دی ہوئی ہے کہ صالحین زمین کے وارث ہوتے ہیں
دوسرا لفظ تھا یَرِثُهَا اس کا مادّہ ہے وَرِثَ اور یہ مضارع کا صیغہ ہے جو ماضیِ عادیہ کا
فائدہ یا معنی دے رہا ہے یعنی ماضی حال و مستقبل تینوں زمانوں کی خبر دے رہا ہے
جیسا کہ کلام پاک میں ہے☆ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْأَسْوَاقِ وہ کھانا کھاتا
ہے اور گلیوں میں چلتا پھرتا ہے یعنی یہاں مضارع ماضی کی ایک عادت کی خبر دے
رہا ہے یا ارشاد ہوا ہے و من یکفر بالله یعنی جو بھی اللہ جل جلاله سے کفر کرتا ہے یا
کرے گا
یہاں مضارع حال و مستقبل و استمرار کی نشاندہی کر رہا ہے اسی طرح یرثھا کی وعید
مستقبل تک محدود نہیں ہے بلکہ ماضی و حال بھی اس کے دائرہ میں شامل ہے اور اس
طرح وعدہ یہ قرار پائے گا کہ ہر زمانے میں صالحین ہی اس زمین کے وارث و حاکم
رہیں گے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم ایک طرف اللہ جل جلالہ کا یہ وعدہ دیکھتے ہیں کہ زمین کے وارث صالح افرادِ زمانہ ہوں گے دوسری طرف برسر اقتدار طبقے کی اخلاقی بدحالی اور کرداری پستیوں کو دیکھتے ہیں تو بات اس وعدے کے برعکس نظر آتی ہے ایسا کیوں ہے؟

اس پر کئی لوگوں نے یہ رائے قائم کی ہے کہ یہ وعدہ آج کا نہیں قیامت کے بعد کا ہے مگر ہمیں تو قرآن مقدّس میں قیامت کے بعد کا جو وعدہ ہے وہ تو کچھ اور نظر آتا ہے یعنی وہاں کا وعدہ تو یہ ہے کہ عبادِ صالحین جنت کے وارث ہوں گے نہ کہ اس زمین کے - اس پر کئی مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ عبادِ صالحین زمانہ رجعت میں زمین کے وارث ہوں گے یہ بات کچھ دل کو لگتی تو ہے مگر زمانۂ رجعت میں تو یہ زمین دوسرے زمین و آسمان میں بدل جائے گی جیسا کہ ارشاد ہے

☆يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَاوَاتُ وَبَرَزُواْ للّه

اس آیت کے بارے بہت سے مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ زمانۂ رجعت کے بارے میں ہے کہ اس دور میں اس زمین کو دوسری زمین و آسمان میں بدل دیا جائے گا جبکہ وعدے کی شرط اس زمین کی ہے -

یہود نے اسرائیل کو Promised Land ارض موعود قرار دیا ہوا ہے مگر یہ بھی درست نہیں ہے کیونکہ وعدہ ساری زمین کا ہے نہ کہ صرف ایک محدود قطعۂ زمین کا

اب یہاں آ کر بھی یہ سوال تو باقی ہی رہتا ہے کہ اللہ جل جلالہ کے اس وعدے کا مقصد کیا ہے؟

دوستو! حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا کی جو مادّی حکومت ہے یا یہ ظاہری اور خلقی حکومت

ہے اس حکومت کے اوپر ایک امری حکومت قائم ہے اور یہ ظاہری حکومتیں اس امری حکومت کا ایک سایہ ہوتی ہیں یا اس امری حکومت کے ماتحت کام کرتی ہیں اور وہ امری حکومت ہمیں دکھائی نہیں دیتی لیکن اصل کام اسی کا ہوتا ہے اصل حکم اسی کا چلتا ہے جو مادّی حکومتیں ہوتی ہیں وہ عالم انسان کے جسموں پر حکومت کرتی ہیں کیونکہ جسموں کا تعلّق عالمِ خلق سے ہوتا ہے اور جو امری حکومت ہوتی ہے وہ جسموں پر نہیں بلکہ دلوں ذہنوں اور روحوں پر تصرف کرتی ہے اس سے ثابت ہوا کہ ہر دور میں کچھ صالحین ایسے ہوتے ہیں کہ جو در پردہ اس دنیا پر تصرف فرماتے ہیں اور اس کائنات کے نظام کو چلاتے ہیں اور انہیں صالحین ومتصرفین بھی کہا جاتا ہے

ہم جب نماز پڑھتے ہیں تو آخر میں تین سلام عرض کرتے ہیں اس میں پہلا تو مالک ممکنات سید الموجودات شہنشاہِ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کرتے ہیں اس کے بعد ہم کہتے ہیں

السَّلَامُ عَلَینَا وَ عَلیٰ عِباد اللّٰہِ الصَّالِحین

یعنی ہم پر اور عباد صالحین پر بھی سلام ہو اس میں جو لفظ علینا آتا ہے اس میں ساری دنیا کے مومنین وصالحین آجاتے ہیں اور عبادِ صالحین سے وہ حکام مراد ہوتے ہیں جو حکومت اِلٰہیہ کے باطنی حکام وعمال ہوتے ہیں

صالح کے معنی نیک کے نہیں ہیں بلکہ صالح اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے حقوق وفرائض کو ٹھیک ٹھیک پورا کرے جیسا کہ کہا جاتا ہے ھو صالح فی عملہ یعنی وہ اپنے کام کو ٹھیک طریقے سے ادا کرنے والا ہے یا یہ کہا جاتا ہے ھو صالح لکذا یعنی وہ اس کی پوری صلاحیت رکھتا ہے اس کے کرنے کے قابل ہے یا اس کام یا عہدے

کی ذمہ داریوں کو نبھانے کی قابلیت رکھتا ہے کیونکہ حکومت اِلٰہیہ کے حکام ذمہ دار افراد ہوتے ہیں اور اپنے فرائض کو نبھانے کی پوری پوری صلاحیت رکھتے ہیں اس لئے انہیں صالحین کہا گیا ہے عام نیک مومنین کو اسی لئے صالح قرار دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے حقوق و فرائض کی درست ادائیگی کرتے ہیں اور انہی کے بارے میں ہم نماز میں کہتے ہیں کہ ایک ہم پر اور رعایا میں سے جو قابل سلام افراد ہیں ان پر ہمارا سلام ہو اور ساتھ جو حکومت اِلٰہیہ کی طرف سے ہم پر حکام مقرر ہیں ان کو بھی ہمارا سلام ہو اور ہم جب تک ان پر سلام نہ کریں ہماری نماز مکمل نہیں ہوتی اور آخری سلام یعنی جو تیسرا سلام ہے وہ ہم ان حکام پر حاکم ذات یعنی قطب الاقطاب غوث الغیوث شہنشاہِ زمانہ عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه کی خدمت میں عرض کرتے ہیں

تصرفاتِ باطنیہ

اس سے پہلے کہ میں متصرفین کے بارے میں کچھ عرض کروں مناسب ہوگا کہ تصرفاتِ باطنیہ کے بارے میں کچھ نہ کچھ عرض کرتا چلوں۔

دوستو! تصرف کے عمومی معنی تو ہیں کسی چیز میں کچھ بڑھانا گھٹانا مگر اصطلاحی معنی ہیں ''کسی چلتے ہوئے نظام System کو روک کر اپنی منشا کے مطابق چلانا'' تصرف ہوتا ہے مثلاً ایک آدمی مسلسل صحت مند آرہا ہے اسے ایکدم بیمار کر دینا یا کوئی مسلسل بیمار آرہا ہے اسے ایکدم تندرست کر دینا یہ تصرف کی ادنیٰ مثالیں ہیں اسی طرح کے عام اور عادی کاموں کے نظام کو اپنی مٹھی میں لے کر چلانا تصرف شمار ہوتا ہے اور اس کے کئی درجات ہوتے ہیں یعنی جتنا بڑا درجہ ہوگا تصرف کا دائرہ اتنا بڑا ہوگا

تصرف کا درجۂ اول

تصرف کا سب سے کم تر درجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان جڑی بوٹیوں عقاقیر وغیرہ سے یا معدنیات وحیوانات کی پوشیدہ خاصیتوں کو دریافت کر لے اور اس سے علاج وغیرہ کرے کیونکہ سبھی جڑی بوٹیوں اور معدنیات وحیوانات میں ایسی تاثیرات ہوتی ہیں کہ جو تصرف کی صلاحیت رکھتی ہیں یعنی مریضوں کو شفا دینا یا صحت مندوں کو بیمار کرنا یا موت دے دینا وغیرہ جیسا تصرف ان میں بھی موجود ہوتا ہے مگر یہ انتہائی ادنیٰ درجے کا تصرف ہے مگر اسے تصرف ہی کہا جاتا ہے

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ چیزیں یہ تصرف کہاں سے حاصل کرتی ہیں؟ یا ان میں یہ تاثیر کہاں سے آتی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ رب ذوالجلال والاکرام اپنے کلام مقدّس میں فرماتا ہے

اِن مِّن شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِہٖ یعنی دنیا کی ہر چیز اللہ جل جلالہ کی تسبیح کرتی ہے جب کوئی چیز تسبیح کرتی ہے تو اس کی تسبیح کی وجہ سے اس میں اس اسم الٰہی کے اثرات آجاتے ہیں اب جیسے اسم کی وہ چیز تسبیح کرتی ہے اس اسم کی اس میں تاثیر آجاتی ہے جیسے کوئی آدمی بھی اسم شافی کا وظیفہ کرنا شروع کر دے تو اس میں اس اسم کی وجہ سے شفا کی صلاحیت پیدا ہو جائے گی اسی طرح اسم رزاق سے وسعت رزق ہوتی ہے اسم قدوس سے تقدس پیدا ہو جاتا ہے اسم رحیم سے رحمت پیدا ہو جاتی ہے اور ان اسما کے اسی طرح تاثیرات انسان میں آتے جاتے ہیں اسی طرح جملہ جڑی بوٹیوں میں بھی تاثیرات پیدا ہو جاتے ہیں

ہمارے سامنے تو یہ کہا جاتا ہے کہ اللہ جل جلالہ کے کل ننانوے اسمائے حسنہ ہیں جبکہ

اس سے قبل چار سو اسمائے حسنہ مانے جاتے تھے پھر حضرت عبدالقادر جیلانیؒ نے باقی اسما کو خارج فرمایا اور 99 اسمائے مبارکہ کو صفاتی اسما قرار دیا اور ایک اسم اللہ کو اسم ذات قرار دیا مگر آفاقی لحاظ سے ہمیں اس حقیقت کو سمجھنا چاہیے کہ جتنی چیزیں اس کائنات میں موجود ہیں ان سب کی تعداد سے بھی لاکھوں گنا زیادہ اللہ جل جلالہ کے اسمائے حسنٰی ہیں اور دنیا کی ہر صنف ہر نوع اور ہر نوع کا ہر فرد اس کائنات کا ہر ذرّہ اللہ جل جلالہ کے ایک نئے نام کی تسبیح کرتا ہے مگر انسان کا شعور ان کے ادراک سے قاصر ہے اسی خالق نے یہ بھی فرمایا کہ وَلَـٰكِن لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ یعنی ان کی تسبیح کا ادراک نہ ممکن ہے نہ سمجھ آنے والا ہے' کیونکہ دنیا کی ہر چیز ایک اسم اِلٰہی کا ذکر کرتی ہے اس کی جاپ کرتی ہے اس لئے اس میں وہ اسم اپنی مکمل تاثیرات کے ساتھ جاری ہو جاتا ہے اور جب وہ چیز کسی انسان کے اندر چلی جاتی ہے تو اس کے تاثیرات انسان کے بدن و اعضا پر تصرف کر لیتے ہیں مثلاً سم الفار ہے وہ اسم الیابس کی تسبیح کرتا ہے تو اس میں یہ اسم جاری ہو جاتا ہے اس طرح اس میں موت کے تاثیرات پیدا ہو جاتے ہیں یعنی انسان جب اسے اپنے جسم کے اندر پہنچاتا ہے تو وہ اس پر موت کو جاری کر دیتا ہے اسی طرح کئی ایسے معدنیات ہیں کہ جن کے Molecules کئی ایٹموں سے بنے ہوتے ہیں تو ہر Molecule کا ہر ایٹم علیحدہ علیحدہ اسمائے حسنٰی کی جاپ کرتا ہے اس سے اس میں کئی طرح کے تاثیرات آ جاتے ہیں جس سے وہ کسی ایک کیلئے مضر اور دوسرے کیلئے مفید ہو جاتے ہیں اس بات کو اگر ہم سائنسی انداز میں بیان کریں تو وہ اس طرح ہو گا کہ جب کوئی خاص عنصر کسی خاص اسم اِلٰہی کی تسبیح کرتا ہے تو اس میں ایک خاص Chemical کیمیکل پیدا ہو جاتا ہے

جو کسی خاص عمل کا حامل ہوتا ہے

آج سائنس کہتی ہے کہ فلاں چیز کو استعمال کریں اس میں Iodine آئیوڈین ہے یہ فلاں مرض کیلئے مفید ہے فلاں چیز کو استعمال کریں اس میں Calcium کیلشیم ہے اس میں Phosphorus فاسفورس ہے اس میں Nicotine نیکوٹین ہے یہ فلاں فلاں امراض کیلئے صحت بخش ہیں اب انہیں یہ معلوم نہیں کہ ان چیزوں میں یہ تاثیر کیوں ہے وہ ایک تجربہ کرتے ہیں کہ جس میں یہ Chemical کیمیکل پائے جاتے ہیں وہ فلاں مرض کیلئے صحت بخش ہے اور جس میں فلاں Chemical کیمیکل پائے جاتے ہیں تو تجربے کے بعد پتہ چلا ہے کہ وہ فلاں مرض پیدا کرتے ہیں مگر انہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان تاثیرات کی وجہ کیا ہے اور ان میں یہ تاثیرات کہاں سے آئے ہیں اور ان میں کیوں موجود ہیں اس کیوں کا جواب یہی ہے کہ اس یونیورس Universe میں جو ایٹم تخلیق ہوتے ہیں وہ کسی کیمیاوی تعامل سے پیدا نہیں ہوتے بلکہ اس کائنات میں اسمائے اِلٰہی کا سمندر موجزن ہے جو اس کائنات کے اوّلین عناصر کو تخلیق کرتے رہتے ہیں اور جس خصوصیت کا حامل اسم کوئی ایٹم تخلیق کرتا ہے اس ایٹم میں اس اسم اِلٰہی کے تاثیرات جاری ہو جاتے ہیں اور پھر وہ ایٹم اس اسم اِلٰہی کی تسبیح کرتا ہے کہ جو اس کا باری و خالق ہوتا ہے اور پھر وہ اپنے مربی اسم کی صفات سے متصف ہو جاتا ہے اور اس میں تاثیر پیدا ہوتی ہے اور اس اسم کے ہم مزاج عمل پر تصرف پا لیتا ہے اور اسی طرح ساری چیزیں اسمائے اِلٰہی کی تسبیح کرتی ہیں جس سے وہ مخصوص اسم ان میں جاری ہو جاتا ہے اور انہیں تھوڑا سا تصرف مل جاتا ہے یعنی صحت اور سقم کا انہیں اختیار مل جاتا ہے اور ایک حکیم یا ڈاکٹر انہی چیزوں

سے ادویات بناتے ہیں اور انہیں انسان کے جسم میں داخل کرتے ہیں اور انہی کے تصرف کو اپنے لئے استعمال کرتے ہوئے مریضوں کو صحت دے رہے ہوتے ہیں۔
اس دور میں کچھ لوگ موحّد بننے کیلئے صحت وسقم، موت وحیات وغیرہ تک کو اللہ جل جلالہ کے علاوہ کسی سے مانگنا یا دینا جائز نہیں سمجھتے حالانکہ یہ تصرفات جڑی بوٹیوں عقاقیر معدنیات وکیمیکل تک کو حاصل ہیں اب اگر صحت اللہ جل جلالہ سے بلا واسطہ ہی لینا واجب ہوتا تو علاج حرام ہوتا کیونکہ ان ساری چیزوں میں اس ذات واجب کی تاثیر پائی جاتی ہے اس لئے علاج کو سنت مانا جاتا ہے اور جڑی بوٹیوں سے مدد لینے سے کوئی منع نہیں کرتا اگر غیر اللہ سے مدد لینا حرام ہے یا کفر یا شرک ہے تو پھر علاج بھی ایک طرح سے غیر اللہ سے استمداد ہی ہے

تصرف کا دوسرا درجہ

کئی عامل حضرات بعض اسمائے اِلٰہی کی جاپ کرتے ہیں اور اس طرح کرتے ہیں کہ ان میں وہ اسم اِلٰہی جاری ہوجاتا ہے اور وہ ان کے روئیں روئیں میں جاری ہوجاتا ہے اور جب ان کے پاس کوئی مریض لایا جاتا ہے تو وہ اس اسم اِلٰہی کو بذریعۂ دم اس مریض کے جسم میں داخل کردیتے ہیں تو وہ مریض صحت مند ہوجاتا ہے اور یہ تصرف انہیں اسم اِلٰہی کی جاپ اور من میں جاری ہونے سے حاصل ہوتا ہے اور یہ بھی تصرف ہی کی ایک قسم ہے جو دوسرے درجے کا تصرف کہلاتا ہے
مگر یہ ساری چیزیں انسان کو محنت کے بعد ملتی ہیں اور یہ ساری چیزیں محدود ہوتی ہیں اور ان سے جو اعلیٰ تصرف ہے وہ تصرف لدّنی ہے

تصرفِ لدّنی

تصرفِ لدنی عطائے محض ہوتا ہے اور اس کے بھی کئی درجات ہیں یہ اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کو حاصل ہوتا ہے اور یہ انہیں یہاں آ کر نہیں ملتا بلکہ ازل سے انہی کے حصہ میں آ جاتا ہے اور اس کے حصول کیلئے کسی ریاضت کی ضرورت نہیں ہوتی ان کے تصرف سے بھی اعلیٰ تصرف ''متصرفین'' کا ہوتا ہے جنہیں ''رجال الغیب'' بھی کہا جاتا ہے اور انہیں ''اہل تکوین'' بھی کہتے ہیں اور یہی حکومت اِلٰہیہ کے اعمال و حکام ہوتے ہیں اور یہی اللہ جل جلالہ کی امری حکومت کی مشینری ہوتے ہیں کیونکہ یہی اس دنیا کا نظام چلاتے ہیں اور یہی اللہ جل جلالہ کے وعدۂ برحق کے موعود ہوتے ہیں کہ جن کے بارے میں اللہ جل جلالہ نے ازل سے وعدہ فرمایا تھا کہ میری اس زمین کے ہمیشہ صالحین وارث رہیں گے یہ علیحدہ بات ہے کہ ہم ان کی حکومت کو محسوس نہ کرسکیں ان کے نظام کو دیکھ نہ سکیں ان کے فعل و عمل کو دریافت نہ کر سکیں ان کے System اور تصرف کا ادراک نہ کرسکیں مگر اس زمین کے اصلی وارث و حاکم یہی صالحین ہوتے ہیں اور جو حکومت کوئی تصرف کرتی نظر آتی ہے دراصل وہ ان کے احکام سے تجاوز نہیں کرسکتی۔

جناب عبداللہ بن مسعود و ابن صامت اور انس بن مالک اور دیگر بہت سے اصحاب سے اس موضوع پر روایات ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا ان اِلٰہی عہدہ داروں سے کبھی خالی نہیں ہوتی ان کے وجود کی برکت سے دنیا آباد رہتی ہے ان کی برکت سے آسمان بارشیں برساتا ہے زمین سے فصلیں اگتی ہیں انہی کی وجہ سے اہل زمین پر اللہ جل جلالہ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے ان کی خصوصیت یہ ہے کہ جو بھی ان پر ظلم کرتا ہے

وہ معاف فرماتے ہیں جو ان سے برا سلوک کرتا ہے وہ اس پر بھی احسان کرتے ہیں ہمیشہ دنیا والوں میں پوشیدہ رہتے ہیں

اس طرح ان کے بہت سے صفات بیان ہوئے ہیں لیکن یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ ان عہدہ داروں میں سے کوئی بھی صاحبِ جلال نہیں ہوتا اور یہ سارے صاحبان جمال ہوتے ہیں کیونکہ جلالی صالحین کا مقام جمالی صالحین سے پست ہوتا ہے

راز داری Secrecy ان کا شعار ہوتا ہے ان میں سے کوئی کسی پر بھی اپنا راز افشا نہیں ہونے دیتا اگر خدانخواستہ ان سے کوئی راز افشا ہو جائے تو پھر یہ اپنے عہدے سے سلب ہو جاتے ہیں اس لئے شہرت کو یہ زہر قاتل سمجھتے ہیں

اولیائے کرام تو دنیا میں لاتعداد ہوتے ہیں مگر حکومتِ الٰہیہ کے عہدے دار مخصوص تعداد میں ہوتے ہیں اور ان عہدہ داروں میں سے کوئی بھی مسند ارشاد کا حامل نہیں ہوتا یعنی دین کی تبلیغ کرنا لوگوں کو ہدایت کرنا کسی کو نیکی کی تلقین کرنا ان کے عہدے سے خارج ہوتا ہے

ان کے خفیہ اجتماعات اور کانفرنسیں بھی ہوتی ہیں جو ماہ رمضان اور نیمہ شعبان کی رات کو ہوتی ہیں کیونکہ اس رات بارگاہِ امامِ وقت میں ملکوت اور روح کا نزول ہوتا ہے اور دنیا کے پورے سال کے مقدّر کے فیصلے ہوتے ہیں امامِ وقت اس رات ایک سال کے شیڈول کا اعلان فرماتے ہیں دنیا کا بجٹ پیش کیا جاتا ہے اور وہ شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف اپنے احکام کے نفاذ کیلئے اپنے سارے عہدہ داروں کو احکامات عطا فرماتے ہیں یہی رات خیر من الف شہر ہوتی ہے اسی رات پوری دنیا کے ارزاق کا فیصلہ ہوتا ہے اور اس پر عمل تو حکومتِ امری کے عہدہ دار ہی

کرواتے ہیں ساتھ ہی انہیں صوابدیدی تصرف بھی ملتا ہےیعنی وہ اپنی مرضی سے اس میں ترمیم کے مجاز بھی ہوتے ہیں کیونکہ وہ ☆مَا تَشَاؤُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ کے مصداق ہوتے ہیں اس لئے وہ بھی اللہ جل جلالہ کی مرضی ہی شمار ہوتی ہے وہ اس مادّی وظاہری دنیا میں باطنی نگران اور حاکم ہوتے ہیں اور وہ ایک دوسرے سے باطنی طور پر ملتے ہیں ان کی کانفرنسیں ہوتی ہیں کچھ غار حرا میں ہوتی ہیں کچھ غار عتیق میں ہوتی ہیں کچھ میٹنگز قریہ القرعا میں ہوتی ہیں، سرمن میں ہوتی ہیں وغیرہ وغیرہ ہاں جوافسر ہوتا ہے وہ اپنے ماتحتوں سے روزانہ ملتا ہےاوران کی رپورٹ لیتا ہےاورکوئی ایمرجنسی حکم ہوتواس کے نفاذ کا حکم بھی صادر فرماتا ہےاس کیلئے ایک واقعہ عرض کرتا ہوں وائسرائے ہند کا واقعہ ہے کہ وہ دہلی میں اپنی Residency ریزیڈنسی میں رہتا تھا اوراس کا ایک بھائی ڈھاکہ میں کمشنر تھا اس وائسرائے کے ہاں ایک مسلمان خانسامہ (باورچی) تھا جواس کا کھانا پکاتا تھا ایک دن وائسرائے کوکسی نے اطلاع دی کہ تمہارا خانسامہ رات بارہ بجے کے بعد باہر چلا جاتا ہے کہیں یہ کوئی جاسوس تو نہیں ہے اس نے جواب دیا کہ یہ آدمی انتہائی دیانت دار ہے مگر میں اسے پھر بھی Watch کروں گا اس رات جب وہ خانسامہ اس کا رات کا کھانا لایا تو وائسرائے ٹیلی فون پر اپنے ڈھاکہ والے بھائی سے بات کر رہا تھا اور وہ اسے کہہ رہا تھا میں ڈھاکہ میں پریشان ہوں تم ملکۂ برطانیہ سے کہہ کر میرا تبادلہ دہلی میں کروا دو ہم دونوں بھائی ایک ساتھ رہیں گے اور وائسرائے اسے بتا رہا تھا کہ تمہارا ڈھاکہ میں رہنا بڑا ضروری ہے اور حکومت برطانیہ کی یہ پالیسی ہے کہ کمشنر ہمیشہ کسی نہ کسی انگریز کو رہنا چاہیے اس لئے تمہارا تبادلہ ناممکن ہے اس کے بھائی نے کہا کہ تم کوشش

تو کر کے دیکھو یہ ساری باتیں وہ خانسامہ سن رہا تھا پھر اس نے کھانا لگایا اور وائسرائے صاحب نے کھانا کھایا جب رات ہوئی تو اس نے اپنے خانسامہ کی نگرانی کرنا شروع کر دی، جب رات کے بارہ بجے تو اس نے دیکھا کہ اس کا خانسامہ اس کی کوٹھی کے مین گیٹ کی طرف بڑھ رہا ہے تو وہ فوراً اس کے تعاقب میں چل پڑا وہ خانسامہ اس کے محل سے باہر نکلا اور پرانی دہلی کی طرف چل پڑا کافی گلیوں کے موڑ مڑنے کے بعد وہ ایک کھنڈر میں پہنچا وائسرائے بھی اس کے تعاقب میں وہاں پہنچا اس نے چھپ کر دیکھا تو وہاں کئی مجذوب اور گلیوں میں بھیک مانگنے والے جمع تھے جونہی ان کی نظر خانسامے پر پڑی تو وہ فوراً تعظیم کو کھڑے ہوئے اس نے انہیں بیٹھنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ آج مجھے جلدی جانا ہے اس لئے احکام فوری سن لو اس کے بعد انہی میں سے کسی فقیر سے کہا کہ تم نے ملک کا فلاں معاملہ اس طرح کرنا ہے دوسرے سے فرمایا کہ تم نے فلاں معاملہ اس طرح کرنا ہے اسی طرح سب کو احکام صادر فرماتے گئے اور آخر میں ایک فقیر سے فرمایا تم آج ہی کمشنر ڈھاکہ کا تبادلہ دہلی میں کر دو

یہ فرما کر وہ فوراً واپس آ گئے اور ان کے بعد وائسرائے بھی اپنے محل میں پہنچ گیا جب صبح کو خانسامہ وائسرائے کی Bedtea (صبح کی چائے) لے کر پہنچا تو وائسرائے ٹیلی فون سن رہا تھا اور اس کے بھائی نے اسے بتایا کہ آج رات تین بجے انگلینڈ سے ٹیلی فون آیا ہے کہ تم فوراً ڈھاکہ کا چارج چھوڑ و اور دہلی کا چارج سنبھالو اس تبادلے کیلئے میں آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں اس پر وائسرائے نے کہا بھائی اس میں میری کوئی کوشش شامل نہیں ہے یہ کسی اور کی مہربانی سے ہوا ہے اور میں نے تو ابھی تک بات بھی نہیں کی ہے یہ باتیں کرنے کے بعد جب اس نے ٹیلی فون بند کیا تو

خانسامے کو بیٹھے بیٹھے سلیوٹ کیا اور کہا ''Thank You Sir'' یہ سنتے ہی اس کے ہاتھ سے چائے کی ٹرے گر گئی اس نے کہا ''Sorry Sir'' اور یہ کہہ کر وہ باہر چلا گیا اب وائسرائے صاحب اس انتظار میں تھے کہ دوبارہ جب وہ چائے لائے گا تو میں اس سے باتیں کروں گا مگر وہ کافی دیر تک نہ آئے جب اس نے پتہ کروایا تو پتہ چلا کہ وہ کہیں غائب ہو گئے ہیں

اسی واقعے سے اندازہ لگائیں کہ ان میں کس طرح افسری ماتحتی کا سسٹم ہوتا ہے اور ان کا دائرۂ اختیار کتنا وسیع ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ظاہری حکومتیں جسموں پر حاکم ہوتی ہیں اور امری حکومت ذہنوں اور روحوں پر حاکم ہوتی ہے اگر ایک انسان کے نظام کو دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ کام تو جسم کے اعضاء کرتے ہیں مگر ان انسانی افعال پر انسان کا ذہن حکومت کرتا ہے اور ذہن پر روح کا امری حکم نافذ رہتا ہے اور امری حکومت کا تصرف ذہن اور روح پر رہتا ہے آپ دیکھیں ایک جج فیصلہ لکھ رہا ہوتا ہے اس کا قلم اس کی انگلیوں کے تصرف میں گردش کرتا ہے اور اس کی انگلیاں اس کے ذہن کے تصرف میں ہوتی ہیں اور اس کا ذہن ایک ٹیلی پیتھی کے عمل کی طرح متصرف اِلٰہی کی انگلیوں میں گردش کرتا ہے اب خود سوچیں کہ اصل فیصلہ کون لکھ رہا ہے؟ اسی طرح رجال الغیب متصرفین اور اہل تکوین کا تصرف ہی پوری دنیا پر جاری ہوتا ہے یہ علیحدہ بات ہے کہ ہم اس تصرف کو دیکھ یا محسوس نہ کر سکیں لیکن یہ بھی تو ہمارا مشاہدہ ہے کہ ہم اپنے افعال کے اصل فاعل یعنی اپنے ذہن کی حکومت اور تصرف کو بھی تو نہیں دیکھ سکتے اپنے نفس کے تدبر اور حکمرانی کا مشاہدہ بھی تو نہیں کر سکتے جس طرح اس سے انکار

عقلاً درست نہیں اسی طرح اس امری حکومت کا انکار بھی مناسب نہیں ہے

سلسلہ اختیارات

دوستو! اس امری حکومت کے اختیار کا سلسلہ اختیاراتِ اِلٰہی سے شروع ہوتا ہے اور متصرف دہقانی تک جاتا ہے بلاتشبیہ ایک شہنشاہیت کا جیسے نظام ہوتا ہے یعنی ایک بادشاہ ہوتا ہے وہ اپنے اختیارت کو اپنے پاس رکھ لے تو اس کا انتظام نہیں چل سکتا اور پھر کچھ اختیارات ایسے ہوتے ہیں کہ جنہیں استعمال کرنا خود بادشاہ کی توہین ہوتی ہے اسی لئے ہر حکومت کا ایک پورا نظام ہوتا ہے بادشاہ سے نیچے وزیراعلیٰ ہوتا ہے اس کے نیچے وزرا کی ایک کابینہ ہوتی ہے اس کے نیچے انتظامیہ عدلیہ اور دیگر شعبوں کے سربراہان ہوتے ہیں پھر ہر ضلع کا ایک افسر ہوتا ہے پھر اس کے ماتحت تحصیلوں کے حاکم ہوتے ہیں پھر ان کے نیچے کئی عمال اور اہل کار ہوتے ہیں حکومت وقت انہیں ایک فریم ورک اور Principle of Rule دے دیتی ہے اور باقی طریقۂ کار ان کا صوابدیدی ہوتا ہے

اسی طرح یہاں بھی حاکم اعلیٰ رب ذوالجلال والاکرام جل جلالہ ہوتا ہے مگر اس کی طرف سے اختیارات اوپر سے نیچے تک آتے ہیں اور علاقوں میں اللہ جل جلالہ کے اختیارات کو خود اللہ جل جلالہ استعمال نہیں کرتا بلکہ اس کی حکومت کے نمائندے استعمال کرتے ہیں جیسے زمین کے امور ایک پٹواری انجام دیتا ہے اب اگر ملک کا سربراہ کسی کو کوئی قطعۂ ارضی الاٹ بھی کردے تو کام پھر بھی پٹواری کو کرنا پڑتا ہے اور پٹواری کا کام سربراہِ مملکت کیلئے توہین کی طرح ہوتا ہے اسی طرح اللہ جل جلالہ کا خود آکر کسی کی مدد کرنا کسی ماں کے پیٹ میں بچّے کو بدست خود بنانا اس کی توہین کے

مترادف ہے اس لئے یہ کام اس کے عمال وحکام کرتے ہیں اور انہیں صوابدیدی اختیارات بھی حاصل ہوتے ہیں

جس طرح عام حکومتیں اس بات کا خیال رکھتی ہیں کہ جہاں قانون شکنی زیادہ ہوجائے وہاں کسی سخت گیر حاکم کوتعیّنات کیا جاتا ہے اسی طرح جس علاقے میں قانون اِلٰہی کی قانون شکنی بڑھ جاتی ہے وہاں حکومت اِلٰہیہ کا کوئی سخت گیر حاکم تعیّنات کیا جاتا ہےاور وہ اس نظام کوسنبھال لیتا ہے

علامہ اقبال مرحوم کا ایک واقعہ ہے کہ ایک دن وہ اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے سردی کی رات تھی وہ مطالعے میں مصروف تھے کہ اچانک دروازے پر دستک ہوئی انھوں نے خود جاکر دروازہ کھولا تو ایک سفید لباس جوان کو دیکھا بعد از سلام انہوں نے فرمایا کیا ہمیں اجازت ہے کہ اندر آجائیں؟ وہ انہیں لےکر اندر آ گئے اور پھر ان سے سوال کیا کہ آپ کیا لینا پسند کریں گے؟ انہوں نے فرمایا دودھ کی لسی وہ بھی برف والی علامہ صاحب نے عرض کیا حضور وہ تو یہاں نہیں ملے گی ،انہوں نے فرمایا نہیں آپ اپنے خادم کوبھیجیں سامنے گلی کی نکڑ پر ایک کھوکھا کھلا ہے اس میں یہ ساری چیزیں مل جائیں گی علامہ مرحوم نے اپنے خادم کو بھیجا وہ لسی وغیرہ لے آیا اس کے بعد ان کا سلسلہ کلام شروع ہوا تو علامہ صاحب نے علمی طور پر ان کے مقابلے میں خود کو بونا محسوس کیا۔ آخر میں وہ رخصت ہونے لگے تو انہوں نے فرمایا ہم یہاں حکومت اِلٰہیہ کے لاہور کے حاکم تھے آج ہمارا یہاں سے تبادلہ ہوگیا ہے اور حکم ہوا تھا کہ آپ سے ملتے جائیں سو اسی کیلئے آ گئے

علامہ صاحب نے عرض کیا حضور اب کون یہاں تعیّنات ہوا ہے؟ فرمایا ایک انتہائی

سخت گیراور جلال والا حاکم یہاں مقرر کیا گیا ہے اس پر انہوں نے فرمایا کیا میں اس سے مل سکتا ہوں؟ انہوں نے فرمایا ہاں صرف ایک بار اس سے مل سکتے ہیں وہ فلاں بازار میں کل مشک لے کر سڑک پر پانی چھڑکا رہے ہوں گے وہاں ان کی زیارت کر لینا اگلے دن علامہ صاحب نے گلی کی نکڑ پر جا کر دیکھا تو وہاں رات والا کھوکھا موجود ہی نہیں تھا پھر وہ اسی بتائے ہوئے بازار کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں وہ حاکم شہر ماشکی کے روپ میں مل گئے انہوں نے جا کر عرض کیا جناب مجھے اجازت ہے کہ میں پانی پی لوں؟ انہوں نے فرمایا نوش جان، علامہ مرحوم فرماتے ہیں کہ جب میں نے مشک کے سامنے اوک (دو ہتھیلیوں کا پیالہ) رکھی تو میں ان کے چہرے کی زیارت میں مصروف ہو گیا اور پانی زمین پر گرنے لگا انہوں نے ایک لمحہ دیکھا اور پھر جلال میں فرمایا اگر پانی پینا ہے تو سیدھی طرح سے پیو ورنہ رفو چکر ہو جاؤ، اس سے میں نے اندازہ لگا لیا کہ یہ واقعی سخت گیر ہیں- وہ فرماتے تھے کہ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ لاہور کا کوئی کیس بری نہیں ہوا حالانکہ اس سے قبل ایسا نہیں ہوتا تھا جج بھی وہی تھے مگر جو کل ضمانتوں پر بڑے بڑے مجرم چھوڑ رہے تھے آج وہ معمولی کیسوں پر بھی سزائیں سنا رہے تھے اور سخت سزائیں سنا رہے تھے

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ ظاہری حکومتیں کچھ نہیں اصل فعال حکومت وہ امری حکومت ہے جو اس کے پسِ پشت کام رہی ہے جب وہاں کوئی سخت حاکم آتا ہے تو یہاں لوگوں کو جرم کی سزائیں ملنا شروع ہو جاتی ہیں اور جب کوئی نرم حاکم علاقے میں تعیّنات ہوتا ہے تو پھر مجرموں کو بھی مہلت دے دی جاتی ہے

ہمارے ہاں اکثر بابا مستو سرکار رحمۃ اللہ علیہ تشریف لایا کرتے تھے وہ مست وار تھے

عام لوگوں کیلئے وہ مجذوب تھے ہمارے لئے نہیں ان کے بہت سے واقعات قابلِ ذکر ہیں ایک رات وہ اپنے کمرے سے نکلے اور ہاتھ میں بڑا سا ڈنڈا لیا اور اس سے زمین کو مارنا شروع کر دیا اور غصے میں زور زور سے فرما رہے تھے تمہیں نیند کیوں آئی تمہاری ذرا سی غفلت نے اتنے آدمیوں کی جان لے لی ہے تمہاری ذرا سی نیند نے ریل گاڑی کو تباہ کر دیا ہے اتنی جانیں ضائع ہوئی ہیں اور تو سو گیا تھا، وہ اس طرح کافی دیر جلال کرتے رہے صبح کو جب ریڈیو پر خبریں نشر ہوئیں تو سب سے پہلی خبر یہی تھی کہ صوبہ سندھ میں سکھر کے مقام پر ریل گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے اور اتنی جانیں ضائع ہوئی ہیں بابا مستو سرکار دراصل حکام اعلیٰ میں سے تھے اور ایک متصرف دِہقانی جو اس علاقے کا حاکم و متصرف تھا اسے تنبیہ کر رہے تھے کہ اس طرح نہیں ہونا تھا جیسا کہ ہو گیا ہے

اس امری حکومت اِلٰہیہ کا یہ قانون ہوتا ہے کہ اصل اختیار تو اللہ جل جلالہ کا ہوتا ہے مگر انہیں استعمال کرنے کی اجازت دی جاتی ہے تب وہ علاقے کے حاکمِ مجاز ہو جاتے ہیں اور اس میں یہ قانون بھی ہے کہ ہر اعلیٰ عہدے دار اختیاراتِ اِلٰہی کو اپنے ماتحت سے استعمال کرواتا ہے خود نہیں کرتا اس کی وضاحت کیلئے ایک واقعہ لکھنا مناسب ہو گا یہ واقعہ سید حسن ابطحی صاحب نے ملاقاتِ امام علیہ الصلوات و السلام میں لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

جناب محمد حسین تبریزی جو بڑے تاجر تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ ان کی اولادِ نرینہ نہ تھی اس وجہ سے پریشان تھے اور اپنی حاجت کیلئے مسجد سہلہ مقدّس میں جا کر امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف سے استغاثہ کیا، وہ فرماتے ہیں جب میں نے رات کو

استغاثہ کیا تو مجھے ظاہراً امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی زیارت ہوئی اورانہوں نے فرمایا شہروژفول میں ایک شخصیت ہیں جناب محمد علی وژفولی آپ ان سے اپنی حاجت بیان کریں وہی آپ کا کام کریں گے میں فوراً وژفول گیا اور وہاں جاکران کو تلاش کیا تو وہ مل گئے ان کی ایک چھوٹی سی کپڑے بننے کی دکان تھی جب میں وہاں پہنچا تو دیکھا وہ کپڑا بننے میں مصروف تھے جونہی میں نے انہیں سلام کیا تو انہوں نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا حاج محمد حسینؒ تمہارا کام تو ہو گیا ہے

جب میں نے یہ سنا تو بہت حیران ہوا کہ انہیں میرا نام کیسے معلوم ہے اور میری حاجت تک سے آگاہ ہیں المختصر میں نے ایک رات ان کے ہاں گزاری اور اگلے دن ان سے گذارش کی کہ آپ مجھے اس عمل سے آگاہ فرمائیں جس کی وجہ سے آپ کو یہ منصب ملا ہے کہ حاجت امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے اور حل آپ فرماتے ہیں انہوں نے پہلے تو نہ بتایا مگر بہت اصرار کے بعد انہوں نے اپنا واقعہ سنایا انہوں نے فرمایا کہ میری اس دکان کے سامنے حکومت وقت کے ایک اہم عہدہ دار کا گھر تھا جو بہت ظالم تھا اور حکومت کی طرف سے اسے گارڈ ملے ہوئے تھے جو اس کے محل نما گھر کا پہرہ دیا کرتے تھے ایک دن ہم اس دکان میں بیٹھے تھے کہ ان گارڈز میں سے ایک گارڈ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ آپ خورد ونوش کا کیا کرتے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ میں پورے سال کیلئے تین سوکلوگرام جوخرید کر رکھ لیتا ہوں کیونکہ نہ میری بیوی ہے اور نہ بچّے ہیں اس لئے آزاد مرد ہوں مجھے یہی جو کافی ہو جاتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ ہمیں یہاں تعیّنات کیا گیا ہے اور اس ظالم حاکم کے ہاں کھانا کھانا ہمارے لئے جائز نہیں ہے اس لئے

آپ سے گذارش ہے کہ اگر آپ کیلئے کوئی مجبوری نہ ہوتو آپ میرے لئے بھی اتنے ہی جو خرید لائیں اور روزانہ مجھے دو عدد روٹیاں پکا کر بھی آپ نے دینا ہیں یہ زحمت آپ کو دے رہا ہوں مگر مجبوری ہے ہم نے ان کی بات سنی تو اسے ٹال نہ سکے اور روزانہ ان کیلئے دو روٹیاں تیار کر لیتا تھا اور انہیں جب فرصت ملتی آ کر تناول فرما لیتے تھے اسی طرح دن گزرتے گئے ایک دن وہ نہ آئے میں نے انتظار کیا مگر نہ آئے تو میں نے جا کر ان کے ساتھیوں سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ وہ بیمار ہیں میں ان کی عیادت کیلئے ان کے پاس گیا انہوں نے مجھے دیکھا تو مسکرائے پھر میں نے عرض کیا اگر اجازت دیں تو میں کسی ڈاکٹر کو بلا لاؤں؟ انہوں نے فرمایا یہ ضروری نہیں ہے کیونکہ آج آدھی رات کو ہم نے اس دار فانی سے دار باقی میں منتقل ہو جانا ہے اب آپ یہاں تشریف لائے ہیں تو میں جو آپ سے کہوں آپ نے اس پر عمل کرنا ہے جو جو کا آٹا بچا ہوا ہے وہ ہم آپ کو دیتے ہیں ہاں جب کوئی آدمی آپ کو بلانے آئے تو میرے پاس فوری آ جایئے گا میں نے عرض کیا کہ آپ مجھے اجازت دیں کہ میں آپ کے پاس رہ جاؤں انہوں نے فرمایا نہیں آپ گھر جائیں جب بلایا جائے تو آ جائیں

میں واپس گھر آ گیا جب آدھی رات گزر گئی تو میرے دروازے پر دستک ہوئی اور کسی نے آواز دی محمد علی ذرا باہر تشریف لائیں یہ سن کر ہم باہر آئے تو دیکھا ایک جوان کھڑے ہوئے ہیں میں نے انہیں اس سے قبل کبھی نہیں دیکھا تھا انہوں نے فرمایا کہ ہمارے ساتھ چلو ہم ان کے ساتھ سامنے والی مسجد میں آئے وہاں آ کر دیکھا تو وہاں ہمارے اس مہربان کا جنازہ رکھا ہوا تھا اور دو آدمی ان کے ساتھ بیٹھے

ہوئے تھے جب انہوں نے ہمیں دیکھا تو فرمایا کہ تم ہمارے ساتھ تعاون کرو ان کے جسد پاک کو یہاں نہیں نہر پر جا کر غسل دینا ہے اور انہیں دوبارہ یہاں مسجد میں آ کر سپردِ خاک کرنا ہے میں نے ان کا ساتھ دیا اور اسی طرح ہم نے انہیں غسل و کفن دیا اور دفن کیا اور میں واپس اپنی دکان پر آ گیا

کچھ راتیں اسی طرح گزر گئیں ایک رات میں سویا ہوا تھا کہ کسی نے پھر میرے دروازے پر دستک دی، میں باہر آیا تو دیکھا ایک جوان کھڑے ہیں انہوں نے مجھے فرمایا کہ آپ کو ''آغا جانؑ'' نے یاد فرمایا ہے میں نے ان کے حکم کی تعمیل کی اور ہم وہاں سے روانہ ہوئے- ہم چلتے چلتے ایک بیابان میں پہنچے لیکن رات ہونے کے باوجود وہ بیابان چودھویں کی رات کی طرح روشن تھا حالانکہ وہ چاند کی آخری راتیں تھیں یہ دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی لیکن ہم چلتے رہے حتیٰ کہ ہم صحرائے نور جو دژفول کے شمال میں واقع ہے اس میں پہنچے-

دور سے ہم نے دیکھا وہاں ایک مسند آراستہ تھی اس پر شہنشاہ امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف تشریف فرما تھے اور چند افراد ان کے گرد دائرے کی شکل میں بیٹھے ہوئے تھے اور ان میں سے ایک شخص کھڑے ہوئے تھے جب ہم ان کے قریب پہنچے تو ان کے جاہ و جلال و رعب و ہیبت سے میرا جسم کانپ رہا تھا جو شخصیت امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے ساتھ کھڑے ہوئے تھے انہوں نے فرمایا ڈرو نہیں قریب آؤ میں یہ حکم پا کر مسند کے قریب جا بیٹھا تو امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف نے ایک اور ''آدمی'' کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ اس سپاہی کا منصب اسے دے دیں کیونکہ اس نے ہمارے ایک شیعہ کی خدمت کی ہے' یہ سن کر میں نے فوراً عرض کیا آقا میں کاروباری آدمی

ہوں سارا دن کپڑا بنتا رہتا ہوں مجھ سے اس سپاہی والا کام نہ ہو سکے گا- دراصل میں نے یہ سمجھا تھا کہ مجھے وہی گارڈ والا منصب دیا جا رہا ہے یہ سن کر شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف (سدا مسکراتے رہیں) میری بیوقوفی پر مسکرائے اور فرمایا ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ جو اس کا منصب تھا وہ آپ کو دے دیں میں پھر بھی نہ سمجھا اور پھر معذرت کی اس کے بعد وہ جناب اور زیادہ مسکرائے اور فرمایا ہم تمہیں سپاہی نہیں بنانا چاہتے بلکہ تمہیں اس کی جگہ پر کام کرنا پڑے گا پھر مجھے ہوش آیا اس کے بعد آپ نے جانے کا حکم دیا میں واپس آیا تو راستے میں بہت اندھیرا تھا اور منصب یہ عطا ہوا ہے آپ جیسے لوگوں کے اولاد کے مسائل بھی ہم ہی حل فرماتے ہیں ہمارا اپنے آقا و مولا عجل اللہ فرجہ الشریف سے رابطہ رہتا ہے وہاں سے دستورات ملتے ہیں احکام صادر ہوتے ہیں کام ہم کرتے ہیں

دوستو! یہ متصرف دہقانی کا عہدہ تھا جو انہیں عطا فرمایا گیا اور شہنشاہ معظم امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف نے جس شخصیت سے فرمایا تھا کہ اس کا عہدہ انہیں دے دو وہ صالحین و اخیار میں سے ایک تھے-

اس حکایت کو بیان کر کے میں یہی عرض کرنا چاہتا تھا کہ ہمارے سامنے جو نظام حکومت ہوتا ہے وہ ظاہری ہوتا ہے مگر حقیقی نہیں ہوتا بلکہ حقیقی نظام حکومت امری حکومت کا ہوتا ہے جو غائبانہ طور پر جاری جو ساری رہتا ہے وہی حکومت اِلٰہیہ ہے اور یہ ظاہری حکومتیں اس حکومت باطنی اور امری کا ایک ظل ہوتی ہیں اور اس کے حاکم اعلیٰ ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف ہی ہیں ہاں جب ان کا خروج ہوگا تو اس وقت یہ باطنی حکومت ظاہری حکومت بن جائے گی اور پھر ساری دنیا اس امری

حکومت کے ماتحت ظاہراً آ جائے گی اور اس کے بعد اس دنیا میں پھر کوئی فساد نہ ہوگا

دوستو! اسی لئے ہمارے لئے یہ لازم ہے کہ ہم دن رات اللہ جل جلالہ کے اس امری

نظام کے ظاہری طور پر نافذ ہونے کی دعا کریں جیسا کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام نے

فرمایا تھا کہ تم دعا کرو......اے اللہ جل جلالہ

Matthew 6:10 to 6:13

Thy kingdom come. Thy will be done in earth, as [it is] in heaven.Give us this day our daily bread. And forgive us our debts, as we forgive our debtors. And lead us not into temptation, but deliver us from evil: For thine is the kingdom, and the power, and the glory, for ever.Amin

اے اللہ جل جلالہ تیرا نام پاک مانا جائے اور تیری بادشاہی آئے (اس دنیا پر ظاہر ہو) تیری مرضی جیسے آسمانوں پر پوری ہوتی ہے ویسی زمین پر بھی پوری ہو (یعنی جیسا وہاں ظاہراً حکم چلتا ہے یہاں بھی ظاہراً حکم چلے) ہماری روز کی روٹی ہمیں آج عطا فرما اور جس طرح ہم نے اپنے قرض داروں کو معاف کر دیا ہے اسی طرح تو بھی ہمارے قرضے معاف فرما اور ہمیں آزمائش میں نہ ڈال بلکہ ہمیں برائی سے بچا [کیونکہ بادشاہی اور قدرت اور جلال ہمیشہ تیرے ہی ہیں]

یعنی ہمیں اپنے شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف کی ابدی حکومت کی تمنا کرنا چاہیے اور وہی حکومتِ اِلٰہیہ ہے اور وہی Kingdom of God ہے دعا کریں کہ خالق اس نظام اِلٰہی کو ظاہراً جلدی نافذ فرمائے جو مخفی حکومت ہے وہ جلدی ظاہر ہو۔

آمین یارب العالمین

اللھم صل علیٰ محمدؐ وآل محمدؐ و عجل فرجھم بقائمھمؑ صلوات اللہ علیہ والسلام

يا هو يا من هو لا هو الا هو الحی القیوم یا هو یا من لا یعلم ما هو الا هو الحی القیوم العلی العظیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک

غوث الغیوثؑ قطب الاقطاب

عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه

الحمد لله رب العالمين و صل علىٰ محمدؐ و آلہٖ اجمعين خصوصاً على حجة الله فی العالمين عجل الله فرجه الشريف و آبائه المعصومين و امهاته الطاهرين الطيبين صلوات الله عليهم اجمعين و لعنة الله علىٰ اعدائهم اجمعين من يوم الازل الى يوم الدين

قال الله تبارك و تعالى فی كتاب المبين بسم الله الرحمن الرحيم

تبارك الذی بيده الملك

اے بلا نوشانِ معرفت!

کل سے ہم نے اپنے شہنشاہِ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے اسمائے مبارکہ میں سے غوثؑ وقطبؑ پر گفتگو جاری رکھی ہوئی ہے۔کل ہم نے عرض کیا تھا کہ اللہ جل جلالہ کا ایک مخفی نظامِ حکومت ہے

جس طرح ہر حکومت کے اندر دو طرح کے سسٹم کارفرما ہوتے ہیں یعنی ایک عوامی نمائندگی کا ہوتا ہے اور دوسرا سسٹم حکومت کا ذاتی ہوتا ہے اسی طرح حکومت اِلٰہیہ

میں بھی دوشعبے ہوتے ہیں۔

(1) شعبۂ ارشاد (2) شعبۂ مدار

ارشاد کا تعلّق عوام سے ہوتا ہے اس میں جو عہدہ دار ہوتے ہیں وہ کسی نہ کسی طرح سے تبلیغ میں مصروف رہتے ہیں ان کا کام دین کی نشر و اشاعت ہوتا ہے اور اس تبلیغ کیلئے انہیں اگر تصرف کی ضرورت پڑتی ہے تو وہ اس کا استعمال بھی کرتے ہیں ان کے اپنے غیوث و ابدال و اقطاب ہوتے ہیں اس پر پھر کبھی بات ہوگی کیونکہ اس تقریر میں ان کا ذکر کرنے سے بات بہت بڑھ جائے گی میں یہاں صرف اس سلسلۂ مدار کا ذکر کر رہا ہوں کہ وہ اللہ جل جلالہ کی حکومت باطنیہ ہے اور اس کا کوئی عہدہ دار ظاہر نہیں ہوتا جبکہ ارشاد کا کوئی عہدہ دار غائب نہیں ہوتا اور ان کا آپس میں ایک ربط ہوتا ہے اصل کام مدار کے عہدہ داروں کا ہوتا ہے جیسے کوئی ایم پی اے یا ایم این اے اگر کبھی کوئی کام کرواتا ہے تو وہ حکومت کے ملازمین سے کرواتا ہے خود کچھ نہیں کر سکتا اسی طرح مسندِ ارشاد والے اپنے کام بھی مسندِ مدار پر متمکن لوگوں سے کرواتے ہیں اور وہ مدار والے ہی حکومت کی مرکزی مشینری ہوتے ہیں اور وہی ان ظاہری حکومتوں سے در پردہ اپنے کام کرتے ہیں یہی شعبۂ مدار و مرکز اس دنیا کے نظام کو چلاتا ہے اور اس میں کئی عہدے دار ہیں جیسا کہ ظاہری حکومتوں کے عہدے ہوتے ہیں اس میں ایک چپڑاسی سے لے کر بائیس 22 یا تیئس 23 عہدے یا گریڈ ہوتے ہیں کئی ملکوں میں اس سے زیادہ ہوتے ہیں اور کئی ممالک میں اس سے کم ہوتے ہیں اور ہر عہدے کا نام علیحدہ ہوتا ہے اور ماضی میں ہمارے ہاں بھی عہدوں کے نام اور تھے اور آج اور ہیں جیسے کبھی حصہ ضلع ہوتا تھا یا تھانیدار کو توال

سے بادشاہ تک منصب دار ہوتے تھے اسی طرح شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف کی جو باطنی حکومت ہے جو حکومت اِلٰہیہ ہے اس کے عہدوں کے نام بھی اس دنیا کے عہدوں اور منصبوں سے مختلف ہیں اور حکومت اِلٰہیہ کے کل دس گریڈ ہیں یعنی دس عہدے اور منصب ہیں ان کی تفصیل کچھ اس طرح سے ہے

(1) متصرفین دہقانی

سب سے نچلی سطح سے اگر ہم بیان کرنا شروع کریں تو سب پہلے متصرفینِ دہقانی آتے ہیں ان کی تعداد معلوم نہیں کیوں کہ یہ 36X36 مربع میل کے علاقے کے حاکم ہوتے ہیں اور کسی کا حلقہ اس سے کم یا زیادہ بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ جناب محمد علی دڑ فولی متصرف دہقانی تھے جن کا ذکر پہلے آ چکا ہے

(2) صالحین واخیار

یہ متصرفینِ دہقانی پر حاکم ونگران ہوتے ہیں اور یہ ایک وقت میں 360 ہوتے ہیں ان کے بارے میں حدیث صحیح میں آیا ہے کہ ان کے قلوب جناب آدم علیه السلام کے ہم مرتبہ ہوتے ہیں

(3) نجباوابرار

ابرار میں سے ہر فرد کے ماتحت پانچ سے چھ صالحین واخیار ہوتے ہیں اور یہ ایک وقت میں 70 ہوتے ہیں

ان کے قلوب کے بارے میں ہے کہ وہ عام انبیاعلیهم السلام کے ہم رتبہ قلوب کے حامل ہوتے ہیں

(4)ابدال

ابدال کی تعداد ایک وقت میں 40 رہتی ہے یہ معلوم نہیں کہ کتنے ابرار پر ایک ابدال حاکم ہوتا ہے

ان کے بارے میں حدیث میں ہے کہ ان کے قلوب جناب موسیٰ علیہ السلام کے قلب کے معیار کے ہوتے ہیں

بہ حدیث دیگر ان کے قلوب انبیائے بنی اسرائیل کے قلوب کے معیار کے ہوتے ہیں اور یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ شام کے ملک کو گالی نہ دو کیونکہ اس میں چالیس ابدال رہتے ہیں (یعنی یہ ان کا Secretariat ہے)

(5) نقبا

نقبا کی تعداد ایک وقت میں 14 رہتی ہے 12 نقبا کے ماتحت 3 ابدال ہوتے ہیں اور دو نقبا کے ماتحت 2 ابدال ہوتے ہیں

ان کے قلوب کے بارے میں ہے کہ ان کے قلوب انبیائے مرسلین کے معیار کے ہوتے ہیں

(6)اوتاد

ایک وقت میں 7 اوتاد ہوتے ہیں اور ایک ایک وتد کے ماتحت دو دو نقیب ہوتے ہیں

'ان کے بارے میں ہے کہ ان کے قلوب جناب ابراہیم علیہ السلام کے قلب کے معیار کے حامل ہوتے ہیں اور یہ بھی ہے کہ یہ کبھی بھی اپنی جگہ نہیں بدلتے بلکہ ایک ہی مقام پر رہ کر نظامِ دنیا پر نگران رہتے ہیں اس لئے انہیں جبال الارض بھی کہا جاتا

ہے کیونکہ خالق نے قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ ہم نے جبال کو زمین کیلئے اوتاد قرار دیا ہے یہی اس دنیا کی بقا کیلئے میخیں ہیں کہ جنہوں نے دنیا کو سنبھال رکھا ہے ان کے بارے میں حدیث ہے کہ

☆وَهُم قَوم لَايَغفِلُونَ عَن رَّبِهِم وَ لَايَجمَعُونَ مِن الدُّنيَا اِلَّا البَلَاغ وَلَا تَصُدُر مِنهُم هَفَوَاتِ الشَر وَلَا يَشتَرِطُ فِيهِمِّ العِصمَةُ مِنَ السَّهوِ وَالنِسيَانِ بَل فِعلُ القَبِيحِ وَ يَشتَرِطُ فِى القُطُبِ

یعنی اوتاد سے لےکر نواب تک یہ ایسا گروہ ہے کہ جو اپنے رب و مربی یعنی شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف سے ایک لمحے کیلئے غافل نہیں ہوتے اور مال دنیا میں سے کچھ بھی جمع نہیں کرتے مگر کسی کو عطا فرمانے کیلئے ۔ اور ان سے کبھی بھول کر بھی کوئی برائی سرزد نہیں ہوتی ہاں سہو ونسیان سے یہ معصوم نہیں ہوتے لیکن فعل حرام گناہان کبیرہ وصغیرہ سے یہ محفوظ و معصوم ہوتے ہیں اور قطب جو ہوتے ہیں وہ سہو ونسیان سے بھی معصوم و محفوظ ہوتے ہیں

بعض کتب میں جناب خضر و جناب الیاس علیہما السلام کو بھی اوتاد میں شامل کیا گیا ہے مگر یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں ذوات کلّی معصوم ہیں حتیٰ کہ سہو ونسیان سے بھی پاک ہیں ان سے ترک اولیٰ بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی خدمت کیلئے مخصوص ہیں اور ہمہ وقت قرب ذات میں رہتے ہیں اس لئے ان کے بارے میں یہ سوچنا بھی درست نہیں ہے، کہنے کو تو بڑے بڑے علما نے شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے بھی نعوذ باللہ سہو ونسیان کے جواز کا فتویٰ دیا ہے مگر ہمارے نزدیک یہ ان کا اشتباہ تھا ورنہ یہ عقیدہ اگر کوئی بدنیتی سے رکھے تو اس

کے کفر پر شک نہیں کرنا چاہیے

(7) عمود

ان کی تعداد ایک دور میں پانچ رہتی ہے اور عمود اوتاد کے نگران و حاکم ہوتے ہیں ان کے بارے میں حدیث میں آیا ہے کہ ان کے قلوب جناب جبریل علیہ السلام کے قلب نوری کے ہم پایہ ہوتے ہیں

(8) مقربین

ایک وقت میں پوری دنیا پر 3 نقبا ہوتے ہیں اور یہ عمود کے حاکم ونگران افسر ہوتے ہیں ان کے بارے میں ہے کہ ان کے قلوب جناب میکائیل علیہ السلام کے قلب نوری کے معیار کے ہوتے ہیں

☆كَلَّا اِنَّ كِتَـابَ الَابرَارِ لَفِى عِلّيّينَ وَمَا اَدرَاكَ مَا عِلّيُّيونَ كِتَابٌ مَّرقُومٌ يَشهَدُ هُ المُقَرّبِينَ ()

سچ تو یہ ہے کہ ابرار کا ریکارڈ علیین میں ہے اے انسان تو کیا جانے علییون کیا ہے وہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے جس کا مشاہدہ مقربین کرتے ہیں یا وہ اس پر گواہ ہیں

(9) قطب

ایک دور میں پوری دنیا پر قطب 2 ہوتے ہیں اور یہ مقربین پر حاکم ونگران ہوتے ہیں ان کے بارے میں ہے کہ ان کے قلوب آئمہ ھدیٰ علیھم الصلوات و السلام کی طینت نوری سے تخلیق شدہ ہوتے ہیں یہ بھی ہے کہ ان عہدہ داروں میں سے اکثر اپنے زیر تصرف علاقے میں چلتے پھرتے ہیں مگر قطب اور اوتاد اپنی جگہ سے نہیں ہلتے بلکہ وہ

ایک ہی جگہ پر رہ کر اپنے علاقے کے نگران ہوتے ہیں اور یہ بھی ہے کہ جس طرح اس زمین کیلئے دو قطب ستارے ہیں اسی طرح یہاں بھی دو قطب ہوتے ہیں اور ایک جگہ پر رہتے ہیں

(10)غوث الزمان یا قلندر

ایک دور میں اس پوری دنیا پر ایک ہی غوث یا قلندر ہوتا ہے ان کے بارے میں حدیث صحیح میں ہے کہ غوث وقلندر پاک کا قلب سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی نوری طینت سے تخلیق شدہ ہوتا ہے اس لئے وہ پوری دنیا میں واحد ہوتے ہیں حکومت اِلٰہیہ کے انتظامیہ کے جو عہدے ہیں وہ قلندر دوراں پر ختم ہو جاتے ہیں اور یہ نظریہ کہ اس دنیا پر صرف اڑھائی قلندر ہیں یہ درست نہیں ہے کیونکہ یہ دنیا کبھی بھی قلندر یعنی غوث زمانؒ سے خالی نہیں ہو سکتی اور ان پر نائب اِلٰہی صاحب العصر والزمان غوث الغیوث قطب الاقطاب عجل اللہ فرجہ الشریف ہی حاکم ہوتے ہیں مگر ایک عہدہ قلندر سے بھی اونچا ہوتا ہے مگر وہ عہدہ انتظامیہ سے تعلّق نہیں رکھتا

(11)اصحاب وخدام

یہ وہ نفوس قدسی ہوتے ہیں جو ہمہ وقت شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی خدمت میں رہتے ہیں یہ ایک لمحہ کیلئے اپنے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف سے علیحدہ نہیں ہوتے یہ ان کی بزم قدسی کی رونق ہوتے ہیں ان میں جناب خضر علیہ السلام بھی شامل ہیں جیسا کہ مسجد جمکران کے واقعے میں تھا کہ وہاں آپ اصحاب کے دائرے میں جلوہ افروز تھے اور جناب خضر علیہ السلام کو آپ کچھ لکھوا رہے تھے

یہاں ایک قلندرانہ بات کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ آپ سارے لوگ یہ تو مانتے ہیں کہ ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف سے دنیا کا کوئی مقام خالی نہیں ہے دوسری طرف یہ بیان ہوا ہے کہ یہ اصحاب وخدام سلام اللہ علیہم اجمعین ہمیشہ ان کی معیّت میں رہتے ہیں تو اس طرح ثابت ہوا کہ ان اصحاب وخدام سلام اللہ علیہم اجمعین سے بھی دنیا کا کوئی مقام خالی نہیں ہے وہ بھی ہر جگہ موجود ہوتے ہیں

آج بھی کئی مہربان ایسے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف بھی ایک وقت میں ایک مقام پر موجود ہوتے ہیں اور وہ بھی ہمہ وقت ہر جگہ موجود نہیں ہیں ان لوگوں کی خدمت میں عرض کروں گا کہ جملہ کتب غیبت میں ہے کہ جہاں بھی جناب خضر علیہ السلام کا نام لو وہاں فوراً انہیں سلام کرو کیونکہ وہ وہاں موجود ہوتے ہیں اب یہ تو احادیث سے ثابت ہے کہ جناب خضر علیہ السلام ہر جگہ موجود ہیں تو کیا وہ جن کے ساتھ رہتے ہیں وہ وہاں موجود نہیں ہوں گے؟ حقیقت یہ ہے کہ جناب خضر علیہ السلام اگر موجود ہیں تو وہ بھی ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی معیّت کی وجہ سے ہیں، کیونکہ وہ ہمیشہ ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے ساتھ رہتے ہیں اس لئے وہ ہر جگہ موجود ہیں

شہنشاہ معظم قطب الاقطاب

عجل اللہ فرجہ الشریف و صلوات اللہ علیہ

ان مذکورہ بالا لوگوں کے اوپر نگرانِ کائنات متصرف بالموجودات رب الارض والسمٰوات یعنی صاحب الزمان غوث الغیوث علیہ الصلوات و السلام کی ذات ہوتی ہے اور وہ اس زمانے میں امام مہدیٔ دوراں حجتِ امکاں عجل اللہ فرجہ الشریف کی ذات

ہے اور شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف کے جو کاتبِ احکام (Reader) ہیں وہ جناب بلیا بن ملکان یعنی خضر علیہ السلام ہوتے ہیں اور امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے ماتحت حکومت الٰہیہ کا جتنا عملہ ہوتا ہے انہیں رجال الغیب کہا جاتا ہے

جغرافیائی تقسیم

حکومت الٰہیہ نے اس دنیا کو انتظامی لحاظ سے دو حصوں میں تقسیم کیا ہوا ہے اگر آپ گلوب پر اسے دیکھیں تو اس کی تقسیم اس طرح ہے پوری دنیا کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے یعنی 40 E ارض بلد سے لے کر 180 W ارض بلد تک ایک حصہ ہوتا ہے اور 180 W سے لے کر 40E تک دوسرا حصہ ہے یا یوں سمجھ لیں کہ آپ دنیا کے گلوب پر شمالاً جنوباً ایک ایسی لکیر لگائیں جو مکہ و مدینہ کو کاٹتی ہوئی شام سے گزر کر قطب جنوبی کے پار اتر کر واپس اپنے آغاز تک آجائے تو اس طرح دنیا کو وہ تربوز کی طرح دو حصوں میں بانٹ دے گی اس کا مشرقی حصہ بھی 180 درجے کا ہوگا اور اس کا مغربی حصہ بھی 180 درجے کا ہوگا

پوری دنیا کے ان دو حصوں پر دو قطب حاکم ہوتے ہیں اور ان کے تین نائب ہوتے ہیں انہیں نقیب کہا جاتا ہے

اس زمین کو جب ہم دیکھتے ہیں تو اس میں پانچ براعظم نظر آتے ہیں ان پانچ برِ اعظموں کے علیحدہ علیحدہ حاکم ہوتے ہیں جنہیں عمود کہا جاتا ہے

ان پانچ براعظموں کو پھر انتظامی امور کیلئے سات حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے جنہیں اقالیم سبعہ (ہفت اقلیم) کہا جاتا ہے ان سات شاہیوں کے جو تکوینی و امری حاکم

ہوتے ہیں انہیں اوتاد کہا جاتا ہے

ان سات شاہیوں کے دو دو صوبے ہوتے ہیں اور جو حکومتِ الٰہیہ کی طرف سے صوبائی وزیراعلیٰ ہوتے ہیں انہیں نجیب یا نجبا کہا جاتا ہے

ان صوبوں کے اندر چالیس کمشنریاں ہوتی ہیں اور ان کے جو ہائی کمشنر ہوتے ہیں انہیں ابدال کہا جاتا ہے

ان کمشنریوں کے اندر ایک سو اضلاع ہوتے ہیں اور ان میں حکومت الٰہیہ کے جو ڈپٹی کمشنرز ہوتے ہیں انہیں ابرار کہا جاتا ہے اور وہ ان اضلاع کے حاکمِ مطلق ہوتے ہیں

پوری دنیا کے سو ضلعے اور تین سو تحصیلیں ہوتی ہیں اور ان تحصیلوں میں حکومت الٰہیہ کی طرف سے جو اسسٹنٹ کمشنرز ہوتے ہیں انہیں اخیار کہا جاتا ہے

ان کے ماتحت متصرفینِ دہقانی ہوتے ہیں جو لاتعداد ہوتے ہیں یعنی ان کی تعداد مالک ہی جانتا ہے کیونکہ وہ بھی چھوٹے چھوٹے حاکم ہوتے ہیں اور ان کی حکومت کا دائرہ 36X36 مربع میل کا ہوتا ہے اور وہ اس پر حکومت الٰہیہ کی طرف سے نگران اور بااختیار حاکم ہوتے ہیں

ان کی تعیّناتی کا جو عمل ہوتا ہے وہ اس طرح ہوتا ہے کہ جس جگہ کا کوئی افسر مولا کو پیارا ہو جاتا ہے تو اس کے ماتحت افراد میں سے کسی کو پروموٹ کر کے اس کی جگہ پُر کر دی جاتی ہے مثلاً اوتاد میں سے جب کسی کا وصال ہوتا ہے تو نجبا میں سے جو زیادہ سینئر ہو اسی کو اوتاد میں شامل کر لیا جاتا ہے اور ابدال میں سے ایک کو نجیب بنا لیا جاتا ہے اور ابرار میں سے ایک کو ابدال کا درجہ دیا جاتا ہے اور اخیار میں سے کسی کو ترقی

دے کر ابرار میں شامل کیا جاتا ہے اور متصرفین دہقانی میں سے کسی کو ترقی دے کر اخیار میں شامل کیا جاتا ہے اور دنیا کے خاص متقین میں سے کسی کو متصرفین میں شامل کرلیا جاتا ہے

قطبیت

سلسلۂ مناصب میں آپ نے دیکھا ہے کہ قطب اور ہے اور غوث اور ہے یعنی قطب کا درجہ نواں 9 ہوتا ہے اور غوث کا دسواں 10 درجہ ہے مگر امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کو قطب الاقطاب اور غوث الغیوث کہا جاتا ہے اس کی وجہ کیا ہے؟ کیونکہ قطب تو دو ہوتے ہیں مگر یہاں جمع کا صیغہ آیا ہے اور غوث ایک ہوتا ہے تو یہاں بھی جمع کا صیغہ آیا ہے اس کی وجہ کیا ہے؟

اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ قطب ایک زمانے میں دو ہوتے ہیں اور وہ ایک مخصوص مدّت تک دنیا پر حاکم رہتے ہیں اس کی بعد واصل الی اللہ ہو جاتے ہیں اسی طرح غوث بھی ایک زمانے میں ایک ہوتا ہے مگر وہ بھی ایک مخصوص مدّت کے بعد واصل باللہ ہو جاتا ہے اس لئے ان چودہ صدیوں میں جانے کتنے اقطاب گزرے ہیں اور جانے کتنے غوث گزرے ہیں یہ عہدہ باقی رہا ہے مگر کوئی غوث دائمی اس عہدے پر فائز نہیں ہے اور امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کا یہ عہدہ دائمی ہے اس لئے انہیں قطب الاقطاب اور غوث الغیوث کہا جاتا ہے

جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ مناصب باطنیہ دو طرح کے ہوتے ہیں یعنی ایک ارشاد کا ہوتا ہے اور دوسرا امداد کا اور ان کے غوث و قطب بھی علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں اس لئے ان کے متعدد ہونے کی وجہ سے بھی ہمارے شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف

قطب الاقطاب ہیں

ایک اور وجہ بھی ہے کہ عام قلندر غوث یا قطب جو بھی ہوتا ہے ایک کرہ مسکونہ تک محدود ہوتا ہے کیونکہ اس کائنات میں کروڑوں اربوں کہکشائیں ہیں ان میں ایسے کئی کُرے یعنی زمینیں موجود ہیں اور ان میں یہی نظام چل رہا ہے اور وہاں بھی لاکھوں کروڑوں قطب، ابدال، قلندر، غوث موجود ہیں اور ان سب پر حاکم ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف ہیں اس لئے انہیں قطب الاقطاب کہا جاتا ہے

جیسا کہ کئی روایات میں ہے کہ اس کائنات میں لاتعداد زمینیں ہیں اور ان میں ہمارے جیسے شہر آباد ہیں اور ان میں بھی یہی نظام جاری ہے اور جب ان کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ وہاں حجتّ خدا کون ہے تو فرمایا گیا نحن حجة الله عليهم یعنی ہم ہی ان پر اللہ کی حجتّ ہیں۔

سلسلہٴ ولایت

یہاں ایک بات کی وضاحت کرنا لازم ہے وہ یہ ہے کہ اس دنیا میں جو مقدّس افراد وصول من اللہ کے حامل ہوتے ہیں وہ دو طرح کے ہوتے ہیں ایک تو یہ سلسلہٴ حکام ہے جنہیں متصرفین واہل تکوین یا رجال الغیب کہا جاتا ہے اس کے ساتھ ایک اور سلسلہ بھی ہوتا ہے وہ ہے سلسلہٴ ولایت یعنی عمومی اولیا کا ایک سلسلہ ہوتا ہے جن کی کوئی خاص تعداد مقرر نہیں ہوتی اور نظام دنیا چلانا ان کے فرائض منصبی میں نہیں ہوتا انہیں تزکیات نفس کی جزا کے طور پر تصرف دیا جاتا ہے اور وہ ظاہراً موجود رہتے ہیں ان میں سے کچھ مسند ارشاد کے حامل ہوتے ہیں اور ان میں سے کچھ مجذوب ہوتے ہیں جو انسانیت کو فیض پہنچاتے ہیں ہاں جو مسند ارشاد کے حامل ہوتے ہیں وہ اوامرو

نواہی، حلال وحرام، شریعت وطریقت، حقیقت ومعرفت کا درس بھی دیتے ہیں یعنی زندگی کے ہر شعبے میں ہدایت فرماتے ہیں اور جو مجذوب ہوتے ہیں وہ روحانی فیض پہنچاتے ہیں اور ان کے بھی درجات ہوتے ہیں اور ان کا آخری درجہ قطب ارشاد کا ہوتا ہے اور قطب ارشاد پوری دنیا پر ایک ہوتا ہے اور شہنشاہِ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف سے وہ بلا واسطہ فیض پاتا ہے اسی کے بارے میں شیخ احمد فاروقی سرہندی مجدّد الف ثانیؒ از مشائخ نقشبندیہ اپنی کتاب فتح مبین میں لکھتے ہیں کہ

☆اِنَّ القُطبِیَّةَ بَعدَ اَئِمَّةَ اَهلَ البَیتِ المَشهُورِینَ رَضِیَ اللّٰهُ تعالیٰ عَنهُم لَم تَثبُت لِاَحَدٍ اَصَالَةً وَ اِنَّمَا کَانَ کُلُّ قُطبٍ بَعدَهُم نَائِباً عَنهُم اِلٰی اَن ظَهَرَ البَازُ الاَشهَبُ ۔ وَ اِنَّمَا تَکُونَ الاَقطَابُ بَعدَهٗ نُوَّابَهٗ اِلٰی اَن یَّظهَرُ المَهدِی عَجَلَ اللّٰهُ فَرَجَهٗ الشَّرِیف فَتَکُونُ لَهٗ کَسَائِرِ الاَئِمَّةِ اَصَالَةً

وہ فرماتے ہیں کہ آئمہ اہل بیت اطہار علیھم الصلوات و السلام جو مشہور ہیں ان کے علاوہ کسی بھی شخص میں حقیقتاً قطبیت نہیں پائی جاتی اور ان کے بعد جتنے بھی قطب ہوئے ہیں وہ سب ان کی نیابت خاصّہ کی وجہ سے قطب تھے یعنی ان کی قطبیت ان کی ذاتی نہ تھی تا اینکہ سفید باز دنیا میں آئے۔ ان کے بعد کے اقطاب جو تھے سارے ان کے نائب ہی ہیں اور رہیں گے ہاں جب امام آخرالزمان عجل اللہ فرجہ الشریف تشریف لائیں گے تو پھر وہ بھی اپنے اجدادِ طاہرین علیھم الصلوات و السلام کی طرح حقیقی قطب ہوں گے

قطب کو قطب اس لئے کہا جاتا ہے کہ دنیا اس کے گرد گھومتی ہے قطب دراصل چکی کی اس میخ کو کہتے ہیں کہ جو چکی کے درمیان میں ہوتی ہے اور چکی اس کے گرد گھومتی ہے

جس طرح چکی کا پاٹ اس میخ کے گرد گھومتا ہے اسی طرح پورا نظام عالم قطب کے گرد گھومتا ہے اور جس طرح چکی اپنے قطب کے بغیر نہیں چل سکتی اسی طرح یہ نظام عالم بھی اپنے قطب الاقطاب کے بغیر نہیں چل سکتا ہے...... شیخ مجدّد الف ثانیؒ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ

☆ اِنَّ الطَّرِيقَ المُوصِلَ اِلی اللهِ طَرِيقَانِ اَحدُهُمَا طَرِيقُ النَّبُوَةِ وَالوَاصِلُونَ مِن هٰذِهِ الطَّرِيقِ هُمُ الاَنبِيَاءُ بِالاَصَالةِ وَقَد خَتَمَ هٰذَا الطريقُ بخاتمِ الانبياءِ صلی الله علیه و آلہٖ وسلم الثانی طريقُ الولايةِ من هذا الطريقِ هُمُ الواصِلونَ بالواسطةِ و هُمُ الاقطابُ و الاوتادُ و الابدالُ و النجباءُ و عامةُ الاولياء

و الواسطة فی هذ الطريقِ سيّدُنا علیؑ کرم الله وجهه و تَعَلُّقُ هذالمنصبِ العالیٰ بحضرتهٖ و کان قدمُ النبی صلی الله علیه و آلہٖ وسلم فی هذَالمقامِ علی فرقهِ المبارکِ کرم الله وجهه والسیدة النساء العالمین صلواۃ الله علیها والحسنؑ والحسین علیهما الصلوات و السلام مشترکونَ معهٗ فی هذا المقامِ و اَظُنُّ اَنَّ سیدَنا علیاً علیه الصلوات السلام قبلَ نِشاةِ عُنصُرِيَّتِهٖ کان ملازمَ هَذ المقامِ کما کان ملازماً بعدَ نشاةِ عُنصُريتهٖ و من وّصَلَ اليهِ الفیضُ فانما یَصِلُ بواسِطَتِهِم اليه لِاَنَّ مَبداءَ وَ منتهیٰ نقطةِ هذَ الطريقِ و مرکزَ دائرةِ هذا المقامِ و تَعَلّقَت بهم و لمّا تَمَّ دورُ سیدِنا علیؑ علیه الصلوات و السلام فُوِّضَ هذا المَنصبُ العالیٰ الی الحسنین علیهما الصلوات و السلام و بعد هما الی الائمةِ الاثنیٰ عشرَ علیهم الصلوات و السلام علی الترتیبِ و فیِ

عصرِ کلّ واحدٍ عنهم وَصَلَ الفُیُوضَاتُ الٰی اولیآءِ عَصرِہٖ بِوَاسِطَتِھِم وَ کَانَ مَلجَاءَ ھُم وَ مَلاذاً

وہ فرماتے ہیں کہ اللہ جل جلالہ سے واصل دو طریقے ہیں ایک تو طریقۂ نبوّت ہے اور اس طریقے سے حقیقتاً صرف انبیاعلیھم السلام ہی واصل باللہ ہوتے تھے اور یہ طریقہ شہنشاہ انبیا حبیب کبریاصلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم پرختم ہوگیا اور جو دوسرا طریقہ ہے وہ ولایت کا طریقہ ہے اور اس طریقے سے بالواسطہ اقطاب و اوتاد و ابدال و نجبا اور عام اولیا اللہ جل جلالہ سے واصل ہوتے ہیں اور اس طریقے میں سب کے وصول الی اللہ کے وسیلہ شہنشاہ اولیا امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام ہی ہیں اور اس منصبِ اعلیٰ کا تعلّق صرف امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام ہی سے ہے اور اس مقام پر ان کے سر اطہر پر شہنشاہ انبیا و رسل صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے منصب اعلیٰ کا مبارک قدم ہے اور معظّمۂ کائنات سیدۃ العالمین صلوات اللہ علیہا اور امام حسن علیہ الصلوات و السلام اور امام حسین علیہ الصلوات و السلام بھی ان کے اس منصب میں شریک و سہیم ہیں اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ امام علیہ الصلوات و السلام اس جامۂ عنصری میں ظہور فرمانے سے بھی پہلے اپنے اس مقام ولایت پر فائز و ملازم تھے جیسا کہ اس دنیا میں ظہورِ اجلال فرمانے کے بعد فائز ہیں اور جو بھی واصل باللہ ہوتا ہے وہ انہی کے واسطے سے واصل ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہی ذات اقدس ہی مقامِ ولایت کی مبدہ ہے اور یہی ذات ہی مقامِ ولایت کی انتہا ہے اور یہی ذات اقدس دائرۂ ولایت کی مرکز بھی ہے اور اس کا تعلّق انہی سے ہے اور جب ان کا ظاہری دورِ ولایت اختتام کو پہنچا تو انہوں نے اپنا منصب اعلیٰ اپنی دستار کے وارث جناب امام حسن صلوات اللہ علیہ کو تفویض فرمایا اور ان

کے بعد امام حسین علیہ الصلوات و السلام تک یہ منصب اعلیٰ پہنچا اس طرح بارہ آئمہ ہدیٰ علیھم الصلوات و السلام اس منصب پر بالترتیب اپنے اپنے دور ولایت میں فائز ہوتے رہے اور ان کے ذریعے دیگر اولیائے کرام تک فیض پہنچتا رہا اور یہی پاک ذوات علیھم الصلوات و السلام ہی اولیائے کرام کے ملجا و ماویٰ رہے۔ایک شاعر نے یہ غلط تاثر دیا تھا کہ

نقش بندی اگر ولی باشد دشمن مرتضی علیؑ باشد

اب یہاں آپ دیکھیں کہ ان کا عقیدہ کتنا واضح اور خوبصورت ہے اور وہ بھی یہی فرما رہے ہیں کہ مرکز ولایت چہاردہ معصومین علیھم الصلوات و السلام ہیں اور باقی اولیا و قطب و ابدال سب ان کی نیابت ہی کی وجہ سے اس مقام پر فائز ہیں اصالۃً یہی پاک خاندان ہی سب کچھ ہے اور اس دور میں ہمارے امام زمانہ ہی اصالۃً اور حقیقتاً قطب الاقطاب اور غوث الغیوث ہیں اور متصرفین و صالحین سے لے کر قطب ابدال تک ان کی امری حکومت کے عمال ہیں اور ان کی نیابت میں حاکمِ زمین ہیں

اختیارات

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان عہدے داروں کے اختیارات کتنے ہوتے ہیں اور ان کا دائرۂ تصرف کتنا ہوتا ہے؟

اس سوال کے جواب کیلئے میں آپ کو صرف متصرفینِ دہقانی کے اختیارات بتاتا ہوں اسی سے یہ سمجھ لینا کہ جب ایک سب سے نچلے درجہ کے حاکم کے یہ اختیارات ہیں تو اس سے اوپر والے کے کیا ہوں گے اور اسی طرح جب آپ سوچنا شروع کر دیں گے تو لازماً کسی بہتر نتیجے پر پہنچ جائیں گے

متصرفِ دہقانی کے بارے میں عرض کروں گا کہ اس کے تصرف کا علاقہ 36 مربع میل کا ہوتا ہے اور وہ اس علاقے میں آل ان آل حاکم ہوتا ہے اور اس سے اس کے علاقے کی کوئی چیز مخفی نہیں ہوتی بلکہ اس کے تصرف سے اس علاقے کا کچھ بھی باہر نہیں ہوتا حتیٰ کہ کوئی پرندہ گھونسلے میں انڈے چھوڑ جاتا ہے تو اس کی حفاظت بھی یہی متصرف دہقانی کرتا ہے کوئی عورت سالن میں کتنا نمک مرچ ڈال رہی ہے اسے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کس جانور نے کتنا چارہ کھایا ہے وہ بھی اس کے تصرف میں ہوتا ہے کیونکہ یہ اس علاقے کا حاکم بااختیار ہوتا ہے اور یہ اپنے متصرفہ علاقے کی چھوٹی سے چھوٹی چیز سے بھی واقف ہوتے ہیں ان کے علاقے میں درخت کا کوئی پتّہ نہیں گرتا مگر وہ اس سے واقف ہوتے ہیں شکمِ مادر میں کوئی نطفہ ان کے حکم کے بغیر انعقاد پذیر نہیں ہوتا اور بچی یا بچہ ہو یہ بھی یہی فیصلہ کرتے ہیں ان کے علاقے میں جب کوئی اللہ سے لے کر چہاردہ معصومین علیہم الصلوات و السلام تک کو مدد کیلئے پکارتا ہے تو مدد یہ کرتے ہیں حکم اوپر سے آتا ہے اور کام کرنا ان کے ذمہ ہوتا ہے اور یہ اپنے علاقے کے بااختیار حاکم ہوتے ہیں اس علاقے کی جس چیز میں چاہیں تبدیلی کر سکتے ہیں اپنے علاقے میں بارش کا کوئی قطرہ ان کی اجازت اور حکم کے بغیر نہیں برس سکتا اور ملکوتِ مدبرات جب ان کے علاقے میں کسی امر کے نفاذ کیلئے آتے ہیں تو جب تک یہ اجازت نہ دیں وہ کوئی امر جاری نہیں کر سکتے حتیٰ کہ ملک الموت بھی ان کی اجازت کے بغیر ان کے علاقے میں کسی کی جان لینے تو کجا داخل بھی نہیں ہو سکتا۔ جناب میقائیل علیہ السلام ان کے حلقے میں کسی کو رزق نہیں دے سکتے جب تک ان سے اجازت نہ لیں۔ شکم مادر میں کوئی نطفہ انعقاد پذیر نہیں ہوسکتا جب تک یہ

اجازت نہ دیں اور شکم مادر میں بچی یا بچہ ہونے کا فیصلہ متصرفِ دہقانی کی صوابدید پر ہوتا ہے اسی لئے تو فرمایا گیا ہے

☆ اَلمَلکُوتُ خُدَّامِنَا وَ خُدَّامُ مُحِبِّینَا

یعنی ملکوت ہمارے بھی خادم ہیں اور ہمارے چاہنے والوں کے بھی خادم ہیں

اب اسی سے اندازہ لگائیں کہ جب ان عہدہ دارانِ حکومت اِلٰہیہ میں سے سب سے نچلے عہدہ دار کے اختیارات یہ ہیں تو قطب غوث قلندر کے اختیارات کیا ہوں گے؟ اور یہ بھی یاد رہے کہ ان سب کیلئے امیجیٹ باس یا امیجیٹ گاڈ Immediate Boss or Immediate God غوث الغیوث ولی العصر صاحب الزمان عجل اللہ فرجہ الشریف ہیں

ان سب کے اختیارات اس پاک ذات کے مقابلہ میں ایسے ہیں کہ جیسے ایک عام چوکیدار اور بادشاہِ وقت کے اختیارات میں فرق ہوتا ہے اگر اتنا فرق مان لیا جائے تو پھر بھی ہم سوچ نہیں سکتے کہ ہمارے امامِ زمانہ حضرت غوث الغیوث عجل اللہ فرجہ الشریف کے اختیارات کیا ہیں؟

شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی غوثیت اس دنیا کے غوثوں کیلئے یوں ہے کہ جہاں کسی غوث کو ضرورت ہوتی ہے اور کسی مشکل میں پھنس جاتا ہے تو انہیں یاد کر کے ان سے فریاد کر کے اپنی فریاد رسی کرواتا ہے ورنہ عام لوگوں کی فریاد رسی کیلئے تو ایک متصرفِ دہقانی بھی بہت ہے کیونکہ ایک عام دشمن کیلئے آدمی ان سے مدد چاہتا ہے تو وہ اپنے سب سے ادنیٰ اہل کار کو حکم فرماتے ہیں اور وہی یہ کام کرتا ہے ورنہ ان کا کسی عام معاملے میں مدد کیلئے آنا ایسا ہے جیسے کسی بستی کے ایک باؤلے کتے کو

مارنے کیلئے پورے ملک کی فوج بلالی جائے یا جیسے ایک موم بتی بجھانے کیلئے فائر بریگیڈ (Fire Brigade) کو بلالیا جائے ہاں جہاں غوث و قطب بھی بے بس ہوجاتے ہیں وہاں شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کو وہ خود پکارتے ہیں اور وہ ان کی مدداور فریادرسی کرتے ہیں

یہ مجلس لیلۃ القدر یعنی نیمہ شعبان کی ہے اور اسی رات کیلئے آیا ہے

☆تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ

یعنی اسی رات میں قطب الاقطاب اور غوث الغیوث شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف کی بارگاہِ قدس میں پورے سال کے امور لے کر ملکوت اور روح کا نزول ہوتا ہے وہاں سے جو احکام جاری ہوتے ہیں وہ حکامِ زمانہ یعنی امری حکومت اِلٰہیہ کی انتظامیہ کو سونپ دیئے جاتے ہیں پھر وہی سارا سال امرِ الٰہی کا نفاذ فرماتے ہیں اب یہ کہنا کہ مولا رزق تقسیم فرماتے ہیں کیسا ہے؟ حالانکہ مخلوق کا بلاواسطہ رازق تو متصرف دہقانی ہے جو سب سے نچلے درجے کا ملازم ہے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف تو اوتاد و ابدال واقطاب کے رازق ہیں ہمارے تمہارے نہیں۔

یہ تو ساری دنیا جانتی ہے کہ جو بھی گورنمنٹ ملازم ہوتا ہے اس کو ضروریات زندگی فراہم کرنا گورنمنٹ کا کام ہوتا ہے اس کی روٹی، لباس، مکان وغیرہ یہ سب اسے حکومت وقت ہی مہیا کرتی ہے اسی طرح اپنے عمال و حکام کو رزق دینا انہیں کپڑا مکان اور حفاظت دینا یہ سب کام ہمارے شہنشاہِ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف ہی کرتے ہیں وہ اگر بلاواسطہ رازق ہیں تو وہ اہل تکوین و متصرفین کے رازق ہیں ہمارے تمہارے بلاواسطہ رازق نہیں ہیں اور وہ اسی رات غوث وابدال واقطاب کو رزق

عطا فرماتے ہیں وہ اسی رات ملکوت مدبرات کو رزقِ روحانی و نورانی عطا فرماتے ہیں ہمارے لئے تو ایک متصرف دہقانی بھی کافی سے زیادہ ہے۔
اب وقت ہے کہ مل کر دعا کریں کہ اللہ جل جلالہ کا یہ غائبانہ نظامِ اقتدار جلدی ظاہر ہو آج جو لوگ آپ کے فضائل و معارف سے نا آشنا ہیں انہیں یقین کی آخری منزل مل جائے اور اس خانۂ اطہر پر جو لباس مظلومیت ہے وہ اتر جائے اور ان کا جاہ و جلال اس طرح ظاہر ہو کہ دشمن کی آنکھیں چندھیا جائیں

آمین یارب العالمین

اللهم صل علیٰ محمدؐ وآل محمدؐ و عجل فرجهم بقائمهمؑ صلوات الله علیه والسلام

یا هو یا من هو لا هو الا هو الحی القیوم یا هو یا من لا یعلم ما هو الا هو الحی القیوم العلی العظیم
یا مولا کریم عجل الله فرجك و صلوات الله علیك

ہادیؑ

عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه

الحمد لله رب العالمين و صل علىٰ محمدؐ و آلہٖ اجمعين خصوصاً على حجة الله فى العالمين عجل الله فرجه الشريف و آبائه المعصومين و امهاته الطاهرين الطيبين صلوات الله عليهم اجمعين و لعنة الله علىٰ اعدائهم اجمعين من يوم الازل الى يوم الدين

اے منسلکانِ ہادیٔ مطلق!

ایک عرصے سے میں اپنے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف کے اسمائے مبارکہ پر گفتگو کررہا ہوں اور اپنے مالک و منعم کے عطا کردہ شعور کے مطابق ان اسمائے مبارکہ کی تشریحات پیش کررہا ہوں۔

دوستو! یہاں یہ بات بھی عرض کرنا ضروری ہوگا کہ مالک و منعمِ مطلق کا کرم و عطا بھی ہمیشہ قوانینِ عدل کے مطابق ہوتا ہے اور کسی پر معارف کا نزول ہوتا ہے تو اس کی قامت و ظرف و قبول کے عین مطابق ہوتا ہے جیسا کہ والدین اپنے بچوں کو جو لباس دیتے ہیں وہ ان کی قامت کے مطابق دیتے ہیں نہ کہ ہر بچّے کو ایک ہی سائز کا لباس دیتے ہیں اور یہی عین عدل ہے کیونکہ سب بچوں میں چھ میٹر کپڑے کا سوٹ دینا

ایک مساوات تو ہے مگر یہ عدل کے خلاف ہے کیونکہ کسی بچّے کی قامت تین فٹ ہے اور کسی کی چھ فٹ ہے اور ان سب کو ایک ہی سائز کا لباس دے دینا ان کے ساتھ زیادتی کے مترادف ہوتا ہے۔ عدل یہ ہے کہ سب کو ان کی قد و قامت کے مطابق موزوں لباس دیا جائے۔اسی طرح جب اللہ جل جلالہ کی طرف سے نزولِ عرفان ہوتا ہے تو وہ انسان کی قامتِ باطنی کے مطابق ہوتا ہے اور ایسا ہوتا ہے کہ جو اس کی قامتِ باطنی پر بالکل موزوں ہو جاتا ہے اس لئے حکم ہے کہ کسی پر اپنی معرفت کو مسلط نہ کرو ممکن ہے اس کی قامتِ باطنی تم سے زیادہ ہو اور وہ اس لباس کو پہننے کی کوشش کرے گا تو اس کے جسم کیلئے معرفت کا تنگ لباس باعثِ اذیّت ہوگا اور اگر اس کی قامت تم سے کم ہوگی تو بڑا لباس اس کیلئے باعثِ رسوائی و تضحیک ہوگا

اس لئے میں عرض کروں گا کہ یہ جو کچھ مجھے عطا ہوا ہے یہ میری چھوٹی سی قامتِ باطنی کیلئے موزوں ترین لباسِ معرفت ہے ممکن ہے یہ کسی دوسرے کی قامت پر فٹ نہ بیٹھے اس لئے کسی اور کیلئے اسے میں تجویز نہیں کروں گا اور نہ کوئی اسے اپنے لئے موزوں سمجھے بلکہ وہ اپنا لباس اپنے مالک و منعم سے خود طلب کرے نہ کہ میرا لباس چوری کرے یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ میری یہ ادنیٰ درجے کی معرفت کسی کیلئے ایک بہت چھوٹی سی اور حقیر سی چیز ہو اس لئے اسے اس پر کم نگاہی سے کام نہیں لینا چاہیے کیونکہ یہ میرے لئے تو بہت بڑی چیز ہے

دوستو! انسان کو جو عطائے عرفان ہوتا ہے وہ وجودِ ہادی زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے ذریعے ہوتا ہے اور ہدایت کرنا کسی انسان یا کتاب کا کام نہیں بلکہ ہادی ہی کا کام ہوتا ہے اور آج کا میرا عنوانیہ اسم مبارک بھی یہی ہے یعنی شہنشاہ معظم ''ہادی'' عجل اللہ فرجہ الشریف

لغت کے حوالے سے جب ہم لفظ ہادی کو دیکھتے ہیں تو اس کے کئی معنی ہیں مثلاً
راستہ دکھانے والا یا گائیڈ Guide، آگے چلنے والا، کسی چیز کو متعارف کروانے والا
تیر کی نوک، جو دورانِ پرواز آگے رہتی ہے اسے بھی ہادی کہا جاتا ہے
اس لاٹھی کو بھی ہادی کہا جاتا ہے جس سے جانور ہانکے جاتے ہیں
اس سے پہلے کہ میں لفظ ہدایت کے اصلی معانی پر بات کروں عوامی تصورِ ہدایت پر روشنی ڈالنا ضروری ہے کیونکہ ہمارے ہاں ہدایت کا جو تصور ہے وہ یہ ہے کہ کسی کو حق کا راستہ دِکھانا اور اس پر چلانا اور ہم ہدایت کو صرف حق کے ساتھ ہی وابستہ سمجھتے ہیں جبکہ ایسا نہیں ہے
دوستو! حقیقت یہ ہے کہ جتنے بھی ہادی شمار ہوتے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں
() ہادی حق () ہادی باطل
اس سے ثابت ہوا کہ جو بھی جس سمت کی طرف رہنمائی کرے اسے ہادی کہا جاتا ہے چاہے وہ گمراہی اور جہنّم کی طرف ہی رہنمائی کیوں نہ کرے جیسا کہ ارشاد ہے
☆فَاهْدُوهُمْ إِلَى صِرَاطِ الْجَحِيمِ () وَيَهْدِيهِ إِلَى عَذَابِ السَّعِيرِ ()
ان دونوں آیات میں جہنّم اور عذابِ سعیر کی طرف ہدایت کرنے کا ذکر ہے یعنی ہدایت صرف راہِ حق تک محدود نہیں ہوتی بلکہ ہادی دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ ہوتے ہیں کہ جو لوگوں کو جہنّم کی طرف ہدایت اور لیڈ Lead کرتے ہیں دوسرے وہ ہوتے ہیں کہ جو منزلِ حق کی طرف ہدایت کرتے ہیں
جو ہدایت منزلِ حق کی طرف ہوتی ہے وہ ہدایت ہدیہ سے ہے یعنی یہ عالمِ خلق کیلئے اللہ کا ایک عظیم تحفہ ہے وہ خلاقِ بے بدل اپنی مخلوق کی اپنے لطف وکرم کی وجہ سے

راہنمائی فرماتا ہے اس لئے یہ مانا جاتا ہے کہ لفظ ہدایت میں عطا کے معنی بھی شامل ہیں یعنی ایک طرف تو یہ مخلوق پر مہربانی کی وجہ سے ہوتی ہے اور اس میں مخلوق کی خیر کثیر بھی ہوتی ہے اور یہ خالصتاً عطا بھی ہے

عالمِ خلق پر اللہ کی ہدایت کئی طرح کی ہے

(1) ہدایت عامہ وفطریہ

پہلی ہدایت یہ ہے کہ ہر مخلوق کو اپنی جنس کی طرف ہدایت فرمائی جاتی ہے اسے معارف ضروریہ عطا کئے جاتے ہیں بقدرِ ضرورت عقل کے استعمال کا طریقہ اس کی فطرت میں فیڈ Feed کیا جاتا ہے یعنی بقائے نسل و بقائے ذات کیلئے ضروری افعال و دساتیرِ حیات کی طرف رہنمائی بھی ایک ہدایت ہی ہے اور اسے فطری ہدایت کہا جاسکتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے

☆رَبُّنَا الَّذِیٓ أَعطَی کُلَّ شَیءٍ خَلقَهُ ثُمَّ هَدَی

(2) ہدایت خاصّہ ودینیہ

ہدایت خاصّہ ہدایت عامہ وفطریہ کے علاوہ ہوتی ہے اور اس میں پوری انسانیت کو ''حق'' کی طرف رہنمائی کی جاتی ہے اور انہیں ایک دستور العمل دیا جاتا ہے جس کے دو حصے ہوتے ہیں ایک حصہ ظاہری اور دوسرا حصہ باطنی ہوتا ہے اور جو حصہ ظاہری ہوتا ہے اس کے دو شعبے ہوتے ہیں ان میں سے پہلا شعبہ وہ ہوتا ہے کہ جس کا تعلّق معاشرے اور سوسائٹی سے ہوتا ہے یعنی اس پر عمل کرنے یا نہ کرنے سے نفع اور نقصان کا ظہور معاشرے اور سوسائٹی میں ہوتا ہے یعنی اخلاقی برائیوں کا ایک بڑا

حصہ اس میں شامل ہوتا ہے مثلاً انسان چوری کرتا ہے تو اس کا دنیاوی طور پر فرد کو تو فائدہ ہوتا ہے مگر اس کا نقصان معاشرے اور سوسائٹی کے کسی نہ کسی فرد کو ہوتا ہے اسی طرح ڈاکہ ہے فراڈ ہے ملاوٹ ہے چور بازاری ہے دھوکہ دہی ہے غصب ہے وغیرہ وغیرہ اس میں جو ہدایت ہوتی ہے وہ اخلاقی قوانین کی طرف ہوتی ہے جو ہمیشہ عقلی ہوتے ہیں

اس کا دوسرا شعبہ فرد کے اعمال و مقدماتِ اعمال پر مبنی ہوتا ہے جیسا کہ مسائلِ طہارت ونجاسات ہیں مسائلِ نماز و روزہ ہیں مسائلِ کسب و احکامِ ذبیحہ ہیں گویا اس میں فقہ کے سارے مسائل آ جاتے ہیں جس میں ایک فرد کو یہ بتایا جاتا ہے کہ تم نے کس طرح اٹھنا بیٹھنا ہے سونا جاگنا ہے کھانا پینا پہننا ہے یوں سمجھیں وِلادت سے لے کر عقد وتزویج تک اور مباشرت سے لے کر تدفین تک کے وہ سارے مسائل و احکام وآداب آ جاتے ہیں کہ جن کا تعلّق ایک فرد سے ہوتا ہے

ہدایت خاصّہ ودینیہ کا جو دوسرا حصہ ہوتا ہے اس کے بھی دو شعبے ہوتے ہیں

پہلا شعبہ عقائد کا ہوتا ہے اس میں اللہ جل جلاله سے لے کر اس کے نمائندوں، کتابوں، کارندوں [ملکوت] کے ساتھ ساتھ آخرت، جنت، جہنّم، قیامت، حساب، کتاب، حشر و معاد بلکہ اس دنیا کے پورے نظامِ باطنیہ اِلٰہیہ کے ساتھ پورے نظامِ آخرت وغیرہ کے بارے میں ایک تعلیم ہوتی ہے کہ تمہیں ان کے بارے میں کیا عقیدہ رکھنا لازم ہے یہ شعبہ فکری ونظری [Theoretical] ہوتا ہے

ہدایتِ باطنی کا دوسرا شعبہ عملی [Practical] ہوتا ہے اس میں ان اعمال کی طرف ہدایت کی جاتی ہے کہ جن سے ایک فرد اپنی روحانیت کو ترقی دے سکتا ہے اس میں

تزکیاتِ نفس و ریاضاتِ نفس و مجاہداتِ نفس آ جاتے ہیں اور اس میں روحانیت کو ترقی دینے والے اوراد و اذکار و اشغال و اعمال آ جاتے ہیں

دوستو! یہاں یہ بات بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتی ہے کہ اس دور میں اس شعبے کے اساتذہ و اساتید مفقود ہوتے جا رہے ہیں اور کسی شیخ و مرشد کا کوئی تصور موجود نہیں ہے اگر ہے بھی تو ان لوگوں میں کہ جنہیں علمائے کرام بزبانِ خویش [نعوذ باللہ] جاہل کہتے ہیں مگر ہمیں یہ بات نہیں بھولنا چاہیے کہ دین میں روحانی ترقی کیلئے اس شعبے کا درس جاری رکھنا ضروری ہے اور اگر اس شعبے کو دین سے نکال دیا جائے تو دین کی روح فنا ہو جاتی ہے اس پر پھر کبھی بات کریں گے فی الحال اسے ترک کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں

میں عرض کر رہا تھا کہ ہدایت خاصّہ و دینیہ کے دو حصے ہوتے ہیں اور ان کے آگے پھر دو دو شعبے ہیں ہاں یہ بات بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ جل جلالہ انبیا و رسل، اوصیا و اولیا علیہم السلام کو اسی ہدایت کیلئے مبعوث فرماتا ہے یعنی انہیں کتاب دی جاتی ہے اور انہیں اُن عقائد کی تعلیم دینے کا حکم ہوتا ہے کہ جن میں یہی چار شعبے موجود ہوتے ہیں اگر ان میں سے ایک شعبہ بھی نکال دیا جائے تو دین میں فساد پھیل جائے چاہے وہ کوئی بھی دین ہو اگر اس میں یہ چار شعبے نہ ہوں گے تو وہ دین بطورِ دین تسلیم نہ کیا جائے گا اسی بات کو واضح کرنے کیلئے فرمایا گیا تھا

☆وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا

(3) ہدایت توفیقیہ و مخفیہ

دوستو! جب انسان کو ہدایت خاصّہ کا حصول ہوتا ہے تو اس کے اعمال میں روحانی

ترقی کا ایک سلسلہ شروع ہو جاتا ہے لیکن انسان کی کیا اوقات ہے کہ وہ کسی Push-up کے بغیر ترقی کر سکے کیونکہ جب تک توفیقات اِلٰہیہ شامل حال نہیں ہوتے انسان روحانی وعملی ترقی نہیں کر سکتا انسان کو تو قدم قدم پر سانس سانس کے ساتھ اس کی توفیق کی ضرورت رہتی ہے گویا انسان کی گاڑی کا پٹرول یہی توفیق ہی ہے

☆وَالَّذِیْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ ()

☆ فَهَدَى اللّهُ الَّذِيْنَ آمَنُواْ لِمَا اخْتَلَفُواْ فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ وَاللّهُ يَهْدِيْ مَن يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

ہدایت میں اضافے کا تصور اسی مقام پر ہے کہ جیسے جیسے انسان آگے بڑھتا جاتا ہے توفیقات میں اضافہ ہوتا جاتا ہے کیونکہ گاڑی کا سفر جیسے جیسے بڑھتا جاتا ہے اس میں پٹرول بھی بار بار ڈالا جاتا ہے اگر پٹرول ڈالنا روک دیا جائے تو گاڑی چل ہی نہ سکے اور یہ ہدایتِ توفیقی ہمیشہ ایمان لانے کے بعد ملتی ہے

سچ تو یہ ہے کہ اللہ کی ہدایت کا حقیقی عمل یہاں سے شروع ہوتا ہے اس سے قبل جو ہدایت ملی تھی وہ اس کے نمائندوں اور کارندوں کے ذریعے ملی تھی اس پر میں پھر بات کرتا ہوں

(4) ہدایتِ اُخروی

متعدد آیات میں یہ بات ملتی ہے کہ آخرت میں بھی انسان کی ہدایت ہوگی اور اس میں اضافہ بھی ہوگا اور ایسے جملہ آیات کے بارے میں مفسرین کی یہ رائے ہے کہ اس سے مراد ثوابِ آخرت ہے اور یہ جزا کے معنی میں ہے

کچھ علما کی یہ رائے ہے کہ یہ چاروں ہدایات ایک دوسرے سے مشروط ہیں

یعنی جس نے اوّلین ہدایت کا شکر ادا کیا اسے دوسری ملی اور جس نے دوسری کا شکر کیا اسے تیسری ہدایت مل جاتی ہے اور جس نے تیسری ہدایت کا شکر کیا اسے چوتھی ہدایت مل جاتی ہے

یہ ہدایات درجہ وار ہیں جو پہلی منزل نہیں پاتا اسے دوسری نہیں ملتی جو دوسری نہیں پاتا اسے تیسری نہیں ملتی جو تیسری نہیں پاتا اسے چوتھی نہیں ملتی

دوستو! یہ بات یاد رہے کہ لغت میں ہدایت و ہدیٰ کے معنی ایک ہیں مگر قرآن میں ہدیٰ مومنین و آخرت کیلئے مخصوص ہے۔ کلامِ مقدّس میں ایسے کئی فقرے دیکھے جا سکتے ہیں

☆هدى للمتقين () اولئك على هدى من ربهم () و هدى للناس

اور یہ بھی ہے کہ جو لفظ اھتــــدا ہے وہ دنیا و آخرت دونوں کی رہنمائی کیلئے استعمال ہوتا ہے اور مھتدون وہی لوگ ہیں جنہیں دنیا اور آخرت کی رہنمائی میسر آئی ہے جیسا کہ ارشاد ہے

☆ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُواْ بِلِقَاء اللّهِ وَمَا كَانُواْ مُهْتَدِيْنَ ......(یونس45)

خسارے میں ہیں وہ لوگ کہ جو اللہ کے دیدار کی تکذیب کرتے ہیں اور انہیں دنیا و آخرت کی ہدایت نصیب نہیں ہے

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہدایت کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہدایتِ الٰہی یہ ہے کہ وہ جس پر مہربان ہوتا ہے اسے اپنے نمائندۂ ہدایت تک پہنچا دیتا ہے (وہ نمائندۂ ہدایت کون ہوتا ہے اس پر روشنی ڈالنے سے پہلے عرض کروں گا کہ اللہ جل جلالہ کا ہدایت کے بارے میں جو رویّہ ہے وہ تین طرح کا ہے

( ) وہ کچھ لوگوں کی ہدایت فرماتا ہی نہیں ہے

( ) اللہ جل جلالہ کچھ لوگوں کی ہدایت فرماتا ہے مگر بعد از ہدایت ان کے کفران کو دیکھ کر ان سے سلبِ ہدایت فرماتا ہے

( ) اللہ جل جلالہ کچھ لوگوں کی ہدایتِ کاملہ فرماتا ہے اور پھر ان سے سلبِ ہدایت بھی نہیں فرماتا

ان میں سے پہلی قسم ان لوگوں کی ہے کہ جنہیں ہدایت نصیب نہیں ہوتی یعنی انہیں ہادی زمانہؑ عطا ہی نہیں فرمایا جاتا ان کے بارے میں ارشاد ہے

☆وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِىۡ الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ

اللہ قوم ظالمین کی ہدایت نہیں فرماتا یعنی ظالمین کو ہادی عطا نہیں فرمایا جاتا

ایسے بہت سے آیات ہیں کہ جن میں پہلی عبارت تو یہی ہے مگر آخر میں ظالمین کی جگہ الکافرین ، الفاسقین ، ان اللہ لا یھدی من ھو کاذب کفّار ، ان اللہ لا یھدی کید الخائنین ، مسرف کذّاب ، ضالین فرمایا گیا ہے

یعنی کافرین کی ہدایت نہیں فرمائی جاتی ، فاسقین کی ہدایت بھی نہیں فرمائی جاتی جھوٹے ، انکار کرنے والے ، دھوکہ باز ، فضول خرچ ، خائن اور گمراہ کی ہدایت نہیں فرمائی جاتی اور جو زیغِ قلب [دل کے ٹیڑھے پن] کا مریض ہو اس کی ہدایت بھی نہیں فرمائی جاتی اور جو خواہشِ نفس کا غلام ہوتا ہے اس کی ہدایت بھی نہیں فرمائی جاتی وغیرہ وغیرہ

دوستو! ان آیات کو دیکھ کر آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ اللہ کا نظامِ ہدایت اس وقت Active ہوتا ہے جب کوئی اس کے معیار پر پورا اترتا ہے اور اس کیلئے اس نے ایک

میرٹ Merit بنایا ہوا ہے کہ جو اس معیار پر پورا نہ اترے اسے ہدایت نہ کی جائے یہ جو عام تصور ہے کہ اللہ سب کی ہدایت فرماتا ہے یعنی ایک کافر کی ہدایت بھی اللہ ہی فرماتا ہے یہ بات درست نہیں ہے بلکہ کافر کی ہدایت اللہ کا کام نہیں ہے وہ تو کسی اور کا کام ہے اللہ کی ہدایت کا نقطہ آغاز ایمان لانے کے بعد شروع ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے

☆إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُواْ وَعَمِلُواْ الصَّالِحَاتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيْمَانِهِمْ ...... (یونس 9)

جو لوگ ایمان لائے اور پھر اعمالِ صالح بھی بجا لائے تو ان کے ایمان کی وجہ سے اللہ نے ان کی ہدایت فرمائی

اس آیت میں واضح فرما دیا گیا ہے کہ پہلے ایمان لاؤ اس کے بعد نیک اعمال بھی کرو اس کے بعد اللہ تمہیں تمہارے ایمان کی وجہ سے اپنے زمانے کے ہادی سے ملا دے گا اگر ایسا نہ کرو گے تو پھر اللہ کی طرف سے ہدایت کی کوئی امید نہ رکھو اور یہ سوچ لو کہ چاہے لاکھ سال کی عمر میں ہر دن ہر نماز میں ☆إِيَّاكَ نَعْبُدُ وإِيَّاكَ نَسْتَعِيْن کا ورد کرتے رہو تمہیں اللہ کی طرف سے ہدایت نصیب نہ ہو گی

ہادیٔ حقیقی

دوستو! یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان کسی کی ہدایت نہیں کر سکتا، ہدایت کرنا صرف اور صرف ہادی منصب ذات ہی کا کام ہے کیونکہ جب ہم تجزیہ کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ ہدایت ہو یا تعلیم یہ دو چیزوں کا تقاضہ کرتی ہیں

(1) تعارف کروانے والا (2) جس چیز کا تعارف کروانا ہو

انسان کی ذات کو خالق نے لاتعداد صلاحیتوں سے نوازا ہے اسی لئے انسان میں ساری صلاحیتیں پہلے سے موجود ہوتی ہیں مگر ہادی اور معلم کا کام صرف اتنا ہوتا ہے کہ وہ ان صلاحیتوں کو بیدار کرتا ہے یعنی علم کو حاصل کرنے کی انسان میں فطرتاً صلاحیت موجود ہوتی ہے اور اسی طرح ہدایت کی بھی صلاحیت پہلے سے موجود ہوتی ہے یہ بھی ہے کہ یہ صلاحیت مختلف انسانوں میں مختلف Quantity مقدار و کمیت میں ہوتی ہے اور کئی لوگ اس سے خالی بھی ہوتے ہیں جیسا کہ کئی بچّے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن کو بہترین استاد بھی تعلیم نہیں دے سکتا کیونکہ استاد اور ہادی کا کام بہت بعد کا ہے اس لئے میں عرض کر رہا تھا کہ جو انسان دعوتِ حق دیتا ہے وہ ہادی نہیں ہوتا کیونکہ انسان کسی کی ہدایت کر ہی نہیں سکتا ہاں وہ حق کی تعریف کرسکتا ہے وہ راہِ حق کی خوبیاں بیان کرسکتا ہے اور یہ انسان کی مجبوری ہے کہ وہ حق اور طریقِ حق کی تعریف کے علاوہ کسی طرح ہدایت نہیں کرسکتا اس کا کام صرف اس کی خوبیاں بیان کرنا ہے اس لئے کسی انسان کو ہادی نہیں کہا جاسکتا

ہادیِ حقیقی وہ ہوتا ہے جو بغیر کسی دوسرے ذریعے کے بالذّات ہادی ہو اور جس سے ہدایت کے خلاف کچھ بھی سرزد نہ ہو - اگر اس صفت کو دیکھتے ہیں تو ہمارے سامنے ہادی کے رائج الوقت تصورات میں کئی تصورات اور نظریات ناقص ہوجاتے ہیں جیسا کہ کتب سماویہ کے بارے میں کلامِ اِلٰہی میں ارشاد ہے

☆وَأَنزَلَ التَّوْرَاةَ وَالإِنجِيلَ ( ) مِن قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاس……(آل عمران 4)

اس سے قبل تورات و انجیل کو نازل فرمایا گیا تھا کہ جو لوگوں کیلئے ہدایت تھیں اسی طرح خود قرآن پاک کے بارے میں فرمایا گیا ہے

☆شَھرُ رَمَضَانَ الَّذِیَ أُنزِلَ فِیۡهِ الۡقُرۡآنُ ھُدًی لِّلنَّاس

ماہِ رمضان ہی وہ ماہِ مبارک ہے کہ جس میں قرآن مقدّس نازل ہوا کہ جس میں لوگوں کیلئے ہدایت ہے

انہی آیات کو دیکھتے ہوئے یا اپنے اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کیلئے کسی دور میں ایک شخص نے کہا تھا حَسبُنَا کِتَابَ اللّٰه کہ ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے مگر وہ اس بات کو درست ثابت نہ کر سکا تھا کیونکہ وہ نہیں جانتا تھا کہ اللہ کی کتاب ہادی حقیقی نہیں ہے کیونکہ اس میں تو واضح طور پر فرمایا گیا ہے

☆یُضِلُّ بِهٖ کَثِیراً وَّ یَھدِی بِهٖ کَثِیرَا ( )

یعنی اس کی ہدایت کے ساتھ گمراہی کا دامن بھی جڑا ہوا ہے اور اس میں سے جو ہدایت کو تلاش کرتا ہے اسے سب سے پہلے ضلالت کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ اس میں یضل به پہلے ہے اور یھدی به بعد میں ہے اور اس میں ہدایت پانے کی نسبت گمراہی کا زیادہ خطرہ ہے اور اگر ہدایت اور گمراہی کا خطرہ ففٹی ففٹی بھی ہو یا ایک فی صد تک کا بھی ہو تو یہ کتاب خالص ہدایت تو نہ ہوگی ہادئ خالص تو نہ ہوگی کیونکہ ہادئ خالص تو وہ ہوسکتا ہے جس سے ہدایت کے سوا اس کی کوئی ضد چیز صادر ہی نہ ہو دوسری بات یہ ہے کہ قرآن کی ہدایت مشروط ہے یعنی ہر شخص کیلئے اس کی ہدایت کا راستہ کھلا نہیں ہے بلکہ فرمایا یہ وہ کتاب ہے کہ

☆ذَلِكَ الۡکِتَابُ لَا رَیۡبَ فِیۡهِ ھُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡن

یعنی اس کی ہدایت کی ایک ہی شرط ہے کہ پہلے متقی بن جاؤ پھر اس کی ہدایت کا سلسلہ شروع ہو جائے گا ورنہ یہ گمراہ ہی کرے گی

اس سے ثابت ہوا کہ اس کا سلسلۂ ہدایت عوام سے شروع ہوتا ہی نہیں ہے کیونکہ درجاتی لحاظ سے اسلام میں تقویٰ کا مقام بہت اونچا ہے اور ہر مسلمان متقی نہیں کہلاتا ہاں ہر متقی مسلمان ضرور ہوتا ہے اور یہ تو ایک عام مسلمان کی ہدایت کی بات بھی نہیں کرتا بلکہ صرف متقی لوگوں کیلئے ہدایت کی بات کرتا ہے اور آگے اس نے تقویٰ کے شرائط بیان فرمائے ہیں کیونکہ یہاں موضوعِ گفتگو تقویٰ نہیں ہدایت ہے اس لئے اسے ترک کرتا ہوں

اس پر کئی لوگوں نے کہا اللہ جل جلالہ کی موجودگی میں کسی اور ہادی کی ضرورت ہی کیا ہے؟ وہ یہ نہیں سمجھے کہ ایک ایسے ہادی کی ضرورت پھر بھی ہے کہ جس سے ہدایت کے سوا کچھ صادر نہ ہو اب وہ کہتے ہیں کہ اللہ جل جلالہ سے بڑھ کر کون ہادی ہوسکتا ہے؟ میں کہتا ہوں کہ ہادی تو اس سے بڑھ کر کوئی ہو ہی نہیں سکتا مگر اس کا دائرۂ ہدایت اتنا محدود ہے کہ اس سے ایک عام انسان فائدہ اٹھا ہی نہیں سکتا اور اس غائب ذات سے بلا واسطہ ہدایت کا طلبگار تو ویسے بھی ہدایت کی بو تک نہیں پا سکتا کیونکہ اگر وہ بلا واسطہ ہدایت فرما سکتا تھا تو اس نے انسان کیلئے ہادیوں کا ایک طویل سلسلہ قائم کرنے کی زحمت کیوں اٹھائی ہے؟ وہ خود ہی تشریف لا کر ساری دنیا کو عرفان اور ایمان کی اعلیٰ ترین دولت دے کر پھر غائب ہو جاتا یا پھر اسی مخلوق میں آباد وشاد رہتا مگر ایسا ہوا نہیں ہے کبھی اس پر بھی سوچا ہے کہ آخر ایسا کیوں نہیں ہوا؟ بات یہ ہے کہ اس نے اپنی مخلوق سے فرما دیا ہے کہ

☆وَمَن يَهۡدِ اللّٰهُ فَهُوَ الۡمُهۡتَدِ وَمَن يُضۡلِلۡ فَلَن تَجِدَ لَهُمۡ

یعنی اللہ جس کی ہدایت فرماتا ہے تو وہی ہدایت پاتا ہے اور جسے وہ گمراہ کرتا ہے یعنی

ہدایت نہیں فرماتا اسے کوئی ہادی وولی ورہنما ملتا ہی نہیں یعنی اللہ کی ہدایت کے ساتھ بھی ''یضلل '' کا Option یا Opportunity موجود ہے
جب یہ صورت ہوتو کیا کوئی اللہ کی ہدایت کو سب کیلیئے بے خطر کہہ سکتا ہے؟
اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس طرح تو کسی کا نظامِ ہدایت خطرے سے خالی ثابت نہیں ہوگا اوراس طرح کسی سے بھی ہدایت کا حصول خطرات سے پاک نہ رہے گا
میری اس بات پر کئی لوگوں کے ذہن میں فتوے کروٹیں بدل رہے ہوں گے اور کئی لوگوں کے فتوے تو اندر سے زبان کی طرف پرواز بھی کر چکے ہوں گے انہیں ایک لمحے کیلیئے روک لیں تو میں عرض کروں گا کہ اللہ کی جو ذات ہے وہ منزل ہے راستہ یا راہی یا راہنما نہیں ہے اس بات کو ایک مثال سے دیکھیں
آپ لاہور گئے تاکہ شاہی مسجد دیکھیں وہاں بس اسٹینڈ پر اترے تو آپ کو راستہ معلوم نہیں تھا آپ نے وہاں سے کسی آدمی کو بطور رہنما لیا اب آپ دیکھیں شاہی مسجد منزل ہے رہنما نہیں ہے اور جو رہنما ہے وہ شاہی مسجد نہیں ہے بعینہ اسی طرح اللہ جل جلالہ ہماری منزل مراد ہے
اب اس کی مخلوق کی مجبوری یہ ہے کہ وہ تو اپنے رہنما سے بھی واقف نہیں ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جسے یہ اپنا رہنما بنائے اور کسی مقامِ پر اجماع کر کے کسی کو چن لے کہ یہ ہمیں راستہ دکھائے گا اور اس چنے جانے والے کو خود معلوم نہ ہو کہ اصل منزل کہاں ہے اس لئے اللہ جل جلالہ نے یہ بات خود پر واجب قرار دی ہے کہ وہ اپنی مخلوق کی اپنے حقیقی رہنما کی طرف رہنمائی کرے اس لئے اپنی ذات کی طرف رہنمائی نہیں فرماتا بلکہ اپنی طرف لانے والے ہادی کی طرف ہدایت فرماتا ہے وہ

ہادی بایں معنی ہے کہ وہ اصل ہادی کی طرف ہدایت فرماتا ہے نہ کہ اپنی طرف ہدایت فرماتا ہے جیسا کہ اس نے ارشاد فرمایا تھا

☆مَن يُضْلِلِ اللّهُ فَلاَ هَادِيَ لَهُ ...... (اعراف 186)

☆ وَمَن يَهْدِ اللّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَن يُضْلِلْ فَلَن تَجِدَ لَهُمْ أَوْلِيَاء مِن دُونِهِ ......(بنی اسرائیل 97)

اللہ جل جلالہ جسے گمراہ کرتا ہے یا ہدایت سلب فرماتا ہے تو اس سے ہادی کو سلب کرلیا جاتا ہے یعنی اللہ کا کسی کو اس کے حال پر چھوڑنے کا عمل صرف ولی اور ہادی سے محروم رکھنا یا ہادی سے دور کر دینا ہوتا ہے اور جسے اللہ گمراہی میں جانے دتیا ہے اسے کوئی ہادی اور ولی نہیں ملتا کیونکہ اللہ کی ہدایت کا جو دائرہ ہے وہ ہادی تک محدود ہے وہ اپنی طرف ہدایت نہیں فرماتا بلکہ وہ اپنے ہادی تک رہنمائی فرماتا ہے جیسا کہ فرمایا گیا تھا کہ

☆إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِراً وَإِمَّا كَفُوراً ......(الدہر 3)

یعنی وہ اللہ نطفے سے انسان کو پیدا فرماتا ہے اور اس کے بعد ان کی ہدایت سبیلؑ کی طرف فرماتا ہے اب یہ انسان کی صوابدید پر ہے کہ کون اس سبیلؑ کے معاملہ میں شکر کرتا ہے اور کون کفر کرتا ہے

یہاں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ کلام پاک میں کئی مقام پر آئمہ معصومین علیہم الصلوات و السلام کو سبیل کا نام دیا گیا ہے اور ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے اسمائے مبارکہ میں سے ایک اسم مبارک سبیل عجل اللہ فرجہ الشریف بھی ہے اس پر گفتگو پھر کبھی ہوگی

میں یہی عرض کر رہا تھا کہ اللہ کی ہدایت یہی ہے کہ وہ ہادیٔ زمانہ تک انسان کو لاتا ہے اور اب جو ان کے احکام وفرامین کی تعمیل کرتا ہے وہ اس ہدایت کا شکرادا کرنے والا ہوتا ہے اور جو ہادیٔ زمانہؑ کی اِتبّاع واطاعت نہیں کرتا وہ کافرقرار پاتا ہے کیونکہ اس نے کفرانِ نعمت کیا ہے

یہ اللہ جل جلالہ کا قانون ہے کہ وہ کسی قوم کو ہادیٔ حقیقی سے خالی نہیں چھوڑتا کیونکہ اس نے فرمایا ہوا ہے کہ و لکل قوم ھاد یعنی ہرقوم میں ایک ہادی لازم ہے کہ جو انسان کی اس کی طرف رہنمائی فرمائے یعنی کوئی قوم یا کوئی زمانہ ایسا نہیں ہوتا کہ جس میں ایک ہدایت کرنے والا موجود نہ ہو

جیسا کہ میں نے پہلے گذارش کی ہے کہ ہادی کتابی ہو یا بشری ہو اس کی ہدایت خطرے سے خالی نہیں ہے ہاں آپ کو پوری ذمہ داری کے ساتھ یہ بات عرض کروں گا کہ اللہ کے انوارِ اوّلیہ وازلیہ یعنی معصومین علیہم الصلوات و السلام کو اللہ جل جلالہ نے ایسا ہادی قرار دیا ہے کہ جن کے بارے میں کوئی ایک لفظ بھی ایسا نہیں فرمایا گیا کہ ان سے گمراہی کا کوئی خطرہ ہو قرآن کے بارے میں ہے یہ یُضِلُّ بِهِ كَثِيراً وَيَهْدِىٰ بِهِ كَثِيراً یہ بہت سارے لوگوں کو گمراہ بھی کرنے والا ہے اور بہت سارے لوگوں کو ہدایت بھی کرنے والا ہے اللہ کے بارے میں ہے کہ فمن یضلل فما له هاد یعنی جسے وہ گمراہ کردے یعنی سلبِ ہدایت فرمادے اسے ہادی نہیں ملتا مگر کہیں بھی ان انوارِ الٰہیہ ونمائندگان ہدایت علیہم الصلوات و السلام کیلئے نہیں فرمایا گیا کہ ان سے بھی بہت سے لوگ ہدایت پائیں گے اور کئی لوگ گمراہ بھی ہوں گے کیونکہ ان کی ہدایت کا دوسرا کوئی پہلو ہے ہی نہیں یعنی ان سے ہدایت کا طالب کبھی گمراہ ہو

ہی نہیں سکتا جس شخص کو ان سے ہدایت طلب کرنے کی توفیق عطا کی جاتی ہے وہ گمراہ نہیں ہوسکتا

ہادیٔ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف

دوستو! جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ کوئی بھی زمانہ ہادیٔ مطلق سے خالی نہیں ہوتا اس لئے یہ بھی عرض کر دوں کہ یہ زمانہ بھی اس دور کے ہادی مطلق سے خالی نہیں ہے اور یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ وہ کون ہیں؟

ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے جو منکرین ہیں ان کے بارے میں اللہ جل جلالہ نے فرمایا ہے

☆ فَسَتَعۡلَمُونَ مَنۡ أَصۡحَابُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهۡتَدَىٰ ......(طٰہٰ 135)

یہ عنقریب جان لیں گے کہ ''صراط السوی'' کے اصحاب کون ہیں اور کون ہیں کہ جو دنیا اور عقبیٰ کی ہدایت سے فیض یاب ہیں- صراط السوی ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کا ایک قرآنی اسم مبارک ہے اس پر پھر کبھی بات ہوگی اور ان کے اصحاب کے بارے میں ہے کہ وہی دنیا و عقبیٰ کی ہدایت سے بہرہ ور ہیں-

اس دور میں کہا جاتا ہے کہ ہمارا رابطہ ان سے نہیں ہوسکتا کیونکہ ہم گناہ گار ہیں-

دوستو! یہ مخالف کا Misguide کرنے والا پروپیگنڈا ہے آپ خود سوچیں کہ ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے سر اطہر پر شہنشاہِ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی دستارِ فضیلت ہے اور یہ ان کے جانشین بھی ہیں ان کے وارث بھی ہیں اور ان کے منصب و مسندِ ہدایت پر متمکن بھی ہیں تو اِن کا رویّہ بھی اُن سے مختلف نہیں ہونا چاہیے

اور ہم شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو دیکھتے ہیں کہ وہ کفّار و مشرکین کی ہدایت میں مصروف تھے اور وہ بھی اس حال میں کہ لوگ ان پر پتھر برسا رہے تھے اور وہ پھر بھی مصروفِ ہدایت تھے تو کیا ان کی مسند کا پاک وارث عجل اللہ فرجہ الشریف اپنے چاہنے والوں کی ہدایت بھی نہیں کرے گا؟

ہم منکرینِ حجتّ کو وجودِ حجتّ کی ایک دلیل یہ دیتے تھے کہ اس دنیا میں ابلیس کا نظامِ ضلالت مسلسل کارفرما ہے اور اگر دوسری طرف اللہ کا نظامِ ہدایت موجود ہی نہ ہو تو یہ یکطرفہ کاروائی ہوگی اور انسان گمراہی پر مجبور ہو جائے گا اس لئے اللہ کا نظامِ ہدایت ماننا لازم ہے کہ جس طرح ابلیس گمراہ کرے تو اس سے زیادہ مضبوط نظامِ ہدایت اللہ تعالیٰ کا ہو کہ جو انسان کو خیر و شر کے مابین متوازن کرے اور وہ نظام ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے وجود ہی سے ثابت ہوتا ہے

اب ایک طرف تو ابلیس بن بلائے دن رات گمراہ کرتا رہے اور ہادیٔ دوراں کو بلایا بھی جائے اور وہ نہ آئے تو کیا اسے کوئی Balance کرنے والا سسٹم System کہہ سکتا ہے؟ حق تو یہ ہے کہ کوئی ہادی زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کو نہ بھی بلائے تو وہ پھر بھی ہدایت فرمائیں جیسا کہ وہ فرما رہے ہیں اور لاتعداد لوگوں کو بغیر خواہش کے اپنی زیارت سے مشرف فرماتے رہتے ہیں اس کے باوجود کوئی یہ کہے کہ ان سے رابطہ نہیں ہو سکتا تو یہ ابلیس ہی کی کوئی چال ہو سکتی ہے انسانیت نہیں۔ اس لئے عرض کروں گا کہ ہمیں اپنے ہادی زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف سے رابطہ پیدا کرنے کی کوشش کرنا چاہیے اور ان کی رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہیے کیونکہ جو شخص ان سے رابطے کی کوشش نہیں کرتا اس کی ہدایت فرماتے تو ہیں مگر غیبت میں رہ کر فرماتے ہیں اور جو

رابطے کی کوشش کرتا ہے اس کی ہدایت ظاہر ہو کر فرماتے ہیں اور یہ ہدایت معرفت سے لبریز اور یقین سے بھرپور ہوتی ہے

آپ کتبِ غیبت اٹھا کر دیکھیں ان میں آپ کو کئی ایسے اشخاص کا ذکر بھی ملے گا کہ جو غیر مسلم تھے اور انہوں نے رابطے کی کوشش کی تو انہیں اس طرح زیارت نصیب ہوئی کہ انہیں ابدی ہدایت سے بھی سرفراز کر دیا گیا- کئی لوگ غیر شیعہ تھے انہوں نے ہدایت طلب کی تو ان کی بھی ہدایت فرمائی گئی تو کیا ان کی جدّ اطہر صلوات اللہ علیہ کے ماتمدار اور عزادار اِن سے ہدایت طلب کریں تو کیا وہ ان کی ہدایت نہیں فرمائیں گے؟

یہ بات یاد رہے کہ باقی ساری ہدایتوں کیلئے تقویٰ اور پرہیزگاری کی شرط لگی ہوئی ہے یعنی اللہ بھی اس کی ہدایت فرماتا ہے کہ جو ایمان لائے اور اعمال صالح بجا لائے ،قرآن بھی اس کی ہدایت فرماتا ہے کہ جو متّقی ہو

مگر اِن کی ہدایت عام ہے اس میں کوئی کنڈیشن Condition نہیں لگی ہوئی چاہے کوئی گناہ گار ہو یا کوئی بدکار ہو یا کوئی کافر ہو یا کوئی مشرک ہو جو بھی ان سے ہدایت طلب کرے گا ہدایت پائے گا

آخر میں سارے مل کر دعا کریں ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کا ظہور و خروج جلدی ہو اور سارے مومنین و عزاداران کی حکومتِ اِلٰہیہ میں ان کے دیدار ِمسلسل سے شرفیاب ہوں اور ان کے رخِ انور کے نور سے دلوں کو ابدی سرور میسر آئے

آمین یارب العالمین

یا ھو یا من ھو لا ھو الا ھو الحی القیوم یا ھو یا من لا یعلم ما ھو الا ھو الحی القیوم العلی العظیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک

سِرّ ؐ اللہ

عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه

الحمد لله رب العالمين و صل علیٰ محمد ؐ و آلہٖ اجمعين خصوصاً على حجة الله فی العالمين عجل الله فرجه الشريف و آبائه المعصومين و امهاته الطاهرين الطيبين صلوات الله عليهم اجمعين و لعنة الله علیٰ اعدائهم اجمعين من يوم الازل الى يوم الدين

اے محرمانِ عروسِ عرفان!

شہنشاہ معظم عجل الله فرجه الشريف کو ہم زیارات میں ایک اسم مبارک سے خطاب کرتے ہیں اور وہ ہے سرّ اللہ فی العالمین عجل الله فرجه الشريف

اس اسم مبارک کے قابل تشریح تین اجزا ہیں

(1) سِرّ (2) اللہ (3) عالمین

ان میں سے سب سے پہلے مناسب ہوگا کہ میں لفظ ''اَلسِّــــر'' کے بارے میں کچھ عرض کروں عام طور پر جو سرّ کے معنی کئے جاتے ہیں وہ یہ ہیں کہ الاسرار خلاف الاعلان یعنی اسرار جو سرّ کی جمع ہے یہ اعلان کی ضد ہے اور اَلسِّر کے لغوی معنی کئی ہیں مثلاً راز ، درمیان ، بیچ ، طریقہ ، وادی کا درمیانہ حصہ ، خالص چیز ، عمدہ زمین ،

بہترین حصہ، ہر چیز کا مغز، کسی چیز کا پاکیزہ ترین حصہ، کسی چیز کا نچوڑ، کسی چیز کا جوف [باطن]، مخفی، چھپا ہوا، بھید، سردار، واقف وغیرہ

ان میں سے جو سب سے زیادہ معروف معنی ہیں وہ ہیں ''راز'' کے

جیسا کہ کہا جاتا ہے اسـررت الی فلاں یعنی میں نے اس سے راز کی بات کی اس میں دو وجوہات کا ہونا لازم ہوتا ہے یعنی ایک وجہ اظہار ہوتی ہے اور دوسری وجہ اخفا یعنی چھپانے کی وجہ ہوتی ہے

اب اگر ہم شہنشاہ معظم کے اس اسم مبارک کا لفظی ترجمہ کریں تو وہ یہ ہوگا

''وہ ذات پاک جو عالمین میں اللہ کا راز ہے''

یہاں یہ بھی عرض کرنا ضروری ہے کہ راز اور سرّ میں ایک بنیادی فرق بھی ہے کہ راز ہر اس بات کو کہا جاتا ہے کہ جو کسی نہ کسی سے چھپانا مقصود ہو چاہے وہ عام سی بات ہی کیوں نہ ہو مگر ''سرّ'' میں چھپانے کا عنصر بھی ہوتا ہے اور اس میں ایک پراسراریت بھی ہوتی ہے جبکہ راز میں ایک پوشیدہ اور غیر منکشف حقیقت کا تصور تو ہوسکتا ہے مگر اس میں کوئی پراسراریت نہیں ہوتی۔

پراسراریت وہاں پیدا ہوتی ہے جہاں ایک نہ سمجھ آنے والا تجسس بھی موجود ہو اور ایک Suspense بھی موجود ہو۔

اگر ہم عام سطحی معانی بھی لیں تو وہ یہ ہیں کہ لفظ راز ایسی حقیقت کیلئے بولا جاتا ہے جو اپنے صاحب کیلئے معلوم ہو مگر غیر کیلئے نا معلوم ہو، کہیں کہیں تو راز کا لفظ ایسی حقیقت کیلئے بولا جاتا ہے کہ جہاں انسانی عقل کچھ معلوم ہی نہ کر سکے

حقیقت یہ ہے کہ یہ سارا پاک گھر اللہ کا ایک سربستہ راز ہے اس سے پہلے کہ میں

انفرادی طور پر شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف کے بارے میں گفتگو کروں ان کے سارے پاک گھر کے بارے میں عرض کرتا چلوں جیسا کہ متعدّد مقامات پر پاک خاندان علیھم الصلوات و السلام نے فرمایا ہے

☆ فَاِنّا نَحنُ الَا سرَارُ الِٰھیَّۃِ المُو دَعَۃِ فِی الھَیَا کِلِ البَشرِیَّۃِ

یقیناً ہم الوہیت کے وہ راز ہیں جو ھیاکل بشریّت میں امانت کے طور پر رکھے گئے ہیں مناسب ہوگا کہ اس جامع فرمان سے جو نتائج نکلتے ہیں میں ان کا یہاں اجمالی طور پر خاکہ پیش کرتا چلوں

(1)

دوستو! یہ ایک حقیقت ہے کہ فرض کرو میرا ایک راز ہے جسے میں کسی پر خود ظاہر نہیں کرتا لہٰذا وہ راز میرے علاوہ کسی کو معلوم ہی نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ راز میں خود کسی پر کھول نہ دوں کسی کو اپنا راز دار بنا نہ لوں اس وقت تک وہ سب کیلئے نا معلوم رہے گا کیونکہ میں نے اسے کسی پر منکشف نہیں کیا اس لئے وہ راز ہی رہے گا

اس پاک خاندان علیھم الصلوات و السلام کے بارے میں ہے کہ یہ اللہ کے راز ہیں اس لئے ان کی حقیقت کیا ہے؟ یہ کسی کو معلوم نہیں ہونا چاہیے کیونکہ یہ الوہیت کے راز ہیں جو صرف صاحبِ راز یعنی خلاّقِ ازل کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں سچی بات یہ ہے کہ ان کی ازلی حقیقت پوری مخلوق سے پوشیدہ ہے اب جبکہ یہ بات معلوم ہوگئی کہ ان کی ازلی حقیقت اللہ کا ایک راز ہے تو جو لوگ منطق کے اس کلّیہ کو بھی سمجھتے ہیں کہ مشاہدۂ ناقص نتیجۂ ناقص فراہم کرتا ہے وہ اس پاک خاندان کی نوع اور فصل کے بارے میں اپنے منطقی دلائل کیوں پیش کر رہے ہیں

یہاں پہنچ کر میں اس بات کا فیصلہ خود انہی مولوی حضرات پر چھوڑتا ہوں یا اس فرمان کو جھٹلا کر ابدی جہنّم خرید کرلیں یا فرعون کی طرح دعوئے الوہیت کرلیں اور کہیں کہ ہمیں ان رازوں کا پتہ ہے کیونکہ ہم رب الاعلیٰ ہیں یا پھر مان لیں کہ ہم ان کی معرفتِ ذات کے حصول سے عاجز ہیں اور ان کی ازلی حقیقت سے جاہل ہیں

(2)

دوستو! یہ بھی حقیقت ہے کہ راز وہ ہوتا ہے جسے صاحبِ راز کے علاوہ کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ پاک خاندان علیھم الصلوات و السلام کی بشریّت اتنی ظاہر تھی کہ کفارِ عرب بھی انہیں بشر سمجھ رہے تھے۔

اگر ان کی بشریّت ہی اللہ کا راز ہے تو پھر یہ راز یہاں کے مولوی حضرات تو کیا عرب کے جاہل کافروں پر بھی کھلا ہوا تھا۔

اگر وہ راز بشریّت کے علاوہ کچھ اور تھا تو پھر کفار کی طرح انہیں اپنی نوع کہنے والا خود کو مسلمان تو نہ کہلائے

(3)

ہم یہ بات مانتے ہیں کہ عرب کے کفار کے عقائد اور یہاں کے ناقص المعیار مولوی کے عقائد میں تھوڑا سا فرق ہے

مگر یہ اختلاف خاندان تطہیر علیھم الصلوات و السلام کی ذات میں نہیں صفات میں ہے کیونکہ وہ کافر بھی ان کی ذات بشر سمجھتے تھے اور مولوی بھی ان کی ذات بشر سمجھتا ہے کفّار ان کے بعض صفاتِ حسنہ کے منکر تھے اور مولوی بعض صفات حسنہ کا قائل ہے ورنہ ذات کے لحاظ سے دونوں متفق ہیں

حقیقت یہ ہے کہ جملہ مخلوق کی صفات زائد برذات ہوتے ہیں اس لئے صفات ذاتی نہیں ہوتے ہیں اسی وجہ سے صفات غیرا ہم ہوتے ہیں مثلاً کوئی شخص برا ہے تو وہ کسی بھی وقت اپنی یہ صفت بدل سکتا ہے یعنی نیک ہوسکتا ہے

دوسری طرف یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک فرد لاکھوں سال عبادت کرنے والا صرف ایک سجدے سے انکار کر کے ابلیس بن جائے

ثابت ہوا صفات میں تبدیلی ممکن ہے کیونکہ صفات زائد برذات ہیں اور جو چیز زائد برذات ہو اسے فضلیت کی بنیاد نہیں بنایا جا سکتا ہے

سچ تو یہ ہے کہ جو چیز فضلیت ذات قرار پائے وہی اصلی فضلیت ہوتی ہے نہ کہ صفاتی فضلیت مثلاً کوئی سید ہے تو اس کی ذات سید ہے اس لئے وہ ہر صورت میں لائق احترام ہے کیونکہ حکم ہے

☆اکر موا اولادی الصالحون لله والطالحون لی

میری اولاد کا احترام کرو اگر نیک ہیں تو اللہ کیلئے ان کا احترام کرو اگر برے بھی ہیں تو پھر بھی میری وجہ سے احترام واکرام کرو

اس سے پتہ چلا کہ وجہٗ احترام ذات ہے اس لئے فرمایا گیا ہے کہ سید جتنا برا کیوں نہ ہو اس پر صدقہ کبھی حلال نہیں ہوسکتا کیونکہ صدقہ لوگوں کی میل کچیل ہے جو سید پر حرام ہے اور امتی جتنا نیک، عالم، عابد، زاہد بن جائے وہ صدقہ کھا سکتا ہے کیونکہ اس کے صفات میں فضلیت ہے اور سید کی ذات میں فضلیت ہے اور صفات زائد بر ذات ہیں

آج کے مولوی اور عرب کے کافر کے عقیدے میں شہنشاہ انبیاصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی

ذات تک کوئی اختلاف نہیں ہے وہ بھی بشر مانتا ہے یہ بھی بشر مانتا ہے اور صفات کی فضلیت تو ویسے بھی غیراہم ہے
اب یا تو مولوی کو چاہیے کہ وہ ذات کی فضلیت مانے اور بشر کہنے سے توبہ کر لے یا پھر کفارِ عرب میں سے ہونے کا اعلان کر لے تاکہ اللہ بھی فرما دے
☆ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ

(4)

یہاں یہ سوال ہوسکتا ہے کہ عمومی نظریہ تو یہ ہے کہ انسان کی اچھائی اور برائی کا پیمانہ اس کے اعمال ہیں یعنی انسان اچھا یا برا ہے تو اعمال کی وجہ سے ہے اور اعمال دائرۂ صفات میں رہتے ہیں داخل ذات نہیں ہوتے یہ زائد بر ذات بھی ہیں اور جزا و سزا کا دارومدار انہی پر ہی ہے
دوستو! حقیقت یہ ہے کہ بذاتِ خود اعمال بھی کچھ نہیں ہیں بلکہ اعمال کیلئے ایک اور بنیاد کی ضرورت ہے اور وہ ہے ''نیت'' اس بات کو سبھی فرقے مانتے ہیں کہ اعمال کی بنیاد نیت پر ہے عمل خود کچھ نہیں ہوتا مثلاً نماز پڑھنا نیک عمل ہے مگر اللہ نے کچھ نمازیوں پر لعنت بھی کی ہے اسی طرح جملہ اچھے اعمال بجاآوری میں جب ریا میں داخل ہوں گے تو بے سود ہو جائیں گے
یہ بھی حقیقت ہے کہ انسان کی ذات کا نقص اعمال سے استفادے میں مانع ہوتا ہے جیسا کہ نہج البلاغہ میں فرمان ہے کہ اگر حرام زادے کو پوری کائنات کی دولت دی جائے تو تب بھی وہ ہم سے محبت نہیں کرسکتا اور حلال زادے کی ہم ناک بھی توڑ دیں تو وہ ہم سے نفرت نہیں کرسکتا ہے

اس سے ثابت ہوا کہ اصل حلال ہی اصل بات ہے اگر اصل حرام ہے تو جملہ اعمال بیکار ہیں نمازی، روزہ دار، حاجی وغیرہ تو بن سکتا ہے محبِّ آل محمد علیھم الصلوات و السلام نہیں بن سکتا کیونکہ حرامی ہے اوراس کی اصل خراب ہے

ایک مشور واقعہ ہے جو علامہ حلّی مرحوم کے دور کا ہے کہ ایک حرام زادہ حوضہ ٔعلمیہ میں داخل ہوااور مجتہد بن گیا ساری ڈگریاں حاصل کرلیں مگر بوقت موت اظہار افسوس کیا کہ مجھے آج تک یہ شک ہے کہ شاید یزید لعین حق پر ہو (نعوذ باللہ) ایسے بہت سے واقعات کتب میں موجود ہیں کہ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اصل ذات میں فضلیتِ خیر ہے تو ٹھیک ہے ورنہ غلط ہے

اس لئے میں عرض کروں گا کہ اگر کسی نے محمدؐ وآل محمدؐ علیھم الصلوات والسلام کی فضلیت ماننا ہے تو ذاتی مانے صفاتی نہیں کیونکہ ان کی امتیازی حیثیت صفاتی نہیں ذاتی ہے حقیقت یہ ہے کہ صفاتی طور پر انہوں نے بشریت کا اظہار کیا ہے ذات کو اللہ کا راز قرار دیا ہے اسی لیے تو زیارتِ عاشور میں پڑھا جاتا ہے اقرار کیا جاتا ہے کہ ہم آپ کے ظاہر و باطن واوّل وآخر و پوشیدگی اوراعلانیت پر ایمان لاتے ہیں

اس مقام پر ہم پھر اپنے مہربانوں کو فیصلے کا اختیار دیتے ہیں کہ یا وہ اللہ کے ان انوارِ ازلیہ وابدیہ علیھم الصلوات و السلام کی ذاتی فضلیت مانیں یا کفّار کے ہم عقیدہ ہونے کا اعلان کریں

(5)

دوستو! میں عرض کررہا تھا کہ یہ سارے معصومین علیھم الصلوات و السلام الوہیت کے راز ہیں کہ جسے کسی پر منکشف نہیں فرمایا گیا

دوستو! ہر راز صاحب راز کیلئے اہم ہوتا ہے وہ اسے ظاہر نہیں کرتا مثلاً ایک شخص اپنی دولت کو کسی تہہ خانے میں چھپا دیتا ہے اور اس تہہ خانے وغیرہ کے راستے سے کسی کو مطلع نہیں کرتا حتیٰ کہ اولاد کو بھی اس خزانے کا پتہ نہیں دیتا اسی طرح کئی لوگ اپنے خزائن زمین میں دفن کر دیتے ہیں اور ان کے اوپر مٹی ڈال دیتے ہیں

یہ معصومین علیھم الصلوات و السلام بھی اسی طرح اللہ جل جلالہ کے انوار کے خزائن ہیں اور یہ اس کی الوہیت کے راز ہیں جنہیں اس نے خاکِ بشریّت میں چھپا رکھا ہے اب مٹی کے نیچے خزانہ چھپا ہوا ہے جو ظاہراً مٹی کو دیکھتا ہے وہ اس خاک کی اہمیت نہیں سمجھ سکتا اسے صرف مٹی سمجھتا ہے اور جو شخص اس راز سے آشنا ہے وہ اس کے اند رمخفی خزانۂ توحید کو دیکھتا ہے اسے مٹی صرف ظاہراً خزانے کو چھپانے کیلئے نظر آتی ہے اور وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ یہ مٹی خود خزانہ اور راز نہیں ہوسکتی، راز دار ہوسکتی ہے پاک خاندان علیھم الصلوات و السلام کی ظاہری بشریّت ان کے راز ہائے سربستہ کی راز دار ہے خود راز نہیں کیونکہ نظر آ رہی ہے اصل راز تو اس کے اندر مخفی ہے

ہاں جو رازِ الوہیت ہی کو بشر سمجھتا ہے وہ کافر ہی رہتا ہے چاہے پاکستان کا رہنے والا ہو یا عرب کا

(6)

دوستو! جیسا کہ آپ کو معلوم ہے آجکل علمِ غیب پر بہت بحثیں ہو رہی ہیں اور جن چیزوں کو غیب کہا جاتا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جو کسی کے سینے میں چھپا ہوا ہے اسے اللہ جل جلالہ کے سوا کوئی نہیں جانتا یعنی دلوں کے راز اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور وہی علیم بذات الصدور ہے

اگر یہ دعویٰ درست ہے کہ انسانوں کے دلوں کے راز اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا تو اس سے یہ بھی ثابت ہوگا کہ ایک کافر کے دل کے راز کو بھی کسی مولوی کا باپ بھی نہیں جانتا

اب یہاں یہ سوال بھی تو ہوسکتا ہے کہ جو الوہیت کے راز ہیں انہیں یہ مولوی کیسے جان گیا ہے؟

ایک طرف یہ دعویٰ ہے کہ اللہ کے راز مولوی جانتے ہیں دوسری طرف دلوں کے راز اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا- یا یہ مانیں کہ ہر کسی کا ہر قسمی راز ہر کوئی جانتا ہے یا یہ کہے کہ یہ مولوی اللہ کے راز اس لیے جانتا ہے کہ یہ خود اللہ ہے اور فرعون کی طرح انـــا ربکم اعلٰی کا دعوی کرے

یہ دہرا معیار کیوں ہے یہ ملاں اللہ کے راز جان کر بھی مسلمان ہے اور مومن آل محمد علیہم الصلوات و السلام کو عام انسانوں کے دلوں کے رازوں سے آشنا کہہ دے تو مشرک ہے آخر کیوں؟

(7)

دوستو! یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ آپ تاریخ اٹھا کے دیکھیں جب بھی کسی نے انبیا علیہم السلام کے دلوں کے رازوں کو معلوم کرنے کا دعوی کیا ہے اسے کافر قرار دیا گیا ہے چاہے اس نے جزوی طور پر معلوم کر بھی لیا ہو تو تب بھی کافر تسلیم کیا گیا ہے جیسا کہ زمانہ سیدالکونین صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے دور میں ابن صیاد نے نبوّت کا دعویٰ کیا تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے اسے دربار میں بلا کر فرمایا تھا کہ نبی وہ ہوتا ہے جو دلوں کے راز جانتا ہے اب تم نے بھی نبوّت کا دعویٰ کیا ہے تو ذرا مجھے میرے

دل کے راز سے آگاہ کرو۔
اس نے عرض کیا کہ آپ پہلے کسی شخص کو اُس بات سے آگاہ فرمائیں جو آپ نے دل میں رکھنا ہے تا کہ میرا امتحان درست ثابت ہو اور اس کی درستی کا کوئی اور گواہ بھی ہو اس پر شہنشاہ معظم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے اپنے دل میں سورۃ الدخان رکھی اور اس سے چند اصحاب کو آگاہ بھی فرمایا
اس کے بعد جب اس سے سوال کیا کہ اب تم ہمارے دل کی بات سے ہمیں آگاہ کرو تو اس شخص نے فوراً کہا حضور کے دل میں ہے ''الدخ''
یہ سن کر آپؐ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا اخسا (ہٹے منہ)
اس کی وجہ یہ تھی کہ ابن صیاد ملعون الدخان کے آخری الف اور نون کو معلوم نہ کر سکا تھا اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے اسے کذّاب کا لقب دیا اور زندہ جلا دیا کیونکہ اس نے نبی کے دلوں کے رازوں کے معلوم ہونے کا دعویٰ کیا تھا یہ تو تھا وہ شخص جو اللہ جل جلالہ کے حبیب صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے راز کو جاننے کا دعویٰ کرتا ہے اور جو مولوی اللہ کے رازوں کو معلوم کرنے کا دعوی کرلے تو وہ ابن صیاد کی ناجائز اولاد نہیں تو کیا ہے۔

(8)

دوستو! حقوق الاخوان کے ضمن میں فرمایا گیا ہے کہ جو شخص کسی مومن کا کوئی راز فاش کرتا ہے تو وہ اس کا قاتل ہے
ہم فرض کرو کے کلّیہ کے تحت یہ فرض بھی کرلیں کہ اللہ کے راز اس دور کے کسی شخص کو معلوم ہو بھی گئے ہیں اور پھر یہ نامراد اس راز اِلٰہی کو ٹکے ٹکے کی کتابوں اور اشتہا

رات کے ذریعے فاش کر رہا ہے اس پر وہ خود فیصلہ کرے یا تو یہ تسلیم کرے کہ یہ کتا بیں جھوٹ کا پلندہ ہیں یا پھر اقبال جرم کر لے کہ وہ وحدت کبریٰ کا قاتل ہے۔
حقیقت یہ ہے کہ ہمارے بعض مہربانوں کو اشتباہ ہوا اور وہ اسی پر قائم ہو گئے ہیں ورنہ اس سے کوئی انکار کر ہی نہیں سکتا کہ یہ اللہ کے سربستہ راز ہیں جن کی ذات کے بارے میں جس طرح ایک جاہل آدمی لاعلم ہے اسی طرح ایک عالم و فاضل آدمی بھی لاعلم ہے ہاں ان کی صفات حسنہ کی حد تک علمی جولانیاں موجود ہیں اور وہ بھی ایک چھوٹی سی جولاں گاہ تک محدود ہیں۔

(9)

دوستو! اگر ہم فرض کر لیں کہ اللہ جل جلالہ نے کسی کو اپنے رازوں سے مطلع کر دیا ہے تو وہ ان رازوں کا امین ہوتا ہے کیونکہ جب بھی کوئی کسی کو کوئی راز دیتا ہے تو وہ اس راز کا امین ہوتا ہے اگر وہ اس راز کو فاش کر دے تو خیانت کا مرتکب ہوتا ہے اگر خاندانِ تطہیر علیہم الصلوات و السلام اللہ کے راز ہیں اور اگر ان کی حقیقت کسی پر منکشف ہو گئی ہے تو اس پر واجب ہے کہ وہ اسے چھپائے ورنہ وہ رازوں کی خیانت کا مرتکب ہو گا اور رازوں کی خیانت کا جرم تو اتنا بڑا جرم ہے کہ جو کسی نبی کی زوجہ کو بھی معاف نہیں ہوتا کیونکہ کسی نبی کی بیوی لاکھ ام المومنین ہو مگر اللہ کی لعنت سے وہ محفوظ نہیں ہوتی تو کسی اور کو اس جرم کے باوجود لعنت سے محفوظ سمجھنا کیسے جائز ہے؟

(10)

اب ایک مرتبہ پھر اصل فقرے کو دیکھیں تا کہ اس کے دوسرے راز بھی آپ تک پہنچ سکیں۔ فرمان ہے "نحن الاسرار الالٰھیة" یعنی یہ اللہ کے راز نہیں الوہیت

کے راز ہیں
فرد کے راز نہیں عہدے کے راز ہیں حاکم کے راز نہیں حاکمیت کے راز ہیں کیمیا گر کے راز نہیں بلکہ کیمیا گری کے راز ہیں کیونکہ کیمیا گر کے کئی راز ہو سکتے ہیں مگر وہ جس سے کیمیا گری کرتا ہے وہ اہم راز ہوتا ہے اگر وہ کیمیا گری کا راز نہ ہوتو وہ کیمیا گر ہی نہ ہو جو کسی عہدے کے راز ہوتے ہیں وہ اس کا ہنر ہوتے ہیں جس سے فرد اس عہدے تک پہنچتا ہے
یہ بھی اللہ کے راز نہیں الوہیت کے راز ہیں یہ اللہ کے وہ راز ہیں جن سے اللہ اپنی الوہیت تک پہنچتا ہے اگر کوئی کیمیا گری کا راز پا لے تو کیمیا گر بن جائے تو کیا جو الوہیت کے راز پا لے گا وہ اللہ نہ بن جائے گا ؟
اسی لئے تو فرمایا گیا تھا کہ تمہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا
اگر کوئی آپ کی حقیقت جان لے تو الہ العالمین بن جائے اور وہ صرف ایک ہے اس لئے ان کی حقیقت کو کوئی پا ہی نہیں سکتا
(11)
ذرا اللہ کے صفات حسنہ کو دیکھیں وہ رازق ہے، خالق ہے، مالک ہے وغیرہ وغیرہ مگر وہ رازق تب ہے جب کوئی مرزوق ہو وہ خالق تب ہے جب کوئی مخلوق ہو وہ مالک تب ہے جب کوئی مملوک ہو اس بات کو دیکھتے ہوئے عرفا نے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ اللہ کے صفاتِ ثبوتیہ بھی دراصل صفاتِ سلبیہ ہیں اور یہی کمالِ توحید ہے کہ اس کی ذات سے جملہ صفات کی نفی کر دی جائے یعنی وہ قادر ان معنی میں ہے کہ عاجز نہیں ہے قدیم اس معنی میں ہے کہ وہ حادث نہیں ہے دراصل صفات ثبوتیہ اپنی ضد کی

نفی ہی کرتے ہیں نہ کہ صفت کے اثبات کیلئے ہیں
جب جملہ صفات کو سلبیہ مان لیا جائے تو اس کی ذات میں داخل صرف الوہیت رہے گی اور اس کیلئے صرف الوہیت ہی ثابت ہوگی باقی ہر چیز کی نفی ہو جائے گی اب یہاں یہ دیکھیں کہ اللہ کے انوار ازلیہ وابدیہ علیھم الصلوات و السلام اللہ جل جلالہ کی رزاقیت کے راز نہیں خالقیت کے راز نہیں اس ذات کی الوہیت کے راز ہیں
اب یہ بات نہیں بھولنا چاہیے کہ الوہیت کے رازوں کو جاننا اللہ کی ذات کو جاننے کے مترادف ہے اور جو شخص اللہ جل جلالہ کی ذات کو جاننے کا دعویٰ کرے یا وہ اللہ بن کر آئے یا پھر مانے کہ اس کا دعویٰ سراسر غلط ہے

(12)

دوستو! یہ بھی ایک حقیقت ہے اور اس بات سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ جو شخص مجھے نہیں جانتا میرے نام تک سے واقف نہیں ذات اور اختیارات سے ناواقف ہے وہ میرے رازوں سے بھی ناواقف ہی ہوگا
جو لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ رازہائے الوہیت کو جانتے ہیں انہیں پہلے اللہ جل جلالہ کے مکمل کوائف معلوم ہونے کا دعویٰ کرنا چاہیے تھا
جن کا علم اتنا محدود ہو کہ اپنے باپ کو بھی نہ جانتے ہوں وہ اللہ کے اور الوہیت کے رازوں کو کیسے جان سکتے ہیں؟
راز معلوم ہونے کی دو صورتیں ہیں یا اللہ نے انہیں رازدار بنایا ہو سو اس کا ان کے پاس کوئی ثبوت نہیں دوسری صورت یہ ہے کہ یہ ابلیسی جاسوسوں کی طرح راز چرانے کے درپئے ہوں اس دوسری صورت میں بھی کامیابی کا کوئی امکان نہیں ہے

کیونکہ جب شیاطین کا باپ عزازیل بھی راز نہیں چرا سکا تو یہ کیسے چرا سکتے ہیں؟

سرّ اللہ عجل اللہ فرجہ الشریف

اب ہم واپس اپنے موضوع پر آتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ہمارے شہنشاہ زمانہ ہمارے مالک مطلق عجل اللہ فرجہ الشریف کے اسمائے مبارکہ میں سے ایک اسم مبارک ہے سرّ اللہ فی العالمین عجل اللہ فرجہ الشریف یعنی یہ وہ پاک ذات ہیں کہ جو عالمین کے اندر اللہ کے سربستہ راز ہیں

دوستو! راز کی دو قسمیں ہوتی ہیں

() رازِ غیر مادّی () رازِ مادّی

غیر مادّی راز وہ ہوتے ہیں کہ جو صرف دیدہ وشنیدہ ہوتے ہیں اور جو قیاسی ہوتے ہیں وہ حتمی نہیں ہوتے اس لئے غیر مادّی کے یہی دو اقسام ہیں

میں اس بات کو ایک مثال سے پیش کرنا چاہوں گا

ایک شہر پر ایک بادشاہ شب خون مارنا چاہتا ہے تو وہ اس بات کو اپنے مشیروں میں ظاہر کرتا ہے اور ان سے اس بارے میں مشورہ بھی لیتا ہے جب ان کا مشورہ پاس ہو جاتا ہے تو وہ کہتا ہے اب اس بات کو کسی پر ظاہر نہ کریں تاکہ دشمن تک یہ بات نہ پہنچ سکے

جب اس کے اخفا اور چھپانے کا حکم ہوا تو یہ بات ایک راز کا مقام پا گئی یعنی یہ ایک راز تو ہے مگر سنا ہوا ہے اسی طرح کوئی آدمی کسی کو کوئی خفیہ کام کرتے دیکھتا ہے اور وہ آدمی دیکھنے والے کو دیکھ لیتا ہے تو اس سے کہتا ہے تم میرا یہ راز کسی کے سامنے مت کھولنا اس طرح ایک دیکھی ہوئی بات راز کا درجہ پا لیتی ہے اس سے سمجھ لیں کہ یہ

دونوں غیر مادّی راز ہیں

مادّی راز کو سمجھنے کیلیئے ایک مثال پیش کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ ایک بادشاہ کو اچانک اپنا محمل چھوڑنا پڑتا ہے اور اس کے پاس ایک کوہ نور جیسا ہیرا ہے وہ اس ہیرے کو رات کے وقت اپنے پائین باغ کے کسی گوشے میں دفن کر دیتا ہے اور اس کا پتہ اس کے علاوہ کسی کو نہیں ہوتا- یہ کوہ نور جیسا ہیرا ایک راز ہے مگر رازِ مجسم ہے رازِ مادّی ہے

ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجه الشریف ہمہ پہلو اللہ جل جلالہ کے راز ہیں ان کی ہر بات اللہ کے سربستہ راز کا درجہ رکھتی ہے

دیکھیئے اس دور میں وحدتِ نوع پر بہت لے دے ہو رہی ہے میں ان بحث کرنے والوں سے گذارش کروں گا کہ نوع کیلیئے جنس ، نوع ، فصل ممیّز اور خاصوں وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے اب ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجه الشریف اس دنیا میں موجود ہیں اور موجود رہ کر غائب ہیں ہر سال حج پر ظاہراً تشریف لاتے ہیں ہزاروں لوگوں کی مدد فرماتے ہیں

ہمارا تو یہ عقیدہ ہے کہ وہ ہمہ وقت ہر جگہ موجود ہیں مگر ہمارے مہربان یہ تو مانتے ہیں کہ وہ جب کہیں جانا چاہتے ہیں تو ارادہ کرتے ہی وہاں پہنچ جاتے ہیں اب ان لوگوں سے یہی عرض کروں گا کہ مسئلہِ نوع کی بحث تو ہو رہی ہے ذرا یہ بھی تو بتائیں کہ یہ ایک مقام سے لاکھوں میل دور پکارنے والے کے پاس آن واحد میں پہنچ جانا ، یہ ہزاروں لاکھوں عریضے وصول کرنا ، اس جیسی ہزاروں اور چیزیں بھی ہیں اب یہ بتائیں کہ یہ سارے نوعی خاصے ہیں یا جنسی خاصے ہیں؟ اور انہیں یہ بھی بتانا پڑے گا

کہ یہ کس جنس اور کس نوع کے خاصے ہیں؟ اگر یہ نوع بشر کے خاصے ہیں تو اس پاک خاندان علیہم الصلوات و السلام کے علاوہ یہ خاصے اس نوع کے کس فرد میں پائے جاتے ہیں؟

()

دوستو! آج حاضر و ناظر پر خوب بحث ہو رہی ہے مگر یہ تو کسی نے نہیں سوچا کہ یہ تو سرّ اللہ فی العالمین ہیں یعنی اللہ کے وہ راز ہیں جو عالمین میں موجود ہیں اگر یہ عالمین میں موجود نہ ہوں تو فی العالمین کہنے کا کوئی ''تُک'' نہیں بنتا یہ فی العالمین ہیں تو پھر حاضر و ناظر کون ہوتا ہے؟

حق تو یہ ہے کہ ان کا فی العالمین ہونا بھی ثابت ہے اور یہ بات سمجھ نہ آنا یہ اللہ کا راز ہے یہی پراسراریت ہی تو انہیں اللہ جل جلالہ کا راز ثابت کرتی ہے

()

دوستو! حقیقت یہ ہے کہ ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی غیبت بھی ایک رازِ الٰہی ہے یعنی اس راز کو کوئی نہیں جان سکتا کہ یہ کس طرح ایک جگہ پر موجود بھی ہوتے ہیں اور نظر بھی نہیں آتے جب بھی آپ نے مسجد جمکران میں یا مسجد سہلہ میں کسی کو زیارت کروائی ہے تو سارے لوگ یہی کہتے ہیں کہ ایک دم ظاہر ہوئے اور جب غائب ہونا چاہا تو ایک دم غائب ہوگئے اور نہ کسی کو ان کے تشریف لانے کا علم ہوا نہ کسی کو ان کے تشریف لے جانے کی خبر ہوئی اگر کوئی اس ٹیکنیک کو سمجھ لے کہ یہ کس طرح موجود رہ کر غائب ہیں تو پھر یہ اللہ کا راز تو نہ ہوئے

()

دوستو! یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کا ظہور بھی اللہ جل جلالہ کا ایک سربستہ راز ہے کسی عام انسان کیلیئے ایک ہی رات میں مشارق ومغارب کو فتح کرنا تو کجا ایک رات میں ان تک پہنچنا بھی ناممکن ہے مگر ان کی ایک ایک بات اللہ کا ایسا راز ہوگی کہ کوئی نہ سمجھ سکے گا کہ ہو کیا رہا ہے یعنی ان کے اعلانِ اوّل سے لے کر ظہورِ اجلال اِلٰہی تک ہر بات ایک راز ہی ہوگی

دیکھیئے آپ ایک زبان میں اعلان فرمائیں گے اور روئے زمین پر چار ہزار زبانوں کے بولنے والے افراد ان کے فرمان کو انہی کے لہجے میں اپنی زبان میں سنیں گے کیا کوئی اس کا راز دریافت کر سکا ہے کہ ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ یہ بھی ایک راز ہے

()

دوستو! اورتو اوران کی اقامت گاہ بھی اللہ جل جلالہ کا ایک سربستہ راز ہے

اس جدید سائنس کے دور میں ان کے جزائر پر تحقیق میں سیکڑوں بحری جہاز غرق کیئے جا چکے ہیں مگر ان جزائر کے بارے میں کوئی بات بھی معلوم نہیں کر سکے اس پر آپ نے کتابیں دیکھی ہوں گی میں یہاں ایک جدید آرٹیکل کے حوالے سے بات کروں گا کہ ایک سائنسی جریدہ ہے اس کا نام ہے ''سائنس میگزین'' اس میں حال ہی میں آیا تھا کہ سائنس دان پہلے یہ سمجھتے تھے کہ جزائر برموداز Bermuda Triangle میں کشش ثقل کی زیادتی ہے اور اس Gravitational Pull کی وجہ سے سارے سائنسی آلات جام ہو جاتے ہیں اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ ہماری زمین کی کشش ثقل 120 کلومیٹر سے آگے ختم ہو جاتی ہے اس لئے انہوں نے ایک موسمی سیارے کو ان جزائر کے اوپر سے گزارا ہے، اسے اس زمین سے 800 کلومیٹر

اونچائی پر ان جزائر کے اوپر سے گزرنا تھا اور وہاں سے اس نے ان جزائر کی وڈیو فلم بنانا تھی مگر ہوا یہ کہ جب وہ سیارہ 800 کلومیٹر کی بلندی سے بھی ان جزائر کے اوپر سے گزرا تو اس کا سارا سائنسی نظام جام ہوکر رہ گیا اس سے انہوں نے یہ فیصلہ دیا کہ یہاں کی ہر چیز ایک ایسا راز ہے کہ جو ہم فی الحال حل نہیں کر سکے

تو میں یہی عرض کر رہا تھا کہ ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف کی ہر چیز ایک راز اِلٰہی ہے

اب یہاں ہم یہ نہیں کہتے کہ کوئی ان کی ذات کو سمجھ کر دکھائے بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس دور کی سائنس ان کی رہائش گاہ کے رازوں کو سمجھ کر دکھائے

جب ان کی رہائش گاہ ہی سمجھ میں نہیں آتی تو اس دور کا کوئی مولوی ان کی ذات کو کیسے سمجھ سکتا ہے؟

( )

کئی لوگ اس کا یہ جواب دیں گے کہ یہ تو ان کے معجزات ہیں اور معجزہ ان کا اپنا فعل نہیں ہوتا بلکہ معجزہ کسی بھی معجز نما کا فعل نہیں ہوتا بلکہ اللہ کا فعل ہوتا ہے جو معجز نما کی دعا سے واقع ہوتا ہے اسی طرح یہ سارے معجزات شہنشاہ معظم عجل الله فرجه الشريف کے ذاتی افعال نہیں ہیں بلکہ اللہ کے افعال ہیں

میں عرض کروں گا کہ ان کے صرف یہی معجزات تو نہیں ہیں بلکہ ان کا ہر فعل معجزہ ہے ان کی ہر صفت ایک منفرد معجزہ ہے ان کا کلام فرمانا معجزہ ہے ان کا دیکھنا سننا معجزہ ہے ان کی ہر حرکت وسکون معجزہ ہے ان کا سونا جاگنا معجزہ ہے ان کے ظاہری اعضاو جوارح اپنے اپنے مقام پر معجزہ ہیں ان کی ذات اپنی پر اسراریت سمیت ایک معجزہ

ہے گویا ان کی ہر چیز معجزہ ہے

اب کہنے والے کہتے ہیں کہ کوئی معجزہ ان کا ذاتی نہیں بلکہ وہ اللہ کا فعل ہے تو اس طرح ان کا ہر قول کیونکہ معجزہ ہے اس لئے اللہ کا قول ہوگا

ان کا ہر فعل اللہ کا فعل ہوگا ان کے اعضاو جوارح اللہ کے اعضاو جوارح ہوں گے ان کے ہاتھ اللہ کے ہاتھ، ان کی آنکھیں اللہ کی آنکھیں، ان کا چہرہ اللہ کا چہرہ، ان کے افعال اللہ کے افعال ہوں گے، ان کی صفات اللہ کی صفات ہوں گی، اور نتیجہ یہ کہ ان کی ذات کیا اللہ کی ذات نہ ہوگی؟

یہ منطقی نتیجہ تو آپ کیلئے قابل قبول نہیں ہوگا اس لئے عرض کر رہا تھا کہ یہ اللہ کے راز ہیں جو عالمین کی پنہائیوں میں عالمِ خلق وامر کی گہرائیوں میں مخفی ہیں اسی لئے ہم زیارت میں عرض کرتے ہیں

☆ السلام عليك يا سرّ الله فى العالمين عجل الله فرجك و صلوات الله عليك

آپ پھر دیکھیں منطقی نتیجہ یہی نکلتا ہے یعنی ان کا فعل اللہ کا فعل، ان کا قول اللہ کا قول، ان کا حکم اللہ کا حکم، ان کی محبت اللہ کی محبت، ان کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ، ان کے کان اللہ کے کان، ان کی آنکھیں اللہ کی آنکھیں، ان کا جسم اللہ کا جسم، ان کے صفات اللہ کی صفات اور ان کی ذات بھی اللہ کی ذات ہے

جب ان کا ذاتی کچھ نہ رہا تو پھر یہ بشر کیسے بن گئے؟ اب ماننا ہے تو اللہ مانو اور یہ بھی سوچو کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ان کی ہر چیز تو اللہ کی ہو اور ذات بشر ہو؟ کیا کسی منطق میں اس قسم کی نوع کا بھی ذکر ہوا ہے؟ اگر یہ نہیں مانتے تو کوئی بات نہیں، اب کچھ اور نہیں تو اتنا تو مان ہی لو کہ یہ اللہ کے راز ہیں جنہیں کوئی سمجھ نہیں سکتا

دوستو! سچی بات تو یہ ہے کہ جو کسی کی سمجھ میں آ جائے وہ اللہ کا راز نہ ہوا کوئی بچوں کا کھیل ہو گیا اسی لئے تو ان کی معرفت کے بارے میں ہمیں یہی اقرار کرنا چاہیے کہ ہم آپ کی معرفت سے عاجز و قاصر ہیں اور ہم وہی کچھ سمجھ سکتے ہیں جو کچھ آپ ہمارے ذہنوں میں انڈیل دیتے ہیں اور یہ بھی کسی کا استحقاق نہیں ہے کرمِ محض ہے جس پر آپ چاہتے ہیں کرم فرما دیتے ہیں

اسی کے ساتھ عرض کروں گا کہ دعا کریں کہ اب وہ روزِ سعید جلدی آئے جب یہ راز ہائے اِلٰہی انسان کے ظرف کی برداشت کی آخری حد تک منکشف ہونا ہیں جس سے آگے کوئی برداشت کر ہی نہیں سکتا۔ ہماری یہ گناہ گار آنکھیں اپنے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجه الشریف کے سر اطہر پر اقلیلِ ازلیت و ابدیت موزوں ہوتا ہوا دیکھیں اور ان کی ظاہری مظلومیت کا زمانہ ختم ہو جائے

آمین یارب العالمین

اللهم صل علیٰ محمدؐ وآل محمدؐ و عجل فرجهم بقائمهمؑ صلوات الله علیه والسلام

يا هو يا من هو لا هو الا هو الحی القیوم یا هو یا من لا یعلم ما هو الا هو الحی القیوم العلی العظیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک

دلیلؑ

عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه

الحمد لله رب العالمين و صل علىٰ محمدؐ و آلهٖ اجمعين خصوصاً على حجة الله فى العالمين عجل الله فرجه الشريف و آبائه المعصومين و امهاته الطاهرين الطيبين صلوات الله عليهم اجمعين و لعنة الله علىٰ اعدائهم اجمعين من يوم الازل الى يوم الدين

اے کاروانِ منزلِ توحید!

آج ہم شہنشاہ زمانہ ولی العصر والزمان عجل اللہ فرجہ الشریف کے اسمائے مبارکہ کی تشریحات کے سفر میں ایک اور مرحلے کی طرف بڑھ رہے ہیں ہمارے شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف کے اسمائے مبارکہ والقابات مطہرہ میں سے ایک لقب واسم ہے دلیل عجل اللہ فرجہ الشریف اور ان کے ادعیہ اور زیارات میں انہیں اس لقب سے یاد کیا جاتا ہے

الدليل على ذات الله عجل الله فرجه الشريف

اس سے قبل کہ میں اس اسم مبارک پر کوئی گفتگو کروں پہلے لفظ دلیل کے بارے میں

کچھ عرض کرنا چاہوں گا جیسا کہ ماہرین لغت واصطلاح جانتے ہیں

کہ دلیل کا اصل مادّہ ''دَلَّ و الدالة '' ہے اور وہ اس کے بارے میں لکھتے ہیں

☆دل و الدلالة ما يتوصل به الى الشیٔ كدلالة الالفاظ على المعنى و دلالة الاشارت و الرموز و الكتابة و العقود فى الحساب وسوا ٓ كان ذالك بقصدٍ ممن يجعله دلالة او لم يكن بقصدٍ كمن يرى حركة انسانٍ فيعلم انه الحى

وہ لکھتے ہیں کہ دل و دلالت اس چیز کو کہتے ہیں کہ جو چیز کسی دوسری چیز سے متوصل و واصل ہوتی ہے ملی ہوئی ہوتی ہے جیسے الفاظ کے ساتھ معانی ملے ہوئے ہوتے ہیں یا جیسے کسی چیز کا اشارہ اس کے مفہوم و مقصد سے ملا ہوا ہوتا ہے یا رموز و کتابت اپنے مقصد سے واصل ہوتے ہیں اور اس کیلئے ترجمان ہوتے ہیں یا جیسے آدمی اپنے حساب رکھنے کیلئے دھاگے پر گانڈھیں دیتا ہے یعنی ان گانڈھوں کا جو رشتہ اصل تعداد سے ہوتا ہے

☆ وسوا ٓ كان ذالك بقصدٍ ممن يجعله دلالة او لم يكن بقصدٍ كمن يرى حركة انسانٍ فيعلم انه الحى

وہ لکھتے ہیں کہ دلالت قصدی ہو یا غیر قصدی دلالت میں برابر ہوتی ہے جیسے انسان کسی کی حرکت کو دیکھ کر معلوم کر لیتا ہے کہ یہ زندہ ہے

دوستو! دلالت کی دو قسمیں ہوتی ہیں مثلاً

() دلالت عمومی () دلالت خصوصی

دلالت عمومی کی دو قسمیں ہوتی ہیں

( ) دلالت قصدی ( ) دلالت غیر قصدی

اس بات کو ایک مثال سے سمجھا تا ہوں آپ شکار پر گئے وہاں آپ نے ایک ہرن کو دیکھا اور اس پر آپ نے فائر کیا وہ زخمی ہو کر بھاگ گیا آپ نے اس کا تعاقب کیا کہ کسی طرح آپ اسے پا لیں آپ جنگل میں گھومنے لگے سامنے ایک شخص کو دیکھا تو اس سے پوچھا بھائی تو نے اس جنگل میں کسی زخمی ہرن کو دیکھا ہے اس نے اشارے سے یا زبان سے بتایا کہ ہاں اس سمت میں جاتے دیکھا ہے

اس کا یہ دلالت کرنا کہ وہ فلاں سمت کو گیا ہے یہ دلالت قصدی ہے یعنی اس نے ارادۃً اس کی نشاندہی کی ہے

آپ آگے جاتے ہیں تو اس ہرن کے کھروں [پاؤں] کے نشانات بھی مل جاتے ہیں اور اس کے خون کی ایک لکیر بھی مل جاتی ہے اور وہ نشاندہی کرتی ہے کہ ہرن کہاں ہے

یہ نشاندہی ارادۃً نہیں کی گئی ہے اس لئے اسے دلالتِ غیر قصدی کہتے ہیں

( ) دلالت خصوصی ہمیشہ وجودی ہوتی ہے جیسے پھل کا وجود اس کے درخت یا پودے پر دلالت کرتا ہے کہ وہ موجود ہے

لفظ دلیل کے بارے میں صرفیین کہتے ہیں کہ

☆الدلیل فی المبالغة کعالمٍ و علیمٍ و قادرٍ و قدیرٍ

دلیل دلالت کا اسم مبالغہ ہے جیسے عالم کا اسم مبالغہ علیم ہے اور قادر کا اسم مبالغہ قدیر ہے اور مبالغہ اسے کہتے ہیں جس میں کوئی چیز یا صفت یا فعل بہت زیادہ پایا جائے جیسے اللہ عالم بھی ہے اور وہ علیم بھی ہے یعنی اس میں علم اس درجہ موجود ہے کہ اس کی

کوئی حد وانتہانہیں ہے یہ نہیں کہ وہ صرف عالم ہے بلکہ کسی کو عالم بنا بھی سکتا ہے اس لئے وہ علیم ہے اسی طرح لفظ دلیل میں دلالت موجود ہوتی ہے اور وہ بھی مبالغے کی حدتک دلالت پائی جاتی ہے اس پر آگے بات کریں گے

دلیل کے لغوی معانی

صاحبانِ لغت نے لفظ دلیل کے بہت سے معانی لکھے ہیں جن میں سے کچھ یہاں عرض کرتا ہوں دلیل کے معنی ہیں

دلیل ، حجّت ، رہنما ، مرشد ، گائیڈ ، راستہ بتانے والا ، احسان کرنے والا ، قابلِ بھروسہ، نشاندہی، ثبوت، کسی چیز کو ثابت کرنے والے شواہد و دلائل

دلیل و دلائل اسے کہتے ہیں جس سے کوئی چیز ثابت (Prove) ہوجائے آدمی اصل حقیقت کو سمجھ جائے اس میں چاہے مجرم کا جرم ثابت ہوجائے یا کسی نظریے کی صداقت ثابت ہوجائے یا رشد و ہدایت مل جائے کیونکہ رشد و ہدایت بھی حق کے ثابت ہونے سے ملتی ہے

دوستو! آپ نے دلیل کے معنی تو کچھ نہ کچھ سمجھ لئے ہیں اب ہم شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف کے اس اسم مبارک کی طرف جاتے ہیں جس کا ذکر ابتدا میں کیا تھا یعنی ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف کا نام پاک ہے

الدلیل علیٰ ذات اللہ عجل الله فرجه الشريف

یعنی یہ اللہ کی ذات پر دلیل ہیں

ویسے تو یہ پورے کا پورا گھر ہی اللہ کی ذات پر نا قابلِ تردید دلیل ہے مگر خصوصی طور

پر ہمارے شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف اللہ کے وجود پر وہ دلیل ہیں کہ جس سے بڑی دلیل کوئی ہو ہی نہیں سکتی

دوستو! سب سے پہلے آپ کی توجہ اس طرف مبذول کرواؤں گا کہ یہ اللہ جل جلالہ کی ذات پر دلیل ہیں وجود پر نہیں کیونکہ اسم مبارک ہے

الدلیل وعلیٰ ذات اللہ عجل اللہ فرجہ الشریف

یعنی یہ اللہ کی ذات پر دلیل ہیں نہ کہ اس کے وجود پر اور نہ ہی اس کی صفات پر دلیل ہیں اور نہ ہی اس کے اسماالحسنٰی پر دلیل ہیں

حقیقت یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ کے وجود پر تو بہت سے دلائل عمومی وخصوصی موجود ہیں جیسا کہ یہ ساری کائنات اور اس کے اندر موجودات اس کے وجود پر ایسی دلیل ہیں کہ انہیں کوئی بھی رد نہیں کرسکتا یہ تو ہوسکتا ہے کہ کوئی اس کائنات اور اس کے اندر موجود موجودات کے بنانے والے کے نام یا حیثیت یا تعداد میں اختلاف کرلے مگر وہ اس بات سے انکار نہیں کرسکتا کہ اس کا بنانے والا کوئی نہ کوئی موجود ضرور ہے اب کوئی بھی ''نظریہ تصادف'' کا مطلقاً حامل نہیں ہے کہ جو یہ کہے کہ یہ دنیا بس ایسے ہی خود بخود بن گئی ہے بلکہ ہر کوئی یہ مانتا ہے کہ کوئی نہ کوئی علت العلل ایسی ضرور ہے کہ جس نے یہ کائنات بنا ڈالی ہے یعنی یہ پوری کائنات اور یہ زمین و آسمان یہ فضا و خلا یہ نجوم وکواکب یہ بحر و بر یہ شجر و حجر یہ پرند و چرند یہ جن وانس بس یوں سمجھیں کہ اس کائنات کی ہر چیز اس ذات کے موجود ہونے کا ایسا جیتا جاگتا ثبوت ہیں کہ جنہیں کوئی بھی عقل مند رد نہیں کرسکتا لیکن ان میں سے کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے کہ جو اس کی ذات پر دلیل ہو یا اس کی ذات پر دلیل بننے کی صلاحیت رکھتی

ہواس پر بات ہم بعد میں کریں گے

یہ تو آپ دیکھ چکے ہیں کہ ان کا اسمِ مبارک ہے دلیل علیٰ ذات اللہ یعنی یہ اللہ کی ذات پر کیا ہیں؟ دلیل ہیں

دوستو! یہ ایک مسلّمہ ہے کہ ''ہر وہ حقیقت جو دلیل سے محروم یا خالی ہو قابلِ اعتبار و یقین نہیں ہوتی''

آپ دیکھیں اللہ جل جلالہ سے بڑی کوئی حقیقت ہو ہی نہیں سکتی وہ ذات ایک Universal Truth ہے مگر ہر حقیقت کو ثابت کرنے کیلئے کوئی نہ کوئی دلیل تو ہونا ضروری ہوتی ہے ورنہ وہ نا قابلِ یقین ہی رہتی ہے اور اللہ کی ذات پر ان انوارِ ازلیہ علیھم الصلوات و السلام سے بڑھ کر کوئی دلیل موجود ہی نہیں ہے

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کس طرح اللہ کی ذات پر دلیل ہیں؟

دوستو! ماضی بعید سے لے کر حال جاری تک اللہ کی ذات پر جو سب سے بڑا اعتراض ہوتا رہا ہے وہ یہ ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی چیز موجود تو ہو مگر دیکھی نہ جا سکے اگر اللہ جل جلالہ واقعی موجود ہوتا تو وہ ہمیں ضرور نظر آ جاتا ذرائع مشاہداتِ عشرہ میں سے کسی نہ کسی ذریعے کے فوکس Focus میں وہ ضرور آ جاتا کیونکہ ہمارے دس کے دس ذرائع اس کی نفی کر رہے ہیں اس لئے اس کا ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ کائنات سے تو صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ کوئی نہ کوئی اس کا بنانے والا اور چلانے والا ہے مگر یہ ضروری تو نہیں ہے کہ وہ ایک ہی ہو، یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ باشعور بھی ہو، یہ ضروری تو نہیں کہ اس نے یہ کام عمداً کیا ہو، یہ بھی ضروری تو نہیں کہ اس کی وہی صفات ہوں کہ جو اسلام ہی بیان کرتا ہے، اس کی صفات وہ بھی ہو سکتی ہیں جو

سوامی مہابیر جین نے بیان کی ہیں یا رشی بالمیک نے بیان کی ہیں یا زرتشت نے جو بیان کی ہیں وغیرہ وغیرہ

اب اتنی ساری باتوں کو ہم قرآن کے حوالے سے ثابت کر بھی دیں تو وہ بھی عالم اسلام کی حد تک قابلِ قبول ہوں گی نہ کہ کسی دوسرے مذہب کیلئے

ایک المیہ Tragedy یہ بھی ہے کہ جتنے مسالکِ اسلامیہ ہیں ان میں بھی صفات کی تشریحات میں ایسا ہی اختلاف ہے جیسا کہ دیگر مذاہب کے اور اسلام کی تشریحات میں اختلاف ہے اس لئے اللہ کی ذات کیلئے کوئی ایسی دلیل چاہیے کہ جو اس کی ذات کو جمیع صفات سمیت ثابت کر سکے اور وہ صرف اور صرف ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف ہی ہیں

دیکھئے کوئی یہ کہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز موجود بھی ہو اور مدارک عشرہ میں سے کسی کے فوکس Focus میں بھی نہ آئے اس کا جواب یہ جناب عجل الله فرجه الشريف اس طرح دے سکتے ہیں کہ تم اللہ جل جلاله کی بات چھوڑو ہمیں دیکھو ہم موجود ہیں اور تمہارے مدارک عشرہ کے فوکس میں بھی نہیں آتے جب تک ہم نہ چاہیں کوئی ہمیں دیکھ ہی نہیں سکتا پہلے تم اپنے سارے ذرائع Sources استعمال کر کے ہمیں دیکھنے کی کوشش کرو جب یہ یقین ہو جائے کہ تم ہمیں نہیں دیکھ سکتے تو اس وقت ہم سے عرض کرنا کہ ہمیں خود کو دکھا دیں ہم اپنا جلوہ دکھا کر تمہیں بتا دیں گے کہ اللہ جل جلالہ بھی اسی طرح تمہارے فوکس میں نہیں آتا جس طرح ہم نہیں آ سکتے اور وہ بھی اسی طرح موجود حقیقت ہے جس طرح ہم موجود حقیقت ہیں وہ بھی اسی طرح ایک حقیقیت ہے جس طرح ہم ایک حقیقت ہیں اور وہ بھی اسی طرح نا قابلِ ادراک ہے جس طرح

ہم جب تک چاہیں نا قابل ادراک ہی رہتے ہیں

سچ تو یہ ہے کہ اللہ چاہے کتنی بڑی صداقت ہی کیوں نہ ہو ان انوارِ الٰہیہ علیھم الصلوات و السلام کے بغیر نا قابلِ تسلیم ہی رہتا ہے کیونکہ یہ اس پر دلیلِ کامل ہیں

دوستو! اس کی بجائے کہ میں خود ہی دلیل کے معنی متعیّن کروں ہم ایسا کیوں نہ کر لیں کہ اس کے معنی کے تعیّن کو آپ پر چھوڑیں کہ دلیل کے جو معنی آپ سمجھیں وہی لے کر ہم بات کے سلسلے کو بڑھائیں

دیکھئے دلیل کے جو معنی کتب میں لکھے ہیں ان میں سے ایک معنی یہ ہیں کہ دلیل رہنما Guide کو کہتے ہیں

اس دور میں ٹورازم [سیاحت] کو ایک انڈسٹری کا درجہ دے دیا گیا ہے اور جملہ مما لک میں آنے والے سیاحوں کیلئے Qualified Guide دیئے جاتے ہیں کہ جو انہیں اس ملک یا شہر کے اہم مقامات کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور خود لے جا کر انہیں وہ تاریخی Historical مقامات یا ویو پوائنٹ View Points دکھاتے ہیں انہیں ریستورانوں اور ہوٹلوں تک لے جاتے ہیں اور وہ انہیں ہر قسمی سہولیات بہم پہنچانے میں مدد دیتے ہیں ماضی قدیم میں جب کوئی کارواں چلتا تھا تو وہ اپنے ساتھ ایک دلیل Guide رکھتے تھے خصوصاً جب کسی خفیہ راستے سے جانا ہوتا تھا تو لازماً کوئی کرائے کا رہنما حاصل کر لیا جاتا تھا اور اس رسم کو سنت کا درجہ دینے کیلئے شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے بوقت ہجرت ایک Guide کو ساتھ لے لیا تھا اسی طرح شہنشاہ کربلا علیہ الصلوات والسلام نے بھی جناب طرماح سلام اللہ علیہ کو بطور Guide ساتھ رکھا تھا کیونکہ Guide کا کام ہوتا ہے منزل تک لے جانا

اگر ہم اس لقب سے صرف اتنا سمجھ لیں کہ یہ اللہ کی ذات تک ہمیں Guide کر سکتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ کوئی ذات اِلٰہی تک پہنچ نہیں سکتا جب تک وہ اِنہیں راہنما یا Guide نہ بنائے

یہاں ایک نکتے کی طرف توجہ دلانا چاہوں گا کہ جب راہ سفر یا منزل مادّی ہو تو مادّی Guide کی ضرورت ہوتی ہے اور جب منزل سفر غیر مادّی ہو تو اس کیلئے Guide یعنی رہنما کا مقام بدل جاتا ہے

آپ یہ تو مانتے ہیں کہ یہاں رہنمائی مادّی نہیں کیونکہ منزل مادّی نہیں بلکہ منزلِ حقیقی ذاتِ اِلٰہی ہے اور اگر انہیں صرف Guide ہی مان لیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ ہمارے شہنشاہ معظم عجل الله فرجه الشريف ہی اس دور میں بشریّت کے عقول کی نورانی راہنمائی فرماتے ہیں اور وہ بھی صفات تک نہیں بلکہ ذات اِلٰہی تک رہنمائی فرماتے ہیں یا یوں سمجھ لیں کہ انسانیت کو ذاتِ اِلٰہی تک پہنچانا ان کا کام ہے

دلیل کے معنی ہیں مرشد کے، رشد کی ضد ہے غی جیسا کہ کلام اِلٰہی میں ارشاد ہے کہ

☆قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَي

غی کے معنی اغوا کے ہیں اسے ایک مثال سے سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں

ایک آدمی لاہور سے کار پر سوار ہو کر واپس گھر جا رہا تھا کہ کسی جگہ اسے ایک آدمی نے رکنے کا اشارہ کیا اس نے سمجھا یہ کوئی مسافر ہے اور میں بھی تنہا ہوں کیوں نہ اسے لفٹ دے دوں جب اس نے گاڑی کو بریک لگائی تو وہ آدمی اس پر پستول تان کر کھڑا ہو گیا اور آ کر ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گیا اور حکم دیا کہ جہاں میں لے جانا چاہتا ہوں وہاں چلو وہ اسے راستے سے ایک طرف جنگل میں ایک مکان میں لے گیا

تا کہ اس کے بدلے میں اس کے گھر والوں سے تاوان وصول کرے۔ جب یہ اغوا کنندہ Kidnapper اسے جنگل میں لے جارہا تھا تو اس وقت کسی پولیس افسر نے اسے دیکھ لیا اور اس نے موبائل ٹیلی فون پر مرکز کو اطلاع دی اور وہاں ایک Rescue Team حفاظتی ٹیم پہنچ گئی اور انہوں نے ایک کامیاب آپریشن کیا اور اسے اس Kidnapper سے چھڑا کر اس کی منزل تک چھوڑ گئے

آپ نے دیکھا کہ اس حکایت میں تین کردار تھے

() اغوا کنندہ Kidnapper

() اغوا ہونے والا

() آزاد کروا کے گھر تک پہنچانے والا

اس میں جو Kidnapper تھا وہ مغوی تھا اور جو اس اغوا شدہ شخص کو چھڑا کے واپس لایا اسے مرشد کہتے ہیں اسی طرح اس کائنات کے ریلیزنگ ڈرامے Releasing Drama میں ایک طرف انسانیت ہے دوسری طرف اسے اغوا کرنے والا مغوی شیطان اور اس کی معاون قوتیں ہیں تیسری طرف ایک مرشد ہے جو اِن شیطانی طاقتوں سے انسان کو آزاد کروا کے اللہ کی ذات سے واصل کرتا ہے

عرفانیات میں تو یہ مقام ایک عام مرشد کو دیا جاتا ہے مگر ہم فرض کرو کے کلّیہ کو اپلائی کرتے ہوئے یہ فرض کرلیں کہ ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف ہی ہمارے مرشد ہیں تو بھی ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ یہ وہ ذات ہیں کہ جو لاچار انسانیت کو شیطانی طاقتوں کی حراست سے آزاد بھی کرواتے ہیں اور منزل توحید تک بھی پہنچاتے ہیں اب کوئی یہ کہے کہ دنیاوی و دینی مشکلات میں شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف یا ان

کے اجداد طاہرین علیھم الصلوات و السلام کو نہ پکارو تو ان سے کہہ دینا چاہیے کہ جب مجرم اغوا کرے تو انسان پولیس کو کیسے نہ پکارے

دوستو! دلیل کے ایک معنی وہ ہوتے ہیں کہ جو دعوے کو ثابت کرنے کیلئے بطور ثبوت پیش کی جائے اس لئے کہتے ہیں کہ ہر وہ دعویٰ باطل ہے جس کی کوئی دلیل نہ ہو

اگر ہم اس معنی میں شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف کو دلیل مان لیں تو یہ بھی درست ہے کیونکہ اللہ جل جلالہ ازل سے ایک دعویٰ ہی ہے یعنی جب سے مخلوق کو خلق فرمایا گیا وہ اسی دن سے اپنے غیر کیلئے ایک دعویٰ ہی تھا کیونکہ دعویٰ اس چیز کو کہتے ہیں کہ جو بذات خود ظاہر و ثابت نہ ہو جیسا کہ سورج ہمارے سامنے موجود ہوتا ہے تو اس کے موجود ہونے پر دلیل کی کوئی ضرورت نہیں ہے اسی لئے یہ مسلّمہ ہے کہ ''مشاہدے پر دلیل نہیں ہوتی'' دلیل کی ضرورت ہمیشہ اس چیز کیلئے ہوتی ہے جو مشاہدات عشرہ میں نہ آسکے یا جسے حواس خمسہ وعشرہ فوری دریافت نہ کرسکیں جیسا کہ خوشبو اگرچہ دیکھی نہیں جاسکتی مگر حسِ شامہ ''سونگھنے کی قوت'' اس کا مشاہدہ کرلیتی ہے اس لئے اس کے موجود ہونے پر بھی دلیل نہیں ہوتی بلکہ دلیل صرف ان چیزوں پر ہوتی ہے کہ جن کا دعویٰ تو کیا جاسکے مگر اس کا ادراک نہ کروایا جاسکے اس حساب سے اللہ جل جلالہ ازل سے ایک دعویٰ ہی رہا ہے اور ہمیشہ اس دعوے کی تردید ہوتی چلی آئی ہے اور اللہ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار گواہ بھیجے ہیں مگر انسانیت میں ابھی تک یہ دعویٰ کلّی طور پر تسلیم نہیں کیا جاسکا۔ حقیقت یہ ہے کہ ازل سے ملکوت وکروبیاں کے سامنے بھی یہ ذاتِ غیب الغیوب ایک دعویٰ ہی تھی اور اب بھی ہے مگر عالمِ ازل میں اللہ نے ایک دلیل دی اور وہ دلیل اس کا اپنا نورِ ذات تھا کہ جس نے مخلوقِ ازل میں اللہ کو

ثابت کر دیا اور اگر یہ انوارِ الٰہیہ ذاتیہ علیہم الصلوات و السلام نہ ہوتے تو نہ اللہ ازل میں ثابت ہوتا نہ ابد میں اور وہ ہمیشہ ایک دعوائے بِلا دلیل ہی رہتا اور دعوائے بلا دلیل کبھی حق نہیں ہوتا

سچ تو یہ ہے کہ انہی انوارِ الٰہیہ وذاتیہ علیہم الصلوات و السلام نے اللہ کو ثابت کیا ہے کیونکہ ان کا اسم مبارک ہے ہی دلیل علیٰ ذات اللہ عجل اللہ فرجہ الشریف

دورآخر میں جب شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف کا خروج ہوگا تو اس وقت ساری دنیا پر توحید ثابت ہو جائے گی اور اس وقت کوئی اور دین باقی ہی نہ رہے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اللہ جل جلالہ کی ذات پر وہ دلیل ہیں کہ جو اُس کی ذات کے ہر دعوے کو ثابت کر دے گی کیونکہ اس وقت جو کام اللہ جل جلالہ کے ہوں گے ان کا مظاہرہ یہ فرمائیں گے اور لوگوں کو جب یقین ہونے لگے گا کہ ان کے سوا کوئی اللہ نہیں ہے تو اس وقت آذان دلائی جائے گی اور یہ نماز کیلئے کھڑے ہوں گے اور ان کے ایک ہی سجدے سے اللہ کی ذات عقول وافہام پر ثابت ہو جائے گی یہ بحث سے خالق کو نہیں منوائیں گے بلکہ بحث کرنے والوں کی گردنیں اُڑا دیں گے ہاں جو براہین و حجتّ کا طلبگار ہوگا اسے جملہ افعالِ اِلٰہی کا مظاہرہ کر کے دکھائیں گے اور پھر ایک ہی سجدے سے اللہ جل جلالہ کو بھی منوالیں گے

دلیل کے ایک معنی ہیں جس پر بھروسہ کیا جا سکے یعنی قابلِ اعتماد

اب ان کا اسم مبارک پھر دیکھ لیں وہ ہے ''ذاتِ اِلٰہی کیلئے دلیل'' یعنی اللہ کی ذات کیلئے قابل اعتماد ذات

دوستو! کبھی آپ نے سوچا ہے کہ کوئی کسی پر بھروسہ کرنے کی کب ضرورت محسوس کرتا ہے؟

جب کوئی فرد کئی امور سرانجام دینا چاہتا ہے اس میں دنیا کے کام کاج ہوتے ہیں یا اپنے مال وخزائن کی حفاظت کا کام ہوتا ہے یا اپنے راز و اسرار کو منتقل کرنا چاہتا ہے یعنی کئی امور اپنے جیسے انداز میں ادا کروانا چاہتا ہے کہ جنہیں وہ کسی وجہ سے خود ادا نہیں کرسکتا یا کرنا نہیں چاہتا تو اس وقت وہ کسی نہ کسی بھروسہ مند قابلِ اعتماد شخص کی ضرورت محسوس کرتا ہے اور کسی کو ان امور کیلئے منتخب کرتا ہے اور اس پر مکمل بھروسہ اور اعتماد کرتا ہے

اب یہ دیکھیں کہ اللہ جل جلالہ نے اپنی ذات کیلئے ان پر اعتماد کیا ہے ان کو اپنے خزانۂ ذات کا امین بنایا ہے کیونکہ وہ خود فرماتا ہے کنت کنزاً مخفیا

اُس نے اِنہیں امورِ ذات کے سرانجام دینے کیلئے منتخب فرمایا ہے کہ جہاں وہ اپنی زبان سے الست بربکم نہیں فرماسکتا تھا وہاں ان کی زبان سے اقرار لے لیا جہاں وہ اپنے تعارف کیلئے عالم ملکوت وکروبیاں میں ظاہر نہیں ہوسکتا تھا وہاں انہیں ظاہر فرمایا اور ان سے اپنے تعارف کروانے کا کام لیا

اب جب دنیا پر اپنی اُلوہیت کا مظاہرہ فرمانا چاہے گا تو پھر بھی انہی کے نورِ ازل عجل اللہ فرجہ الشریف پر مکمل اعتماد کرتے ہوئے ساری کائنات ان کے سپرد فرمادے گا کیونکہ یہ اللہ جل جلالہ کی ذات کیلئے دلیل کا درجہ رکھتے ہیں

اس موضوع پر میری کتاب افکار المنتظرین کا مطالعہ کریں

دوسرے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ اللہ کی ذات کے معاملے میں ان پر مکمل بھروسہ کیا جاسکتا ہے کہ نہ یہ افعالِ الٰہی میں نہ صفاتِ الٰہی میں نہ وحدانیت میں غرض ذاتِ الٰہی کے کسی بھی معاملے میں جب مخلوق ان پر اعتماد کرے گی تو ان کے اعتماد کو ٹھیس

نہیں پہنچے گی

دلیل کے ایک معنی ہیں کسی چیز کا ثبوت یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ثبوت کیا ہوتا ہے؟
کتبِ اصطلاحات اور کتبِ لغت میں اس کے بہت سے معانی لکھے ہوئے ہیں اگر ہم ان کے حوالے سے بات کریں گے تو بات بہت لمبی ہو جائے گی مگر میں اس کے عمومی معنی کے حوالے سے ایک مثال دے کر بات کرنا چاہوں گا کہ آپ کسی عدالت میں جا کر رٹ کرتے ہیں کہ فلاں زمین فلاں شخص نے مجھے بیچی ہوئی ہے ابھی انتقال نہیں ہوا مگر اس نے رقم لی ہوئی ہے

اس پر عدالت آپ سے ''ثبوت'' طلب کرے گی آپ وہاں دو طرح کے ثبوت دے سکتے ہیں ایک وہ جو زبان سے بیان کریں کہ ایسا ہوا ہے اس ثبوت کیلئے لفظ گواہ یا شاہد و شہید استعمال ہوتا ہے دوسری طرح کے وہ ثبوت ہوتے ہیں کہ جن میں اس کی کوئی تحریر یا ٹیپ کیسٹ پیش کرتے ہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ واقعی ایسا ہوا ہے

اب ان کے نام پاک کو دیکھیں وہ ہے اللہ کی ذات کا ''ثبوت'' یہاں صرف گواہی کافی نہیں بلکہ انہوں نے مشاہداتی طور پر ثابت کرنا ہے

اور وہ بھی اللہ کی صفات کو نہیں بلکہ اللہ جل جلالہ کی ذات کو ثابت کرنا ہے

اس کے ایک معنی تو یہ ہو سکتے ہیں کہ اگر یہ نہ ہوتے تو اللہ کی ذات ثابت نہ ہوتی یہ بات نہیں بھولنا چاہیے کہ ثبوت کی ضرورت ہمیشہ غیر اور ناواقف کیلئے ہوتی ہے کیونکہ ماننا اور ہے اور منوانا اور ہے اب ایک طرف اللہ جل جلالہ ہے اور دوسری طرف مخلوق ہے جو اللہ کی اور ان کی غیر بھی ہے اور ان سے ناواقف بھی ہے اس لئے اسے ثبوت کی ضرورت ہے اور اللہ جل جلالہ کی ذات کسی کے سامنے آ نہیں سکتی تو اب یہاں کسی

محکم ثبوت کی ضرورت ہے اور وہ جو محکم ثبوت ہے وہی تو ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشریف ہیں

دوستو! بات یہ ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا علیہم السلام اس انسانیت کی ہدایت کیلئے مبعوث فرمائے گئے اور انہیں حکم تھا کہ اللہ کا ثبوت فراہم کرو اور وہ اپنے اپنے زمانے میں اللہ کے ثبوت پیش کرتے رہے اور انہوں نے ایک ہی ذریعہ و طریقہ اپنایا کہ اللہ کی صفات کا مظاہرہ کر کے ثابت کرتے رہے کہ اللہ ہے

میں یہاں متکلمین (صاحبانِ علمِ کلام) کا ایک مشہور مغالطہ دور کرنا چاہتا ہوں وہ کہتے ہیں کہ اوّل تو معجزہ [خرقِ عادت] محال ہے اور فرض کریں کہ معجزہ ممکن بھی ہو تو اسے دلیلِ نبوّت بنانا عقل کے خلاف ہے

اس کیلئے وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ وہ ایک بہت بڑا مہندس [ہندسہ دان] ہے یا بہت بڑا مصور ہے اور جب اسے کہا جائے کہ اس کا کیا ثبوت ہے کہ تمہارا دعویٰ درست ہے وہ کہے کہ میں آپ کو تین دن تک یا چالیس دن تک بھوکا رہ کر دکھا سکتا ہوں

متکلمین کہتے ہیں کہ یہ ایک علیحدہ بات ہے کہ وہ اتنے دن بھوکا رہ سکتا ہے یا نہیں مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس بھوکے رہنے کے عمل کا اس کے دعوے سے بھی کوئی تعلّق ہے؟

ایک طرف کوئی رسول یا نبی آ کر کہے کہ میں اللہ کا بھیجا ہوا ہوں اور دوسری طرف وہ بطور دلیل اپنی لاٹھی کو سانپ بنا کر دکھا دے تو کیا اس سے اس کی نبوّت یا رسالت ثابت ہو سکتی ہے؟ لاٹھی کا سانپ بننا یا نہ بننا ایک علیحدہ بات ہے

اس کے جواب میں میں عرض کروں گا کہ یہ ایک کلّیہ ہے کہ جب دعوے میں تعمیم پائی جائے تو دلیل میں بھی تعمیم کا ہونا لازم ہوتا ہے اور اگر دعویٰ خصوصی ہو اس کی دلیل بھی خصوصی ہوتی ہے اور صاحبانِ علم کلام نے مختلف النوعیت قضیوں کو آپس میں خلط ملط کر دیا ہے کیونکہ ایک مہندس یا مصور کا یہ دعویٰ کہ وہ ایک اچھا مہندس یا مصور ہے یہ ایک خصوصی دعویٰ ہے جو ایک خاص ہنر کے ماہر ہونے کا دعویٰ ہے اس لئے اس کے کیلئے کوئی تصویری دلیل وثبوت دینا لازم ہوتا ہے کیونکہ اس کے دعوے میں تعمیم نہیں ہے خصوص ہے مگر انبیا علیہم السلام کا دعویٰ عمومی ہے یعنی وہ خود کو قادر مطلق اللہ کا نمائندہ بتا رہے ہوتے ہیں اس لئے ان کیلئے ثبوت کا میدان کھلا ہوتا ہے جیسا کہ کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ ''وہ دنیا کا ہر ناممکن کام کر کے دکھا سکتا ہے''

اب اس دعویٰ کرنے والے کیلئے ہر قسمی ثبوت دینا جائز ہے یعنی وہ کہے کہ میں ایک مہینہ بھوکا رہ کر دکھا سکتا ہوں یا کہ میں ایک لاٹھی کو سانپ بنا سکتا ہوں میں آسمان پر پرواز کر سکتا ہوں پانی کے اندر ایک ماہ تک رہ سکتا ہوں ایک درخت کو اپنے حکم پر چلا سکتا ہوں وغیرہ وغیرہ

انبیا علیہم السلام کا دعویٰ عمومی تھا کہ وہ اللہ کے وہ نمائندے ہیں کہ جو کائنات کے ہر ناممکن کام کو کر کے دکھا سکتے ہیں تو اس کے ثبوت میں وہ دریا کو شگافتہ کریں یا لاٹھی کو سانپ بنا کر دکھا دیں تو یہ ان کی تائید میں شمار ہوگا

آمدم برسرِ مطلب

میں عرض کر رہا تھا کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا ورسل علیہم السلام تشریف لائے وہ سارے اللہ کی ذات کیلئے ثبوت نہیں لائے تھے بلکہ صفات کی حد تک محدود رہے یعنی

کسی نے بھی اللہ کی ذات پر دلالت نہیں کی ہے یا اللہ کی ذاتی خصوصیات کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ اللہ جل جلالہ کی صفات کا مظاہرہ فرمایا مگر شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اوران کے انوارِ ذات علیہم الصلوات و السلام نے جو مظاہرہ فرمایا ہے تو اللہ جل جلالہ کی ذات کا مظاہرہ فرمایا ہے

دیکھئے اللہ جل جلالہ کی ایک صفت ہے محیی یعنی زندہ کرنے والا اب جناب عیسیٰ علیہ السلام جب تشریف لائے تو مردے زندہ کر کے اس کی اس صفت کا مظاہرہ فرمایا اللہ کا اسم جمیل ہے تو جناب یوسف علیہ السلام اس کے جمال کے مظہر بن کر سامنے آئے اوراس کی اس صفت کا مظاہرہ فرمایا اسی طرح باقی انبیا علیہم السلام نے اس کی صفات ہی کا مظاہرہ فرمایا ہے مگر اللہ کے ان انوارِ اوّلیہ وذاتیہ علیہم الصلوات و السلام نے اس کی ذات کا مظاہرہ فرمایا ہے اور اس کا حقیقی مظاہرہ اس وقت ہوگا جب ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کا ظہورِ اجلال ہوگا

اُس وقت جب بھی کسی ذہن میں اللہ جل جلالہ کی ذات کے بارے میں کوئی سوال کروٹ لے گا تو عین اُسی وقت شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف اس کی ذات کا ایسا مظاہرہ فرمائیں گے کہ یقین ہونے لگے گا گویا یہ وہ ہیں اور وہ یہ ہے

دوستو! میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ دلیل (گائیڈ) کو کہتے ہیں یعنی رہنمائی کرنے والے کو دلیل کہتے ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ راہنمائی وہی کر سکتا ہے کہ جو کلّی طور پر جانتا ہو اسی لئے پرانے زمانے میں واقف لوگوں کو ہی دلیل بنایا جاتا تھا

اب ان کا اسم مبارک دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ اللہ کی ذات تک انسانیت کی رہنمائی کر سکتے ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ذات سے کوئی ان کے سوا واقف کلّی ہو

ہی نہیں سکتا اسی لئے شہنشاہ معظم امیر المومنین علیه الصلوات و السلام نے فرمایا تھا

لو کشف الغطاء لماازدت یقیناً کہ خالق اور ہمارے درمیان اگر چہ سارے پردے ہٹ ہی کیوں نہ جائیں ہمارے یقین میں ایک رائی برابر بھی اضافہ نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ اس کی ذات کو کلّی طور پر جانتے اور پہچانتے ہیں اسی لئے شہنشاہ انبیا صلی الله علیه و آلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کو کوئی نہیں جانتا سوائے میرے اور میرے بھائی کے۔

دوستو! یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ جل جلالہ کی ذات تک رسائی عام مخلوق تو کیا خود اس کی صفات حسنہ کو بھی حاصل نہیں ہے یعنی صفات اِلٰہیہ کی بھی یہ جرأت نہیں ہے کہ وہ اس کے حریم ذات میں جھانک کر دیکھیں خود اللہ کا اسم اعظم [کہ جو صفاتِ اِلٰہیہ کا ولی نعمت ہے] اس کی بھی جرأت نہیں کہ وہ پردۂ ذات میں جھانکے اگر جھانکنے کی کوشش کرے بھی تو فنا ہو جائے

دوسرا یہ اللہ جل جلالہ کی ذات تک رہنمائی فرما سکتے ہیں تو ان کا مقام کتنا قربِ ذات کا ہے اس کا اندازہ ہم کیسے کر سکتے ہیں؟

دوستو! کبھی آپ نے سوچا ہے کہ ہر زمانے کے امام علیه الصلوات و السلام اس زمانے کے لوگوں کی کس طرح اللہ تک رہنمائی کرتے اور رسائی کرواتے ہیں؟ کیا یہ عام مومن کو اللہ کا دیدار کروا دیتے ہیں یا عام مومن کو عرش پر لے جا کر بٹھا دیتے ہیں؟ کیا اللہ جل جلالہ کی ذات کہیں جلوہ افروز ہے کہ یہ کسی کو اس کی بارگاہِ قدس میں لے جاتے ہیں؟ کبھی اس ''لے جانے'' والی بات کی حیثیت پر بھی ہم نے غور کیا ہے؟

سچ تو یہ ہے کہ کسی انسان کو اللہ کے حضور میں بھیجا ہی نہیں جا سکتا پھر اس کا کیا مطلب ہے کہ یہ اللہ جل جلالہ تک انسان کو پہنچاتے ہیں؟

دوستو! بات یہ ہے کہ انسان ایک تو خالق سے کچھ لیتا ہے اور دوسرا یہ کچھ اس کی بارگاہ میں پیش کرتا ہے جہاں تک لینے کا تعلّق ہے تو وہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ انسان سب کچھ اپنے خالق ہی سے لیتا ہے اگر یہ ناشکرا انسان نہ بھی مانگے تو وہاں سے بوجہ ربوبیت سب کچھ ملتا رہتا ہے مگر یہ انسان کی خوش نصیبی ہے کہ کبھی اس کی بھیجی ہوئی کوئی چیز بارگاہ اِلٰہی میں قبول ومنظور ہو جائے یعنی انسان اپنی عبادات، اپنے نیک اعمال، اپنی دعائیں، اپنا خلوص بارگاہ اِلٰہی میں بھیجتا رہتا ہے اس طرح گویا انسان خود ہی بارگاہِ اِلٰہی میں پیش ہوتا رہتا ہے

اب انسان کی جو چیز بھی بارگاہِ قدس میں پہنچتی ہے اسے بھی ایک رہنما کی ضرورت ہوتی ہے کہ جو خود بارگاہِ اِلٰہی تک اسے لے جائے- اب ہماری عبادات، ہمارے اعمال، ہماری نمازیں، دعائیں، تسبیحات ورکوع وسجود یہ سب خود بخود اللہ جل جلالہ کی بارگاہ میں داخل نہیں ہو جاتے بلکہ انہیں جب کوئی لے جانے والا لے جاتا ہے تب جاتے ہیں اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ جو شخص ہماری محبت کا حامل نہیں ہوتا اس کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا اس کی دعا بارگاہ اِلٰہی تک جاتی ہی نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اسے لے جانے والے سے ہمارا کوئی تعلّق ہی نہ ہو تو پھر اسے دوسرا کوئی تو وہاں لے جا سکتا ہی نہیں ہے اس لئے یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ جو ہمارا دشمن ہے اس کے اعمال ایسے ہیں جیسے کہ صام او سرق صل او زنا یعنی چاہے روزہ رکھے یا چوری کرے برابر ہے اور چاہے وہ نماز پڑھے یا زنا کرے برابر ہے کیونکہ جس عمل میں لے جانے والی ذات کی محبت شامل نہیں ہوتی وہ نہیں لے جاتے اور کسی عبادت کا خود بخود پہنچ جانا ناممکن ہے کیونکہ ہر زمانے کا امام دلیل علیٰ ذات اللہ ہوتا ہے اس

لئے وہی اس بارگاہ کا راستہ جانتا بھی ہے اور وہاں تک لے بھی جا سکتا ہے

اس دور میں کئی لوگ کہتے ہیں کہ نماز میں اللہ کے انوار ازلیہ وذاتیہ علیھم الصلوات و السلام کا نام لیا جائے تو نمازِ باطل ہو جاتی ہے

یہ بات کچھ عجیب سے لگتی ہے کہ جو ان اعمال کا رہنما ہو اور جس کی محبت کے بغیر نماز منظور نہیں ہوتی اسی کا م نام لینے سے نماز باطل ہو جاتی ہے تو کیسے؟

ہمارے سجود تو جاتے ہی انہی کی بارگاہ میں ہیں اور وہاں سے انہیں ذاتِ الٰہی تک لے جایا جاتا ہے

دوستو! یہاں ایک بات عرض کر رہا ہوں کہ جہاں تک رہنمائی کا معاملہ ہے تو اس میں انسان تو بہت ہی مجبور ہے کیونکہ انسان تو خود اپنی ذات تک راہنمائی کرنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتا چہ جائیکہ کسی دوسرے کی ذات تک رہنمائی کرے

ان کے بارے میں ہے کہ یہ تو غیبِ مطلق ذات تک راہنمائی کر سکتے ہیں

یہ بھی حقیقت ہے کہ رہنمائی وہی کر سکتا ہے کہ جو خوب جانتا ہو اس اسم مبارک سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ اس غیب الغیوب ذات کو پوری طرح جانتے اور پہچانتے ہیں وہ جو غیب والغیوب ہے وہ بھی ان کیلیئے بمنزلت شہود ہے تو یہاں سوچنے کی بات یہ ہے کہ جن سے غیب الغیوب بھی پوشیدہ نہیں ان سے اب کون سا غیب بچ سکتا ہے جسے یہ نہیں جانتے

اب یہاں ایک بہت ہی اہم بات عرض کر کے اجازت چاہوں گا وہ یہ ہے کہ ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف اللہ کی ذات کیلیئے ثبوت کی حیثیت رکھتے ہیں اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ اللہ کی صفات کو ثبوت سے ثابت کرنا اور بات ہے

اور ذات کو ثبوت کے ساتھ ثابت کرنا اور بات ہے دیکھیں میں ایک مثال دیتا ہوں آپ کے سامنے آگ جل رہی ہو تو آپ اسے دیکھتے ہیں اس میں سے روشنی اور حرارت کو دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں جلانے کا عمل بھی مشاہداتی ہوتا ہے لیکن یہ ساری چیزیں آگ کی صفات کے ثبوت ہیں آگ کی ذات کے نہیں ہیں کیونکہ آگ کی ذات تو اتنی لطیف چیز ہے کہ جو قائم بالغیر ہے جب تک کسی اور کا وجود نہ ہو اس وقت تک یہ نظر ہی نہیں آسکتی اور جب نظر آتی ہے تو ہم جن چیزوں کا مشاہدہ کرتے ہیں وہ اس کی صفات ہوتی ہیں نہ کہ ذات ہوتی ہے اس لئے ماننا پڑے گا کہ ذات کا ثبوت ذات کے سوا کوئی دے نہیں سکتا بلکہ ذات کا ثبوت ذات ہی ہوتی ہے یہاں آکر مجھے کہنا پڑتا ہے کہ مجھے یہ بات قطعاً سمجھ نہیں آئی کہ یہ اللہ جل جلالہ کی ذات کا ثبوت کیسے دیں گے یا اس کی ذات کی مکمل ترجمانی کیسے کریں گے؟

کیونکہ ذات کی مکمل ترجمانی اور ذات کا مکمل ثبوت تو صرف ذات ہی ہوسکتی ہے کیا ان کی ذات اللہ جل جلالہ کی ذات ہے جو اس کا مکمل ثبوت ہوگی؟ اگر یہ غیر ہیں تو اس کا ثبوت کیسے بنیں گے؟ یہی بات میں نہیں سمجھ سکا اس لئے دعا کرتا ہوں اللہ جل جلالہ ہمیں وہ روز سعید دکھائے کہ جب یہ اللہ جل جلالہ کی مکمل ترجمانی فرمائیں اور کائنات پر ان کی حکومتِ الٰہیہ کا قیام ہو۔

آمین یا رب العالمین

اللھم صل علیٰ محمدؐ وآل محمدؐ و عجل فرجھم بقائمھمؑ صلوات اللہ علیہ والسلام

یا ھو یا من ھو لا ھو الا ھو الحی القیوم یا ھو یا من لا یعلم ما ھو الا ھو الحی القیوم العلی العظیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک

عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه

الحمد لله رب العالمين و صل علىٰ محمدؐ و آلهٖ اجمعين خصوصاً على حجة الله فى العالمين عجل الله فرجه الشريف و آبائه المعصومين و امهاته الطاهرين الطيبين صلوات الله عليهم اجمعين و لعنة الله علىٰ اعدائهم اجمعين من يوم الازل الى يوم الدين

اے ساجدانِ قبلۂ حقیقی!

یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ ہم ایک عرصے سے اپنے مالک و منعم ازل عجل اللہ فرجہ الشریف کے اسمائے مبارکہ کے بارے میں گفتگو کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ انسان کے ارکان تین ہیں یعنی بدن، نفس اور روح اور تینوں ارکان کے مجموعے کا نام انسان ہے اللہ جل جلالہ نے اس مرکب انسان کو اپنی عبادت کیلئے خلق فرمایا ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انسان بلا واسطہ اللہ جل جلالہ کی عبادت کر ہی نہیں سکتا کیونکہ عبادت کیلئے ایک سمت کی ضرورت ہوتی ہے اور اللہ جل جلالہ کو کسی سمت میں محدود کرنا کفر ہے اب ایک طرف انسان کی مجبوری ہے کہ وہ

اللہ کی بلا واسطہ عبادت کرنہیں سکتا اور دوسری طرف یہ مجبوری ہے کہ اللہ جل جلالہ کی عبادت کے بغیر وہ اپنے مقصدِ تخلیق کو نہیں پا سکتا گویا انسان ان مجبوریوں ہی میں گرفتار نہیں تھا بلکہ دو ہلاکتوں کے مابین پھنسا ہوا تھا اس کی اس حالت کو دیکھتے ہوئے اس کریم مطلق نے اپنے محسن ومنعم حقیقی ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے احسان فرمایا اوراس نے انسان کو کچھ چیزیں ایسی عطا فرمائیں کہ جن کے ساتھ روا رکھا جانے والا رویّہ اس نے اپنے ساتھ برتا جانے والا رویّہ قرار دیا اوران میں سے ایک تھا انسان کوایک قبلہ وکعبہ ومسجود عطا فرمانا

اگرہم ظاہر بین نگاہوں سے دیکھیں تو کعبے کا سجدہ کرنا بت پرستی کے انتہائی قریب تھا یعنی بت بھی پتھر کے تھے اور کعبہ بھی پتھروں سے بنا ہوا ہےاس لئے یہ بت پرستی کے انتہائی قریب کا راستہ ہے مگراس ذات علی الخبیر نے اسی قرب ہی میں حق و باطل کا فرق ڈال دیا جیسا کہ منافع اور سود میں انتہائی قربت کے باوجود حلال وحرام کا فرق ہے اسی طرح یہاں بھی یہ فرق رکھ دیا گیا ہے یعنی کعبے کے سجدے کواپنا سجدہ قرار دیا اور بتوں کے سجدے کوکفر قرار دیا

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس خالق ازل نے اس مسجود عالمین ذات نے پتھروں کے ایک کمرے کو ہی مسجود کیوں بنا دیا کیا کوئی دوسری چیز مسجود نہیں بن سکتی تھی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کے ارکان تین ہیں اوراس دنیا کے سامنے جوحسّی و بدیہی انسان ہے وہ انسان کا بدن وجسم ہے اور انسان کے ارکان ثلاثہ میں سے یہی بدن ہی وہ واحد رکن ہے جو مادّی ہے اور مادّی وجود ہونے کی وجہ سے یہ جمادات

کے ساتھ صفاتِ جمادیہ میں شریک وشامل ہے اس لئے اللہ جل جلالہ نے انسان کے جسم کیلئے جو مسجود بنایا وہ مادّی و جمادی صفات کا حامل تھا تاکہ انسان کو اپنے جسم کو عبادت کیلئے جھکانے کیلئے ایک سمت مل جائے

اب ہم اگلی منزل کی طرف سفر کرتے ہیں

دوستو! حقیقت یہ ہے کہ انسان کا قبلہ ایک نہیں ہے بلکہ جس طرح انسان کے ارکان تین ہیں اسی طرح انسان کے قبلے بھی تین قسم کے ہیں

جسم مادّی کیلئے مادّی و جمادی قبلہ ہے اور نفسِ انسان کیلئے قبلۂ نفسی ہے اور روحِ انسان کیلئے وہ قبلہ ہے کہ جو ان قبلوں کی روح ہے

قبلۂ نفسی

دوستو! یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قبلۂ نفسی کیا ہے؟

دیکھئے انسان کا دوسرا رکن نفس ہے اور نفس کے متعلّقات صرف کیفی ہوتے ہیں کیونکہ انسان پر جتنی کیفیات طاری ہوتی ہیں ان کا تعلّق نفسِ انسان سے ہوتا ہے رحم و غضب ہے یا محبت ونفرت ہے یا رجا وخوف ہے یا خوشی وغم ہے یہ ساری کیفیات ہیں اور ان کا تعلّق نہ روح سے ہوتا ہے اور نہ ہی بدن سے ہوتا ہے ہاں کیفیات کا اثر بدن اور روح پر ظاہر ہوتا ہے مگر ان کا بلا واسطہ تعلّق صرف نفس سے ہوتا ہے اس لئے اللہ نے نفس کیلئے جو قبلہ قرار دیا ہے وہ بھی کیفی ہی ہے کیونکہ محبت ایک کیفیت ہے اور جملہ کیفیات کی سید وسردار ہے اس لئے اللہ نے اس کی اعلیٰ ترین منزل یعنی مؤدّت [عشق] کو قبلۂ نفسی قرار دیا ہے اور اسی لئے شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

سے فرمایا گیا

☆قُل لَّا أَسأَلُكُم عَلَيهِ أَجراً إِلَّا المَوَدَّةَ فِى القُربَى

یعنی آپ سے اجر رسالت طلب کروایا گیا اور وہ تھا قربیٰ سے مؤدّت

اس کا مقصد یہ تھا کہ انسانیت کے نفوس اگر قبلہ نفسی کی طرف سر بہ سجود ہو گئے تو انسان اپنے مقصدِ تخلیق کی دوسری کڑی کو حاصل کر لے گا۔ شہنشاہ انبیاصلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا مقصد اپنی پاک آل علیہم الصلوات والسلام کیلئے کچھ طلب کرنا نہ تھا بلکہ ان کی اس طلب میں بھی انسانیت ہی کی خیر تھی کیونکہ وہ اس دنیا میں انسانیت ہی کی خیر کیلئے تشریف لائے تھے اس لئے انہیں اس دنیا سے کوئی چیز لینا نہیں تھی بلکہ وہ تو کچھ دینے کیلئے تشریف لائے تھے اس لئے فرمایا گیا تھا کہ جس نے ولایتِ آلِ محمدؐ علیہم الصلوات والسلام کو قائم کیا ہے اسی نے نماز کو قائم کیا ہے

☆ اقیموا الصلواۃ ...... فمن اقامة ولایتی فقد اقام الصلواۃ و اقامة ولایتی صعب مستصعب لا یحتمله الا ملك مقرب او نبی مرسل او مومن امتحن الله قلبه للایمان

اقیموا الصلواۃ کی تفسیر میں فرمایا گیا تھا کہ جس نے ہماری ولایت کو قائم کیا ہے اسی نے صلواۃ [نفسی] کو قائم کیا ہے لیکن نمازِ ولایت کو قائم کرنا ایک انتہائی مشکل کام ہے اور اس کا متحمل کوئی ہو نہیں سکتا سوائے ملک مقرب کے یا انبیا میں سے رسول، یا پھر وہ مومن ولایت کو قائم کر سکتا ہے کہ جس کے دل کا اللہ جل جلالہ نے ایمان کے بارے میں امتحان لے لیا ہو

حقیقت یہ ہے کہ صلواۃِ نفسی صلواۃِ بدنی سے بدرجہا بلند ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ صلواۃِ

بدنی صلواۃِ نفسی ہی کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے اگر صلواۃِ نفسی قائم نہ ہو تو صلواۃِ بدنی کا قیام ہوتا ہی نہیں ہے اس لئے فرمایا گیا ہے کہ جس نے ولایت سے انکار کیا ہے اس کے اعمال بیکار گئے صل و زنا ، صام او سرق یعنی نماز پڑھے یا زنا کرے ایک ہی جیسا ہے روزہ رکھے یا چوری کرے ان کی جزا ایک ہی ہے کیونکہ اس کی نمازِ نفس قبلہ کے بغیر ادا ہو رہی ہے اس لئے اس کا نفس نمازِ نفسی ادا نہیں کر رہا ہے اور وہ اصل قبلۂ نفسی سے غافل ہے اس لئے اس کی نمازِ بدنی بیکار ہی نہیں بلکہ ایک جرم کی مد میں آ رہی ہے اور موجبِ سزا ہو رہی ہے

قبلۂ روحی

دوستو! جس طرح جسم کیلئے کعبۂ محترم قبلہ ہے اسی طرح نفسِ انسان کیلئے موٗدّت قبلہ ہے اور بعینہٖ روح کیلئے بھی ایک قبلہ ہے اور وہ ہر زمانے کے امام علیہ الصلوات و السلام ہی ہوتے ہیں اور یہ باقی ساری نمازوں کی اساس ہوتے ہیں یعنی اگر مسجودِ قلب زمانے کے امام علیہ الصلوات و السلام نہ ہوں تو موٗدّت بھی بیکار ہو جاتی ہے جیسا کہ لاتعداد واقعات و روایات میں ہے کہ اگر کوئی باقی سارے پاک خاندان علیھم الصلوات والسلام سے بھرپور موٗدّت رکھتا ہو مگر اپنے زمانے کے امام علیہ الصلوات و السلام سے غافل ہو تو اس کا کوئی عمل قابلِ قبول نہیں ہے بلکہ اس کی موت جاہلیت کی موت قرار دی گئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مرکب انسان کے ارکان ثلاثہ میں سے سب سے اعلیٰ رکن روح ہے اور وہ ہی بے قبلہ و بے حضور ہو جائے تو باقی کیا رہتا ہے؟

اب یہاں ایک وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ یہ جو ہمارا قبلہ یعنی کعبۂ محترم ہے یہ بھی آسمان سے اسی طرح اتارا گیا تھا جیسا کہ آج موجود ہے فرق

صرف اتنا ہے کہ یہ کعبہ اس اصل مقام اور اصل حالت میں موجود نہیں ہے کیونکہ اسے کئی سو مرتبہ گرا کر دوبارہ بنایا گیا ہے اور دوبارہ بنانے والے اکثر لوگ ظالمین میں سے تھے اور یہ کعبہ اپنے محاذ پر موجود بیت المعمور کی ساخت پر بنا ہوا ہے جو پہلے آسمان پر ہے اسی طرح ہر آسمان پر ایک علیحدہ قبلہ ہے اور ان بارہ قبلوں میں سے سب کا آخری قبلہ عرشِ معلیٰ ہے اور یہ سارے اس کی ساخت پر بنائے ہوئے ہیں اور باقی سارے قبلے اس کی ساخت اور نسبت کی وجہ سے قبلہ قرار پائے ہیں کیونکہ یہ سب ایک طرح سے اصل قبلے کی شبیہ ہیں ورنہ قبلۂ حقیقی اور قبلہ اوّل صرف عرش معلیٰ ہے اب یہاں کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ کلام الٰہی میں تو یہ ارشاد ہے کہ

☆إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكاً وَهُدًى لِّلْعَالَمِيْن (96 آل عمران)

تحقیق پہلا گھر جو لوگوں کیلئے بنایا گیا وہ بکۂ مبارک تھا جو عالمین کیلئے ہدایت ہے

اس سے عام طور پر یہ معانی لئے جاتے ہیں کہ زمین پر پہلا گھر یہ کعبۂ محترم بنایا گیا تھا جبکہ اس آیت میں ایسی کوئی بات موجود نہیں ہے بلکہ فرمایا یہ جا رہا ہے کہ جو سب سے پہلا گھر لوگوں کیلئے بنایا گیا تھا وہ ''بکہ'' مکہ تھا مگر یہاں یہ کسی نے نہیں دیکھا کہ مکہ شہر ہے یا بیت؟ شہر کو گھر کہنا کسی طرح بھی عرب کی زبان میں رائج نہیں ہے

اس پر دوسرا اشکال یہ وارد ہوتا ہے کہ شہر مکہ کو اولیت بھی حاصل نہیں ہے

اگر ہم ان کی بات مان بھی لیں اور بیت سے مراد کعبہ ہی لے لیں تو یہ بات پھر بھی درست ثابت نہیں ہوتی کیونکہ یہ کعبہ تو پوری زمین کیلئے بھی مسجود ہونے کیلئے ناکافی ہے اور خلا میں تو ویسے بھی اس کا تعیّن محال ہے اور اگر دیگر سیاروں پر انسان جا کر رہے تو وہاں تو اس کا کوئی تصور ہی نہ کر سکے گا جبکہ اوّل جو بیت بنا ہے اس کی پہچان

یہ ہے کہ وہ عالمین کیلئے ہدایت ہے صرف اہلِ زمین کیلئے نہیں
ایک اور بات بھی ہے کہ آج تک کسی نے دیکھا ہو کہ اس کعبے نے کبھی کسی کی ہدایت بھی کی ہو؟ جب یہ فرد کی ہدایت نہیں کرسکتا تو عالمین کی ہدایت کیا کرے گا؟
اس میں جو لفظ قابل غور ہے وہ ہے ''وضع '' جسکے معنی تعمیر نہیں بلکہ وضع کا لفظ کسی بنی بنائی چیز کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر رکھ دینا ہوتا ہے یہاں لفظ بُنِیَ نہیں یعنی یہ تو ایسی چیز کا ذکر ہے کہ جو پہلے سے موجود تھی مگر وہاں سے اسی مکمل حالت میں اٹھا کر اس دنیا میں رکھ دی گئی ہے نہ کہ اس دنیا میں اسے تعمیر کیا ہے اور اس بات کو ساری دنیا جانتی ہے کہ کعبے کو تعمیر کیا گیا ہے
اس پر کئی مفسرین نے یہ کہا ہے کہ جب کعبہ تعمیر ہوا تھا تو دیواروں کی تعمیر کے بعد جناب جبریلؑ آسمان سے اس کی سقف لائے تھے اور وہ بنی بنائی اس پر رکھ دی گئی تھی اس کا جواب یہ ہے کہ ایک تو یہ خلاف واقعہ ہے کیونکہ جناب آدمؑ کے زمانے میں جو کعبہ تعمیر ہوا تھا اس کی چھت تھی ہی نہیں پھر انہی بنیادوں پر جناب ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کی تو اس کی چھت بھی نہیں تھی بلکہ جب جناب اسماعیل کی والدہ ماجدہ سلام اللہ علیہا اس میں قیام پذیر ہوئی تھیں تو اس پر اون کا بنا ہوا کمبل ڈالا گیا تھا نہ کہ اس پر چھت ڈالی گئی تھی اس لئے ثابت ہوا کہ بکہ سے مراد یا بیت اوّل سے مراد یہ کعبہ شریف نہیں ہے
اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر اس بیتِ اوّل سے مراد کیا ہے؟
اس کا جواب یہ ہے کہ وہ بیتِ اوّل جو عالمین کیلئے باعث ہدایت ہے وہ شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نور کے مشاہدۂ اوّل کے مقام کا نام ہے کہ جس مقام پر اس

نور نے عالمین کو ازل میں اپنا مشاہدہ کروایا تھا اسی مقام کا نام بیت اللہِ اوّل ہے اور وہی عرش معلیٰ بھی ہے کیونکہ یہ نور ہی اوّل ما خلق الله نوری کا مصداق ہے اس لئے اس کا مقامِ اظہار بھی اولیت کا حامل ہے اور وہاں عالمِ ارواح کی ساری مخلوق کے سامنے یہی قبلہ قرار پایا تھا کیونکہ وہاں ساری خلق ارواح کی شکل میں تھی اس لئے ان کے سامنے قبلہ ٔروحی وضع کیا گیا تھا

دوستو! یہ یاد رہے کہ عرش کے کئی مرادات لکھے ہوئے ہیں

بات یہ ہے کہ عرش ایک نہیں کئی ہیں یعنی عرشِ عظیم اور ہے عرشِ مجید اور ہے اور عرش معلیٰ اور ہے یہاں ان کی وضاحت کروں گا تو بات بڑھ جائے گی بس یوں سمجھ لیں کہ جہاں سب سے پہلے نور سرورِ کونین اللہ کے حبیب اوّل و واحد صلی الله علیه و آلہٖ وسلم نے عالمین کو اپنا رخِ زیبا دکھایا تھا اس مرتبہ ٔ اظہار کو بھی عرش کہتے ہیں لیکن وہ عرش اور ہے کہ جس کے بارے میں ہے

☆ و کان عرشه علی الماء

حقیقت محمدیۃ العلویہ صلی الله علیه و آلہٖ وسلم بھی ایک عرش ہی ہے کہ جس پر سقفِ مرفوع بھی ہے اور وہ ملکہ ٔ عالمین صلوات الله علیها ہیں اس پر پھر کبھی بات ہو گی اب ہم آگے بڑھتے ہیں۔

دوستو! جس طرح سات آسمانوں اور دیگر مقاماتِ عالیات کے گیارہ قبلوں کیلئے ایک ہی ماڈل بنایا گیا تھا کہ وہ عرش کی ساخت پر بنائے جائیں اسی طرح قبلہ نفسی جو ہیں ان کی تعداد بھی بارہ ہے اور جو قبلہ ٔ روحی ہیں ان کی تعداد بھی بارہ ہے جس طرح یہ کعبہ محترم عرشِ الٰہی کے ماڈل پر بنا ہوا ہے اسی طرح جتنے قبلہ ہائے روحی علیهم

الصلوات والسلام ہیں وہ بھی قبلۂ اوّل صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی ساخت پر وضع فرمائے گئے ہیں اور بحیثیتِ قبلہ یہ اپنے قبلۂ اوّل صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے جڑی ہوئی نسبتوں پر فخر بھی کرتے ہیں کیونکہ قبلہ ہونے کی حیثیت سے قبلۂ اوّل صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ان کے بھی قبلہ ہیں اور معصومین علیہم الصلوات والسلام میں سے کوئی ذات ایسی نہیں ہے کہ جس نے اس قبلۂ اوّل صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم پر نازیا فخر نہ کیا ہو حالانکہ ان سب کا نور ایک ہے اور ☆ من حیث التکوین من حیث المراتب یہ سارے برابر ہیں کیونکہ یہ ایک ہی حقیقت کے حامل ہیں مگر جب یہ کسی بات پر فخر کرتے ہیں تو اس میں کسی ثانوی جہت کو سامنے رکھ کر کرتے ہیں جیسا کہ خود شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے بھی فرمایا تھا کہ ہمیں اس بات پر فخر ہے کہ مہدی آخرالزمان عجل اللہ فرجہ الشریف ہم میں سے ہیں یہ فخر کمالِ اظہار پر تھا نہ کہ ازلی حقیقت کے حوالے سے تھا کیونکہ وہ تو ایک ہی تھی

یہاں ایک بات اور بھی عرض کرتا چلوں تاکہ کئی زنگ خوردہ ذہن جلا پا سکیں وہ یہ ہے کہ آپ دیکھیں کہ سارے معصومین علیہم الصلوات والسلام ہمیشہ شہنشاہ انبیا اپنے نور اوّل صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم پر فخر کرتے رہے ہیں مگر ہم دیکھتے ہیں کہ فتح مکہ کے وقت وہی ذات ایک اور ذات پر فخر کر رہی ہے۔ چشم تاریخ نے دیکھا جب ان کا ناقہ مکہ شہر کی گلیوں میں چل رہا تھا تو سواری کے چلنے سے جو جھولے مل رہے تھے ان کی ردھم پر آپ ایک شعر تلاوت فرما رہے تھے

انا نبی لاکذب انا بن عبد المطلبؐ

یعنی ہم وہ نبی ہیں کہ جن کی زبان صادق اللہ کے صدقِ کامل کی جلوہ گاہ ہے اس کی

وجہ یہ ہے کہ ہم جناب عبدالمطلب علیہ الصلوات و السلام کے لختِ جگر ہیں۔
یہ فخر بھی ایک جہت سے تھا ان کی نوری حیثیت سے نہ تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ جناب عبد المطلب علیہ الصلوات و السلام بھی اللہ کے نور ہی سے تھے ورنہ ان کی جبین مبین کو اللہ کے نورِ اوّل صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے نور کا امین نہ بنایا جاتا۔
دوستو! میں عرض کررہا تھا کہ شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم قبلہ ہونے کی حیثیت سے سارے معصومین علیہم الصلوات والسلام کیلئے باعثِ افتخار ہیں کیونکہ یہ ان کے قبلیت کی بنیاد و اصل و اساس ہیں لیکن یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ ان کے ظاہری لباس بشری سے لے کر مقام اولیت تک کے جتنے مراتبِ ظہور ہیں وہ سارے ان کی ذات کیلئے نہیں ہیں بلکہ سارے لغیر ذاتہٖ ہیں یعنی دوسروں کیلئے ہیں
آپ یوں سمجھیں کہ ان کا نور اصل ایک ہی ہے مگر شہود و اظہار کے کئی روپ ہیں اس لئے ان کے مراتب میں جو تفاوت ہے وہ شہودی درجات کا ہے جیسا کہ ان کے مراتب ظاہری سے ان کے اپنے مراتب باطنی اربوں کھربوں گنا ارفع و اعلیٰ ہیں اس کے باوجود ان کے مابین من حیث الذّات کوئی تفاوت نہیں ہے کوئی درجہ بندی نہیں ہے نہ کوئی فاضل ہے نہ کوئی مفضول ہے یہ جو فاضل و مفضول کا تصور ہے وہ ان کی ذات میں داخل نہیں ہے بلکہ دوسروں کیلئے ہے یعنی مخلوق کی اپنی ضرورتوں کی ترجیحات سے ان کا تصور بندھ جاتا ہے
اب یہ تو آپ جان ہی چکے ہیں کہ ان کی عرشیتِ عرشیہ ایک مرتبہ رُوحی ہے اب ہم یہاں یہ بھی عرض کرتے چلیں کہ ان کے بارے میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ وہ مقامِ

عرش پر معراج پر تشریف لے گئے اور پھر اسے فخریہ بیان بھی فرمایا تو اس کا عرفانیاتی مطلب کیا ہے؟

دوستو! آپ نے دیکھا اور سنا ہوگا اور یہ ہے بھی حقیقت کہ کسی فرد کے کمال کا آخری درجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی ہی روح کی روحانیت تک رسائی حاصل کر لے اور کمالاتِ روحی پر متصرف ہو جائے اسی طرح ان کیلئے بھی اپنے عرش روحی پر استویٰ کو پہنچ جانا ان کے ظاہر کیلئے کسی اعزاز سے کم نہیں ہے جس طرح بدن کا روح میں اترنا کمال ہے اسی طرح ان کے نور کا اپنے مقامِ عرشیت میں داخل ہو جانا یا اس کی سیر کرنا بھی ایک اعزاز ہے۔

☆ثم استویٰ علیٰ عرش کے عرفانیاتی معانی یہی ہیں کہ تخلیق کائنات کے بعد اللہ جل جلالہ نے اپنے انوارِ ازلیہ واوّلیہ علیہم الصلوات والسلام کے مرتبۂ روحی میں استویٰ و قیام پایا "الما" حقیقت محمدیہ العلویۃ کے ایک مرتبے کا نام ہے اور عرشِ معلّٰی اس کے مرتبۂ اظہار کا نام ہے اور کان عرشہ علی الما کے معنی یہ ہیں کہ ان کا مرتبۂ اظہار و شہود مرتبۂ حقیقت پر قائم تھا جیسا کہ رنگ کپڑے پر قائم ہوتا ہے جیسے لو چراغ پر قائم ہوتی ہے اسی طرح ان کا ظاہر ان کے باطن پر قائم و اظہار پذیر ہوا

دوستو! جب واقعہ معراج بیان ہوا تو اس میں آپ نے فرمایا تھا کہ عرش کی قابل ذکر دو چیزیں تھیں ایک تو وہاں کی خوشبو دوسرا وہاں کے کلام کا لب ولہجہ۔ اس کے بعد فرمایا تھا کہ وہاں جو کلام ہوا تھا اس کا انداز ہمارے برادر بجان برابر جیسا تھا اور وہاں کی جو خوشبو تھی وہ ملکۂ عالمین صلوات اللہ علیہا کی خوشبوئے زلف معنبر جیسی تھی اس میں جو ذکر ہوا ہے کہ وہاں خوشبو تھی مگر وہ اس دنیا کی خوشبو کی طرح نہ تھی کیونکہ

یہاں جو خوشبو ہوتی ہے وہ خوشبو دار چیزوں سے Smell Blocks کی شکل میں نکل کر ہوا کے دوش پر سوار ہو کر انسان کی ناک سے داخل ہوتی ہے اور دماغ کے Smell Holes میں پہنچ کر ان میں تحریک پیدا کرتی ہے لیکن وہاں خوشبو کے بلاکس Blocks نہ تھے وہ اللہ کا ایک راز تھا وہاں کسی مادّی خوشبو کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا

یہ تو آپ جانتے ہیں کہ روشنی کا تعلّق بصارت سے ہوتا ہے اور آواز کا تعلّق سماعت سے ہوتا ہے جیسا کہ میں کئی مرتبہ بیان کر چکا ہوں کہ جملہ حواس خمسہ وعشرہ سے متعلّق کئی چیزیں ہوتی ہیں جو ان کیلئے باعث لذّت والم ہوتی ہیں جن کا ادراک انسان کا دماغ کرتا ہے اسی طرح شہنشاہ معظم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو معراج پر جو لذّات روحی میسر آئے وہ ان کی ذات کے باطنی مراتب کے حصول کے لذّات تھے کہ جنہیں انہوں نے خوشبو وکلام وانوار سے تعبیر فرمایا کیونکہ ان کے بیان کیلئے یہاں کے الفاظ کی دنیا تہی دست تھی

دوستو! تو میں عرض کر رہا تھا کہ قبلۂ روحی و بیت اللہِ اوّل شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی ذات اقدس ہے اور باقی آئمہ ہدیٰ علیہم الصلوات والسلام بھی قبلہ روحی و بیت اللہ باطنیہ ہیں اور ان کی ہیئت وساخت اپنے نور اوّل جیسی ہے کیونکہ وہ سارے آئمہ ہدیٰ کے بھی قبلہ ہیں کیونکہ سارے آئمہ ہدیٰ علیہم الصلوات والسلام کو پوری خلق میں مقام قبلیت حاصل ہے اور سارے آئمہ ہدیٰ علیہم الصلوات والسلام کی قبلیت ان کے ماتحت ہے اور وہ ایک طرح سے مقام عبد بھی ہے کیونکہ عبدیت ماتحتی کی علامت ہے نہ اس لغوی غلام کی ، جیسا کہ فرمایا گیا ہے کہ ثرید دیگر کھانوں کی سیدہ ہے اور دیگر کھانے اس کے غلام ہیں یہاں جو آقا وغلام کا تصور ہے وہ لغوی غلام وآقا کا تصور

نہیں ہے بلکہ غلامی کا لفظ اظہارِ ماتحتی کی استعارے کے طور پر لایا جاتا ہے اسے شہنشاہ امیرالمومنین علیه الصلوات و السلام نے فرمایا ......انا عبد من عبید محمد صلی الله علیه و آلہٖ وسلم

یہاں عبدیت کا وہ تصور نہیں ہے جو عام انسانوں کیلئے ہے بلکہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی انسان کہتا ہے کہ وہ آدمی تو اپنی خواہشات کا غلام ہے یا یہ کہتے ہیں کہ ہم تو اپنی روح اور ارادوں کے غلام ہیں یا یوں سمجھ لیں کہ جس طرح انسان خود اپنی روح کا غلام ہوتا ہے تو اسے کسی اور کا غلام نہیں کہا جا سکتا بلکہ وہ خود اپنی ذات ہی کا غلام ہوتا ہے اس کے اندر آقا و غلام کا تصور غیریت سے خالی ہوتا ہے بلکہ وہ اپنا غلام خود ہی ہوتا ہے اسی طرح یہ ایک نور کے مالک و حامل ہیں اس لئے ان میں بھی غلامی کا وہ تصور نہیں ہے کہ جو عوامی غلامی کا تصور ہے اگر کوئی اس فرمان سے عام غلامی کے معنی مراد لے تو اس پر کفر کا احتمال ہے -

اس فرمان میں جو لفظ عبید آیا ہے وہ عبد کی جمع ہے اس سے مراد بھی عام لوگ نہیں ہیں بلکہ یہاں عبید سے مراد صرف معصومین علیهم الصلوات والسلام ہی ہیں کیونکہ ان کی عبدیت ایک جیسی ہے اور ان کی نورانیت بھی ایک جیسی ہے اور قرآنی اصطلاحات سے واقف لوگ جانتے ہیں کہ قرآنی اصطلاح میں عبد معصوم کو کہتے ہیں کہ جس پر شیطان کو کوئی اختیار ہی نہ ہو -

جیسا کہ ان عبادی لیس لك علیهم سلطان کی نص سے ثابت ہے یا اسریٰ بعبدہ ...... سے ثابت ہے - یہ بھی ہے کہ ان کی ذات کے جو مراتب ہیں وہ سارے ایک حیثیت سے اعتباری ہیں اور دوسری حیثیت سے حقیقی ہیں اور وہ سارے مراتب

ایک دوسرے کیلئے حجاب بھی ہیں اور ظرف بھی ہیں اگر ہم اسے مثال سے سمجھانا چاہیں تو اس کی بہترین مثال بادام کی ہے کیونکہ بادام کے نو عدد بواطن ان کے نو عدد بواطن کی طرح فرض کئے جاسکتے ہیں بادام کو دیکھئے

(1) بادام کا پہلا حجاب وظرف اس کا سب سے اوپر والا ہلکا سبز کور ہوتا ہے

(2) دوسرا گری کے اوپر والا سخت خول ہوتا ہے

(3) پھر گری [مغز] کے اوپر بھورے رنگ کی جھلی ہوتی ہے

(4) جھلی کے اندر سفید رنگ کی گری ہوتی ہے

(5) گری کے اندر مادّی اجزا ہوتے ہیں

(6) مادّی اجزا کے اندر غذائیتی اجزا ہوتے ہیں

(7) غذائی اجزا کے اندر اس کا روغن ہوتا ہے

(8) روغن کے اندر اس کا ذائقہ ہوتا ہے

(9) ذائقے کے اندر اس کی تاثیر ہوتی ہے

تاثیر کا درجہ نواں ہوتا ہے اور تاثیر سے قبل کے سارے مراتب حواس کی دسترس میں ہوتے ہیں یعنی مشاہداتی ہوتے ہیں مگر اس کا نواں درجہ یعنی تاثیر کا ادراک حواسی نہیں ہوتا عقلی ہوتا ہے یعنی حواس اسے نہیں دیکھ سکتے وہ محسوسات کی آنکھ سے ہمیشہ اوجھل ہوتی ہے ہاں عقل اس کے آثار سے دریافت کرسکتی ہے مگر وہ بھی اس کے آثار ہی کو دریافت کرسکتی ہے نہ کہ ذات کو اور یہی اس کا حقیقی مقام ہے بلاتشبیہ انوار معصومین علیھم الصلوات والسلام کی جو اصل ہیں وہ ملکۂ وحدانیت صلوات اللہ علیھا ہیں اور ان انوارِ قدسیہ علیھم الصلوات والسلام میں ان کا درجہ نواں [9] ہے ان کے اسم مبارک کا

جائزہ لیں تو یہ بات اور بھی واضح ہو جاتی ہے یعنی ان کے اسم مبارک کے پانچ حروف ہیں گویا یہ پانچ کا مجموعہ ہیں

ان کے اسم مبارک کے پہلے دو حروف کے اعداد کا مجموعہ بھی 9 ہے

تیسرا حرف ''ط'' ہے اس کا بھی عدد نو 9 ہے

اور آخری دو حروف کے مجموعے کے اعداد بھی نو 9 ہیں

اوران سب کے حروف کے مجموعے کا مفرد عدد بھی نو 9 ہے

کیونکہ نواں درجہ ہی وہ درجہ ہے کہ جہاں حواس کی رسائی نہیں ہوتی صرف آثار دریافت ہو سکتے ہیں

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ روغنِ بادام کے اندر تاثیر کہاں سے آتی ہے؟

اس کا جواب میں ایک گفتگو میں دے چکا ہوں کہ ساری تاثیرات اسمائے اِلٰہیہ سے پیدا ہوتی ہیں یعنی ہر تاثیر کے پیچھے ایک اسمِ اِلٰہی کارفرما ہوتا ہے لیکن بادام میں اور ان میں فرق یہ ہے کہ بادام میں ایک اسمِ اِلٰہی کارفرما ہوتا ہے مگر ان کے نور کے پیچھے ذاتِ اِلٰہی کارفرما ہوتی ہے۔

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے کہ بادام کے سارے حجابات ایک دوسرے کیلئے ظرف بھی ہیں جیسا کہ بادام کا خول اس کی گری کیلئے حجاب بھی ہے اور ظرف بھی ہے اور گری روغن کیلئے حجاب بھی ہے اور ظرف بھی ہے اسی طرح سارے معصومین علیہم الصلوات والسلام پردۂ توحید کی مالک شہزادی صلوات اللہ علیہا کیلئے بہ منزلت ظرف بھی ہیں اور حجاب بھی ہیں

لیکن یہ بات سارے جانتے ہیں کہ ہر چیز کی قیمت اس کی تاثیر سے متعیّن ہوتی ہے

اس لئے اصل چیز تاثیر ہی ہوتی ہے اور افادیت کیلئے وہی اشیاء کے اصل دام کا درجہ رکھتی ہے بس اسی چیز کو دیکھتے ہوئے فرمایا گیا

ام ابیھا صلوات اللہ علیھا

یہ تو میں عرض کر چکا ہوں کہ قبلہ اوّل یا بیت اللہ اوّل یا نور اوّل شہنشاہِ انبیاء صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی ذات اقدس ہے لیکن مخلوق کی افادیت کیلئے اللہ نے بارہ قبلہ ہائے روحی اور وضع فرمائے ہیں اور انہی بیوت اللہ کے بارے میں اللہ جل جلالہ نے فرمایا تھا

☆فِیۡ بُیُوۡتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنۡ تُرۡفَعَ وَیُذۡکَرَ فِیۡہَا اسۡمُہٗ ...... (نور36)

اللہ نے ان گھروں کو بلند کرنے کا اذن دیا ہے کہ جن میں ذکر ہوتا ہے اس کی تفسیر میں فرمایا گیا ہے کہ اس سے مراد آئمہ ہدیٰ علیھم الصلوات والسلام ہیں

یہاں بلند کرنے اور رفعت دینے کا مقصد یہ ہے کہ ان کے آگے جھکو کیونکہ یہ تمہارے جھکنے ہی سے تمہاری نظر میں بلند ہوں گے

اگر ہم اس آیت سے قبلۂ روحی مراد نہ لیں تو پھر بات نہیں بنتی یعنی اس آیت کی رو سے ہر اس گھر کو جھکنا واجب ہو جائے گا جس میں نماز یا عبادت کرنے والا یا تلاوت کرنے والا کوئی ایک بھی موجود ہو چاہے ایک طرف ٹی وی چل رہا ہو اور دوسری طرف وہ عبادت کر رہا ہو اور یہ بھی ہے کہ اکثر ٹی وی پر بھی تلاوت کا پروگرام چلتا رہتا ہے اور نہیں تو آغاز پر اور اختتام پر تو لازماً چلتا ہے اس طرح ہر انٹینے والے گھر کو جھکنا واجب ہو جائے گا۔

اس لئے میں نے عرض کیا ہے کہ بیوت اللہ سے مراد وہ قبلۂ روحی ہیں کہ جنہیں اللہ جل جلالہ نے رفعت بخشی ہے اور وہ ہر زمانے کا امام ہوتا ہے اور یہ جو کعبۂ محترم ہے یہ

صرف جسم کیلئے قبلہ ہے روح کیلئے قبلہ تو اہل البیت علیہم الصلوات والسلام کے سوا کوئی ہو ہی نہیں سکتا بلکہ جب یہ کعبہ بنایا جا رہا تھا تو اس وقت بنانے والے کے سامنے بھی یہ بات موجود تھی کہ وہ یہ کعبہ وقبلہ صرف جسموں کیلئے بنا رہے ہیں نہ کہ دلوں اور روحوں کیلئے بنا رہے ہیں جیسا کہ جناب ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہے

☆فاجعل افئدة من الناس تهوی الیهم

یعنی اے اللہ تو کچھ لوگوں کے دلوں کو ذریت کی طرف جھکا نا ، یعنی جسموں کو اس بیت کی طرف جھکانا اور قلوب روحی کو اہل بیت کی طرف جھکانا

حقیقت یہ ہے کہ اس قبلۂ ظاہری کے در پردہ نورِ امام زمانہ علیہ الصلوات والسلام موجود ہوتا ہے اگر دل اس کی طرف نہ جھکیں تو سروں کو جھکانا بیکار ہوتا ہے کیونکہ قبلۂ حقیقی زمانہ کا امام ہوتا ہے کیونکہ وہ انسان کے اعلیٰ ترین رکن کا قبلہ ہوتا ہے اور اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ کی طرف جانے والا تو ویسے بھی خسارے میں ہوتا ہے اس لئے قبلۂ روحی کی طرف جھکنا واجب ہوتا ہے۔

دوستو! بات صرف جھکنے پر ختم نہیں ہوتی بلکہ روحوں کو قبلۂ روحی کے سامنے سارے مناسک ادا کرنے پڑتے ہیں۔ روح کی نماز زمانے کے امام کی طرف ادا ہوتی ہے روح کا طواف قبلۂ روحی کے گرد پروانہ وار گھومنے سے ادا ہوتا ہے۔ روح امام زمانہ کی نعلین کے حجرابیض کے بوسے لیتی ہے، ان کی محبت میں سعی کرتی ہے تب کہیں نمازِ روحی ادا ہو سکتی ہے ورنہ اس کعبۂ جمادی کا طواف تو نصیب کا چکر بن جاتا ہے

جناب آیۃ اللہ خمینی اپنی کتاب پرواز در ملکوت میں بیانِ قبلہ میں لکھتے ہیں

پس قبلۂ آفاق وباب اللہ علی الطلاق ذوات مقدّسہ محمدؐ آل محمدؐ علیہم الصلوات والسلام

است - اوراس کے ثبوت میں امیرالمومنین علیہ الصلوات و السلام کی زیارت کا یہ فقرہ بھی کوڈ کرتے ہیں فرمایا کہ ہم انہیں مخاطب ہو کر عرض کرتے ہیں

☆خَلَقَکُمُ اللّٰہُ اَنوَاراً فَجعَلَکُم بِعَرشِہٖ مُحدِقِینَ حَتّٰی مَنَّ عَلَینَا بِکُم فَجَعَلَکُم فِی بُیُوتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَن تُرفَعُ وَ یُذکِرُ فِیھَا اسمُہ‘

یعنی اللہ جل جلالہ نے آپ کو انوار بنایا اور عرش کے ساتھ دیکھنے والا قرار دیا [عرش کے گرد رہنے والا قرار دیا] تا اینکہ اس نے آپ کے ذریعے ہم پر احسان کیا اور آپ کو وہ بیوت اللہ قرار دیا جو بلند کیئے گئے تھے اور جن میں اس کے اسم پاک کا ذکر ہوتا تھا-

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ جب آپ جسم ظاہری کے ساتھ ظاہر ہوئے تو قبلۂ عالمین بننے کے سب سے زیادہ مستحق تھے مگر انہیں قبلۂ جسمانی نہ بنانے کی شاید دو وجوہات تھیں پہلی وجہ تو شاید یہ تھی کہ مخلوق اللہ جل جلالہ کی بجائے انہیں معبودِ حقیقی مان لیتی اور دوسری وجہ یہ تھی کہ لوگ یہ گمان کرتے کہ یہ پاک ذوات علیھم الصلوات والسلام اپنے آپ کو معبود بنانے اور کہلوانے کو پسند فرماتے ہیں-

میں سمجھتا ہوں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کئی لوگ بکواس کرتے کہ انہوں نے ہم سے ہمارے معبود ترک کروا کر اپنی پوجا شروع کروادی ہے ایک وجہ یہ بھی تھی کہ قبلہ کیلیئے ساکن ہونا ضروری ہے تا کہ انسان ہمیشہ ایک ہی سمت میں سر جھکا تا رہے اور ان کے ظاہری طور پر ایک مقام پر رہنے کا کوئی امکان نہ تھا-

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ مکہ و مدینہ و کوفہ [نجف] کربلا یہ سارے مقامات قبلہ بننے کے لائق تھے اور زمینِ کربلا معلیٰ تو مکہ سے بدرجہ ہا بہتر تھی اور قبلہ بننے کی زیادہ

مستحق تھی ۔اسی طرح جملہ عرفا جو اس راز کو سمجھتے ہیں وہ اس بات کو بڑے محتاط الفاظ میں بیان بھی کرتے ہیں کہ قبلہ روحی ہر زمانے کا امام علیہ الصلوات و السلام ہوتا ہے
مسجد جمکران کا جو واقعہ ہے کہ جس کی وجہ سے یہ مسجد بنائی گئی تھی اس میں یہی لکھا ہے کہ جب بانیِ مسجد شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی بارگاہ میں پہنچے تو دیکھا وہاں کئی لوگ ان کے چاروں طرف مصروفِ نماز تھے

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ جو اشخاص دائرے کی شکل میں کھڑے تھے ان کا رخ کس طرف تھا؟

اگر مسجد جا کر دیکھا جائے تو وہاں سے قبلہ جنوب کی طرف ہے اب شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے گرد جو اشخاص جنوبی طرف کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے وہ اگر کعبے کی طرف رخ کرتے ہیں تو قبلۂ روحی کی طرف پشت ہوتی ہے تو اس حال میں وہ کس طرف رخ کر کے نماز ادا کر رہے ہوں گے؟ یہ مجھے تو معلوم نہیں ہے آپ خود اس کا جواب سوچ سکتے ہیں-

اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ معصومین علیہم الصلوات والسلام جب خود نماز ادا فرماتے تھے تو وہ بھی اپنا رخ اس موجودہ قبلہ کی طرف فرماتے تھے بلکہ شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے تو کافی عرصہ بیت المقدّس کی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھوائیں تو اس کی کیا وجہ تھی؟

جنت میں قبلہ کون سا ہوگا؟

کچھ عرفا عظام رضوان اللہ علیہم نے لکھا ہے کہ جب مومنین اور انبیا و رسل علیہم الصلوات و السلام جنت میں جائیں گے تو وہاں وہ ہر چیز کو حیرت و استفہام کی نگاہ سے دیکھیں

گے وہاں وہ دیکھیں گے کہ ایک طرف سے ایک نور ساطع ہے کہ جس سے ساری جنت منور ہے اور وہی ساری جنتوں کو روشنی مہیا کر رہا ہے تو سوچیں گے یہ کیسا نور ہے؟ پھر وہ ایک دوسرے سے اس کے بارے میں بات کریں گے تو سارے نفی میں جواب دیں گے کہ ہمیں معلوم نہیں ہے کہ یہ نور کیسا ہے کہاں سے آ رہا ہے اور یہ کس کا نور ہے؟ اس کے بعد جنتی لوگ اپنے اپنے انبیا و رسل علیھم السلام کے پاس جائیں گے اور عرض کریں گے کہ آپ ہمیں اس نور کے بارے میں آگاہ فرمائیں۔ اس استفسار پر وہ فرمائیں گے ہم خود اس نور سے لاعلم ہیں۔ آیئے ہم سب مل کر شہنشاہ انبیا و رسل صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے بارے میں استفسار کریں کہ یہ کیسا نور ہے اور کس مقام سے آ رہا ہے اور یہ کس کا نور ہے؟ وہ ساری امتوں سمیت جب شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی خدمت میں جا کر عرض کریں گے تو وہ فرمائیں گے کہ چلو ہم آپ کو اس نور کے مبدہ کی طرف لے جاتے ہیں تا کہ وہاں جا کر آپ خود مشاہدہ کر لیں کہ یہ کس کا نور ہے کہ جس سے ساری جنتیں منور ہیں پھر وہ سارے انبیا و رسل علیھم السلام اور ان کی امتوں کو لے کر اس طرف روانہ ہو جائیں گے کہ جہاں سے وہ نور ساطع ہو رہا ہوگا وہاں جا کر سب لوگ دیکھیں گے کہ وہاں ایک آنکھوں کو خیرہ کرنے والے نور کا قبہ ہوگا جب آپ وہاں تشریف لے جائیں گے تو اس وقت انبیا و رسل علیھم السلام عرض کریں گے کہ ہم تو شدتِ تنویر کی وجہ سے اس کے اندر دیکھ ہی نہیں سکتے اس وقت شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اس قبۂ نور کی طرف رخ کر کے فرمائیں گے اے میرے مظلوم بیٹے آپ اپنے حجابِ نور سے باہر آئیں تا کہ یہ لوگ آپ کی زیارت کر سکیں اس وقت شہنشاہ

کربلاعلیہ الصلوات و السلام اپنے حجاب نور میں سے کچھ حجابات کو ہٹائیں گے تو سارے انبیا ورسل علیہم السلام ان کی زیارت کریں گے اس کے بعد شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ان سے فرمائیں گے کہ اب تم سب اس قبلۂ عالمین کا طواف کرو یہاں تمہاری عبادت یہی ہے اور اہل جنت کیلئے شہنشاہ کربلاعلیہ الصلوات و السلام کا نور ہی قبلہ قرار پائے گا۔

دوستو! حقیقت یہی ہے کہ قبلۂ حقیقی بیت اللہ اوّل ہر زمانے کا امام ہوتا ہے جس میں حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اپنی لیلۃ القدر میں قیام پذیر ہوتی ہے

دوستو! عربی میں گھر کیلئے دو لفظ بولے جاتے ہیں ایک ہے ''دار'' اور دوسرا ہے '' بیت'' بیت اور دار میں فرق یہ ہوتا ہے کہ دار اس گھر کیلئے بولا جاتا ہے کہ جس میں قیام کی کوئی شرط نہ ہو اور بیت اس گھر کو کہا جاتا ہے کہ جس میں شب باشی کی جائے جیسا کہ عربی کے الفاظ بات یبوت کے ضمن میں شب باشی کا تصور موجود ہے مگر گھر میں چاہے رہائش ابھی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو اسے دار کہا جاتا ہے جیسا کہ دارِ دنیا، دارِ آخرت یا دارِ عقبیٰ کے الفاظ بتا رہے ہے کہ ابھی دارِ آخرت میں رہائش نہیں ہوئی مگر اسے گھر کہا گیا ہے مگر کہیں بھی بیت الآخرت نہیں کہا گیا اور اس موجودہ بیت اللہ میں اللہ کی شب باشی کا کوئی تصور نہیں ہے بلکہ اسے یہ درجہ اس وقت ملا جب شہنشاہ امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام کی والدۂ پاک صلوات اللہ علیہا نے شب گزاری تو اس شب کی وجہ سے اسے بیت اللہ کہا گیا اور ہر زمانے کا امام اس لئے بیت اللہ ہوتا ہے کہ اس میں حقیقت محمدیۃ الاولیہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اپنی لیلۃ القدر میں قیام پذیر ہوتی ہے اس بات کو یہاں میں تفصیل سے بیان نہیں کرسکتا کیونکہ اب وقت نہیں ہے

اس لئے انہیں پھر کسی وقت عرض کروں گا اب یہاں میں دعا کروں گا کہ ربِ ذوالجلال والاکرام ہمیں وہ روزِ سعید جلدی دکھائے جب ہم اپنے قبلۂ حقیقی کے حضور میں سر بہ سجود ہوں اور عبادات کو اپنا روحیتی مقام حاصل ہو اور عالمین پر خدائے واحد کی بلا شرکت غیرے عبادت ہو اور اس میں قبلہ حقیقی و روحی اظہار پذیر ہو اس کے بعد کوئی بھی اس دنیا پر شرک وغلو کا مرتکب نہ ہو کیونکہ نورِ اوّل کو مقام قبلہ ملے گا تو غلو کا بھی خاتمہ ہو جائے گا اور شرک کا بھی قلع قمع ہو جائے گا اور اس طرح پاک خاندان تطہیر علیھم الصلوات والسلام کو بھی ان کا حقیقی مقام مل جائے گا
آیئے دعا کریں کہ اس بیت اطہر کی عظمت وشان کے اظہار کا دن جلدی آئے

آمین یارب العالمین

اللھم صل علیٰ محمدؐ وآل محمدؐ و عجل فرجھم بقائمھمؑ صلوات اللہ علیہ والسلام

یا ھو یا من ھو لا ھو الا ھو الحی القیوم یا ھو یا من لا یعلم ما ھو الا ھو الحی القیوم العلی العظیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک

ذوالقدرۃ الجامعہ ص

عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه

الحمد لله رب العالمين و صل علىٰ محمدؐ و آلهٖ اجمعين خصوصاً على حجة الله فى العالمين عجل الله فرجه الشريف و آبائه المعصومين و امهاته الطاهرين الطيبين صلوات الله عليهم اجمعين و لعنة الله علىٰ اعدائهم اجمعين من يوم الازل الى يوم الدين

اے جرعہ نوشانِ بحرِ عرفان!

قدرت کا یہ نظامِ فطرت ہے کہ اس قادر مطلق نے دنیا کی کسی چیز کو بھی بے اختیار نہیں چھوڑا بلکہ انواع عالم میں سے ہر نوع کو اور ہر نوع کے ہر فرد کو اس نے کسی نہ کسی پر کچھ نہ کچھ اختیار ضرور دیا ہے

دوستو! اختیار و قدرت کی دو قسمیں ہوتی ہیں

() اختیار علی الذّات () اختیار علی الغیر

اختیار علی الذّات کے معنی یہ ہیں کہ ہر نوع کو یا ہر نوع کے فرد کو اپنی ذات پر اختیار حاصل ہوتا ہے

اختیار علی الذّات کی ہر نوعِ عالم میں ایک جداگانہ مقدار و کمیت ہوتی ہے یعنی دنیا کی

کسی نوع کو یا کسی نوع کے فرد کو اپنی ذات پر مکمل اختیار حاصل نہیں ہوتا بلکہ اسے بہت کم اختیار حاصل ہوتا ہے مگر اس کم اختیار کے بھی ہر نوع میں درجات ایک جیسے نہیں ہوتے بلکہ کسی نوع کو اپنے اوپر زیادہ اختیار حاصل ہوتا ہے تو کسی کو کم حاصل ہوتا ہے جیسا کہ نوعِ جمادات کو اپنی ذات پر اتنا کم اختیار حاصل ہوتا ہے کہ جو نہ ہونے کے برابر ہے اسی طرح نوعِ نباتات کو جمادات سے سے کچھ زیادہ اختیار حاصل ہوتا ہے اور نوعِ حیوان کو نباتات سے زیادہ اختیار حاصل ہوتا ہے اسی طرح موالیدِ اربعہ میں سے اپنی ذات پر سب سے زیادہ اختیار انسان کو حاصل ہے اسی طرح نوعِ انسان سے آگے کے جو انواع ہیں مثلاً جنّات وملکوت وغیرہ تو انہیں بھی خالق نے بہت سے اختیارات عطا فرمائے ہیں۔

اختیار علی الغیر یہ ہے کہ کسی دوسرے فرد یا نوع پر کسی فرد یا نوع کو جو اختیار حاصل ہو اسے اختیار علی الغیر کہتے ہیں یہ اختیار بھی جملہ انواعِ عالمین کو بخشا گیا ہے اور اس نعمت سے بھی کوئی نوع یا کسی نوع کا کوئی فرد محروم نہیں ہے ہاں اس اختیار و قدرت کے درجات بھی یکساں نہیں ہیں بلکہ ایک نوع کے افراد کو بھی ایک جیسا اختیار و قدرت نہیں دیا گیا بلکہ ہر فرد کے اختیارات کا دائرہ جدا جدا ہے مگر اختیار و قدرت حاصل ضرور ہے

نباتات ہیں تو انہیں اپنی ضروریاتِ حیات کو اپنے گرد و پیش سے اپنے ماحول سے پورا کرنے کی کا پورا پورا اختیار حاصل ہے یعنی وہ زمین سے اپنے غذائی اجزا نکالنے پر قادر بھی ہیں اور مختار بھی ہیں اسی طرح وہ اپنی نشو ونما کیلئے زمین کے کیمیکلز Chemicals کو استعمال کرنے میں مختار ہیں یعنی وہ ہوا سے لے کر پانی اور زمین

تک پر متصرف ہونے میں با اختیار ہیں یعنی ہوا سے نمی لینے میں کاربن ڈائی آکسائیڈ لینے میں زمین سے کیمیکلز لینے میں پانی سے اجزائے نامیہ وحیاتیہ لینے کے معاملے میں بااختیار ہیں اگرچہ ان کا یہ اختیار بہت ہی محدود ہے مگر یہ اختیار موجود ضرور ہے اسی طرح عالم حیوانات کو بھی بہت سے اختیارات بخشے گئے ہیں یعنی انہیں اپنی ماتحت انواع پر بہت سی قدرت و اختیار بخشا گیا ہے یعنی جو سبزی خور Vegetarian حیوانات ہیں انہیں نباتات سے اپنے ضروریاتِ حیات و بقا کے معاملے میں پورا پورا اختیار حاصل ہے جیسا کہ بندر ہیں تو وہ درختوں کے پھل کھاتے ہیں پتے نوچتے ہیں اس کی ڈالیاں توڑ کے رہائش گاہیں بناتے ہیں الغرض جیسا ان کا جی چاہتا ہے نباتات کے ساتھ سلوک کرتے ہیں اور یہ صرف کھیل کھیل میں بھی نباتات کی جان لینے پر قادر بھی ہیں اور بااختیار بھی ہیں-

جو جاندار درندے ہیں ان کے اختیارات اور زیادہ وسیع ہیں کیونکہ انہیں تو اپنی نوع کے افراد پر بھی اختیار دیا گیا ہے جیسا کہ ہم نیشنل جیوگرافک سوسائٹی National Geographic Society کی بنائی ہوئی تحقیقی مووی دیکھتے ہیں تو ہر بات سامنے آجاتی ہے کہ شیر، چیتے، ہائینا ز، کروکوڈائل، ایلگیٹر، گیدڑ، لومڑیاں وغیرہ کس طرح اپنی ہی نوع یعنی نوع حیوانات سے تعلّق رکھنے والے دیگر جانداروں پر تصرف رکھتے ہیں وہ انہیں ہلاک کرتے ہیں انہیں کھاتے ہیں یا پھر شوقیہ بھی جانداروں کو ہلاک کرتے ہیں جیسا کہ ایک پینتھر کو دکھایا گیا تھا کہ وہ ایک اژدھے کے ساتھ لڑتا ہے اور اسے مار دیتا ہے مگر اسے کھاتا نہیں بلکہ کھیل کھیل میں اس کی جان لے لیتا ہے اسی طرح وہ کئی جانداروں کی جان صرف کھیل ہی میں لے لیتا ہے

بھیڑیا Wolf بھی کبھی کبھی کھیل کھیل میں بکریوں کی جان لے لیتا ہے ایسے بہت سے واقعات ہیں جو آج مشاہداتی ہیں سو ان واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ نوعِ حیوانات کو بھی بہت سے اختیارات حاصل ہیں یعنی شیر اور چیتے سے لے کر چیونٹی تک سب کو اختیارات کے بہتے فرات سے سیراب ہونے کا پورا پورا موقعہ دیا گیا ہے اور انہیں کسی نہ کسی چیز پر قدرت واختیار ضرور بخشا گیا ہے

اسی طرح پرندوں کو بھی بہت سی چیزوں پر تصرف واختیار کا حق دیا گیا ہے وہ اشجار، جھاڑیوں، فصلات وغلات سے جس طرح چاہتے ہیں استفادہ کرتے ہیں وہ انہی کو کھاتے ہیں انہیں میں رہتے ہیں انہی سے گھونسلے بناتے ہیں وہ انہیں اس طرح استعمال کرتے ہیں کہ جیسے نباتات ان کی ملکیت میں دے دیئے گئے ہوں اور وہ ان کے مالک ومختار ہوں اب کس کس چیز کا حوالہ دوں آپ خود سوچیں تو ساری باتیں سمجھ میں آتی چلی جائیں گی

دوستو! یہ ایک کلّیہ ہے کہ نوع جیسے جیسے بلند ہوتی جاتی ہے اس کے اختیارات میں وسعت آتی چلی جاتی ہے یعنی اسے اپنی ماتحت انواع میں ہر ایک پر کچھ نہ کچھ تصرف اور اختیار ملتا جاتا ہے اور اس کا دائرۂ اختیار وقدرت بڑھتا جاتا ہے کیونکہ موالیدِ اربعہ [جمادات، نباتات، حیوانات اور انسان] میں سے سب سے اعلیٰ نوع انسان کی ہے اس لئے اس حیوانِ ناطق کو دیگر موالیدِ ثلاثہ پر سب سے زیادہ اختیار حاصل ہے

دیکھئے انسان نے پتھروں کو توڑا اس سے گھر بنائے غاروں کو اقامت گاہیں بنایا اس نے مٹی سے گھر بنائے پھر اسے آگ میں جلا کر پختہ کرنے کا ہنر سیکھ گیا تو اس سے

پکے مکان بنائے اس سے ہتھیار اور استعمال کے برتن بنائے تا اینکہ سڑکوں میں اسے استعمال کیا کھیتی باڑی میں اس مٹی کو استعمال کیا

معدنی اشیاء کو کانوں سے نکالا ان میں سے بعض کو خوردنی پایا تو انہیں کھانے میں استعمال کیا جیسا کہ نمک وغیرہ ہے اسی طرح لوہے وغیرہ سے ہتھیار بنائے اور بہت سی ضروریات کو اس سے پورا کیا اور یہاں تک کہ بڑے بڑے جہازوں سے لے کر کپڑے سینے کی سوئی تک اسی سے بنائی

بعض معدنیات کو اس نے آرائش کیلئے استعمال کیا جیسے سونا ، چاندی ، ہیرے جواہرات ، عقیق ، زمرد ، یاقوت ، زبرجد تک اس نے کھود نکالے ان میں سے بعض کو آرائش کیلئے اور بعض کو کشتہ جات وغیرہ میں استعمال کیا الغرض انسان نے معدنیات کو ہر طرح سے اپنی خواہش کے مطابق استعمال کیا

اسی طرح انسان نے نباتات پر بھی اپنے اختیار اور قدرت کا بھرپور مظاہرہ کیا یعنی ہر قسمی پھل کھائے ہر قسمی غلات اگائے اور جس نسل کو چاہا باقی رکھا جس نسل کو چاہا بڑھایا اور جس نسل کو چاہا ختم کر دیا اور جنگل کے جنگل کاٹ ڈالے ہرے بھرے میدان جلا ڈالے اس طرح اس نے خوراک ، لباس ، رہائش ، دفاع و بقا کیلئے جس طرح چاہا انہیں استعمال کیا۔

اسی طرح انسان نے حیوانات پر بھی اپنے اختیارات کا بے دردی سے مظاہرہ کیا اور اس نے حیوانات کو کئی طرح سے استعمال کیا یعنی سواری بنایا ، بار برداری کیلئے استعمال کیا ، اس کی اون سے اپنا بدن ڈھانپا ، اس کے گوشت سے اپنی نسل کی شکم پری کی ، کھیتی باڑی میں اسے جوتا گیا ، اس کے انڈے اور بچّے تک کھا لئے گئے گویا

یہ انسان پورے عالم حیوانات کا مالک ومختار مطلق تھا کہ اس نے شوق اور تفریح میں بھی جانداروں کی جان سے کھیلنے سے گریز نہ کیا انہیں آپس میں لڑایا یہاں تک کہ ایک جھینگر سے لے کر ہاتھی تک کو اس نے آپس میں لڑا کر اپنا شوقِ تفریح اور ذوقِ درندگی پورا کیا اس نے جس جاندار کی نسل بڑھانا چاہی بڑھا دی اور جسے ختم کرنا چاہا بڑی بے دردی سے ختم کر ڈالا جیسا کہ حال ہی میں آسٹریلا میں جنگلی بھینسوں کے ریوڑ کے ریوڑ ہیلی کاپٹروں پر چڑھ کر مارے گئے ان کا جرم یہ تھا کہ وہ انسان کے کاشت کردہ نباتات میں سے کچھ کھا لیتے تھے حالانکہ اللہ نے انہیں اپنی ضروریات اس زمین سے پورا کرنے کا پورا پورا حق دیا تھا مگر انسان تو خود کو اس زمین کا بلا شرکتِ غیرے مالک ومختار سمجھتا ہے اس لئے اس نے ان سے یہ حق چھین لیا اس دور میں اگر چہ Animal Rights Societies بن چکی ہیں مگر وہ انسان کو درندگی سے باز نہیں رکھ سکیں یہاں تک کہ سپین میں بل فائٹنگ Bull Fighting کے دلدوز مناظر آج بھی دیکھنے کو ملتے ہیں اور ان پر کوئی قدغن نہیں ہے اسی طرح پاکستان میں ریچھ اور کتے کی لڑائی یا کتے اور دیگر جانوروں کی لڑائیوں میں ایسی بربریت کا مظاہرہ ہوتا ہے کہ دل کانپ جاتا ہے اور اس مقام پر انسان کا وہ چہرہ سامنے آتا ہے کہ جو ابلیس سے بھی زیادہ قبیح ہے۔

انسان نے جانداروں کو شوقیہ پالا کسی کی آواز کی وجہ سے کسی کے حُسن کی وجہ سے کسی کو صرف اس لئے کہ اسے کوئی نام وشہرت مل جائے اس دور میں کوئی جاندار ایسا نہیں ہے کہ جسے انسان نے نہ پالا ہوا ہو یعنی شارک وڈالفن سے لے کر حشرات الارض Insects تک ہر چیز کو انسان نے پالنے کا شوق پالا ہے

دوستو! میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ ایک نوع کے افراد میں بھی اختیارات وقدرت کے کئی درجات ہوتے ہیں اسی طرح انسان کی اپنی نوع کے جو افراد ہیں ان میں بھی ایک ادنیٰ غلام سے لے کر جابر حاکم تک کئی درجاتِ اختیارات وقدرت ہیں ایک ادنیٰ اہل کار سے لے کر سربراہِ مملکت تک اختیارات وقدرت کے لاتعداد درجات ہیں چاہے یہ جنگل کا قانون ہی کیوں نہ ہو مگر اس سے انسان کے با اختیار و صاحبِ قدرت ہونے کا ثبوت ضرور ملتا ہے آپ ذرا ماضی کے کواڑ کھول کر دیکھیں انسان نے انسان کو غلام بنایا اس کے ساتھ حیوانوں سے بھی بدتر سلوک کیا اور ایک سواری کے گھوڑے کی قیمت جس دور میں ہزار دینار ہوتی تھی اسی دور میں ایک صحت مند غلام کی قیمت دوسو روپے ہوتی تھی

انہیں لباس پہننے کی اجازت نہ تھی انہیں شادی بیاہ کی اجازت نہ تھی انہیں جوتی پہننے کی اجازت نہ تھی دو دو دن کھانا نہیں دیا جاتا تھا اور گندم اور جو کے عیوض انہیں دے دیا جاتا تھا لونڈیوں کی حیثیت تو اور بھی بدتر تھی حتیٰ کہ کسی لونڈی کو یہ بھی اختیار نہ تھا کہ وہ اپنی عزت کی حفاظت کرسکتی بلکہ لونڈیوں کو مہمانوں کی تفریح کیلئے استعمال کیا جاتا تھا اور بتوں کی پوجا پر انہیں قربان کیا جاتا تھا ان کے خون سے ہولی کھیلی جاتی تھی

بات یہاں ختم نہیں ہوتی تھی بلکہ روم کے اکھاڑوں کی تاریخ دیکھیں جس میں غلاموں کو اور ملک کے عام لوگوں کو باندھ کر جانوروں سے لڑایا جاتا رہا اور سدھائے ہوئے مرغوں سے ان کی آنکھیں نکلوائی گئیں کتّوں سے انہیں نچوایا گیا اوران کی رونے اور چیخنے سے لطف اٹھایا گیا

تاریخ میں ایسے واقعات بھی ملتے ہیں کہ ایک دن دو سردار آپس میں بات کر رہے تھے کہ ایک نے کہا میرے بازوؤں میں تم سے زیادہ قوت ہے دوسرے نے کہا نہیں میں تم سے زیادہ طاقتور ہوں اس پر ان کا مقابلہ شروع ہو گیا اور انہوں نے ایک غلام سے کہا ذرا سامنے جا کر کھڑے ہو جاؤ جب وہ غلام سامنے جا کھڑا ہوا تو ایک نے اپنا نیزہ پوری قوت سے اس کے سینے پر مارا وہ غلام مر گیا تو اس نے جا کر اس کی پشت کی طرف سے نیزے کی پیمائش کی کہ اس کا نیزہ اس کی پشت سے کتنا باہر نکلا ہوا ہے اس کے بعد اس نے دوسرے غلام سے کہا کہ اب تم سامنے جا کر کھڑے ہو جاؤ اس کے بعد اس نے دوسرے سردار سے کہا کہ اب تم اس کے سینے میں نیزہ اتارو پھر اس دوسرے جوان نے نیزہ مارا اور پھر اس کی پیمائش ہوئی مگر فیصلہ نہ ہو سکا اسی طرح کئی غلاموں کو سامنے کھڑا کر کے اس کھیل میں مارا گیا اور کسی غلام کو یہ اختیار نہ تھا کہ وہ سامنے کھڑا ہونے سے انکار کر سکے۔

اس دور میں بھی ہم اس طرح کے کئی مناظر دیکھتے ہیں مگر اب طریقہ کار تبدیل کر دیا گیا ہے یعنی پرانی روایات کو صرف Modify کر دیا گیا ہے صرف رنگ بدل دیا گیا ہے جیسا کہ جرمن [نازی] دور کے مظالم ہمارے سامنے ہیں کہ ہٹلر کی ایک پھوپھی تھی جس کا نام الزے کوخ تھا وہ یہودیوں میں سے جو خوبصورت جوان ہوتے تھے ان کے سر کاٹ کر انہیں حنوط کروا کے اپنے ڈرائنگ روم میں ڈیکوریشن پیس کی طرح سجایا کرتی تھی۔

میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ انسان کی نوع میں مختلف افراد کے درمیان بھی اختیارات کا ایک سلسلہ ہے اور اس میں بھی کئی درجات ہیں یعنی ایک عام پولیس

مین سے لے کر سربراہِ مملکت تک ان کے اختیارات کا ایک سلسلہ ہے
جب ہم سلسلۂ اختیارات وقدرت کو دیکھتے ہیں تو ایک انسان ہونے کے ناطے سے ہم اس سلسلے کو انسان پر ختم کر دیتے ہیں کیونکہ ہم بزعمِ خویش خود کو سب سے اعلیٰ نوع تصور کرتے ہیں جبکہ یہ خوش فہمی بے بنیاد ہے کیونکہ انسان سے اوپر بھی کئی انواع موجود ہیں اس طرح یہ اختیارات کا سلسلہ انسان پر ختم نہیں ہوجاتا بلکہ یہ سلسلہ جمادات سے شروع ہوتا ہے تو اس کی سب سے اعلیٰ کڑی ذات واجب الوجود ہے کہ جو مختارِ مطلق ہے اور قادرِ مطلق ہے اور وہی Mightiest ہے پھر اس کی ذات کے ماتحت جتنے افراد ہیں وہ ان پر قادر و مختارِ مطلق ہے۔
دوستو! یہ بات بھی ایک کلّیہ ہے اور قانون کا درجہ رکھتی ہے کہ ہر اعلیٰ کو اپنے ادنیٰ پر، ہر مافوق کو اپنے ماتحت پر اختیار حاصل ہوتا ہے نہ کہ کسی ماتحت کو کسی مافوق پر اختیار حاصل ہوتا ہے اس لئے اگر کوئی ماتحت مافوق پر تصرف کرنا چاہے تو یہ قانون قدرت کے خلاف ہے اس لئے کہ یہ اختیار غیر عقلی و غیر انسانی و غیر فطری و شرعی ہے اس لئے ماننا پڑتا ہے کہ قانونِ قدرت یہ ہے کہ ہر اعلیٰ کو ماتحت پر اختیار حاصل ہو اور اس اختیار کو محدود نہیں کیا جا سکتا بلکہ ماتحت کے ماتحت بھی جتنے انواع و افرادِ ماتحت ہوتے ہیں ان سب پر اعلیٰ کو اختیارات حاصل ہوجاتے ہیں جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کے ماتحت کئی انواع ہیں اس لئے وہ ہر نوع پر صاحب اختیار نظر آتا ہے کیونکہ وہ کسی سے ایک درجہ بلند ہے کسی سے دو درجے بلند ہے کسی سے تین درجے بلند ہے اس لئے وہ ان تینوں پر متصرف ہونے کا حق رکھتا ہے اگرچہ یہ حق اس کا لمیٹڈ (Limited) ہوتا ہے، ان فنیٹ (Infinite) نہیں ہوتا۔

اب ہم اس قانونِ قدرت کو جب آگے لے کر جاتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ انسان سے اوپر نوع انبیاعلیھم السلام کی ہے اسی طرح انسان کے اوپر نوع ملکوت کی ہے اسی طرح انسان سے اوپر نوعِ معصومین علیھم الصلوات والسلام ہے

کیونکہ انسان سے نوع انبیاعلیھم السلام بدرجہا بلند ہے اس لئے ہم ان کے اختیارات کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے اس کی وجہ یہ ہے کہ جمادات سے انسان تک اور انسان سے جنّات تک جتنے اختیارات تھے ان کا تعلّق سطحی وظاہری اختیارات سے تھا یعنی یہ دائرہ صرف مادّی اختیارات تک محدود تھا ماورائے مادّہ جو کچھ تھا اس میں کسی کو مداخلت کا اختیار نہ تھا کیونکہ اس سے آگے جو سلسلۂ انواع چلتا ہے وہ مادّی نہیں ہے بلکہ روحانی ونوری ہے اس لئے ان کے اختیارات کا دائرہ روحانیات ونورانیات تک وسیع ہے

دیکھئے اس دنیا میں جتنے بھی انواع موجود ہیں وہ سارے ذی روح ہیں جیسا کہ جمادات ہیں تو ان میں روحِ جمادی موجود ہے اسی طرح نباتات میں روح نباتی ہے حیوانات میں روحِ حیوانی ہے اور جنّات میں بھی روحِ جنّاتی موجود ہے اسی طرح ملکوت کو اگرچہ نفس مجردہ بھی کہا جاتا ہے مگر ان میں بھی روح ملکوتی موجود ہوتی ہے اسی طرح اللہ کے انوارِ قدسیہ وعلویہ وازلیہ علیھم الصلوات والسلام میں روح قدسیہ موجود ہوتی ہے یا یوں سمجھیں کہ ان کے انوار کا باطن ہی ان کی روح قدسی ہے کہ جسے ہم زیارات میں سلام کرتے ہیں

☆السلام علیٰ ابدانکم و ارواحکم یعنی ہم ان کے ابدان واجسام نورانیہ اور ارواح قدسیہ علیھم الصلوات والسلام کو بھی سلام عرض کرتے ہیں اور ان ارواحِ قدسیہ کا

مقام گویا روحِ عالمین کا مقام ہے کیونکہ ان پاک ذوات مقدّسہ علیہم الصلوات والسلام کا تعلّق روح عالمین سے ہے اس لئے ان کے تصرف و اختیار و قدرت کا تعلّق انواعِ عالمین کی ارواح تک پہنچتا ہے کیونکہ ان سارے انواعِ عالمین کی ارواح ان کے ماتحت ہیں اور ماتحت ہمیشہ مافوق کے اختیار میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ ایک آدمی ایک تیتر پالتا ہے وہ جب اس کے سامنے سیٹی بجاتا ہے تو وہ تیتر فوراً بول پڑتا ہے اسی طرح ان کا تصرف ارواح پر ہے یہ بھی کسی چیز کو بولنے کا حکم فرماتے ہیں تو وہ فوراً بول پڑتی ہے جیسا کہ شہنشاہ عالمین صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے دست مبارک پر سنگریزے بول پڑے، درختوں نے گواہی دی، سوسمار نے کلمہ پڑھ کر سنایا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس میں کسی پتھر کی جمادیت نہیں بولتی تھی اور نہ ہی بول سکتی ہے بلکہ اس کے اندر روحِ جمادی ہی حکم کی تعمیل میں بول رہی تھی کیونکہ جو نوع مافوق بھی ہو اور روحانی یا نورانی بھی ہو اس کا دائرہ تصرف و اختیار روح تک پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ملکوت انسان کی روح پر تصرف کر سکتے ہیں یعنی روح کا قبض و بسط آسانی سے کر سکتے ہیں کیونکہ ان کی نوع نورانی ہے اور بہ حیثیت نوع وہ انسان سے اعلیٰ نوع کے حامل ہیں مگر کسی ذات کے حکم پر وہ انسان کی خدمت کرتے ہیں جیسا کہ حکومت کے حکم سے ڈی سی اور کمشنر بھی ایک مزدور کے جھونپڑے کی حفاظت کے ذمہ دار ہوتے ہیں اسی طرح حکومت اِلٰہیہ کے نظام کو دیکھا جائے تو زمین و آسمان اور ملکوت وغیرہ اس کائنات میں صرف انسان ہی کیا ہر جاندار کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں ورنہ وہ اپنی ڈیوٹی کے موقعہ پر تو کسی نبی کو بھی اتنا موقعہ نہیں دیتے کہ دھوپ سے چل کر چھاؤں تک جا سکے جیسا کہ جناب سلیمان علیہ السلام کے ساتھ ہوا تھا

کہ انہیں تو بیٹھنے کی مہلت نہیں دی گئی تھی یہ علیحدہ بات ہے کہ کسی اعلیٰ ذات کے تعلّق کی وجہ سے وہ جھڑکیاں بھی کھا کر محسوس نہیں کرتے جیسا کہ جناب سلمان محمدی سلام اللہ علیہ سے جھڑکیاں کھا کر بھی بدمزہ نہ ہوئے تھے کیونکہ وہ ان کے خادم تھے کہ جنہوں نے فرمایا تھا الملکوت خدامنا و خدام محبینا یعنی ملکوت ہمارے بھی خادم ہیں اور ہمارے چاہنے والوں کے بھی خادم ہیں۔

ہاں جب انہی پاک ذوات علیہم الصلوات والسلام نے فرمایا تو دیوار سونے کی ہوگئی، درخت زمین پہاڑ کے حاضرِ خدمت ہوگئے، پتھروں سے پانی کے چشمے جاری ہوگئے، درختوں نے بغیر موسم کے پھل دیئے، اشجار نے آپ کا سجدہ کیا یہ سب ان کی نوعِ اعلیٰ ہونے کی وجہ سے تھا یہ جنّات اور ملکوت پر تصرف اور اختیار بھی اسی وجہ سے تھا کہ ہر نوعِ ماتحتہ پر نوعِ اعلیٰ کو اختیار و قدرتِ تصرف حاصل ہوتا ہے اگر ہم اس سلسلے کو نیچے سے دیکھنا شروع کریں تو یہ اختیار و قدرت و تصرف بدیہی نظر آتا ہے کیونکہ یہ تو نیچے سے چلتا ہوا آرہا ہے اور اس بات سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ انسان اس سلسلے کی آخری کڑی نہیں ہے کیونکہ یہ سلسلہ بہت آگے تک جاتا ہے اور اس سلسلے کی آخری کڑی کو بھی سارے لوگ جانتے ہیں کیونکہ اس سلسلۂ اختیار کی آخری کڑی قادر مطلق رب ذوالجلال والاکرام جل جلالہ ہے اگر کوئی انسان اس سلسلے کی انسان سے بعد والی کڑیوں کو نکال باہر کرے گا تو یہ سلسلہ ناقص ہوجائے گا جبکہ لاتعداد احادیث و فرامین میں ان درمیانہ کڑیوں کی نشاندہی کی جاچکی ہے جیسا کہ محمد بن سنان سے امام محمد باقر العلم اِلٰہی علیہ الصلوات و السلام نے فرمایا تھا کہ

☆فقال ان اللہ تبٰرک و تعالی لم یزل فرداً متفرداً فی الوحدانیة ثم

خلق محمداً و علیاً و سیدۃ علیہم الصلوات والسلام فمکثوا الف دھراً ثم خلق الاشیاء و اشھدھم خلقھا و اجریٰ علیھا طاعتھم وجعل فیھم ماشاء و فوض الامر الاشیاء الیھم فی الحکم و التصرف والارشاد و الامر والنھی فی الخلق لانھم الولاۃ فلم الامر و الولایۃ و الھدایۃ فھم ابوابہٖ و نوابہٖ و حجابہٖ یحلون ماشاؤ ا یحرمون ماشاؤ ا ولا یفعلون الا ماشاء اللہ عباد مکرمون ( )

اس کا خلاصہ عرض کر دوں فرمایا اللہ جل جلالہ اپنی وحدانیت میں فرد و واحد تھا اس کے بعد اس نے انوار خمسۂ نجبا کو اختراع فرمایا اس طرح کئی دہر گزر گئے

[ایک دہر عام طور پر ایک ہزار برس کا مانا جاتا ہے کیونکہ قدیم دور میں دہر فطرت کو کہتے تھے اور فطرت کے بارے میں ہے کہ ایک ہزار سال کے بعد بدل جاتی ہے اس لئے ایک ہزار سال کے دورانیے کو بھی دہر کہا جاتا ہے]

ان کے بعد اللہ نے عالم الاشیاء کو خلق فرمایا اس کی تخلیق پر اس نے اپنے انوار مطاہرہ علیہم الصلوات والسلام کو گواہ بنایا اور ان کی اطاعت اور حکومت کو ان اشیاء پر واجب قرار دیا جو جو مناسب سمجھا ان کے بارے میں اشیائے مخلوقہ پر واجب قرار دیا اور اس کے بعد ساری مخلوق کے جملہ امور آپ کو تفویض کر دیئے یعنی سونپ دیئے مثلاً حکم و تصرف و ارشاد و امر و نہی کیونکہ یہ اللہ کے ولی الامر تھے اس لئے ولایتِ امر اور ہدایت بھی انہیں سونپی گئی وہ اس کے ابواب اللہ بھی تھے اس کے نائب بھی تھے اور وہی اس کے حاجب بھی تھے اور یہ اختیار انہیں دیا گیا کہ جسے چاہیں حلال فرما دیں اور جسے چاہیں حرام قرار دے دیں اور ان کے بارے میں جو

چاہیں کریں لیکن یہ اللہ کی منشا کے خلاف کچھ نہیں کرتے۔

ایک مرتبہ بنی ہاشم علیھم السلام کے افراد خراسان میں ضامن الغربا علیہ الصلوات و السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؑ نے ان سے دریافت فرمایا کہ کیا آپ باقی لوگوں سے یہ فرماتے ہیں کہ سارے لوگ اس وجہ سے ہمارے غلام ہیں کہ ہم شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے قرابت دار ہیں؟ انہوں نے عرض کیا بیشک ہم یہی فرماتے ہیں

☆ قال لكنا نقول الناس عبيداً لنا فى الطاعة موال لنا فى الدين فليبلغ الشاهد الغائب

فرمایا ہم تو یہ فرماتے ہیں کہ سارے لوگ بلا واسطہ ہماری اطاعت میں غلام ہیں یہ بات ہر موجود اور ہر غائب تک پہنچا دیں یعنی سب کو بتا دینا چاہیے

اس کی شرح میں عرفا رضوان اللہ علیھم فرماتے ہیں کہ

☆طاعتهم اى اوجب و الزم علىٰ جميع الاشياءِ طاعتهم حتىٰ الجمادات والسمايات و الارضيات كما ظهر من شق القمر وا قبال الشجر و تسبيح الحصىٰ و امثالها

فرمایا ان کی اطاعت صرف انسانوں پر واجب نہیں ہے بلکہ ساری مخلوق پر واجب و لازم ہے چاہے وہ جماداتِ سماویہ ہیں یا جماداتِ ارضی و زمینی ہیں جیسا کہ اس کا بارہا مظاہرہ بھی ہوا ہے مثلاً چاند کا دوٹکڑے ہونا، درخت کا استقبال کرنا اور حکم کی تعمیل کرنا سنگریزوں کا ان کے ہاتھوں پر تسبیح کرنا اور اس جیسے ہزاروں مشاہدات ہیں

ان میں ایک فقرہ اہم تھا یعنی فرمایا گیا تھا کہ و فُوِّضَ امر الاشیاٗ الیھم یعنی ہر وہ

چیز جسے شی کہا جا سکتا ہے اس کا معاملہ انہیں سونپ دیا گیا

اب اس فقرے پر کوئی اعتراض کر سکتا ہے اس لئے اس کے بارے میں عرض کروں گا کہ خالق نے ہماری نوعِ ماتحت یعنی نوعِ حیوان کے امور کو ہمارے سپرد کر دیا ہے کہ ہم جو چاہیں ان کے ساتھ رویہ رکھیں یعنی جیسا چاہیں کھلائیں پلائیں

زندہ رکھیں یا ضرورت پر ذبح کریں، ان کی نسل بڑھائیں یا منقطع کریں، انہیں بیچیں یا خود پالیں، صحت مند رکھیں یا بیمار کریں، [جیسا کہ ویکسین بنانے کیلئے گھوڑوں کو بیمار کیا جاتا ہے] چاہے موت دیں یا زندگی، چاہے رزق بڑھائیں یا گھٹائیں، کم از کم مادّی امور میں تو ہمیں یہ اختیارات بخشے ہوئے ہیں اور اس پر ہم یہ کبھی سوچتے تک نہیں کہ ان امور کی تفویض سے اللہ کی الوہیت میں کوئی فرق آتا ہے اور اگر اسی طرح ہم سے جو اعلیٰ نوع ہے اسے ہمارے امور سونپ دیئے جائیں تو اس میں اللہ جل جلالہ کی الوہیت میں کیسے فرق آ سکتا ہے؟

اب یہاں یہ بھی سوچ لیں کہ کیا کسی انسان کو اپنے جانور کیلئے رزق بڑھانے یا گھٹانے میں اللہ سے اجازت کی ضرورت محسوس ہوتی ہے؟

کیا کسی انسان کو اپنی زمین جوتنے کیلئے اللہ جل جلالہ سے پہلے Permission اجازت لینے کی ضرورت ہوتی ہے؟ کیا کوئی انسان اپنی فصل کو پانی دینے نہ دینے کے معاملے میں کسی کی اجازت کا محتاج ہوتا ہے؟ ہر گز نہیں۔

کیونکہ یہ نوعِ اعلیٰ کا فرد ہے اور اس کے امور اسے تفویض کر دیئے گئے ہیں اس لئے اسے کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ جو چاہے خود کر سکتا ہے بس اسی طرح جو ہم سے اعلیٰ نوع کے پاک افراد علیہم الصلوات والسلام ہیں انہیں بھی ہمارے

معاملے میں کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہوتی ہاں وہ اگر کسی موقعے پر کسی کام میں ''باذن اللہ'' کا تتمہ لگاتے ہیں تو تبرکاً لگاتے ہیں ورنہ وہ خود ہی مختار وقادر ہیں

کیونکہ ہم اپنی مملوکہ اشیاء کے معاملے میں کسی کے مشورے کے پابند نہیں ہوتے ان کے خیر وشر کے معاملے کو خود ہی سمجھتے ہیں اور خود ہی پورا کرتے ہیں یہ علیحدہ بات ہے کہ ہم اس خیر وشر کو نہ سمجھ سکیں کیونکہ ہم فطرت کے قوانین سے رابطہ نہیں کر سکتے ہیں اور نہ ہی اپنی ماتحت اشیاء کے مزاج سے کماحقہٗ واقف ہو سکتے ہیں اس لئے ہم ان کی خیر کے بجائے ان کا نقصان کر بیٹھتے ہیں مگر ہم پھر بھی کسی کی اجازت یا مشورے پر مجبور نہیں ہیں ہاں جن کا علمِ لدّنی مخزنِ علم اِلٰہی ہو ان کیلئے یہ مسائل نہیں ہیں اس لئے وہ ہماری مصلحتوں سے واقفیت کی بنیاد پر ہمیشہ قانونِ فطرت وقوانینِ قدرت کے ماتحت رہ کر کام کرتے ہیں اسی لئے ان کے بارے میں فرمایا گیا ہے

☆مَا تَشَاؤُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ ہر صاحبِ عقل وشعور ہمیشہ کام کو اُس کی افادیت اور اس کی اعلیٰ ترین صورت میں انجام دینا واجب سمجھتا ہے کیونکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ اگر ایسا نہیں کرتا تو یہ اس کی اپنی توہین ہے کیونکہ کسی اعلیٰ شخصیت کیلئے گھٹیا اور جاہلانہ کام کرنا اس کے خلافِ شان ہوتا ہے کیونکہ اس سے اس کی اپنی عقل مندی پر حرف آتا ہے اسی طرح جو نوعِ اعلیٰ وعلویہ سے تعلّق رکھنے والے پاک افراد علیھم الصلوات والسلام ہیں ان کیلئے بھی خلافِ مصلحت کوئی کام کرنا شائستہ نہیں ہے اس لئے وہ اپنے اختیارات کو اپنی اعلیٰ ترین قدروں کو سامنے رکھ کر استعمال فرماتے ہیں اور

خود کو ہمیشہ اعلیٰ ترین قدروں کا پابند رکھتے ہیں مگر اس بات سے انہیں مجبور ثابت کرنے کی سعیِ مذمومہ ہو رہی ہے یہ بھی سراسر ظلم عظیم ہے کیونکہ کسی کا جھوٹ نہ بولنا خوبی ہے اور کسی کا جھوٹ نہ بول سکنا ایک مجبوری ہوتا ہے خوبی نہیں کہلاتا اس لئے عرض کروں گا کہ مَا تَشَاؤُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ سے کوئی انہیں مجبور ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے یا انہیں اپنے افعال و معجزات کا فاعلِ مضطر ثابت کرنے کی سعی مذمومہ کرتا ہے تو یہ اس کی عقل دشمنی ہے یا اس پاک گھر سے عداوت کی وجہ سے ہے دوستو! اب یہ تو آپ سمجھ چکے ہیں کہ ہر نوعِ اعلیٰ کو اپنے انواعِ ماتحتہ پر قدرت و تصرف و اختیار حاصل ہوتا ہے اب میں اس لمبی تمہید کے بعد اپنے مقصد کی طرف آتا ہوں جیسا کہ میں نے پہلے گذارش کی تھی کہ ہمارے شہنشاہِ زمانہ عجل الله فرجه الشريف کا اسم مبارک ہے

ذوالقدرة الجامعه عجل الله فرجه الشريف یعنی جملہ قدرتوں کے مجموعے کے مالک

دیکھئے نوعِ جمادات پر نوعِ نباتات کو اختیار و قدرت و حقِ تصرف حاصل ہے

اسی طرح نوعِ نباتات و جمادات پر نوعِ حیوانات کو اختیار و قدرت و حقِ تصرف حاصل ہے ۔ اسی طرح نوعِ جمادات و نباتات و حیوانات پر نوعِ انسان کو اختیار و قدرت و حقِ تصرف حاصل ہے آپ نے اس سلسلے کو دیکھا ہے کہ جیسے جیسے نوع بلند ہوتی جا رہی ہے نیچے والے انواع کی قدرتیں اور تصرفات اس میں جمع ہوتے جا رہے ہیں اب جو ذات پاک علیہ الصلوات و السلام سب سے اعلیٰ نوع سے تعلّق رکھتی ہو گی اس میں بھی سارے انواع کی قدرتیں جمع ہو جائیں گی یا نہیں؟ کیونکہ یہ پورا سلسلہ یہی بتا رہا ہے اب اس نتیجے سے انحراف کرنا دانش مندی نہیں ہو گا

میں نے آپ کو ایک کلید دے دی ہے اب یہ آپ کو سوچنا ہے کہ کس کس چیز سے اس پاک خاندان علیہ الصلوات و السلام کی نوع اعلیٰ ہے بس اسی پر ان کی حکومت وتصرف و قدرت کو جاری سمجھتے چلے جائیں

اب یہاں ایک بات عرض کروں گا وہ یہ ہے کہ انسانیت کی ہدایت کیلئے جتنے بھی ہادیؑ یہاں تشریف لائے ہیں کسی نے بھی اپنی قدرتِ کاملہ کا کبھی ذرّہ بھر مظاہرہ نہیں کیا ہے ہاں اس کا مظاہرہ ہمارے شہنشاہِ زمانہ ذوالقدرۃ الجامعہ عجل اللہ فرجہ الشریف کو فرمانا ہے

یہاں یہ بھی عرض کرنا ہے کہ قدرت کئی قسموں کی ہوتی ہے مثلاً قدرتِ کلام قدرتِ فن، قدرتِ تصرف، قدرتِ تکوین، قدرتِ تدبر، قدرتِ تقدر، قدرتِ تغیر وغیرھا اور جو قدرتِ جامعہ کا مالک ہوگا وہ ان ساری قدرتوں کا جامع ہے وہ ان ساری قدرتوں سے آراستہ ہے اور وہ ان ساری قدرتوں کا مظاہرہ اپنی ذات سے نہیں کرے گا بلکہ وہ یہ قدرتیں جسے چاہے گا تفویض فرمائے گا ان کے گولڈن دور میں یہ ساری قدرتیں ان کی رعایا کو حاصل ہوں گی موت وحیات تک پر ان کو اختیار دے دیا جائے گا کیونکہ انسان کو حقیقی طمانیتِ قلب کا حصول اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک اس کا وہ خود تجربہ نہ کرے یعنی ایک انسان کو جب بجلی کا کرنٹ لگتا ہے تو اسے اس کے احساسات کا تجربہ ہوتا ہے اس لئے جو شخص خود ان ساری قدرتوں کو استعمال کر کے دیکھ لے وہی کامل ہوگا ورنہ اس کے ذہن کے کسی نہ کسی گوشے میں کوئی کمی ضرور رہ جائے گی اس لئے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف نے ان سب قدرتوں کا تجربہ کروا کے انہیں کامل بنانا ہے

آیئے ہم دعا کریں کہ وہ زمانہ جلدی آئے کہ جب ساری دنیا کے مومنین اوّلین و آخرین کے منتظرین اپنے مالک کے دورِ حکومت کو پائیں اور اپنی ازلی تمناؤں کی تکمیل ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور وہ حقائق انوار کو تجرباتی طور پر سمجھ کر کامل ہو جائیں

آمین یارب العالمین

اللھم صل علیٰ محمدؐ وآل محمدؐ و عجل فرجھم بقائمھمؑ صلوات اللہ علیہ والسلام

یا ھو یا من ھو لا ھو الا ھو الحی القیوم یا ھو یا من لا یعلم ما ھو الا ھو الحی القیوم العلی العظیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک

مَن لَم یَجعَلَ اللّٰہُ لَہٗ شَبِیھاً

عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه

الحمد لله رب العالمین و صل علیٰ محمدؐ و آلہٖ اجمعین خصوصاً علی حجة الله فی العالمین عجل الله فرجه الشریف و آبائه المعصومین و امهاته الطاهرین الطیبین صلوات الله علیهم اجمعین و لعنة الله علیٰ اعدائهم اجمعین من یوم الازل الی یوم الدین

اے غواصانِ قعرعرفان!

مجھے خود معلوم نہیں کہ ہم اسمائے مبارکہ کی تشریحات کے سفرِ معراج میں کون سے فلک سے گزر رہے ہیں فی الحال تو آنکھیں بند کر کے سفر جاری رکھنا پڑ رہا ہے کیونکہ گننے سے سفرِ عرفان کا مزا کرکرا ہو جاتا ہے اس لئے ہم اس سفر کو جاری رکھتے ہیں اور آپ میرے قدم بہ قدم چلتے رہیں گے تو ایک دن منزلِ مقصودِ کائنات عجل الله فرجه الشريف کو پا لیں گے

آیئے اپنا سفر شروع کریں

دوستو! شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے چھ سو اسمائے مبارکہ میں سے آج کا جو

عنوانیہ اسم مبارک ہے وہ ہے

مَن لَم یَجعَلَ اللّٰہ ُلَہٗ شَبِیهًا عجل الله فرجه الشريف

یعنی وہ ذات جس کی اللہ عزوجل نے کوئی شبیہ بنائی ہی نہیں

آپ نے اس اسم مبارک میں دیکھا ہوگا کہ ایک ہی لفظ ایسا ہے کہ جس کی وضاحت ضروری ہے کیونکہ وہی لفظ ہی اس سارے اسم مبارک کا مفہوم کے لحاظ سے اہم لفظ ہے اور وہ ہے ''شبیہ''

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ شبیہ ہوتی کیا ہے؟

اگر ہم لغت کو دیکھتے ہیں تو اس میں شبیہ کے تیس کے قریب معانی لکھے ہوئے ہیں اگر ان پر بات چل نکلی تو پھر ہم اپنی منزل بیان تک نہیں پہنچ سکیں گے اس لئے صاحبان مفردات کا قول نقل کرکے آگے بڑھیں گے وہ فرماتے ہیں کہ

شبہ ...... الشِّبہُ وَالشَّبَہُ وَالشَّبِیہُ حَقِیتُهَا فِی المُمَاثِلَةِ مِن جِهَةِ الکَیفِیةِ کَاللَّونِ وَ الطَّعمِ وَ کَالعَدَالَةِ وَ الظُّلمِ وَالشُّبهَةُ هُوَ اَن لا یَتَمَیَّزَ اَحَد الشَّیئَینِ مِنَ الآخِرِ لِمَا بینَهُمَا مِنَ التَّشَابُہِ عَیناً کَا نَ اَو مَعنَی ( )

شبہ کے صدر سے نکلنے والے سارے الفاظ کی حقیقت ایک ہے اس کے معنی ہیں دراصل، مماثلت، ایک دوسرے میں مشابہت، اس میں مشابہت چاہے کیفیت کے لحاظ سے ہو جیسا کہ رنگ میں یا کھانے میں ہو یا صفات میں ہو جیسا کہ ظلم یا عدالت میں مشابہت ہو اور جن دو چیزوں میں سے کوئی ایک دوسرے سے تمیز نہ ہو سکے معنی کے لحاظ سے یا ذات کے لحاظ سے وہ شبیہ کہلاتی ہے

دوستو! یہاں صرف ایک بات کو ذہن میں رکھ لیا جائے تو شبیہ کے معنی معلوم ہو جاتے

ہیں اور وہ یہ ہے کہ جب دو چیزوں کو دیکھ کر ایسا لگے کہ ان میں ایک جیسا پن موجود ہے تو ان میں سے ایک اصل ہوگی اور ایک اس کی شبیہ ہوگی

جب ہم کائنات کا مشاہدہ کرتے ہیں تو کائنات میں جتنے موجودات ہیں ان کی شبیہ کسی نہ کسی طرح اس کائنات ہی میں ضرور موجود ہے ، سچ تو یہ ہے کہ دنیا میں مشابہتوں کا ایک سمندر موجزن ہے اور انسان کی بھی یہ مجبوری ہے کہ وہ ان دیکھی چیزوں کو تشبیہ و مشابہتوں کے حوالے سے سمجھ سکتا ہے ورنہ نہیں سمجھ سکتا اس کائنات کے بنانے والے نے اس دنیا میں مشابہت کو وافر مقدار میں قائم رکھا ہے یعنی ہر چیز کسی نہ کسی طرح سے ہر دوسری چیز کی شبیہ ہے

مگر ہمارے امام زمانہ عجل الله فرجه الشريف کے بارے میں ہے کہ خود اللہ جل جلاله نے ان کی شبیہ کسی کو قرار دیا ہی نہیں

شباہت Resemblance کا جب ہم گہری نگاہ سے جائزہ لیتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ شبیہوں Images کے کئی اقسام ہیں جیسا کہ

() شباہتِ صوری () شباہتِ لونی () شباہتِ صفاتی () شباہتِ جسمانی () شباہتِ خَلقی () شباہتِ خُلقی () شباہتِ منطقی () شباہتِ کلامی () شباہت معنوی وغیرہ

اس شباہت کی لاتعداد اقسام ہیں بس آپ یوں سمجھ لیں کہ جب بھی کسی چیز کی یا فرد کی کوئی بھی چیز کسی سے ملتی جلتی ہو اس پر شباہت کا لفظ جم جائے گا

اس کے بعد شباہت کے کئی درجات ہوتے ہیں یعنی کوئی کس سے کتنے فی صد مشابہہ ہے

شبیہ بھی شباہت سے ہے یعنی کسی کا کسی سے مشابہ ہونا، Duplicate ہونا، نقل ہونا، کاپی ہونا، ہی شبیہ ہونا ہے اور اس کی بھی کئی حالتیں ہیں مثلاً

شبیہِ صوری [شکل کا کسی سے مشابہہ ہونا]

شبیہِ صفاتی [کسی کی صفات کا کسی کی صفات سے مشابہہ ہونا]

شبیہِ واقعاتی [کسی کے واقعات کا کسی کے واقعات سے مشابہ ہونا]

اب یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں پہلا یہ کہ کیا اللہ جل جلالہ نے کسی نبی کی کوئی شبیہ بنائی ہے؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا کسی مقدّس ذات کی شبیہ کسی غیر کو بنایا جا سکتا ہے؟

ان دونوں سوالوں کے جواب کیلئے ذرا زمانۂ ماضی میں زقند لگا کر دیکھیں ایک اللہ جل جلالہ کا نبی ہے اور روح اللہ ان کو خطاب ملا ہوا ہے، یہودی ان کے درپئے آزار ہیں انہیں گرفتار کر کے صلیب پر چڑھانا چاہتے ہیں مگر اللہ بچانا چاہتا ہے واقعہ یہ ہے کہ یہودیوں نے انہیں گرفتار کر لیا اور صلیب پر لٹکا دیا

اس واقعے کی واقعیت یہ ہے کہ جو یہودیوں کا سرغنہ تھا اسے خالق نے جناب عیسٰی علیہ السلام کی شبیہ بنا دیا اور یہودیوں نے اسی کو صلیب پر لٹکا دیا اور خالق نے سورہ النسا میں فرمایا مَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِن شُبِّهَ لَهُم کہ انہیں نہ تو قتل کیا گیا ہے نہ ہی صلیب پر لٹکایا گیا بلکہ لٹکنے والی جناب عیسٰی علیہ السلام کی شبیہ تھی اس میں آپ نے دیکھا کہ ایک تو اللہ جل جلالہ نے ایک نبی کی شبیہ بنائی اور اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اللہ جل جلالہ نے ایک کافر کو ایک نبی کی شبیہ بنایا

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہاں تو اللہ نے ایک غیر مومن کو اپنے نبی کی شبیہ

بنایا تھا اگر انسان بھی کسی غیر مومن یا مومن کو کسی نبی کی شبیہ بنائے تو اللہ کے نزدیک اس کا کیا مقام ہوتا ہے؟

اس کے جواب کیلئے ماضی کا ایک جھروکا کھول کر دیکھیں۔ فرعون کا دربار آراستہ ہے اوراس دربار میں فرعون رعمیسس اوّل تخت پر بیٹھا ہوا ہے اورایک مسخرہ ہے جو فرعون کو خوش کرنے کیلئے اس کے تخت کے سامنے کھڑا ہوا ہے اہل دربار کرسیوں پر بیٹھے ہوئے ہیں اور وہ مسخرہ جناب موسیٰ علیہ السلام کی شبیہ بنا ہوا ہے اوراس نے جناب موسیٰ علیہ السلام جیسا لباس پہن رکھا ہے اوراس کے ہاتھ میں عصا ہے وہ جناب موسیٰ علیہ السلام کی طرح زبان میں لکنت پیدا کر کے باتیں کرتا ہے اوران کی ایک ایک بات کی نقل کر رہا ہے ادھر اہل دربار کا یہ حال ہے کہ ہنس ہنس کر ان کے پیٹ میں بل پڑ رہے ہیں ہر کوئی ہنستا ہے خود فرعون تخت پر ہنسی سے لوٹ پوٹ ہے وہ مسخرہ جناب موسیٰ علیہ السلام کی شبیہ بنا ہوا ہے۔ پھر چشم فلک نے یہ منظر دیکھا کہ فرعون کا لشکر قعر نیل میں ڈوب چکا ہے اور بنی اسرائیل نے اس لشکر کے ڈوبنے پر سکھ کی سانس لی جب سارے ڈوب چکے تو جناب موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ دریا کے دوسرے کنارے پر ایک شخص اپنے کپڑے نچوڑ رہا ہے اور وہ زندہ سلامت بچ گیا ہے انہوں نے سوچا کہ ہم جا کر تو دیکھیں کہ یہ کون ہے جو اس عذاب سے بچ گیا ہے جب انہوں نے دریا کے کنارے پر جا کر دیکھا تو وہی مسخرہ دریا کے کنارے ٹہل رہا ہے اور غرق ہونے سے بچ گیا ہے تو انہوں نے عرض کیا خالق تو نے اپنے دشمن تو ہلاک کر دیے ہیں مگر یہ ظالم میری نقلیں اتارتا تھا میرا دشمن تھا اسے بچا لیا ہے آخر کیوں؟؟

جواب ملا اسی لئے تو بچا لیا ہے کہ یہ اگرچہ کافر تھا مگر میرے کلیم کی شبیہ تو بنتا تھا یہاں عرض کرنا مناسب لگتا ہے کہ جو لوگ شبیہوں کے خلاف بات کرتے ہیں وہ اس بات پر خود غور کرلیں شاید کوئی مثبت سوچ پیدا ہو جائے۔

دوستو! اللہ جل جلالہ نے شبیہ بنانے کا خود ہی آغاز فرمایا ہے اور خود ہی شبیہ بنانے کا شوق دلایا ہے اس کیلئے بہت سی مثالیں موجود ہیں مثلاً

معراج پر سرورکونین صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے امیر المومنینؑ علیہ الصلوات و السلام کی شبیہ دیکھی تو پوچھا یہ یہاں کیسے؟

بارگاہ اِلٰہی سے جواب ملا ملکوت کی خواہش تھی کہ ان کی زیارت کا ثواب ہمیں بھی ملے اس لئے آسمانوں پر ایک فرشتے کو ان کی شبیہ بنا دیا گیا

اب اہل سما اس شبیہ کی زیارت کو آتے ہیں اور وہ زیارت تو شبیہ کی کرتے ہیں لیکن اس شبیہ کی زیارت کو امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام کی زیارت تصور کیا جاتا ہے اور انہیں وہی ثواب ملتا ہے کہ جو امیر المومنینؑ علیہ الصلوات و السلام کی زیارت سے مل سکتا تھا

[خلاصہ]

[اس روایت کو صاحبِ اصول الشریعہ نے بھی لکھا ہے]

اس سے ثابت ہوا کہ اللہ نے ایک ملک کو امیر المومنینؑ علیہ الصلوات و السلام کی شبیہ قرار دیا ہے اب ملکوت جو رویّہ اس شبیہ کے ساتھ اختیار کرتے ہیں وہ بلا واسطہ امیر المومنینؑ علیہ الصلوات و السلام سے قرار دیا جاتا ہے

اس روایت سے یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ اللہ جل جلالہ کا قانون بھی یہی ہے کہ شبیہ کے ساتھ رکھا جانے والا رویّہ بھی اصل کے ساتھ رویّے کے برابر ہے

اگر کوئی شبیہ کی عزت کرتا ہے تو گویا اس نے اصل کی عزت کی ہے اگر شبیہ کی بے حرمتی کرتا ہے تو اصل کی بے حرمتی کے مترادف ہے

اب اس روایت کو لکھنے والے خود بھی سوچیں کہ کریم کربلاعلیہ الصلوات و السلام کے روضۂ اطہر کی شبیہ کے ساتھ کیا رویّہ رکھنا چاہیے؟

کیا روضۂ اطہر کی شبیہ کے پاس جوتے پہن کر جانا جائز ہے؟ کیونکہ کوئی بھی شخص روضۂ اطہر کے اندر جوتے پہننے کو جائز نہیں سمجھتا بلکہ کفش داری [جہاں عوام جوتے اتارتے ہیں] کے اوپر کسی مرجع اعظم کے حکم سے یہ آیت لکھی گئی تھی

☆ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى یہ بھی انہیں سوچنا چاہیے کہ امام علیہ الصلوات و السلام کے روضۂ اطہر کو سجانے سے کسی بھی مرجع نے نہیں روکا اس دور میں وہی لوگ شبیہوں کو سجانے سے روک رہے ہیں جو اپنے علمائے کرام کے روضے بھی بنوا رہے ہیں اور ان پر اربوں روپے خرچ کر کے نہیں سوچتے کہ کیا یہاں خرچ کرنا ☆إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ کے دائرے میں تو نہیں آتا ہے؟

حالانکہ عام لوگوں کی قبروں کے بارے میں مستحب یہ ہے کہ وہ کچی ہوں اور ہموار ہوں ان پر آرائش نہ کی جائے مگر ان پر اربوں روپے خرچ ہوتے ان کو نظر نہیں آتے اور اگر کوئی شہنشاہ کربلا محسنِ خلق و خلاق علیہ الصلوات و السلام کے روضۂ اطہر کی شبیہ پر دو چار ہزار روپے لگا بھی دے تو وہ میدانِ جنگ کی توپوں کی طرح فتوے اگلنا شروع کر دیتے ہیں

میں ان الفاظ کیلئے معذرت چاہوں گا کیونکہ اس میں تھوڑی سی جارحیت آ گئی تھی ورنہ ہے یہ حق- اب کوئی مانے یا نہ مانے ان کی مرضی

میں اپنے ماتمدار اور عزادار بھائیوں سے یہی گذارش کروں گا کہ تم جو رویّہ شہنشاہ کربلا علیہ الصلوات و السلام کے روضۂ اطہر کے ساتھ رکھنا جائز سمجھتے ہو وہی رویّہ وہی ادب وہی احترام وہی تعظیم ان کے جملہ شبیہات کو دیا کرو، ورنہ لاعلمی میں گستاخی ہوجائے گی [یہ باتیں ضمناً آ گئی تھیں جو میں نے عرض کردی ہیں اب واپس اپنے موضوع پر جاتے ہیں]

میں عرض کررہا تھا کہ اللہ نے بھی شبیہوں کو رواج دیا ہے مگر اس نے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی شبیہ کسی کو قرار نہیں دیا ہاں یہ تو ہے کہ اللہ جل جلالہ نے ہمارے شہنشاہ معظم امامِ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کو انبیا ماسلف علیہم السلام کی شبیہ بنایا ہے مگر ان کی شبیہ کسی کو نہیں بنایا جیسا کہ کتب غیبت میں کئی طریق سے کئی احادیث ہیں کہ جن میں فرمایا گیا ہے کہ ہمارے آخری شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کئی انبیا علیہم السلام کی شبیہ ہیں مثلاً

( ) جناب آدم علیہ السلام کی شبیہ بھی انہیں قرار دیا گیا ہے

جب کسی نے دریافت کیا کہ وہ شباہت کس حوالے سے ہے تو فرمایا گیا فطول العمر یعنی طویل ترین عمر کی وجہ سے وہ شبیہِ جناب آدم علیہ السلام ہیں

( ) ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کو جناب نوح علیہ السلام کی شبیہ بھی قرار دیا گیا ہے اور اس میں کئی شباہتوں کا ذکر ہے مثلاً

مومنین کے ساتھ جو وعدۂ نجات ہوا ہے اس میں عرصے کی طوالت میں بھی شباہت ہے

جناب نوح علیہ السلام کے یوم نجات کے بعد کوئی غیر مومن باقی نہ رہا تھا اس بات میں

بھی مشابہت ہے

() ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کو جناب ابراہیم علیہ السلام کی شبیہ بھی قرار دیا گیا ہے اور ان میں اعتزال عن الناس کی وجہ سے مشابہت ہے یعنی جس طرح وہ لوگوں سے علیحدہ ہو گئے تھے اسی طرح یہ بھی ظاہراً Public Dealing سے دست کش ہو جائیں گے اپنے فرائض منصبی سے نہیں

() ہمارے شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف جناب موسیٰ علیہ السلام کی بھی شبیہ قرار دیئے گئے ہیں اس کے بارے میں دریافت ہوا تو فرمایا گیا

خفا مولد و فالخوف والغیبۃ

جیسا کہ جناب موسیٰ علیہ السلام کے ظہور کو مخفی رکھا گیا تھا اسی طرح ان کے ظہور کو بھی مخفی رکھا گیا تھا جس طرح وہ مصر سے بہت دکھی ہو کر نکلے تھے اسی طرح یہ بھی اپنے بابا پاک علیہ الصلوات و السلام کے بعد اپنے گھر سے بہت دکھی ہو کر روانہ ہوئے تھے

جس طرح فرعون ان کے ظہور میں مانع و رکاوٹ بن رہا تھا اور انہیں شہید کرنے کے درپئے تھا اسی طرح فراعنۂ بغداد بھی [نصیب دشمناں] ان کے درپئے قتل تھے وہ دشمن بھی ناکام ہوا تھا اور یہ بغدادی ملعون بھی ناکام ہوئے

جس طرح جناب موسیٰ علیہ السلام کو غائب ہونا پڑا تھا انہیں بھی غائب ہونا پڑا یہاں ان کے واقعات کو تفصیل سے بیان نہیں کر سکتا صرف اشارتاً کچھ نہ کچھ عرض کر رہا ہوں

() ہمارے شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف کو جناب یوسف علیہ السلام کی شبیہ بھی قرار دیا گیا ہے اور اس شباہت کے بارے میں فرمایا گیا کہ غیبتہ کغیبۃ یوسف علیہ

السلام ان کی غیبت جناب یوسف علیہ السلام کی غیبت کی طرح ہے

ایک اور مقام پر فرمایا

فالستر یجعل الله بینه و بین الخلق یرونه ولا یعرفونه

جناب یوسف علیہ السلام سے ان کی ایک مشابہت اس حوالے سے بھی ہے کہ جس طرح اللہ جل جلالہ نے جناب یوسف علیہ السلام اور مخلوق کے درمیان ایک پردہ ڈال دیا تھا کہ لوگ انہیں دیکھتے تھے مگر پہچانتے نہ تھے اسی طرح ہمارے لخت جگر عجل اللہ فرجہ الشریف کی بھی عام لوگ زیارت تو کرسکیں گے مگر انہیں پہچان نہ سکیں گے جب تک کہ وہ خود نہ چاہیں گے

عربی میں حجاب اور ستر میں یہ فرق ہوتا ہے کہ حجاب جامع ہوتا ہے مگر ستر ہمیشہ دیکھی جانے والی چیز پر ڈالے ہوئے پردے کو کہتے ہیں جیسا کہ عورت کو مستور اس لئے کہتے ہیں اس پر پردہ پڑا ہوا ہوتا ہے نہ کہ دیکھنے والے پر پردہ ڈالا جاتا ہے اس لئے یہاں یہ فرمایا جارہا تھا کہ ان کی ذات پر پردہ ہوگا جس کی وجہ سے مخلوق انہیں دیکھ تو سکے گی مگر پہچان نہ سکے گی

جناب یوسف علیہ السلام کو اہل مصر بھی نہ پہچان سکے اور اہل کنعان بھی نہ پہچان سکے اور خود ان کے بھائی بھی نہ پہچان سکے جب تک کہ انہوں نے خود اپنا تعارف کروانا نہیں چاہا

ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی غیبت جناب یوسف علیہ السلام کی غیبت کی طرح ہے، اسی نوعیت کی ہے کہ اپنے مابین موجود ہوتے ہوئے بھی ہم انہیں نہیں پہچان سکتے ہیں ہاں جسے چاہتے ہیں اپنی پہچان کروادیتے ہیں

جناب یوسف علیہ السلام سے ایک اور شباہت بھی ہے اس کے بارے میں فرمایا گیا ہے و یصلح اللہ عزوجل امرہ فی لیلۃ واحدۃ اوران کے امر کو بھی اللہ تعالیٰ ایک رات میں سنبھال لے گا جیسا کہ جناب یوسف علیہ السلام رات کو زندان میں تھے اور صبح کو تخت مصر پر تھے

اسی طرح یہ جناب رات کو جب مکہ میں تشریف لائیں گے تو تنہا ہوں گے کوئی ساتھ دینے والا نہ ہوگا مگر اسی رات کا جب دن طلوع ہوگا تو حکومت اِلٰہیہ کا اظہار فرما دیا جائے گا

( ) جناب خضر علیہ السلام سے مشابہت کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ ایک تو ان کے طول عمر کی وجہ سے مشابہت ہے

دوسری مشابہت اس وجہ سے ہے کہ جہاں بھی جناب خضر علیہ السلام کا نام لیا جائے وہ وہاں موجود ہو جاتے ہیں اس لئے حکم ہے کہ جب بھی ان کا نام لو تو انہیں فوراً سلام کرو کیونکہ وہ وہاں موجود ہوں گے

اسی طرح ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کا جہاں بھی نام پاک لیا جاتا ہے وہ وہاں پہلے ہی سے موجود ہوتے ہیں

( ) ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کو شبیہ جناب ایوب علیہ السلام بھی فرمایا گیا ہے اور اس کی وجہ یہ فرمائی گئی ہے فالفرج بعد البلویٰ یعنی بہت مصائب اور آلام کے بعد دوبارہ شہنشاہیت کا حصول ہوگا

اس کے بارے میں اور کیا کہا جا سکتا ہے آپ خود فرماتے ہیں

ابکین لک بدل الدموع دماً کہ ہم صبح شام خون کے آنسو بہا رہے ہیں اور یہ

سلسلہ ایک دو برسوں کا نہیں صدیوں پر محیط ہے اب جب ان کی حکومت اِلٰہیہ کا ظہور ہو گا تو وہ سلسلہ بھی لا متناہی ہو گا

( ) ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کو جناب داؤد علیہ السلام کی شبیہ بھی قرار دیا گیا ہے اس کے بارے میں ہے کہ وہ فیصلے جناب داؤد علیہ السلام کی طرح کریں گے یعنی جس طرح جناب داؤد علیہ السلام اپنے فیصلے کیلئے کسی گواہ کو طلب نہیں کرتے تھے بلکہ علمِ نبوّت کے حوالے سے فیصلہ فرماتے تھے اسی طرح یہ بھی نہ گواہ طلب کریں گے اور نہ ہی کوئی ثبوت مانگیں گے بلکہ اپنے علم اِلٰہی کے حوالے سے فیصلہ فرمائیں گے

ایک بات یہاں عرض کرتا چلوں کہ انبیائے ماسلف علیہم السلام میں سے کسی کو علم اِلٰہی کے حوالے سے فیصلہ کرنے کی اجازت نہ تھی بلکہ حکم تھا کہ ظاہری شریعت کے مطابق فیصلہ فرمائیں حتیٰ کہ شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو بھی یہ اجازت نہ تھی کہ وہ علم نبوّت و علم اِلٰہی کو بروئے کار لا کر فیصلہ فرمائیں بلکہ انہوں نے ہمیشہ ظاہری شریعت کے مطابق فیصلے فرمائے انہوں نے ہمیشہ رواج کے مطابق اسی طرح مدّعی سے گواہ طلب کئے اور مدّعا علیہ سے قسم لی اور فیصلہ فرمایا یہاں تک کہ ذاتی معاملات میں بھی غیروں کو حکم [ثالث] بنا کر فیصلے کروائے جیسا کہ ایک شخص نے آپ پر رقم کا دعویٰ کیا اور کہا آپ نے مجھ سے ایک ناقہ خریدا تھا اور اس کے پیسے ادا نہیں فرمائے تھے اس پر آپ نے خلفا سے فرمایا کہ آپ فیصلہ کریں تو سب نے عرض کیا کہ اس کا دعویٰ ثابت ہے یعنی ناقہ کا لینا آپ تسلیم فرماتے ہیں مگر آپ کا دعویٰ ثابت نہیں ہے کیونکہ آپ کی ادا شدہ رقم تسلیم نہیں ہے اس لئے قانونِ شرع کے مطابق آپ کو گواہ پیش

کرنا ہوں گے

اس پر امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام نے فرمایا کہ عام حالات میں تو یہ فیصلہ درست تھا مگر اس میں منصب نبوّت بھی شامل ہے اس لئے اس کا فیصلہ ہم فرمائیں گے یہ فرما کر اس ملعون کی گردن اڑا دی اس پر بہت شور مچا تو آپ نے فرمایا کہ آپ اسے تو دیکھ رہے تھے مگر اس کے جرم کو نہیں دیکھ رہے تھے کیونکہ وہ اللہ کے نبیؐ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نعوذ باللہ تکذیب کر رہا تھا اور تکذیب کرنے والوں کی گردن اڑانا ہی درست فیصلہ ہے

اس سے ثابت ہوا کہ آپ بھی علم نبوّت کے لحاظ سے فیصلے نہیں فرماتے تھے بلکہ عام ظاہری شریعت کے پراسس Process کو پورا ضرور فرماتے تھے

انبیا ما سلف علیہم السلام میں سے اگر کسی کو علم نبوّت کے پیش نظر فیصلوں کی اجازت بخشی گئی تھی تو وہ صرف جناب داؤد علیہ السلام تھے اور انہیں اس لئے یہ اجازت ملی تھی کیونکہ انسان کی فطرت کو سمجھنے والی ذات جانتی تھی کہ انسان چاہے کتنی ہی ترقی کر لے مگر وہ دین کے معاملے میں ماضی پرست ہی رہتا ہے اور ماضی ہی سے درست نادرست کی سند لیتا ہے اس لئے جناب داؤد علیہ السلام سے ایک رسم نکالی گئی تاکہ آخری دور میں کوئی اعتراض نہ کر سکے کہ کس قسم کے فیصلے ہو رہے ہیں کہ نہ گواہ مانگے گئے اور نہ کسی سے قسم لی گئی اور گردن صاف کر دی گئی

یہ بات نہیں بھولنا چاہیے کہ جملہ انبیا علیہم السلام سے ان کی جتنی شباہتیں ہیں وہ ذاتی نہیں بلکہ صفاتی ہیں اور وہ بھی کسی ایک صفت میں شباہت ہے نہ کہ کلّی شبیہ ہیں

شباہت ذاتی

()اب وہ مقام شباہت ہے کہ جو صرف شباہت ہی نہیں بلکہ ایک طرح کی واحدیت ہے یعنی شہنشاہ انبیاصلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے بھی ان کی شباہت کا ذکر ہوا ہے اس موضوع پر تیس سے زیادہ احادیث ہیں کہ آپ اپنے جدِّ اطہرصلی اللہ علیہ و آلہ و سلم سے ہمہ پہلو مشابہت رکھتے ہیں یعنی ان کی مکمل شبیہ ہیں اور یہی ان کی شباہت ذاتی و صفاتی ہے نہ کہ صرف صفاتی

شہنشاہ انبیاصلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے جناب عمار یاسر سے فرمایا تھاھو اشبہ الناس بی وہ شہنشاہ ساری دنیا سے زیادہ مکمل ہماری شبیہ ہیں

شہنشاہ امیرالمومنین علیہ الصلوات و السلام کا ایک خطبہ جو جناب اصبغ بن نباتہ کے حوالے سے منقول ہے اس میں بھی یہی فرمایا گیا تھا

الا انہٗ اشبہ الناس خُلقاً و خَلقاً و منطقاً وحُسناً برسول اللہ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم

یہ شباہت ذاتی ہے کیونکہ فرمایا گیا ہے کہ وہ شہنشاہ انبیاصلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی کامل و اکمل شبیہ ہیں خلق میں اور اخلاق میں بھی یہ ان کے اخلاق حسنہ کی مکمل شبیہ ہیں اور یہ تخلیوی نقطۂ نگاہ سے بھی عین وہی نور ہیں کہ جو شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کا نور تھا اور نطق میں بھی یہ ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحی' کے مصداق ہیں اور ظاہری شباہت Resemblance میں بھی ان کے حسنِ ازل کا کامل مرقع ہیں اور یہ شہنشاہ انبیاصلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی طرح جب خروج فرمائیں گے تو ان کا خروج بالسیف ہوگا

ویسے تو سارے معصومین علیہم الصلوات و السلام شہنشاہ انبیاصلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی شبیہ ہیں

جیسا کہ پاک حسنینؑ شریفین علیہما الصلوات والسلام کے بارے میں واضح ارشاد ہے کہ یہ شبیہ پیغمبرانام صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم ہیں بس یوں سمجھ لیں کہ یہ مکمل سلسلہ ہی شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی ذاتی شباہت کا ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے 1981 میں ماہ رمضان کی مجالس میں شہزادہ علی اکبر علیہ الصلوات و السلام کے بارے میں دس تقاریر کیئے تھے اس میں شہنشاہ کربلا علیہ الصلوات و السلام کے اس فقرے کے بارے میں بتایا تھا کہ جب آپ نے اپنے لخت جگر علیہ الصلوات و السلام کو رخصت فرماتے ہوئے فرمایا تھا

اللهم اشهد على هولاء القوم فقد برز اليهمً غلام اشبه الناس برسولك خلقاً

کہ ہم اس شہزادے کو جنگ پر بھیج رہے ہیں کہ جو خلق و اخلاق میں اور تخلیق اور نطق میں مکمل شبیہ پیغمبرانام صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ہیں

اخلاق سے شباہت صفاتی ثابت ہے، تخلیق سے شباہیت ذاتی ثابت ہے اور نطق سے توما ينطق عن الهوا کا مصداق ثابت کر دیا گیا

اس میں راز یہ تھا کہ کوئی اس پاک خاندان کے افراد کو ذاتی اعتبار سے شبیہ نہیں مانتا تھا اس لئے عام لوگوں نے اس فقرے سے شباہت صفاتی ہی مراد لی ہے اور فاضل صاحبِ سعادت دارین نے بھی اس فقرے کو نقل کیا ہے

حقیقت یہ ہے کہ شباہت صوری تو دشمن بھی مانتا تھا اللہ کو صرف اس لئے گواہ بنایا گیا ہے کہ وہی در پردہ رازوں سے واقف تھا

اسی طرح ہمارے امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے بارے میں بھی حدیث موجود ہے کہ وہ بھی خلق وخلیق ونطق وحسن میں شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی اکمل شبیہ ہیں

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ جناب عجل اللہ فرجہ الشریف خود شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی اکمل شبیہ ہیں تو یہ نام پاک کیوں ہے
من لم یجعل اللہ لہ شبیھا عجل اللہ فرجہ الشریف کہ اللہ نے ان کی کوئی شبیہ بھی قرار نہیں دی
حقیقت یہ ہے کسی اور کا شبیہ ہونا علیحدہ بات ہے اور اپنی شبیہ کسی غیر کو بنانا علیحدہ بات ہے
اللہ نے انہیں شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی شبیہ قرار دیا ہے مگر ان کی شبیہ کسی غیر میں تو کجا خود پاک خاندان علیہم الصلوات و السلام میں بھی موجود نہیں ہے یہ جناب خود صرف شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم ہی کی شبیہ نہیں بلکہ باقی سارے اجداد طاہرین و معصومین علیہم الصلوات و السلام کی بھی شبیہ ہیں لیکن اہم بات یہی ہے کہ ان میں سے کوئی بھی ان کی شبیہ ہے ہی نہیں
ان کی شبیہ ہونے کے بارے میں تو اتنی شدید نفی موجود ہے کہ آدمی سوچ بھی نہیں سکتا کیونکہ الفاظ یہ ہیں من لم یجعل اللہ لہ شبیھا ان الفاظ میں قابل غور لفظ ہے ''یجعل'' یہاں لفظ ''یخلق'' نہیں ہے یعنی خلق کرنا تو علیحدہ بات ہے کسی کو ان کی شبیہ قرار ہی نہیں دیا گیا ان کی شبیہ نہ تو خالق نے پیدا کی ہے اور نہ ہی کسی کو ان کی شبیہ قرار دیا جا سکتا ہے۔
اب موحّدین کیلئے دعوتِ فکر ہے کہ وہ اللہ کی شان اس سے زیادہ کیا بیان کرتے ہیں دوستو! یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جس کے کوئی مشابہ ہوتا ہے اس کے اعمال و افعال اور اس کے فن پارے اور تخلیق میں بھی مشابہت ہوتی ہے جیسا کہ انسان انسان کے

مشابہہ ہوتا ہے تو اس کے افعال اختلافات کے باوجود ایک دوسرے سے مشابہہ ہوتے ہیں کیونکہ اللہ جل جلالہ کا کوئی مشابہہ نہیں ہے اس لئے اس کے افعال میں بھی کوئی شباہت حاصل نہیں کرسکتا ہے مثلاً انسان دیکھتا ہے سنتا ہے سارے جانور دیکھتے سنتے ہیں اسی طرح اللہ جل جلالہ بھی دیکھتا سنتا ہے مگر اس دیکھنے کی صفت میں اشتراک کے باوجود اس کا دیکھنا سننا کسی کے مشابہہ نہیں ہے کیونکہ کوئی اس کے مشابہہ نہیں ہے اسی طرح اس کے اعمال وافعال میں بھی کوئی اس کے مشابہہ نہیں ہے اسی طرح شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے بھی کوئی مشابہہ نہیں ہے اس لئے ان کی کسی چیز کے مشابہہ کسی کی کوئی چیز نہیں ہوسکتی جیسا کہ ہم کہتے ہیں کہ جناب سلیمان علیہ السلام کو اللہ جل جلالہ نے ملکِ عظیم عطا فرمایا تھا مگر ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے ملک عظیم کے سامنے اس کی رائی برابر بھی حیثیت نہیں ہے یعنی اُس ملک میں اور اِس ملک میں ذرّہ بھر بھی مشابہت نہیں ہے اسی طرح ان کی ایک ایک چیز دوسروں سے ممتاز ہوگی جیسا کہ آپ کے انصار واصحاب کے بارے میں ہے کہ وہ افضلِ اہلِ کلِ زمان ہوں گے یعنی ان میں بھی کسی نبی یا امام علیہ السلام کے اصحاب سے مشابہت نہیں ہوگی بلکہ یہ ان سے منفرد اور ممتاز ہوں گے

کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں جو عرفائے عظامؒ کے فرامین سے غلط فہمیوں کے شکار ہوکر ان پر آئے دن فتوے لگاتے رہتے ہیں ان سے گذارش کروں گا کہ عرفائے عظامؒ جہاں بھی ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں کہ جن سے عام آدمیوں کو شرک کی بو آنا شروع ہوجاتی ہے وہاں وہ شرک سے ہمیشہ پاک ہوتے ہیں کیونکہ وہ جب پاک خاندان کے کسی پاک فرد علیہ الصلوات والسلام میں صفاتِ الٰہیہ کا اثبات کررہے

ہوتے ہیں تو اس میں وہ افعال وصفاتِ الٰہیہ سے مشابہت کوتصور ہی نہیں کر رہے ہوتے بلکہ وہ ایک اور غیر مشابہہ صفت کی بات کر رہے ہوتے ہیں اس لئے اگر کوئی پاک خاندان علیھم الصلوات و السلام کے پاک افراد علیھم الصلوات و السلام کے بارے میں یہ کہے کہ یہ خالق ہیں، علیم ہیں، قدیر ہیں، حی و قیوم ہیں تو اس میں وہ تشبہ فی الکل نہیں کر رہے ہوتے جیسا کہ کوئی انسان کسی کو کہتا ہے کہ تو دیکھتا بھی ہے سنتا بھی ہے تو اس سے وہ اللہ جل جلالہ کی صفات میں اسے شریک نہیں کر رہا ہوتا بلکہ وہ اس کے دائرۂ ذات کو سامنے رکھ کر بات کر رہا ہوتا ہے جیسا کہ کوئی آدمی کسی نئی چیز کو دیکھ کر کہتا ہے کہ یہ کس کی تخلیق ہے؟ یعنی اس کا خالق کون ہے یا کوئی کہتا ہے یہ نظم فلاں شاعر کی تخلیقی صلاحیتوں کا شہکار ہے اور وہ اس کا خالق ہے تو اس فقرے سے شرک ثابت نہیں ہوتا کیونکہ وہ اسے خالق بہ حیثیت مخلوق کے لے رہا ہوتا ہے اسی طرح جب کوئی عارف اپنے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے فضائل میں کئی صفاتِ الٰہیہ کا اثبات کرتا ہے تو وہ ان کی انفرادی حیثیت سے ہوتا ہے نہ کہ شرک باللہ کی حیثیت سے۔ ہاں یہ بات ہے کہ جیسے انسان کے دیکھنے اور سننے کی صفت کے اور اللہ کے دیکھنے اور سننے کی صفت کے بیان میں صرف لفظی اشتراک ہوتا ہے اور حقیقی طور پر کوئی شرک نہیں ہوتا اسی طرح خاندان پاک علیھم الصلوات والسلام کے بارے میں بھی عام لوگوں سے بھی اور خالق ممکنات سے بھی صفاتی اشتراک کے باوجود اختلاف ہوتا ہے اور اس میں نہ کوئی انہیں مخلوق کا شریک کہہ سکتا ہے اور نہ خلاق انوار الٰہیہ کا شریک ٹھہرا سکتا ہے اس لئے کسی پر فتویٰ صادر کرنے سے پہلے اس کے مقصد کو سمجھنا لازم ہوتا ہے

تو دوستو! میں عرض کررہا تھا کہ ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف کے افعال و اعمال وصفات ومتعلّقات ومنسوبات کے مشابہہ بھی کسی کو نہیں قرار دیا گیا اور نہ کوئی ہوسکتا ہے اسی لئے تو آپ کا لقب ہے

من لم يجعل الله له شبيها عجل الله فرجه الشريف

آیئے ہم سب مل کر دعا کریں کہ ہمیں اپنے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف کی ابدی خوشیوں کا دور جلدی نصیب ہو اس میں ہر مومن پر وہ اسرار منکشف ہوں گے کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھے ہوں گے اور نہ کسی کان نے سنے ہوں گے

اس دور میں ہمارا سب سے بڑا فریضہ دعائے تعجیل فرج ہے کیونکہ ہم اپنے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف کیلئے اور یہاں کرہی کیا سکتے ہیں؟ ہماری نمازیں روزے تو خود ہمارے لئے ہیں ان کا فائدہ ہمیں ہی ہونا ہے ہاں اگر ہم اپنی ساری دعائیں قربان کر کے اپنے مالک و وارث عجل الله فرجه الشريف کیلئے دعا کریں گے تو اس سے ان کی ابدی مسرتوں کا دور جلدی آجائے گا اور اس سے سارے پاک خاندان علیہ الصلوات و السلام کو اپنے مقدّس گھر دوبارہ اس دنیا میں دیکھنے کو ملیں گے اور ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف کا پردۂ غیبت میں رونا ختم ہوگا سوگ کا زمانہ دشمن کے آنگن میں دھکیل دیا جائے گا دعا کریں وہ سنہری دور جلدی آئے

آمین یارب العالمین

اللهم صل علىٰ محمدؐ وآل محمدؐ و عجل فرجهم بقائمهمؑ صلوات الله عليه والسلام

یا هو یا من هو لا هو الا هو الحی القیوم یا هو یا من لا یعلم ماهو الا هو الحی القیوم العلی العظیم
یا مولا کریم عجل الله فرجك و صلوات الله علیك

عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه

الحمد لله رب العالمين و صل علىٰ محمدؐ و آلہٖ اجمعين خصوصاً على حجة الله فی العالمين عجل الله فرجه الشريف و آبائه المعصومين و امهاته الطاهرين الطيبين صلوات الله عليهم اجمعين و لعنة الله علىٰ اعدائهم اجمعين من يوم الازل الى يوم الدين

اے منتظرینِ طلوعِ فجر!

آج ہم فکر کی پرواز عرفانیات کے ملاء الاعلیٰ کی طرف کر رہے ہیں یہ تو آپ جانتے ہیں کہ خلا کی ضد ملاء ہے یعنی اس مقام اعلیٰ کی طرف ہم سفرِ فکر کر رہے ہیں جہاں خلائی شٹل Space Shuttle نہیں جا سکتی جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ یہ سفر ہم اپنے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے اسمائے مبارکہ کی فضائے بسیط میں کر رہے ہیں اور ہمارا یہ تحقیقی مشن جس اسمِ مبارک کی طرف جا رہا ہے وہ ہے ''الشّمس'' عجل الله فرجه الشريف

ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف کے کل چھ سو اسمائے مبارکہ میں سے جو ایک سو کے قریب قرآنی نام پاک ہیں ان میں سے ایک اسم مبارک یہی الشّمس عجل الله فرجه

الشریف ہے

ہم اپنے مالک ومنعم عجل اللہ فرجہ الشریف کی عطا کردہ توفیق وشعور کے مطابق جہاں تک ممکن ہو سکے گا اس کے بارے میں کچھ نہ کچھ بیان کرنے کی کوشش کریں گے اور بیان بھی وہی کچھ ہو سکے گا جو کچھ یہ جناب چاہیں گے

دوستو! جس وقت ہم ان احادیث کا مطالعہ کرتے ہیں کہ جن میں علائمِ خروج یا علائم قیامت بیان ہوئے ہیں یا جو ''یومِ وقتِ معلوم'' کے بیان میں ہیں کہ اس دن کے واقع ہونے کی ایک علامت یہ ہے کہ اس دن سورج مغرب سے طلوع کرے گا اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ

☆ التوبة مقبولة حتیٰ تطلع الشمس من مغربها

یعنی توبہ کا دروازہ اس وقت تک کھلا ہے کہ جب تک سورج مغرب سے طلوع نہیں کرتا ہاں جب سورج مغرب سے طلوع کرے گا تو اس وقت توبہ قبول نہ ہوگی ساتھ ہی یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ

فاذا طلعت الشمس من مغربها آمن الناس کلهم فی ذالك الیوم فیومئذٍ لاینفع نفساً ایمانها ان لم تکن آمنت من قبل او کسبت فی ایمانها خیراً

جس وقت سورج مغرب سے طلوع کرے گا اس وقت سارے لوگ ایمان لے آئیں گے مگر اس دن کسی کا ایمان لانا اسے نفع نہ دے گا فرمایا یہ بھی ہے کہ اگر ایمان تو پہلے سے لایا جا چکا ہوگا مگر اس میں کسب خیر نہ کیا ہوا ہوگا تو اسے بھی ایمان کوئی فائدہ نہ دے گا

اس کے بارے میں یہاں تک فرمایا گیا ہے کہ اگر کوئی نوجوان بیس سال کی عمر کو پہنچ

گیا ہوگا اور اسے معالمِ دین وشریعت سے آ گاہی نہ ہوگی تو اسے بھی اس کا ایمان نفع نہ دے گا بلکہ اس کی گردن ماردی جائے گی

احادیث صحیح میں آیا ہے کہ جس دن مغرب سے سورج طلوع ہوگا اس دن جب اس بات کا مشاہدہ کرے گا تو رکن ومقام کے مابین ابلیس حاضر ہوجائے گا اور وہاں سجدے میں سر رکھ کے گریہ کرنا شروع کرے گا اور کہے گا خالق اب جس کا سجدہ تو مجھ سے کروانا چاہتا ہے کروالے میں ہار مانتا ہوں اس وقت اس کا ایک چیلا اس کے پاس آئے گا اور کہے گا کہ او بڑے چودھری آج اس طرح ایمان لانا عجیب لگ رہا ہے کیا تو واقعی صاحب ایمان بننا چاہتا ہے یا اس میں بھی کوئی چال ہے؟ تو اس وقت وہ کہے گا ارے احمق تو نہیں دیکھ رہا یہ وقت معلوم آ پہنچا ہے آ تو بھی میرے ساتھ گریہ وزاری کر ممکن ہے موت سے اور ابدی جہنّم سے نجات مل جائے یہ کہہ کر وہ فوراً سجدے میں گر جائے گا اور عرض کرے گا کہ اب تو میں حاضر ہوں مجھ سے جس کا بھی سجدہ کروانا ہے کروالے

جب یہ ملعون سجدے میں ہوگا تو اس وقت جناب دآبۃ الارضؑ عجل اللہ فرجہ الشریف اچانک وہاں ظاہر ہوں گے اور اس کے بالوں کو پکڑ کر اوپر اٹھائیں گے اور اس کے منہ پر ایک طمانچہ ماریں گے اور فرمائیں گے کیا جن لوگوں کو تو نے ہلاک کیا ہے انہیں دوبارہ درست کرسکتا ہے؟ یہ ملعون طمانچہ کھا کر وہاں سے فرار ہوگا اور پھر اپنے لشکر کو مجتمع کرے گا

اس بارے میں کچھ لوگوں نے یہ کہا ہے کہ اس دن سورج غروب کے قریب پہنچ کر رُک جائے گا اور اس میں سے ایک ندا آئے گی یا اھل الھدی اجتمعوا اے اہل

ہدایت آپ جمع ہو جائیں
اسی طرح کی بہت سی آرا ہیں جنہیں یہاں نقل کرنا باعث طوالت ہوگا یہاں بس اتنا کہنا چاہوں گا کہ اس موضوع پر پچاس سے زیادہ احادیث منقول ہیں جن کا خلاصہ یہاں پیش کر دیا گیا ہے
دوستو! جہاں بھی ڈبیٹ Debate ہوتی ہے اس میں جو قرارداد پیش کی جاتی ہے اس میں سب سے پہلے اس قرارداد کے ایک ایک لفظ کو ڈیفائین Define کیا جاتا ہے کہ اس کے فلاں لفظ کی تعریف یہ ہے فلاں لفظ کی تعریف یہ ہے اس کے بعد اس پر بحث کی جاتی ہے اور ہمارے ہاں یہ رواج ہے کہ ڈبیٹ Debate میں کسی لفظ کو ڈیفائین Define نہیں کیا جاتا اور بحث شروع ہو جاتی ہے اسی طرح ان احادیث پر ''طبع آزمائی'' ہوئی ہے یعنی کچھ لوگوں نے یہ کہا کہ یہ دور سائنس کا دور ہے اور ہم جانتے ہیں کہ یہ نظام شمسی کیا ہے اس میں کتنے پلینٹ Planet اپنے اپنے مدار Orbit میں گردش کر رہے ہیں اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ شمس ہی ہمارے نظام شمسی کا مرکز ہے اور ہمارے اپنی نظام کو بھی Galaxy میں نا معلوم تعداد میں ہمارے جیسے اور اس سے بھی بڑے Solar System موجود ہیں
اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ہمارے سورج کی سطح پر کتنے میگا ٹن Megaton ہائیڈروجن نیوکلیائی فشن Nuclear Fission سے Helium گیس میں تبدیل ہو رہی ہے اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ سورج کے مغرب سے طلوع کرنے کا مطلب ہے زمین کی الٹی گردش اور یہ اس زمین کی موت ہے
ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اس سورج کی ایک طبعی عمر ہے اور یہ آہستہ آہستہ بجھنا شروع

ہو جائے گا اور بقول سائنس واہل سائنس یہ ابھی مزید تین ارب سال تک چلنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اس کے بعد یہ ایک بلیک ہول بن جائے گا اور اس میں گریویٹیشن Gravitation اتنی بڑھ جائے گی کہ نہ ہی یہ زمین رہے گی اور نہ ہی کوئی دوسرا سیارہ رہے گا بلکہ یہ سب کو اپنی طرف کھینچ لے گا اور یہ سارا نظام اس کی اندر دفن ہو جائے گا اور وہی شاید اس زمین اور اہل زمین کیلئے قیامت ہو اور اس وقت جو بھی ہو مگر یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی باہر سے آ کر یا اس دنیا سے ظاہر ہو کر اس دنیا پر حکومت کرے یا اس وقت کسی کا اس دنیا پر زندہ رہنا ہی ممکن نہ ہو گا

ان باتوں کو دیکھتے ہوئے سائنس پرست لوگ مذہب کو ایک میتھالوجی یا پیتھالوجی Mythology or Pathology ثابت کرنے لگ جاتے ہیں اور ہمارے احباب انہیں معجزات Miracles کے وقوع کے امکان پر قائل کرنے میں لگ جاتے ہیں اور اس طرح ساری بات پھر پیتھالوجی Pathology بن جاتی ہے اور ان کے اقتدار کا سنہری دور ایک دیومالائی دور نظر آنے لگ جاتا ہے

اس دور میں سائنس کو عروج حاصل ہے اور آج ہر آدمی کسی بھی بات کو اس وقت تک درست نہیں مانتا کہ جب تک وہ سائنس کی کسوٹی پر پوری نہ اترے اس لئے ان رویات واحادیث پر جرح و بحث کرنے والوں میں وہ لوگ پیش پیش ہیں کہ جو سائنس ہی پر ایمان کامل رکھتے ہیں

ان سائنس پرست لوگوں سے میں یہ گذارش کروں گا کہ انہوں نے ایسی احادیث کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی اور جن لوگوں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی ہے انہوں نے خود اسے نہیں سمجھا ہے اس لئے یہ ایک خلط مبحث بن گیا ہے اور تھوڑی سی کمی ان

احادیث وروایت کو لکھنے والوں میں بھی رہ گئی ہے کیونکہ انہوں نے ایسی احادیث نقل تو کی ہیں مگر انہیں ایک ساتھ نقل نہیں کیا اور ان کی جو وضاحت پاک خاندان علیہم الصلوات و السلام نے فرمائی ہے وہ بھی نقل نہیں کی اس لئے یہ ساری باتیں ایک میٹھا لوجی اور پیتھالوجی بن کر رہ گئی ہیں

اس سے پہلے کہ میں کچھ عرض کروں سب سے پہلے یہ دیکھنا لازم ہے کہ ان روایات واحادیث میں جو تشریح طلب الفاظ ہیں وہ دو ہی ہیں

() شمس () مغرب

عام طور پر شمس کے معنی سورج ہی کے لئے جاتے ہیں حالانکہ شمس کو بھی یہ نام "شمس" کسی صفت کی وجہ ہی سے دیا گیا تھا یعنی کبھی آپ نے یہ بھی سوچا ہے کہ شمس کو شمس کیوں کہا جاتا ہے؟

دیکھئے ماہرین لسانیات اچھی طرح جانتے ہیں کہ جب زبان سازی کا عمل ہوتا ہے تو اس میں اشیاء کو جو نام دیئے جاتے ہیں ان کی کئی وجوہات ہوتی ہیں جیسا کہ اس دور میں جب کئی نئے سیارے دریافت ہوتے ہیں تو انہیں جو نام دیئے جاتے ہیں ان کی کئی وجوہات ہوتی ہیں مثلاً جب ہیلی کومٹ دریافت ہوا تو اسے نام دیا جانا تھا کہ اسے کس نام سے پکاریں تو سب لوگوں نے اسے دریافت کرنے والے کا نام دے دیا کیونکہ کومٹ دمدار ستارے کو کہتے ہیں اور ہیلی اس سائنس دان کا نام تھا کہ جس نے اسے پہلی مرتبہ دریافت کیا تھا

آج تو ہم ناموں کے معاملے میں بہت زیادہ وسیع سوچ رکھتے ہیں مگر جب ابتدا میں زبان سازی ہوئی تھی تو اس وقت ہر چیز کو اس کی صفات یا شکل سے نام دیا گیا تھا

جیسا کہ بارہ برجوں کے نام قدیم چرواہوں نے رکھے تھے کیونکہ وہ رات کو زیر آسمان سوتے تھے اور انہیں آسمان پر ستاروں کا جیسا کنجکشن [گچھا] نظر آتا تھا ویسا نام رکھ دیتے تھے، کسی کو بچھو کے ڈنک کی طرح کی کوئی شکل نظر آئی تو اُس نے اس کا نام عقرب رکھ دیا، کسی کو مینڈھے [نر بھیڑ] کی شکل میں پایا تو حمل نام رکھا، کسی کا نام بیل رکھا، کسی کا نام اسد رکھا، یہ سب نام چرواہوں نے رکھے تھے کیونکہ وہ مشابہتوں کو دیکھ دیکھ کر نام رکھ رہے تھے بس اسی طرح ساری زبانوں کی زبان سازی ہوتی رہی ہے اس لئے سورج کو جو شمس کا نام ملا ہے تو اس کے پیچھے بھی یہی عمل کارفرما ہے

آپ عربی لغت کے ارتقا پر جو مقالات لکھے گئے ہیں انہیں دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ ''شَمَسَ'' کو نَصَرَ و ضَرَبَ کے ابواب میں لکھا گیا ہے جس کے معنی ہیں نہ چھپا سکنے والی دشمنی کہ جو بیقراری کی وجہ سے ظاہر ہو جائے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ شمس لی ......اسی طرح شمس کے جتنے معنی لکھے ہوئے ہیں ان میں دو صفات کا پایا جانا لازم ہے ایک تو نہ چھپ سکنا دوسری صفت ہے بیقراری

عربی میں اس زیور کو بھی شمس کہا جاتا تھا کہ جو گلے میں ہمیشہ ظاہر رہتا تھا اور اس کی گھونگھریاں ہمیشہ ہلتی رہتی تھیں

عربی میں اس گھوڑے کو بھی شمس کہا جاتا ہے کہ جو کسی کو اپنے اوپر نہ سوار ہونے دے اور انسان سے لڑے اور زین بھی نہ کسنے دے اور سواری کے وقت اچھل کود کرے اور دو ٹانگوں پر کھڑا ہو جائے

کیونکہ شمس میں یہ دونوں باتیں پائی جاتی تھیں ایک تو کسی سے نہ چھپ سکنا اور ہمیشہ

بیقرار رہنا یعنی ہمیشہ چلتے رہنا اس لئے اس دور کے لوگوں نے اسے شمس کا نام دیا اس کے بعد ہے لفظ مغرب تو اس کے معنی بھی یہی ہیں کہ جہاں بھی کوئی چیز ڈوب جائے یا ڈوب جاتی ہو اس مقام کو مغرب کہتے ہیں کیونکہ عام طور پر ہم روزانہ سورج کے ڈوبنے کا منظر دیکھتے ہیں اس لئے اس سمت کو مغرب کہا جانے لگا کہ جس میں سورج ڈوبے

اب ہم اپنی محوّلہ احادیث کی طرف آتے ہیں اس میں فرمایا گیا ہے کہ توبہ کے دروازے اس وقت تک کھلے ہیں جب تک سورج مغرب سے طلوع نہیں کرتا یا یہ فرمایا گیا ہے کہ جس وقت مغرب سے سورج طلوع کرے گا تو اس وقت کسی کا ایمان لانا نفع بخش نہ ہوگا اسی طرح کی بہت سی احادیث ہیں

اب ان احادیث کے بارے میں اپنی طرف سے کچھ کہنے کی بجائے مناسب ہوگا کہ ہم باب مدینۃ العلم علیہ الصلوات و السلام پر دستک دے کر عرض کرتے ہیں کہ آپ ہی ہمیں آگاہ فرمائیں کہ ان کا اصل مقصد کیا ہے؟

جناب صعصعہ بن صوحانؒ نے ایک دن جناب نزال بن سبرۃ کے سامنے یہ حدیث بیان فرمائی کہ وہ دن ساعۃ کا دن ہوگا جب یہ یہ علامات ظاہر ہوں گی تا اینکہ فرمایا

ونار من بحر [قعر] العدن تسوق الناس الی المحشر و طلوع الشمس من مغربها

بحر عدن یا قعر عدن سے ایک آگ بھڑک اٹھے گی جو اہل دنیا کو اس جگہ کی طرف ہانک کر لے جائے گی کہ جہاں ساری دنیا کے لوگوں کو جمع ہونا ہوگا اور اس وقت مغرب سے سورج طلوع ہوگا جس رات مغرب سے سورج کو طلوع ہونا ہے وہ

''رات'' تین راتوں کے برابر لمبی رات ہوگی اور اس بات کو وہ لوگ سمجھیں گے جو اس رات عبادات میں مصروف ہوں گے پھر اگلے دن مغرب سے سورج طلوع ہوگا اس پر نزال بن سبرۃ نے عرض کیا سورج کس طرح مغرب سے طلوع کرے گا؟ اور اس سورج سے کیا مراد ہے؟

جناب صعصعہ بن صوحانؓ نے فرمایا تم اس کا مطلب نہیں سمجھے میں نے اپنے آقا امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام سے سنا تھا انہوں نے فرمایا تھا

هوالثانی عشر من عترة التاسع من ولد الحسین علیه الصلوات و السلام بن علی علیه الصلوات و السلام و هو الشمس الطالعة من مغربها یظهر عند الرکن و المقام فیطهر الارض و یضع المیزان العدل فلا یظلم احدا ()

فرمایا تھا جس سورج نے مغرب سے طلوع فرمانا ہے وہ ہمارے لخت جگر امام حسین علیہ الصلوات و السلام کے نویں فرزند ارجمند عجل اللہ فرجہ الشریف ہوں گے وہی مغرب سے سورج بن کر طلوع فرمائیں گے اور پھر وہ رکن و مقام کے درمیان ظاہر ہوں گے اور وہ اس زمین کو ظالمین سے پاک کریں گے اور وہ میزان عدل قائم فرمائیں گے اور کسی کے ساتھ ظلم نہیں کیا جائے گا اور ان کے پیچھے جناب عیسیٰ علیہ السلام نماز پڑھیں گے۔

اب یہ بات تو آپ کو معلوم ہو ہی گئی ہے کہ شمس سے مراد یہ ہمارے Solar System والا سورج نہیں ہے بلکہ وہ شمس امامت و ولایت عجل اللہ فرجہ الشریف ہی ہیں اب ہم لفظ مغرب کے بارے میں عرض کر کے آگے بڑھنا چاہتے ہیں یہ تو میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا کہ اس مغرب سے کیا مراد ہے ہاں چند احتمالات پیش کر سکتا ہوں

لفظ مغرب کا مقصد یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ جناب مکہ شہر سے مغرب کی طرف سے ظاہر ہوں

اس کا مقصد یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مدینہ سے مغرب کی طرف کے کسی شہر سے آپ کا اعلانِ خروج ہو

اس کا یہ مقصد بھی ہوسکتا ہے کہ مشرق وسطیٰ کے بجائے آپ کا اعلانِ خروج مغربی دنیا یعنی یورپ یا امریکہ میں سے کسی ملک میں ہو

سب سے زیادہ قرینِ عقل جزائر خضرا ہیں جن کے بارے میں ہے کہ وہ برمودہ ٹرائی اینگل Bermuda Triangle میں ہیں جو امریکہ سے مشرقی طرف ہیں اور باقی ساری دنیا سے مغربی طرف ہیں یعنی امریکہ کی ریاست فلوریڈا کے سی پورٹ Seaport میامی سے سیدھا مشرق میں ان کا محل وقوع بتایا جاتا ہے اور ورلڈ اٹلس World Atlas میں اسی جگہ کی نشاندہی کی گئی ہے اور ان جزائر کے بارے میں تو ہزاروں Article آرٹیکل چھپ چکے ہیں اور اب تو فارسی میں بھی کئی کتب آچکی ہیں مثلاً برمودا مثلث نام کی کئی کتابیں مارکیٹ میں آرہی ہیں اور غالباً سن 1980 میں پاکستان ٹی وی پر برمودا ٹرائی اینگل Burmoda Triangle پہ ایک ڈاکومنٹری Documentary فلم بھی ریلیز Release ہوئی تھی جس میں وہاں بحری جہازوں کو ڈوبتا دکھایا گیا تھا اور ان تحقیقی ٹیموں کے واقعات فلم بند کرکے دکھائے گئے تھے کہ جو اِن جزائر پر تحقیق کرنے نکلی تھیں

اور بہت سے سائنسی میگزین ایسے ہیں جو ان جزائر پر ہونے والی تحقیقات پر تازہ رپوٹیں شائع کرتے رہتے ہیں

میں یہی عرض کر رہا تھا کہ یہ بھی ممکن ہے کہ لفظ مغرب سے وہی جزائر ہی مراد ہوں ان سارے احتمالات کے دائرے میں بیٹھ کر کوئی بھی حتمی بات کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوسکتا

وجوہات تشبیہ

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ شہنشاہ معظم عجل الله فرجه الشريف کے اجداد طاہرین علیهم الصلوات و السلام نے انہیں ''شمس'' کا نام کیوں دیا ہے؟ اگر دیا ہے تو ان میں کوئی نہ کوئی ''شباهت بالشمس'' ضرور ہوگی اور وہ کیا ہے؟

اس کا جواب کئی طرح سے موجود ہے جیسا کہ آپ سورج کی خصوصیات دیکھتے چلے جائیں تو خود بخود وجہ تشبیہ ملتی چلی جاتی ہے میں یہاں چند ایک خصوصیات کو بیان کر کے سوچ کو ایک راہِ فکر دینا چاہتا ہوں

() اس کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ سورج ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس سے کوئی [عالم ہو یا جاہل] انکار نہیں کرسکتا

اسی طرح ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف بھی اظهر من الشمس حقیقت ہیں کہ جن سے کوئی انکار نہیں کرسکتا یہ روزِ روشن کی طرح واضح حقیقت ہیں

() سورج کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ سورج ہی اس زمین کیلئے حیات بخش ہے یہی خزانۂ حیات ہے اور موجبِ حیات ہے اسی طرح شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف بھی اس زمین اور اہل زمین کیلئے موجب حیات و بقا ہیں یہ سورج ظاہری حیات کا موجب ہے اور وہ حیات باطنی کے موجب ہیں یعنی وہ حقیقی موجب حیات نہیں ہے مگر شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف حقیقتاً پوری کائنات کیلئے حیات بخش سورج

ہیں یہ سورج صرف اس زمین کے لوگوں کیلئے ہی حیات بخش ہے مگر ہمارے شہنشاہ زمانہعجل الله فرجه الشريفکی یہ خصوصیت آفاقی ہے صرف ارضی نہیں ہے

( ) سورج کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کا فیض ان دیکھا ہے کیونکہ سورج کی روشنی ٹنوں کے حساب سے انسان کاندھوں پر اٹھا کر چلتا ہے مگر اسے محسوس تک نہیں ہوتا اسی طرح ہر انسان شہنشاہ زمانہعجل الله فرجه الشريف کے احسانات کی اربوں ٹن بوجھ کے نیچے بھی رہتا ہے اور اسے احساس تک نہیں ہوتا کہ اس محسنِ ازلعجل الله فرجه الشريف نے کوئی احسان فرمایا بھی ہے یا نہیں

( ) سورج کی ایک یہ خصوصیت بھی ہے کہ اس کا فیض محدود نہیں ہے، سورج کا فیض بلا امتیاز مذہب وملّت ورنگ ونسل ونیک بدسب کو پہنچتا رہتا ہے اسی طرح شمس حجتّ وولایت عجل الله فرجه الشريف کے برکات کیلئے کوئی امتیازی میرٹ کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ تو ہر دوست دشمن تک کو کسی نعمت دنیا سے محروم نہیں فرماتے چاہے وہ اپنا ہے یا بے گانہ سب انہی کے دستر خوان کے نان پارے کھا کر جی رہے ہیں، انہی کے دم سے سانسیں لے رہے ہیں، انہی کے قدم کی برکت سے چل پھر رہے ہیں انہی کی نظر کرم کے طفیل دیکھ سن رہے ہیں

( ) سورج کی خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ باقی سیاروں کی جو روشنی ہے وہ ان کی ذاتی نہیں ہے بلکہ وہ سورج ہی سے روشنی لے کر روشن رہتے ہیں مگر سورج کی روشنی اور باقی صفات ذاتی ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں ہے اسی طرح شمس حجۃ وولایت عجل الله فرجه الشريف بھی اپنی خصوصیات میں Selfish ہیں ان کی ہر خصوصیت ان کی ذاتی ہے اس لئے وہ جب تشریف لائیں گے تو دینِ سابق پر اکتفیٰ نہ کریں گے بلکہ

ایک نیا دین متعارف (Introduce) کروائیں گے- دین جدید کتابِ جدید کے ساتھ متعارف کروائیں گے اور کعبہ بھی دوبارہ تعمیر فرمائیں گے اسی طرح ہر چیز کو اپنے انداز میں لائیں گے اور ہر پرانی چیز کو بدل دیں گے

() سورج کی خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ سورج کبھی ڈوبتا نہیں بلکہ ہماری زمین ہی چکر کھا کر انسان کو چکر دے جاتی ہے کہ سورج ڈوب رہا ہے

حالانکہ وہ اپنے مقام پر قائم ہوتا ہے اور ہم ہی ڈوب رہے ہوتے ہیں

شمس حجۃ وولایت عجل اللہ فرجہ الشریف کی غیبت بھی اسی طرح ہے کہ وہ جناب تو ہمہ وقت موجود ہیں مگر پوری انسانیت نے اپنی ڈائریکشن (Direction) ہی بدل لی ہے اور کہنا یہ شروع کر دیا ہے کہ وہ جناب ہم سے غائب ہوئے ہیں حالانکہ اس میں قصور ہے ہی عالم انسان کا نہ کہ اس شمس حجۃ وولایت عجل اللہ فرجہ الشریف نے اپنے آپ کو چھپایا ہے

() سورج کی خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ سورج اپنے گردو پیش کے سیاروں کو جو اس کے طفیلی ہیں ہمیشہ فیض پہنچاتا رہتا ہے اور ان سے کبھی بھی غائب نہیں ہوتا یہ علیحدہ بات ہے کہ دو سیاروں کے مابین کوئی اور سیارہ آ جائے اور اس تک سورج کی روشنی نہ پہنچنے دے

اسی طرح شمس حجۃ وولایت عجل اللہ فرجہ الشریف بھی اپنے چاہنے والوں سے کبھی غائب نہیں ہوتے اور ہمیشہ ان کو فیضیاب فرماتے رہتے ہیں اور وہ ہمیشہ ان کے نور سے منور رہتے ہیں

() یہ بھی سورج کی خصوصیات میں سے ہے کہ جب کوئی زمین اس سے اپنا رخ پھیر

لیتی ہے تو وہ بالواسطہ طور پر بھی اپنی روشنی کا فیض اس تک پہنچا تا رہتا ہے جیسا کہ رات کو چاند پر جو روشنی ہمیں نظر آتی ہے یہ بھی دراصل سورج ہی کی روشنی ہوتی ہے اسی طرح ہم زہرہ و مریخ و زحل کو جو چمکتا ہوا دیکھتے ہیں یہ بھی دراصل سورج ہی کی روشنی ہوتی ہے جو بالواسطہ ہم تک پہنچ رہی ہوتی ہے اسی طرح زمانہ غیبت میں عام مومنین تک جو شمس حجۃ وولایت عجل اللہ فرجہ الشریف کا فیض پہنچتا ہے وہ کسی نہ کسی مقرّب کے ذریعے ہی پہنچتا ہے کیونکہ ان مقربین کے علاوہ کوئی ان کی روشنی کو آگے منتقل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا اور مقربین کا روحانی رابطہ ہمہ وقت شمس حجۃ و ولایت عجل الله فرجه الشريف سے قائم رہتا ہے

() جو سیارہ سورج کی کشش ثقل سے نکل جاتا ہے وہ بھٹک جاتا ہے اور پھر فنا ہو جاتا ہے یا اسے کوئی بلیک ہول Black hole نگل جاتا ہے

() سورج ہی سے تشخیص حقائق ہوتی ہے جب تک وہ غائب رہتا ہے کسی کی شکل پہچانی نہیں جا سکتی، دوست دشمن میں تمیز نہیں ہو سکتی

() سورج جب غائب ہوتا ہے تو اکثر مخلوق کا Sleeping time شروع ہو جاتا ہے

() سورج غائب ہوتا ہے تو درندے بلوں سے نکل آتے ہیں اور اندھیرے سے فائدہ اٹھا کر مخلوق کو ہلاک کرتے ہیں

() سورج ایک مرکزیت کیلئے استعارہ بھی ہے

() سورج سارے ستاروں میں بادشاہ کا مقام رکھتا ہے جب یہ طلوع ہوتا ہے تو سارے سیارے ستارے محجوب ہو جاتے ہیں

() سورج ایک قوت اور انرجی (Energy) کا سرچشمہ بھی ہے

() سورج جب طلوع ہوتا ہےتو ہر آدمی اسے اپنے آنگن میں چمکتا ہوامحسوس کرتا ہے حاضروناظر ہوتا ہے

()سورج کو ہر مذہب اپنی پراپرٹی (property) سمجھتا ہے

()سورج کی گرمی اورسردی دونوں میں پیار ہوتا ہے

()جوسورج سے دور ہوتے ہیں وہ منجمد رہتے ہیں

()سورج وقت کا ایک پیمانہ ہے

()Reflector لگا کرسورج سے انرجی حاصل کی جاسکتی ہے

() سورج جس مقام پر ہمیں نظر آتا ہے وہاں نہیں ہوتا بلکہ جہاں وہ نظر نہیں آتا وہاں موجود ہوتا ہے

()سورج تک کسی کی رسائی ناممکن ہےاگرکوئی اس تک پہنچ جائےتو فنا ہو جائے

() سورج سے بلا واسطہ فیض لینے کی کوشش ہلاکت کا موجب ہے کیونکہ اس کی شعاعوں کواگراوزون گیس (Ozone Layer) سے نہ گزارا جائےتو انسان ایک کرن ہی کی تاب نہ لاسکے

() زمین واہل زمین نہ چاہتے ہوئے بھی سورج ہی کے گرد گھومنے پر مجبور ہیں کیونکہ وہی مرکز ہے

() سورج چاہے پردۂ سحاب میں ہواس کا فیض زمین اوراہل زمین تک پہنچتا رہتا ہے

سلیمان بن مہران بن اعمش نے جب امام صادقعلیہ الصلوات و السلام کی پاک بارگاہ میں عرض کیا کہ آقافکیف ینتفع الناس بالحجة الغائب المستور؟

حجتِ غائب ومستور سے لوگ کس طرح مستفید ہوتے ہیں تو امام علیہ الصلوات و السلام نے فرمایا کما ینتفعون بالشمس اذا سترھا السحاب کہ جس طرح سورج بادلوں کے حجاب میں رہ کر مخلوق کو روشنی اور نفع پہنچاتا ہے بعینہٖ اسی طرح امام زمانہ علیہ الصلوات و السلام غائب رہ کر بھی خلق کیلئے نفع بخش ہیں

شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کو شمس سے مثال دینے سے جو نکات مستنبط ہوتے تھے اس پر بہت سے صاحبان کتبِ غیبت نے بات کی ہے میں یہاں ان کی طرف صرف اشارہ کروں گا ورنہ صرف اس تشبیہ سے جو باتیں سامنے آتی ہیں ان سب کو یہاں بیان کرنے کیلئے تو ایک دو اور مجالس درکار ہوں گی

پہلی وجہِ تشبیہ

دوستو! آپ یہ تو جانتے ہیں کہ جب سورج کسی مقام پر بادلوں میں چھپا ہوا ہوتا ہے تو اس کیلئے یہ ضروری تو نہیں ہوتا کہ وہ پوری دنیا کیلئے بادلوں میں چھپا ہوا ہو یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ایک مطلع ابر آلود ہونے کی وجہ سے بادلوں میں چھپا ہوا ہو مگر وہ دوسری جگہ پر پوری آب وتاب کے ساتھ چمک رہا ہو اسی طرح ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف آج ہم سے پوشیدہ ہیں مگر وہ بھی کئی مقامات پر پوری آب وتاب کے ساتھ جلوہ افروز ہیں یعنی عالم ملک وملکوت میں عالم مقربین میں عالم سلسلہ مدار وارشاد میں جزائز خضرا میں عرش وکرسی پر وہ پوری شان وشوکت سے جلوہ آرا ہیں

دوسری وجہِ تشبیہ

دوستو! یہ تو آپ جانتے ہیں کہ جب بھی مطلع ابر آلود ہوتا ہے تو اس کی وجہ ہماری

زمین کے سمندروں سے اٹھنے والے ابخرات [بخارات] ہوتے ہیں اس میں سورج کا کوئی دوش نہیں ہوتا

اسی طرح ہمارے لئے جو غیبت ہے اس کی وجہ ہماری خواہشاتِ نفس کے ابخارات ہیں کہ جو ہماری آنکھوں کے سامنے چھائے ہوئے ہیں نہ کہ سورج پر کوئی چیز چھائی ہوئی ہے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف تو ہمہ وقت موجود ہیں مگر ہم اپنی آلودگیوں میں گھرے ہوئے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے کہ اگر انسان کی آنکھوں کے سامنے جو اس کی آلودگیوں کی گرد ہے وہ چھٹ جائے تو یہ عالم ملک وملکوت کا کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کرسکتا ہے

تیسری وجہِ تشبیہ

دوستو! سورج جب بادلوں میں ہوتا ہے تو زمین اور سورج کے مابین بادل آجاتے ہیں مگر بادلوں سے اوپر جو بھی جا سکتا ہے وہ اسے درخشاں دیکھ سکتا ہے جیسا کہ آج ہم دیکھتے ہیں کہ جب ہم جہازوں پر سفر کرتے ہیں تو مطلع کتنا ہی ابر آلود کیوں نہ ہو جب ہم بادلوں سے اوپر نکل جاتے ہیں تو اس کا مشاہدہ کر سکتے ہیں اور وہاں کوئی چیز مانع نہیں ہوتی اسی طرح انسان جو تزکیاتِ نفس کر کے خواہشاتِ نفس کی آلودگیوں سے اوپر نکل جاتا ہے اس کیلئے کوئی غیبت ہوتی ہی نہیں اسی لئے جناب علی بن مہزیار اہوازیؒ کے واقعے میں فرمایا گیا تھا کہ تمہارے امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف محجوب عن العالمین نہیں ہیں بلکہ محجوب عن الاعین الظالمین ہیں یعنی انسان نے اپنی انکھوں کے سامنے ظلم کے پردے تان رکھے ہیں اور ظلم میں تاریکی کا عنصر تو ہوتا ہی ہے

چوتھی وجہِ تشبیہ

دوستو! یہ بھی ایک مشاہدہ ہے کہ جب سورج بادلوں میں ہوتا ہے تو وہ کبھی کبھی کسی نہ کسی کو دکھائی دے جاتا ہے اور وہ اس شخص کو دکھائی دیتا ہے جو اس وقت اس کی طرف دیکھ رہا ہو جو شخص کمرے میں بند ہو کر بیٹھا ہو وہ اس لمحاتی جھلک سے ہمیشہ محروم رہتا ہے۔ اسی طرح شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی اس لمحاتی جھلک سے بھی وہی لوگ مشرف بہ زیارت ہوتے ہیں جو ہم میں سے اسی لمحاتی جھلک کے منتظر ہوتے ہیں جو اپنی خواہشات نفس کے کمروں میں بند بیٹھے ہیں اور انہوں نے اپنے گرد ہوا و ہوس کی دیواریں کھڑی کر رکھی ہیں حب دنیا کے اسیر ہیں اور اس زندانِ آرزو میں عمر قید کاٹ رہے ہیں وہ کیا جانیں کہ نورِ الٰہی کس طرح جلوہ کش ہوتا رہتا ہے

پانچویں وجہِ تشبیہ

دوستو! ایک وجہ یہ بھی ہے کہ سورج چاہے بادلوں میں ہو یا درخشاں ہو اس کا فائدہ مسلسل پہنچتا رہتا ہے یہ معمولی بادل اس کے فیوض و برکات کی راہ میں رکاوٹ نہیں ہو سکتے اسی طرح ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے فیوض برکات میں ان کی غیبت حائل نہیں ہو سکتی

چھٹی وجہِ تشبیہ

دوستو! یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کوئی عام آدمی جو کمزور نظر کا ہو وہ قرص آفتاب پر مسلسل نگاہ نہیں کر سکتا اس کی آنکھوں میں صلاحیت نہیں ہوتی کہ اسے مسلسل گھور سکے ہاں جب سورج بادل میں ہوتا ہے تو اس کے حجم کا ایک ہلکا سا اندازہ ہو سکتا ہے

اسی طرح شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی ذات پر کوئی مسلسل نگاہ نہیں کر سکتا نہ ان کے فضائل پر، نہ ان کی عظمت پر، نہ ان کی ذات پر نگاہ ٹھہرائی جا سکتی ہے ہاں جب سے وہ غیبت میں ہیں اس دور سے ان کی عظمت کو تسلیم کیا جا رہا ہے اور ان کے فضائل کو سننے کی برداشت عام آدمی میں بھی پیدا ہو چکی ہے

ساتویں وجہِ تشبیہ

دوستو! جو انسان قرص آفتاب پر مسلسل نگاہ جمائے رکھتا ہے پھر اسے چند لمحات کیلئے ساری دنیا تاریک نظر آتی ہے یعنی اسے ہر طرف وہی سورج ہی نظر آتا ہے اور اس کے علاوہ اسے کچھ نظر آتا ہی نہیں ہے اسی طرح شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی جو شخص ایک جھلک دیکھ لیتا ہے اسے پھر کچھ دکھائی نہیں دیتا بلکہ اسے اپنی ذات بھی دکھائی نہیں دیتی بلکہ نورِ حق ہی ہر طرف جلوہ کش نظر آتا ہے اس لئے وہ آدمی اپنے نفع ونقصان، خیر وشر سے ماورئ ہو کر اپنے مالک ومحبوب سے محبت کرتا ہے

آٹھویں وجہ تشبیہ

دوستو! یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بادل چاہے جتنے کثیف کیوں نہ ہوں سورج کی کرنیں اس کے پار اتر جاتی ہیں اور وہ آخر انسان کو فائدہ پہنچاتی رہتی ہیں اسی طرح شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے فیوض وبرکات کا ایک نظام ہے جو ان کے اعمال وخدام کی شکل میں پوری روئے زمین پر موجود ہے اور شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف انہی کے ذریعے اس دنیا کی ہر چیز کو فیض یاب فرماتے ہیں یہ زمین کی روئیدگی، یہ بادلوں کا برسنا، یہ سود مند ہواؤں کا چلنا یہ سب کچھ انہی کے ذریعے ہوتا ہے

نویں وجہِ تشبیہ

آ فتاب چاہے ظاہر ہو یا مخفی اندھے کیلئے ایک جیسی بات ہے اور بینا کیلئے بھی ایک ہی بات ہے یعنی اندھا اسے ظاہر موجود ہونے کی صورت میں بھی نہیں دیکھ سکتا اور بینا شخص اسے بادلوں کے اندر میں سے دیکھ رہا ہوتا ہے اسی طرح شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کو بھی جو من کا اندھا ہے وہ کبھی بھی نہیں دیکھ سکتا اور جو من کا بینا ہے وہ غیبت میں بھی مشاہدہ کر رہا ہوتا ہے اس کیلئے غیبت بھی بمنزلت مشاہدہ ہوتی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ مومنین کامل کیلئے غیبت بھی بمنزلت مشاہدہ ہے

دسویں وجہ تشبیہ

دوستو! جو صاحبان عقل ہوتے ہیں وہ سورج کو زیادہ دیر بادلوں میں نہیں دیکھ سکتے بلکہ ان کی خواہش ہوتی ہے کہ یہ جلدی بادلوں سے ظاہر ہو اسی طرح شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے بارے میں بھی صاحبان عقل ہمیشہ سے آرزو مند رہتے ہیں کہ ان کی غیبت جلدی ختم ہو آیئے ہم سب مل کر دعا کریں کہ یہ زمانۂ غیبت جلدی ختم ہو اور اللہ کا نور ذات اس کائنات پر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے درخشاں ہو جائے ۔

آمین یارب العالمین

اللهم صل علیٰ محمدؐ وآل محمدؐ و عجل فرجهم بقائمهمؑ صلوات الله علیه والسلام

یا ھو یا من ھو لا ھو الا ھو الحی القیوم یا ھو یا من لا یعلم ما ھو الا ھو الحی القیوم العلی العظیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک

مطہر الارضؑ

عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه

الحمد لله رب العالمين و صل علیٰ محمدؐ و آلہٖ اجمعين خصوصاً على حجة الله فی العالمين عجل الله فرجه الشريف و آبائه المعصومين و امهاته الطاهرين الطيبين صلوات الله عليهم اجمعين و لعنة الله علیٰ اعدائهم اجمعين من يوم الازل الى يوم الدين

اے حاملانِ قلوبِ مطہر!

ایک سلسلۂ گفتگو ہے جو چل رہا ہے کبھی اس میں انقطاع بھی پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ دوسرے موضوعات کو بالکل ترک نہیں کیا جا سکتا اور یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ میں اپنی گفتگو کو ایک پوائنٹ Point پر مرتکز رکھتا ہوں یہ تو مجھ سے ہو نہیں سکتا کہ فضائل بھی پڑھوں اور مصائب کیلئے مقتل کا کوئی واقعہ سرسری طور پر بیان کروں کیونکہ میں جب بائیوگرافی Biography کرتا ہوں تو اسی پر سلسلے پڑھتا چلا جاتا ہوں اور جب تاریخ کے کسی موضوع کو چھیڑتا ہوں تو پھر وہ بھی کئی سلسلوں پر محیط ہوتا ہے الغرض میں کیا کیا بتاؤں آپ تو مجھے چوبیس برس سے مسلسل سن رہے ہیں اور یہ بھی آپ

جانتے ہیں کہ میں آپ کی فرمائش پر بھی کسی موضوع کا اعادہ نہیں کرتا تا کہ جگالی کا الزام نہ لگ جائے اور میرے منعم حقیقی عجل اللہ فرجہ الشریف کے خزائن علمی وعرفانی کی طرف کوئی انگشتِ تنقید نہ اٹھ جائے

آج کا جو اسم مبارک ہمارے پیشِ بیان ہے وہ بھی شہنشاہ معظم عجل الله فرجه الشريف کے ان اسمائے مبارکہ میں سے ہے جو اسمائے مرکّبہ ہیں یعنی ایک سے زیادہ الفاظ سے کمپاؤنڈ Compound کی شکل میں ہیں اور یہ اسم مبارک ہے

''مطہرالارضؑ عجل الله فرجه الشريف''

اس اسم مبارک میں پہلا لفظ ہے مطہر یہ اسم فاعل ہے یعنی پاک کرنے والا دوسرا لفظ ہے ارض یعنی زمین اور اس کا سطحی ترجمہ ہوا زمین کو پاک فرمانے والے [ہمیشہ سلامت ہوں]

ہم اس اسم مبارک کے الفاظ کی ترتیب کو سامنے رکھتے ہوئے اسی ترتیب سے بات کو شروع کرتے ہیں کیونکہ سب سے پہلے جو لفظ آتا ہے وہ ہے ''مطہر'' اس لئے ہم پہلے اسی کے بارے میں بات کریں گے

جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ مطہر اسم فاعل ہے اور اس کا اصل مادّہ ہے'' طَهَرَ'' اس طرح مطہر کے معنی ہیں پاک کرنے والا یا طاہر کرنے والا

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے طاہر [پاک] کے کیا معنی ہیں؟

یہاں ہم پھر وہی کلّیہ استعمال کریں گے کہ جو ماہرینِ لسانیات استعمال کرتے ہیں کہ کل شی یعرف بضد ھا ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے

اب یہاں یہ سوال ہوگا کہ پاک کی ضد کیا ہے؟

دوستو! طہارت کی ضد ہے نجاست

حقیقت یہ ہے کہ نجاست یا نجس ہر اس ناپسندیدہ چیز کو کہا جاتا ہے جو کسی طرح سے آ کر چمٹ جائے اس صفت کو دیکھتے ہوئے تعویذات کے برے اثرات پر بھی نجس کا لفظ بولا جاتا ہے اسی طرح جو لا علاج بیماری چمٹ جائے اسے بھی نجس کہا جاتا ہے یعنی ہر ناپسندیدہ چیز چاہے وہ عقلاً ناپسندیدہ ہو یا شرعاً ناپسندیدہ ہو یا طبعًا ناپسندیدہ ہو چاہے وہ کوئی عادت ہی کیوں نہ ہو اسے نجس و نجاست کہا جاتا ہے

کافر و مشرک کو اس لئے ناپاک کہا جاتا ہے کہ کفر شرک اس کے ساتھ چمٹا ہوا ہوتا ہے کیونکہ حدیث صحیح میں ہے کہ کل مولود یولد علیٰ فطرت الاسلام یعنی بنیادی طور پر ہر انسان مسلم ہوتا ہے مگر کفر و شرک باہر سے آ کر چمٹ جاتا ہے اس لئے اسے بھی نجاسات میں لکھا جاتا ہے

اب یہ تو آپ کو معلوم ہو ہی چکا ہے کہ طہارت کی ضد نجاست ہے اب یہ بھی عرض کر دوں کہ نجاسات دو قسم کے ہوتے ہیں

() نجاسات ظاہری و مادّی () نجاسات باطنی و غیر مادّی

اس بات کو ایک اور طرح سے بھی بیان کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ انسان کے بنیادی ارکان تین ہیں یعنی بدن و نفس و روح

حقیقت یہ ہے کہ یہ تینوں ارکان نجس بھی ہو سکتے ہیں اور طاہر بھی ہو سکتے ہیں اس لئے ان کے نجاسات علیحدہ علیحدہ ہیں یعنی جو جو چیزیں جسم کو نجس کرتی ہیں وہ نجاسات ِ ظاہری و مادّی ہوتی ہیں اور جو جو چیزیں نفس و روح کو نجس کرتی ہیں وہ چیزیں نجاساتِ باطنی کا درجہ رکھتی ہیں

نجاسات ظاہری وحسّی کئی طرح کے ہیں یعنی انسان کے اور جملہ حرام جانوروں کے فضلات ہیں کتاّ اور خنزیر بھی نجس ہیں چاہے چار ٹانگوں والے ہوں یا دو ٹانگوں والے ہوں اسی طرح کے دیگر بہت سے نجاسات ہیں

یہ بھی یاد رہے کہ نجس اور حرام میں بھی فرق ہے اور ان کی تین قسمیں ہوتی ہیں

( ) کئی چیزیں حرام بھی ہوتی ہیں اور نجس بھی جیسے کتا اور خنزیر و مردار و خون حرام بھی ہیں اور نجس بھی ہیں

( ) کچھ چیزیں حرام تو ہوتی ہیں مگر وہ نجس نہیں ہوتیں جیسا کہ حلال جانوروں کا گوبر وغیرہ اسی طرح کئی فقہا کے نزدیک شرب حرام ہے مگر نجس نہیں ہے

( ) کئی چیزیں حرام بھی نہیں ہوتیں اور نجس بھی نہیں ہوتیں یہ ایک کلّیہ ہے کہ ہر نجس چیز حرام ضرور ہوتی ہے مگر ہر حرام چیز نجس نہیں ہوتی

دوستو! یہاں تک تو بات آپ کی سمجھ میں آ گئی اب ہم آگے بڑھتے ہیں

جو لوگ عربیک ٹرمنالوجی Arabic Terminology کو جانتے ہیں انہیں معلوم ہے کہ جو چیزیں ظاہری و مادّی وحسّی طہارت کی ضد ہوتی ہیں انہیں ''نجس'' کہا جاتا ہے اور جو چیزیں باطنی یعنی روح ونفس کو ناپاک کرتی ہیں انہیں ''رجس'' کہا جاتا ہے

اب ذرا رجس کے بارے میں بھی کچھ عرض کر دوں

دوستو! رجس ونجس یعنی نجاست باطنی وظاہری کی بنیادی طور پر چار قسمیں ہیں مثلاً

( )اما من حیث الطبع یعنی وہ نجاسات جن سے انسان طبعًا کراہت کرتا ہو

( )اما من جھة العقل یعنی وہ نجاسات جن سے عقلاً انسان کو نفرت ہو

( )اما من جهة الشرع یعنی وہ نجاسات جنہیں شریعت نے نجس قرار دیا ہو

( )اما من کل ذالك یعنی وہ نجاسات جنہیں انسانی مزاج بھی ناپسند کرتا ہو اور عقل بھی اسے قبول نہ کرے اور شریعت نے بھی اسے نجس یا رجس قرار دیا ہو جیسا کہ مردار ہے تو یہ طبعاً عقلاً شرعاً یعنی ہر طرح سے رجس و نجس ہے

نجاسات باطنی میں کفر ہے، شرک ہے، نفاق ہے، پاک خاندان علیھم الصلوات والسلام کا بغض ہے، دیوثیت [بے غیرتی] ہے

نجاساتِ ظاہری و حسّی جملہ مذاہب و مسالک کی فقہ کے موٹے موٹے نجاسات ہیں جو ہر مذہب و مسلک و فقہ والوں کو معلوم ہیں اسی طرح اسلامی شریعت کے نجاسات بھی ہر مسلمان کو معلوم ہیں

مطہرات

اب یہ تو آپ کو پتہ چل گیا کہ نجاسات دو طرح کے ہوتے ہیں اب یہ بھی عرض کر دوں کہ جو چیزیں نجاسات کو دور کرتی ہیں یعنی کسی بھی قسم کے نجس و رجس سے کسی چیز کو پاک کرتی ہیں انہیں مطہرات کہا جاتا ہے کیونکہ نجاسات کی بنیادی دو قسمیں ہیں اسی لئے نجاسات کی طرح مطہرات کی بھی بنیادی دو قسمیں ہیں بہ الفاظ دیگر دونوں طرح کے نجاسات کیلئے مطہرات بھی جدا جدا ہیں یعنی ظاہری و حسّی نجاسات کے مطہرات بھی مادّی و حسّی ہوتے ہیں جیسا کہ پانی خاک آگ وغیرہ ہیں تو یہ ظاہری و مادّی و حسّی نجاسات سے پاک کرنے کے ذرائع ہیں

باطنی و غیر حسّی نجاست کو دور کرنے کیلئے کلمۂ طیبہ اور پاک خاندان علیھم الصلوات والسلام کی وِلا اور محبت کو مطہرات میں سے قرار دیا گیا ہے یا یوں سمجھ لیں کہ تولاّ اور تبرّا ہی

ان کے مطہرات ہیں۔ صاحبان تفسیر نے لکھا ہے کہ

☆النجاست والقذارة و ذالك ضربان ضرب يدرك بالحاسة و ضرب يدرك بالبصيرة

نجاست اور گندگی کی دو طرحیں ہوتی ہیں ایک وہ نجاست ہوتی ہے جو حسّی و ظاہری ہوتی ہے دوسری وہ ہوتی ہے جسے دریافت کرنے کیلئے عقل وبصیرت کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے بارے میں یہ بھی بتا دینا لازم ہے کہ مادّی وحسّی نجاسات ہوں یا غیر مادّی و غیر حسّی نجاسات ان دونوں طرح کے نجاسات کے مطہرات ایک دوسرے کے متبادلات نہیں ہیں یعنی کافر کے کفر کی نجاست کو پانی پاک نہیں کرسکتا بلکہ وہ کلمہ پڑھے گا تو پاک ہوگا ورنہ پانی سے جتنا زیادہ نہلائیں گے وہ اور زیادہ نجس ہوتا چلا جاتا ہے کیونکہ وہ نجس العین ہوتا ہے جیسے کتا ہے نجس العین ہے اسے جتنا دھویا جائے اتنا زیادہ نجس ہوتا جاتا ہے اسی طرح اگر جسم پر ظاہری نجاست لگی ہوئی ہو تو اس پر لاکھ کلمہ پڑھو لاکھ درود پڑھو وہ ہرگز پاک نہ ہوگا جب تک کہ اسے اس کے مطہرات سے پاک نہ کیا جائے گا

اگر ہم ایک سیدھے سادے طریقے سے بیان کریں تو اس کی وضاحت اس طرح کی جاسکتی ہے کہ نجاسات حسّی وظاہری کو پاک افراد علیھم الصلوات والسلام کا حکم پاک کرتا ہے اور نجاسات باطنی کو ان کی محبت اور نام پاک کرتا ہے

آؤ اس بات کو سمجھنے کیلئے ہم ماضی کے پس دیوار جھانکتے ہیں سرزمین مکہّ ہے ایک نبی معمار بنا ہوا ہے ایک نبی مزدور بنا ہوا ہے جناب جبریلؑ پتھر کی اینٹیں پکڑوا رہے ہیں ایک گھر بن رہا ہے یہ کسی انسان کا نہیں اللہ کا گھر بن رہا ہے جب یہ گھر بن چکا تو

جناب ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے مالکِ مطلق میں نے یہ گھر بنا تو دیا ہے میں تو کہتا ہوں کہ یہ تیرا گھر ہے مگر اب تو بھی تو فرما کہ یہ تیرا گھر ہے تا کہ مجھے اطمینان ہو جائے کہ باپ بیٹے کی محنت رائیگاں نہیں گئی ارشاد قدرت ہوتا ہے

☆طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِيْنَ وَالْعَاكِفِيْنَ

اے میرے خلیل تم نے خوب محنت کی ہے مگر اس میرے گھر کو تو پاک تو کر

اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ دو نبیوں نے بنایا ہے جناب جبریلؑ نے ان کا ہاتھ بٹایا ہے کیا ابھی بھی اس میں کسی نجاست کا امکان ہے جو فرمایا جا رہا ہے کہ اسے پاک کریں؟

اس کے بارے میں عام مفسرین نے لکھا ہے کہ اس میں کافروں کے اوثان و بتان موجود تھے ان سے پاک کرنے کا حکم ہوا تھا

یہ بات کوئی من کو لگتی نہیں ہے کیونکہ جب یہ حکم دیا جا رہا تھا تو کعبہ تو اسی وقت بنا تھا یعنی یہ حکم تو تعمیر کعبہ کی تکمیل کے وقت کا ہے اور اس وقت بت کہاں سے آ گئے تھے؟

یہ تو وہی مثال ہوئی کہ ابھی شہر بسا نہیں اُچکے پہلے آ گئے

اس وقت دو نبیوں کی نگرانی تھی اور بنی جرہم تو بعد میں آئے تھے اور وہ بھی آ کر مسلمان ہو گئے تھے پھر بت کس نے آ کر ڈال دیئے تھے؟

بات یہ تھی کہ جب جناب ابراہیم علیہ السلام نے گھر بنا لیا تو دعا کی کہ اسے قبول فرما جواب ملا کہ اسے پہلے پاک کرو یعنی اس میں اللہ کے انوارِ ازلیہ علیہم الصلوات والسلام کا ذکر کرو تا کہ یہ اس قابل ہو جائے کہ اللہ جل جلالہ سے اس کی حقیقی نسبت قائم ہو سکے اس حکم کے بعد جب جناب ابراہیم علیہ السلام نے ایک ایک اینٹ پر محمدؐ و آلِ محمد علیہم

الصلوات والسلام پر صلوات پڑھی تو یہ گھر پاک ہو گیا یعنی نجاسات باطنیہ سے پاک کرنے کا ذریعہ صلوات بھی ہے

دوستو! یہ تو آپ جانتے ہیں کہ ارشادِ قدرت ہے إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَس فرمایا گیا ہے کہ مشرک نجس ہے کیونکہ اس کے اندر رجس موجود ہے یہ جو مرض رجس ہے اس کی چھ حالتیں ہوتی ہیں یعنی تین حالتیں کفر کی ہوتی ہیں اور تین حالتیں شرک کی ہوتی ہیں () کفر بالله () کفر بالنبوة () کفر بالامامت

کفر بالنبوة نبوّت کی یہ حالتیں ہیں

() کسی حقیقی نبی کو نبی نہ ماننا () کسی غیر نبی کو نبی ماننا () کسی غیر نبی کو زمانۂ موجود کے نبی کے ماتحت صاحبِ شریعت نبی ماننا

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ ماضی میں ایک وقت میں کئی کئی نبی رہے ہیں مگر وہ ایک ایک قوم کیلئے مبعوث ہوتے تھے یا ایک علاقے کیلئے مبعوث ہوتے تھے اس لئے ان کی قوم یا امّت کیلئے کسی دوسرے نبی کو ان کے اپنے نبی کے برابر سمجھنا بھی ایک طرح کا کفر خفی تھا کیونکہ واجب الاطاعت ایک ہی ہوتا ہے یعنی ناطق ایک ہی ہوتا ہے باقی صامت ہی ہوتے ہیں جیسا کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام اور جناب یحییٰ علیہ السلام ایک ہی زمانے میں تھے مگر شارع صرف جناب عیسیٰ علیہ السلام ہی تھے حکم ان کا تھا اسی طرح جناب لوط علیہ السلام اور جناب ابراہیم علیہ السلام ایک زمانے میں تھے جب تک جناب لوط علیہ السلام جناب ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ رہے صامت رہے جب انہیں پانچ یا سات بستیوں پر مبعوث فرمایا گیا تو وہ وہاں جا کر ناطق ہوئے مگر پھر بھی جناب ابراہیم علیہ السلام کی ملّت میں رہے

شرک کی دوسری قسم شــرك بــالامــامــت ہے اس کی بھی یہی تین حالتیں ہوتی ہیں یعنی () کسی غیر امام کو امام ماننا () کسی امام کو امام نہ ماننا () کسی امام سابق کو اپنے زمانے کے امام پر حاکم ماننا اور اطاعت میں سبقت دینا

یعنی ہر زمانے کا امام ہی All in All ہوتا ہے اور ماضی کے کسی امام کو ان کا شریکِ اقتدار سمجھنا مناسب نہیں ہوتا

اس بات سے شاید کئی لوگ باقی آئمہ ہدیٰ علیہم السلام سے انکار مراد لیں گے تو انہیں اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ جیسے سابقہ نبیوں کو حق ماننا واجب ہے یہاں بھی یہی صورت ہے کہ انہیں حق تو ماننا ہے مگر شریکِ اقتدار ماننا مناسب نہیں ہے اس بات کو ایک اور طرح سے سمجھیں

دیکھئے کفر بالنبوّت کیا ہے؟ کفر بالنبوة یہ ہے کہ کسی زمانۂ موجود کے حقیقی نبی کو نبی نہ ماننا۔ یہ کفر بالنبوّت ہے چاہے باقی سوا لاکھ انبیا علیہم السلام کو نبی کیوں نہ مان لیا جائے یہ کفر ہی ہے یعنی سارے انبیا علیہم السلام کو ماننے والا اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کو نہیں مانتا تو کافر ہی رہے گا کیونکہ یہ زمانۂ موجود کے نبی و رسول ہیں

شرك بالنبوة یہ نہیں ہے کہ کسی سابقہ نبی کو نبی مان لیا جائے کیونکہ ہمیں تو کلام الٰہی میں سوا لاکھ انبیا علیہم السلام کی نبوّت پر ایمان لانے کا حکم ہے فرمایا گیا ہے آمــنــت بــالــلــه و کتبهٖ و رسلهٖ ...... الخ یعنی کسی نبی کو نبی ماننا شــرك بــالنبوة نہیں ہے بلکہ ایک متوازن عقیدہ یہ ہے کہ ان سب کو اپنے اپنے زمانے کا برحق نبی و رسول مانو

حقیقت یہ ہے کہ شــرك بــالــنبوة دو طرح کا ہوتا ہے ایک تو کسی غیر نبی کو نبی ماننا یا کسی ماضی کے حقیقی نبی کو زمانہ حاضر کے نبی کے حکم و شریعت میں سہیم و شریک ماننا یا

اپنے نبی کے برابر واجب الطاعت سمجھنا یہ بھی شرک ہے دیکھئے آج اگر جناب ابراہیم علیہ السلام تشریف لائیں اوران کے ساتھ شہنشاہ انبیاصلی اللہ علیہ و آلہ و سلم بھی تشریف لائیں

اب اگرشہنشاہ انبیاصلی اللہ علیہ و آلہ و سلم ہمیں ایک حکم دیں اور جناب ابراہیمؑ ہمیں ان کے حکم کے خلاف کوئی حکم دیں تو خود سوچیں کہ ہمیں کس کا حکم ماننا واجب ہے؟ ایک درست عقیدہ یہ ہے کہ ہمیں اپنے شہنشاہ معظم رسول اللہصلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کا حکم ماننا واجب ہے اگرہم ان کے حکم کے برابر جناب ابراہیم علیہ السلام کے حکم کو سمجھیں گےتو یہ بھی ایک شرک ہی ہے کیونکہ وہ اپنے زمانے کے نبی تھے ہمارے زمانے سے ان کا کوئی تعلّق نہیں ہے ہم انہیں حق مانتے ہیں مگراپنے شہنشاہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے برابرنہیں مانتے

اسی طرح شرک بالامامت یہ نہیں کہ اپنے امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے علاوہ کسی کوامام مانا جائے بلکہ ہرزمانے کے پاک امامِ حق کوامام ماننا واجب ہے جوان میں سے ایک کا بھی منکر ہے وہ کافر ہےاور زمانے کے امام کی امامت سے منکرین کو سارے عرفا کافر مانتے ہیں بات صرف اتنی ہے کہ انہیں زمانے کے امام عجل اللہ فرجہ الشریف کے حکم میں شریک نہیں مانا جا سکتا جیسا کہ دعائے فرج کی سند میں ہے کہ جب علامہ مرحوم نے یہ سوال کیا کہ آپ نے کئی نام پاک لئے ہیں اورآخرمیں فرمایا ہے ''ادرکنی'' جبکہ عربی گرائمر کے لحاظ سے ادرکونی یعنی جمع کا صیغہ ہونا چاہیے تھا اس پرآپ نے فرمایا تھا ان کا ہمارے ملک میں کیا عمل دخل ہے؟ جو کچھ کرنا ہے ہم نے کرنا ہے ان کا ذکرِ خیرتو تبرک وتیمن کیلئے ہوا ہے ہمارے لئے ہمارے اجداد

طاہرین علیھم الصلوات والسلام کو وسیلہ بناؤ کام ہم نے کرنا ہے

یعنی کسی زمانے کے امام کے معاملات اور اختیار میں کسی ماضی یا مستقبل کے امام کو مداخلت کرنے والا یا شریکِ اقتدار سمجھنا بھی شرک خفی ہے جیسے اللہ ہمیشہ ایک ہوتا ہے اسی طرح امام زمانہ علیہ الصلوات والسلام بھی ایک ہوتا ہے اور اگر اللہ دو ہوتے تو کائنات میں فساد ہوتا اسی طرح ناظم کائنات امام ناطق علیہ الصلوات والسلام بھی ایک ہی ہوتا ہے اگر یہ بھی دو ہوتے تو پھر بھی اس کائنات میں فساد ہوتا یعنی ایک وقت میں دو امام ناطق سمجھنا بھی شرکِ خفی ہے

اب اس آیت کی طرف دیکھیں کہ إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَس یعنی ہر قسمی شرک کرنے والے نجس ہوتے ہیں

دوستو! حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے نور اوّلیہ وازلیہ علیھم الصلوات والسلام دراصل ایک ہی ہیں یعنی من حیث الذّات نور واحد ہیں جیسے اللہ ایک ہے اسی طرح یہ نور بھی ایک ہی ہے اور عالمِ خلق و عالمِ امر کو سنبھالنے کیلئے انہوں نے جو روپ اختیار فرمائے ہیں ان کی مثال ایسے ہے جیسا کہ اللہ کی صفات ہیں اور وہ صفات ایک دوسرے سے متضاد و متناقض بھی ہیں اور وہ سب ایک دوسرے کے معاملات میں مداخلت بھی نہیں کرتیں جیسا کہ اللہ کی ایک صفت ہے محی یعنی زندہ کرنے والا دوسری صفت ہے ممیت یعنی موت دینے والا اب صورت یہ ہوتی ہے کہ جب اسم محی (Active) عامل ہوتا ہے تو ممیت اس کے پس پردہ چلا جاتا ہے اور جب اسم ممیت (Active) ہوتا ہے تو اسم محی پس پردہ چلا جاتا ہے اور اسم محی اسم ممیت کو حیات کی سفارش تک نہیں کرتا اللہ کا یہ قانون ہے کہ عدل کے وقت رحم نہیں فرماتا اور رحم کے وقت عدل نہیں فرماتا اسم

رحمٰن اسم منتقم کے پاس سفارش کیلئے بھی نہیں جاتا اسی طرح اللہ کے نور اوّل کے روپ دراصل اس کی (Active) صفات ہیں اور یہ ایک دوسرے کے معاملے میں مداخلت بھی نہیں فرماتے جیسا کہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب امام حسن علیہ الصلوات و السلام نے فرعونِ شام سے صلح فرمائی تھی تو اس وقت کئی لوگ امام مظلوم علیہ السلام کے پاس آئے اور عرض کیا یہ انہوں نے کیا کیا ہے؟ انہوں نے ظالم سے صلح کر لی ہے مومنین کی ناک کٹوا دی ہے وغیرہ وغیرہ اب آپ مہربانی فرمائیں اور وہاں تشریف لے جائیں اور اس نظام کو اپنے ہاتھوں میں لے لیں یہ سن کر آپ نے فرمایا اے احمق تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟ یہ زمانہ ہمارا نہیں ہے یہ ہمارے بھائی کا زمانہ ہے اور ہم ان کے معاملات میں مداخلت نہیں کر سکتے وہ اپنے دور میں جو بھی فیصلہ کریں وہی اللہ کی عین منشا ہے اور تمہارے لئے اور ہمارے لئے بھی وہی واجب التعمیل ہے اور تم پر بھی اور مجھ پر بھی ان کی اطاعت واجب ہے اب جو کچھ وہ فرماتے ہیں وہی حق ہے اور اس پر عمل کرنا ہی دین ہے اور جو ان کے حکم پر عمل نہ کرے یا ان کے حکم اور فیصلے کے حق ہونے پر شک کرے خود کو مومن نہ سمجھے

دوستو! ہمارا تعلقِ ایمانی سارے معصومین علیہم الصلوات والسلام سے ہے اور ہمارا تعلّق اطاعتی صرف اپنے زمانے کے امام علیہ الصلوات والسلام سے ہے اور جو اس تعلّق میں کسی کو شریک سمجھتا ہے وہ شرک خفی میں مبتلا ہے اور یہ شرک رجسی ہے

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ نجس اور رجس کی نجاست میں کیا فرق ہے؟

دوستو! رجس اور نجس کی نجاست میں یہ فرق ہے کہ نجس ظاہری کی نجاست ظاہر تک محدود رہتی ہے مگر نجاست باطنی یعنی رجس کی نجاست باطن تک محدود نہیں رہتی بلکہ

ظاہر کو بھی نجس کر دیتی ہے اسی لئے تو مشرک کو نجس کہا گیا ہے کہ اس کا ظاہر بھی نجس ہو جاتا ہے

اللہ فرماتا ہے☆ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُون یعنی اللہ نے ان لوگوں پر رجس کو قرار دیا ہے کہ جو عقل استعمال نہیں کرتے اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کس معاملے میں عقل کو استعمال کرنے کا حکم دے رہا ہے؟ فرمان ہے یہ تمہیں جو عقل دی گئی ہے لاقامة رسم العبودیت یعنی غلامی وعبودیت کو کس طرح قائم رکھنا ہے اس کیلئے عقل دی گئی ہے لا لادراك الربوبيت یہ تمہیں ادراک ربوبیت کیلئے نہیں دی گئی اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ ہم ان کے غلام ہیں اور آدابِ غلامی کیا ہیں اس کیلئے عقل کو استعمال کرنا ہے اور جو ان کی عبدیت کی رسم کو ادا کرنے کیلئے عقل سے کام نہیں لیتا وہ بھی نجس ہو جاتا ہے ہمارے لئے سوال ہے کہ کیا ہم آزاد ہیں یا غلام ہیں؟ اگر غلام ہیں تو آقا اور غلام کا جو رشتہ ہوتا ہے اسے کس طرح استوار رکھ سکتے ہیں؟ اگر ہم اس کے بارے میں نہیں سوچتے تو پھر ہمارے دلوں میں کوئی نہ کوئی مرض موجود ہے اور مریض قلب رجس میں مبتلا ہوتا ہے

یہ نہیں سوچنا کہ ہم اللہ اور آل اللہ علیہم السلام کو زنجیر عقل میں اسیر کر سکتے ہیں یہ تو کفر ہے ہاں جو آداب غلامی وعبدیت کو سمجھنے کیلئے عقل کو استعمال نہیں کرتا وہ مریضِ شرک وعداوت ہے۔ اسی کیلئے اللہ فرماتا ہے

☆ وَأَمَّا الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْساً إِلَى رِجْسِهِم

یعنی جن کے دلوں میں مرض ہے یعنی محمد آل محمد علیہم الصلوات والسلام کی عداوت کا مرض ہے اللہ ان کے اس رجس کو دیکھتے ہوئے ان کے رجس [نجاست] میں اضافہ کرتا

چلا جاتا ہے

دوستو! ان کی ذات کے بارے میں جو میں بار بار شرک کا ذکر کر رہا ہوں اس میں یہ بھی عرض کرنا ضروری ہے کہ اس شرک کی کتنی اقسام ہوتی ہیں؟

بات یہ ہے کہ شرک کی بینادی طور پر دو قسمیں ہیں

() شرکِ جلی () شرکِ خفی

شرک جلی یہ ہے کہ ان پاک ذوات علیھم الصلوات والسلام کے مقابلے میں کسی کو لانا، برابر میں لانا، مرتبے میں لانا، حکم میں لانا، اطاعت میں لانا، امر میں لانا، محبت میں لانا، عقیدت میں لانا، غرض کسی بھی طرح سے لانا شرک ہے کیونکہ ہمارا مرکزی نقطۂ پرکار اللہ جل جلالہ کے یہی انوارِ ازلیہ وقدسیہ علیھم الصلوات والسلام ہیں بس یہی سوچنا ہے کہ اگر کوئی محترم ہے یا کسی بھی ادب کے قابل ہے تو صرف ان کی وجہ سے ہے چاہے وہ کوئی ماضی کی شخصیت ہے یا حال کی یعنی اصحاب کرام ہیں یا اس دنیا میں ملنے والے ماں باپ ہیں یہ سب اس صورت میں محترم ہیں کہ ان کا رشتۂ محبت و وِلا اس پاک گھر سے استوار ہے تو پھر ان کا احترام کا رشتہ ہم سے قائم ہے اگر نہیں ہے تو ہمارے لئے ان کا کوئی احترام واجب نہیں ہے اور جس کا بھی یہ رشتۂ وفا و وِلا بحال ہے اس سے ہمیں پیار کرنا لازم ہے چاہے وہ ماں باپ کا قاتل ہی کیوں نہ ہو اور جس کا اس پاک خاندان علیھم الصلوات و السلام سے محبت کا رشتہ استوار نہیں یا ان کا کوئی دشمن ہے تو ہمیں اس سے نفرت کرنا ہے چاہے وہ ماں باپ ہی کیوں نہ ہوں یہی دینِ آلِ محمد علیھم الصلوات والسلام ہے اگر یہ رویّہ نہ ہوگا تو یہ بھی ایک شرک ہی ہے اور یہ شرکِ جلی ہے

شرکِ خفی یہ ہے کہ ہماری خواہشاتِ نفس ہم پر ایسی غالب آ جائیں کہ ہمیں ان پاک

انوارِ الٰہیہ علیھم الصلوات والسلام کی نافرمانی پر آمادہ کرلیں

عرفا کا فرمانا ہے کہ قرآن کریم میں ظاہراً توحید و نبوّت کی دعوت ہے اور در پردہ حقیقتاً ولایت کی دعوت ہے اب اسے اس طرح دیکھیں کہ ارشادِ قدرت ہے

☆أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ یعنی اس دنیا میں جتنے بھی معبودانِ باطلہ کی پرستش کی گئی ہے ان میں سے سب سے زیادہ جس بت کی پوجا ہوئی ہے وہ خواہشِ نفس ہے یعنی سب سے برا اور خطرناک معبودِ باطل خود ہمارے اندر موجود ہے یعنی وہ ہمارا نفس امّارہ ہے کہ جس کی اطاعت میں ہمارے شب و روز گزر رہے ہیں اور ہم اس کے حکم پر اللہ جل جلالہ کے احکام اور پاک خاندان علیھم الصلوات و السلام کے احکام کو توڑنا ایک کھیل سمجھتے ہیں حالانکہ یہ بھی شرک ہے اور اسے شرکِ خفی کہا جاتا ہے کیونکہ اس شرک میں مبتلا ہونے والا مشرک ہوجانے کے باوجود خود کو مسلمان و مومن اور عارف تک سمجھتا رہتا ہے اور اسے پتہ بھی نہیں چلتا کہ اس کے اندر شرک چیونٹی کی چال میں چل رہا ہے اور اس کی گرفت شیر کی طرح ہے اس شرک کے قدموں کی آہٹ چیونٹی سے بھی کم سنائی دیتی ہے اور اس کے جبڑوں کی بھینچ مگرمچھ سے بھی زیادہ آہنی ہوتی ہے وہ اس طرح انسان کو ہلاک کرتا ہے کہ انسان کو اس ہلاکت میں بھی مزا آتا ہے اور اس طرح جہنّم میں جھونک دیتا ہے کہ انسان اس جہنّم میں کودتے ہوئے لطف اندوز ہوتا ہے وہ اس طرح انسان کو قتل کرتا ہے کہ انسان اس کی ایک ایک ضرب کی بلائیں لیتا ہے اور اس کے ایک ایک زخم پر قربان ہوتا جاتا ہے یہ شرک وہ خطرناک شرک ہے کہ جس کا عام حالات میں ادراک بھی نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس شرک کو کوئی شرک سمجھتا ہی نہیں ہے حالانکہ ھوائے نفس کی اِتبّاع میں انسان ایسا

مشرک ہوتا ہے کہ اس کی نجاست کی بد بو عالم بالا کے لوگوں کو ڈسٹرب (Disturb) کر دیتی ہے۔ انسان اس شرک سے نجاست و رجاست دونوں میں آلودہ ہو جاتا ہے۔ اس پر مکمل بحث میں نے اپنی کتاب روحانیات ''اسرار العبدیات یعنی عملی روحانیات'' میں کی ہے تفصیل کیلئے اس کی طرف رجوع کریں

یہ اس دنیا میں اس لئے تشریف لائے ہیں کہ ہمیں پاک کریں جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے

☆ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيراً

اس آیت میں ایک حرف کو پردے میں رکھا گیا ہے جیسا کہ عربی میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک حرف کو گرا دیا جاتا ہے یا پردے میں لایا جاتا ہے اسی طرح اس میں اهل البیت کے بجائے لفظ تھا باهل البیت یعنی ''ب'' بائے معیتی وتوسطی وجری کو پردے میں رکھ دیا گیا ہے اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ

''تحقیق اللہ نے یہ ارادہ فرمایا ہے کہ اے لوگو اہل البیت کے ذریعے تم سے رجس کو دور فرما دے اور تمہیں ایسا طاہر کرے جیسا طاہر کرنے کا حق ہے''

اس آیت پر عوامی معنی کے حوالے سے میں ایک مجلس پڑھ چکا ہوں اب یہاں اس کا عرفانیاتی جائزہ پیش کر رہا ہوں اور عرض کر رہا ہوں کہ پاک خاندان علیہم الصلوات والسلام تو رجاست ونجاست سے ازل سے پاک ہیں اور اس طرح پاک ہیں کہ جیسے اللہ جل جلالہ پاک ہے کیونکہ یہ اللہ کا نور ہیں اور اللہ کا نور کبھی نجس نہیں ہو سکتا یہ آیت صرف مومنین کے بارے میں ہے کہ اللہ انہیں پاک کرنا چاہتا ہے یعنی نجاسات و رجاسات سے مومنین کو پاک کرنے کا خالق نے اہتمام فرمایا ہے

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ جل جلالہ ان کے ذریعے کس طرح پاک کرتا ہے؟
بات یہ ہے کہ اللہ نے ان پاک انوارِ ازلیہ واوّلیہ علیہم الصلوات والسلام کو مومنین کو پاک کرنے کا کئی طرح سے ذریعہ بنایا ہے۔ سب سے اوّل تو یہ بات ہے کہ پاک خاندان علیہم الصلوات والسلام کو اس نے اس زمین پر انسان کی شکل میں نازل فرمایا ان کا اس زمین پر آجانا بھی مومنین کو پاک کرنے کیلئے تھا اس راز کی طرف اللہ جل جلالہ نے اس طرح اشارہ فرمایا ہے

☆مَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُم مِّنْ حَرَجٍ وَلَكِن يُرِيدُ لِيُطَهَّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُون

یعنی تمہیں تکلیف دینے کا اللہ کا ارداہ نہیں ہے بلکہ وہ تو یہ ارادہ رکھتا ہے کہ وہ تمہاری تطہیر کرے اور تم پر اپنی نعمت کو مکمل فرمائے شاید تم اس کا شکرادا کرسکو

یہاں اللہ نے عام انسانیت کی یعنی عام لوگوں کی تطہیر کی بات کی ہے اور ساری انسانیت پر اتمام نعمت کا احسان فرمانے کا ذکر کیا ہے اور ہم اس آیت کے ساتھ خم ِ غدیر پر نازل ہونے والی آیت کو شامل کر کے دیکھیں تو معانی واضح ہو جائیں گے جیسا کہ فرمایا گیا تھا و اتممت عليك نعمتی یعنی امیرالمومنین علیہ الصلوات والسلام کو مومنین کا مولا اور مالکِ رگِ گردن قرار دینا ہی اتمامِ نعمت تھا نعمت کا مکمل ہونا تھا اور اس میں مومنین کی تطہیر تھی کہ جو اقرار کرے وہ رجاست قلبی سے پاک ہو جائے اور جو انکار کرے وہ نجس ورجس رہے

دوسری ''طرح'' یہ ہے کہ پاک خاندان علیہم الصلوات والسلام کی وِلا ومحبت اور ان کی غلامی کو واجب کر کے اللہ نے ازلی نجس انسان کو پاک کرنے کا ارادہ کیا ہے اب

اس کی مرضی کہ پاک ہو یا نہ ہو

جیسا کہ عوامی نظریہ ہے کہ آیت تطہیر پاک خاندان علیھم الصلوات والسلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے مگر عرفا جانتے ہیں کہ یہ آیت تطہیر حقیقتاً مومنین کی شان میں نازل ہوئی ہے نہ کہ پاک خاندان علیھم الصلوات والسلام کی شان میں نازل ہوئی ہے کیونکہ جو شخص ان کی وِلا ومحبت میں کامل ہو جاتا ہے وہ ان کے اہل البیت میں شامل ہو جاتا ہے جیسا کہ جناب سلمان پاک سے فرمایا گیا تھا السلمان منیٰ اھل البیت یہ فرمان صرف ان تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ رہتی دنیا تک باقی ہے اور یہ اللہ کے ایک قانون کا درجہ رکھتا ہے یعنی آج بھی جو ان کی محبت میں کامل ہوگا اسے یہ مقام مل جائے گا اور اسے ایسا پاک کیا جائے گا کہ وہ پھر کبھی نجس ورجس میں مبتلا نہ ہوگا اللہ جل جلالہ نے اس پاک خاندان علیھم الصلوات والسلام کو مومنین کے قلب کے پاک کرنے کا ذریعہ بھی بنایا ہے اور مومنین کے مال پاک کرنے کا ذریعہ بھی بنایا ہے جیسا کہ اللہ جل جلالہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم سے فرمایا کہ

☆خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلاَتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَاللّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ

عام لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے مال و حکومت کی خاطر وحی کو استعمال کیا ہے اور کچھ لوگوں نے یہ کہا کہ ہر زمانے کے امام علیہ السلام مال خمس پر بسر اوقات کرتے ہیں حالانکہ انہیں اس کی ضرورت ہی نہیں تھی بلکہ یہ تو انسانیت کو پاک کرنے کا ذریعہ تھا کیونکہ مال پاک ہوگا تو غذا پاک ہوگی غذا کی وجہ سے جسم اور جسم کی وجہ سے افعالِ جسم پاک ہو جاتے ہیں عبادات کی پاکیزگی

کی بنیاد مال وغذا کی پاکیزگی پر منحصر ہے اس لئے یہ کسی کا مال قبول فرماتے ہیں تو ان کا احسان ہے کیونکہ یہ اس کی تطہیر فرمانے کا ارادہ رکھتے ہیں تب قبول فرماتے ہیں میں کس کس چیز کا حوالہ دوں بات یہ ہے کہ انسان کے نجاسات کا سلسلہ اس دنیا تک محدود نہیں بلکہ موت کے بعد بھی اور قیامت وحشر و جنت وجہنّم کے مراحل تک پھیلا ہوا ہے اور انسان کو ہر مرحلۂ آخرت میں پاک سے پاک تر کیا جائے گا تاکہ وہ کمالاتِ نورانیہ کا کماحقّہ ادراک کر سکے اسی لئے فرمایا گیا ہے

☆إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَناً قَلِيلاً أُولَـئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلاَّ النَّارَ وَلاَ يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلاَ يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ

اسی طرح ایک اور آیت میں فرمایا گیا ہے کہ

میں اس پر بات تو نہیں کروں گا کہ ایمان کو کس طرح بیچا جاتا ہے اور ثمن قلیل یعنی کم قیمت سے مراد کیا ہے مَا أَنزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتَاب سے مراد کیا ہے میرا مقصد یہ تھا کہ جیسا کہ اللہ نے فرمایا وہ نہ تو ان سے قیامت کے دن کلام فرمائے گا اور نہ ہی انہیں پاک فرمائے گا اب یہ تو ساری دنیا جانتی ہے کہ اللہ جب بھی کلام فرماتا ہے تو وہ کئی ذرائع استعمال فرماتا ہے وہ بلا واسطہ کلام نہیں فرماتا اور آخرت میں ہر زمانے کی مخلوق کے ساتھ اس کے کلام کا واحد ذریعہ ہر زمانے کے امام علیہ الصلوات والسلام ہی ہوں گے اور وہ ان لوگوں سے کلام بھی فرمائیں گے اور انہیں پاک بھی فرمائیں گے میں اس ایک آیت پر اگر بات کروں تو کئی نشستوں میں بات ختم ہوگی اس لئے میں اپنے مقصد کی طرف واپس آتا ہوں یعنی میرا ان آیات کو پیش کرنے کا مقصد یہ تھا

کہ انسانیت کو پاک کرنے کیلیئے دنیا ہی کافی ہے بلکہ انسان کے پاک کرنے کا جو سلسلہ اس دنیا سے چلے گا تو وہ آخرت میں بھی جاری رہے گا یعنی انسان کے درجات وہاں بھی بلند ہوتے چلے جائیں گے اور جب بھی کسی مومن کو کسی اگلے درجے میں پرموٹ(Promote) کیا جائے گا تو اس کے پہلے والے درجہ کی پاکیزگی اگلے درجے کیلیئے ناکافی ہوگی اس لئے پہلے اسے وہاں پاک کیا جائے گا اور اس کے بعد اگلی منزل میں داخلہ ملے گا اور وہاں واحد ذریعہ زمانے کا امام ہی ہوگا یعنی نور اوّلیہ اِلٰہیہ علیہ الصلوات والسلام ہی وہاں انسان کو پاک کرے گا اور درجات میں پرموشن(Promotion) بھی دے گا یعنی پاک کرنے کا عمل اس دنیا تک محدود نہیں ہے اس لئے کچھ لوگوں کو وہاں بھی پاک کیا جانا ہے قیامت کے ضمن میں آپ نے سنا ہوگا کہ وہاں کئی مقامات ہیں جیسے حشر ہے کہ جہاں مخلوق نے پہلے جمع ہونا ہے موقف ہے کہ جہاں مخلوق کو مالك يوم الدين کے سامنے پیش ہونا ہے اعراف ہے جو جنت اور جہنّم کے درمیان ایک جگہ ہے اسی طرح ایک مقام ہے "مُطھَر" جس میں قیامت کے دن عذاب دے کر پاک کرنے کے بعد جہاں ٹھہرایا جائے گا یعنی کچھ لوگوں کو جہنّم میں ڈال کر پاک کیا جانا ہے کہ عدل کے تقاضے پورے کئے جائیں

دوستو! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اللہ جل جلالہ نے اپنے جس نورِ اوّلیہ وازلیہ علیہ الصلوات والسلام کو اس کائنات کے پاک کرنے کا ذریعہ بنایا ہے اور جسے اس زمین کو پاک کرنے کا ذریعہ اس نے قرار دیا ہے وہ ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف ہیں- تخلیقِ ارض کے وقت انہوں نے اسے اپنے نور سے واش Wash کیا تو یہ پاک ہوگئی یعنی اس کے ہر ذرے میں انہوں نے اپنا نور جاری کیا جیسے نجس کپڑے کی ایک

ایک تار پر آبِ طاہر جاری نہ ہو تو وہ پاک نہیں ہوتا اسی طرح اس زمین کے ایک ایک ذرے میں انہوں نے اپنا نور جاری فرمایا تو یہ زمین پاک ہوگئی بلکہ مطہر ہوگئی یعنی اس میں پاک کرنے کی صلاحیت بھی آ گئی اور آج کے فقہا لکھتے ہیں کہ مطہرات میں سے ایک زمین بھی ہے یعنی اس میں بھی نجس کو پاک کرنے کی صلاحیت موجود ہے یعنی انسان بھی اگر نجس ہو تو یہ اس کی نجاست کو دور کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے جیسا کہ ایک ضرب والا تیمّم وضو کا متبادل مانا جاتا ہے اور دو ضرب والا تیمّم غسل کے برابر مانا جاتا ہے

پانی اور اس میں فرق یہ ہے کہ پانی جب تک پورے جسم پر تین مرتبہ جاری نہ ہو پاک نہیں کر سکتا یا پھر انسان اس میں جب تک پوری طرح ڈوب نہ جائے اور پانی اس کے چاروں طرف سے محیط نہ ہو جائے وہ پاک نہیں کر سکتا مگر زمین میں یہ صلاحیت ہے کہ اس کی تھوڑی سی مقدار ہتھیلیوں پر لگتی ہے اور اس کی دھول ماتھے اور ہاتھ پر لگتی ہے یعنی یہ مٹی لگتی تو پورے جسم کے ہزارویں حصے پر ہے مگر پاک سارے جسم کو کر دیتی ہے

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس میں یہ صلاحیت کس نے پیدا کی ہے؟

جس نے اسے پاک کیا تھا اور ایسا پاک کیا کہ پھر اس میں بھی پاک کرنے کی قابلیت پیدا ہوگئی وہ کون تھا؟ حقیقت یہ ہے کہ تراب ابوترابؑ کے نام کی نورانیت کی وجہ سے پاک ہوئی یہ لقب ہمارے شہنشاہ زمانہ ہی کا نہیں بلکہ ہر زمانے کا امام علیہ الصلوات والسلام ابوتراب ہوتا ہے

دوستو! اس زمین کو تخلیق کے روزِ اوّل شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف نے اپنے آپ

نور سے غسل وِلادت دیا تھا اور زمانۂ خروج تک انہوں نے اس زمین کی تربیت فرمائی کیونکہ رب الارض عجل اللہ فرجہ الشریف بھی وہی ہیں اور اپنے خروج کے وقت اسے اپنے پاک خاندان علیہ الصلوات والسلام کی رہائش کے قابل بنانے کیلیئے ظالمین و مشرکین سے پاک بھی وہی فرمائیں گے

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ

شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف اس دنیا کو کس لئے پاک کریں گے اس کی وجہ کیا ہے؟ آخر اس زمین کو پاک کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ جنت اور عقبیٰ اور آخرت کے سارے مقامات موجود ہیں اور وہاں ظالمین ومظلومین Already جمع ہیں وہاں اپنی حکومت کا اعلان کر دیا جائے اور وہاں انہیں جزا وسزا سے ہمکنار کر دیا جائے اور اس دنیا کو ہر قسمی لوگوں سے خالی کر کے مٹا دیا جائے ساری مخلوق کو دوبارہ اس دنیا میں لانے کی ضرورت کیا ہے؟

دوستو! اس زمین کو پاک کرنے کی اصلی ضرورت یہ ہے کہ اس زمین پر ملکۂ عالمین صلوات اللہ علیہا نے دوبارہ آباد ہونا ہے کیونکہ یہ زمین بھی ان کی ملکیت ہے اور ان کے یہاں تشریف لانے سے پہلے اس دنیا کو پاک کرنا لازم ہے جب تک یہ دنیا پاک نہ ہوگی ان کی رہائش کے قابل نہ ہوگی ظالمین کو اس لئے دوبارہ اس دنیا میں لایا جائے گا کہ اس دنیا کو پاک کرنے کیلیئے مطہرات زیادہ نہیں ہیں بلکہ صرف ظالمین کا خون ہی ہے کہ جس سے یہ پاک ہوسکتی ہے اس لئے وہ شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف اس دنیا میں سارے ظالمین کو جمع فرمائیں گے اور ان کے خون سے اس زمین کو غسلِ صحت دیں گے

اس کے بعد ظالمین کو قتل کرنے کے بعد اس دنیا میں ان کی لاشوں کو جلا دیا جائے گا کیونکہ آگ بھی مطہرات میں سے ہے اس طرح یہ زمین پوری طرح ان کی نجاست ورجسات سے پاک ہو جائے گی

ظالمین کو جلانے کی وجہ یہ ہے کہ اس زمین کو مزید اذیّت سے بچانا ضروری ہے اس لئے انہیں قتل کر کے دفن کرنے سے اس زمین کو مزید اذیّت دینا مناسب نہ ہوگا اس لئے انہیں قتل کر کے جلا دیا جائے گا اور پھر آخرت کی آگ میں دوبارہ مجسّم کر دیا جائے گا اس طرح جب یہ زمین پوری طرح پاک ہو جائے گی تب وحـــــدانیة الکبریٰ صلوات الله علیها کا خیمہ اس دنیا میں آراستہ کیا جائے گا کیونکہ یہ کام ہمارے شہنشاہ یزداں اجلال عجل الله فرجه الشریف کو کرنا ہے اس لئے آپ کا ایک نام پاک ہے مطہر الارض عجل الله فرجه الشریف

آیئے ہم سب مل کر دعا کریں کہ وہ روزِ سعید جلدی آئے کہ یہ دنیا ظالمین کے وجود سے مکمل پاک ہو اور اس دنیا پر پاک خاندان علیــه الـصـلـوات والسلام کی ابدی شاہی کا اعلان ہو اور ملکہٴ عالمین صلوات الله علیها کی شانِ خداوندی کا اظہار ہو

آمین یارب العالمین

اللهم صل علیٰ محمدؐ وآل محمدؐ و عجل فرجهم بقائمهمؑ صلوات الله علیه والسلام

یا ھو یا من ھو لا ھو الا ھو الحی القیوم یا ھو یا من لا یعلم ما ھو الا ھو الحی القیوم العلی العظیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک

ولی العالمینؑ

عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه

الحمد لله رب العالمين و صل علىٰ محمدؐ و آلہٖ اجمعين خصوصاً على حجة الله فى العالمين عجل الله فرجه الشريف و آبائه المعصومين و امهاته الطاهرين الطيبين صلوات الله عليهم اجمعين و لعنة الله علىٰ اعدائهم اجمعين من يوم الازل الى يوم الدين

اے مسافرانِ طریقِ ولایت!

میں اپنے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف کے اسمائے مبارکہ کی تشریحات میں مصروف ہوں ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف کے کئی ایسے اسما مبارکہ ہیں کہ جن میں لفظ ولی آیا ہے مثلاً

() ولی اللہ عجل الله فرجه الشريف

() ولی المومنین عجل الله فرجه الشريف

() ولی العصر عجل الله فرجه الشريف

() ولی الزمان عجل الله فرجه الشريف

() ولی العالمین عجل الله فرجه الشریف

ان سب پر پھر بات ہوگی لیکن آج ہمارے پیشِ نظر جو اسم مبارک ہے وہ ہے

() ولی العصرؑ عجل الله فرجه الشریف

اس اسم مبارک میں ایک عجیب بات یہ بھی ہے کہ اس میں جو ترکیب لفظی ہے اس میں استعمال ہونے والے دونوں الفاظ مفرداً بھی ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشریف کے اسمائے مبارکہ میں شامل ہیں یعنی ''ولیؑ'' بھی ایک علیحدہ نام پاک ہے اور ''عصرؑ'' بھی ایک علیحدہ نام پاک ہے اور ان دونوں کا مرکب ''ولی العصرؑ'' پھر ایک علیحدہ اسم مبارک ہے

اس میں دو لفظ ہیں ایک ہے ''ولی'' اور ایک ہے ''عصر''

اس اسم مبارک کی تشریح میں ہم آج کوئی زیادہ گہرائی میں بات نہیں کریں گے بلکہ اس اسم مبارک کے ہم وہی معنی لے کر بات کا آغاز کر رہے ہیں کہ جو ہمارے اپنوں اور بیگانوں یعنی دونوں فریقین نے لیے ہیں یعنی ولی بہ معنی ہمدرد، دوست اور عصر کے معنی ہیں زمانہ

ہمیں یہ معلوم ہے کہ صاحبانِ لغت و ماہرینِ لسانیات نے ولی کے 30 معنی لکھے ہیں اور عصر کے 20 معنی لکھے ہیں صاحبانِ اصطلاحات نے عصر کی پانچ 5 تعریفیں لکھی ہیں اور ولی کی بارہ 12 تعریفیں لکھی ہیں مگر ہم ان کا ذکر پھر کسی گفتگو میں کریں گے یہاں تو ہم صرف وہی معنی لے کر بات کر رہے ہیں کہ جن سے کسی نے کبھی بھی اختلاف نہیں کیا یعنی ولی کے معنی ہیں ہمدرد، دوست کے اور عصر کے معنی ہیں زمانے

کے یعنی ولی العصر کے معنی ہوئے

''زمانے کے ہمدرد دوست''

اب ہم دیکھتے ہیں کہ دوست کیا ہوتا ہے؟

یہ کلّیہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے اسی کلّیہ کو اس کے معنی میں اپلائی Apply کریں گے تو ہمیں دوست کے معنی کو سمجھنے کیلئے دشمن کے معنی کو دیکھنا ہوگا

یہ بھی آپ جانتے ہیں کہ کسی کا دشمن وہ ہوتا ہے کہ جو اس سے نفرت کرتا ہے

دشمن وہ ہوتا ہے جو اس سے اس کے متعلّقات کو چھیننا چاہتا ہے

جو اسے یا اس کی جائداد یا مال یا اولاد کو مٹانا چاہتا ہے یا انہیں نقصان پہنچانا چاہتا ہے

سرسری طور پر یہی معنی ہی کافی ہیں اب اسی سے ہم سمجھنا چاہیں گے کہ جو بھی کسی انسان سے محبت کرتا ہے وہ اس کا دوست ہوتا ہے، جو اس کی جان و مال اور عزت و ناموس کی حفاظت کرتا ہے وہ اس کا دوست ہوتا ہے، جو کسی ذات کی بقا چاہتا ہے اور اسے مٹنے سے بچانا چاہتا ہے وہ اس کا دوست ہے اور جو اس سے یا اس کے متعلّقات سے محبت کرتا ہے اور انہیں محفوظ رکھتا ہے وہ اس کا دوست ہوتا ہے اور دوستی کے سارے فرائض ادا کرنے والے کو دوست کہتے ہیں

یہاں بات پہنچ چکی تو پھر ایک بار دیکھ لیں کہ ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف زمانے کے دوست ہیں دشمن نہیں ہیں

بات یہ ہے کہ ہر دور کے ہر فرد کے تعلّقات کا جب ہم تجزیہ کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے

کہ اس دنیا میں آنے والوں کے آپس میں جو تعلّقات ہوتے ہیں ان کی وہ تعلّقی حیثیت تین طرح کی ہوتی ہے

نمبر ایک دوست ......نمبر دو دشمن ......نمبر تین لاتعلّق

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ انسان دوستی دشمنی یا لاتعلّقی کے علاوہ تیسرا کوئی آپشن Option لے ہی نہیں سکتا کیونکہ اس کے پاس کوئی تھرڈ آپشن Third Option موجود ہی نہیں ہے انسان یا تو کسی کا دوست ہوگا، یا دشمن ہوگا، یا پھر لاتعلّق ہوگا اور یہ صورتِ تعلّق ایسی ہے کہ اس سے کوئی انسان باہر ہو ہی نہیں سکتا

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشریف کا عالمِ خَلق سے صرف ایک ہی تعلّق ہے اور وہ ہے دوستی اور ہمدردی کا تعلّق - ان کیلئے آگے والے دو آپشن ہیں ہی نہیں کیونکہ وہ پوری انسانیت اور پوری کائنات کے صرف اور صرف دوست ہیں نہ ہی وہ اس کے کسی فرد سے لاتعلّق ہیں اور نہ کسی کے دشمن ہیں بلکہ صرف دوست ہیں

اس دنیا کے کسی شخص کو مطلق دوست کہا ہی نہیں جا سکتا کیونکہ وہ کسی نہ کسی کا دشمن ضرور ہوگا اور اگر دشمن نہ بھی ہوگا تو لاتعلّق ضرور ہوگا اس طرح اس کی دوستی اور ہمدردی کلّی طور پر نہ ہوگی بلکہ جزئی طور پر ہوگی بلکہ پوری انسانیت کے حوالے سے بات کی جائے تو اس کی دوستی اس دنیا پر موجود چھ ارب انسانوں میں سے دو چار لوگوں سے ہوگی اور دشمنی بھی شاید اتنے ہی لوگوں سے ہوگی مگر لاتعلّقی کا ریشو (Ratio) اربوں گنا زیادہ ہوگا کیونکہ وہ باقی ساری انسانیت سے لاتعلّق ہی ہوگا

اگر اس میں موالید اربعہ [نباتات و جمادات وحیوانات وانسان] کو شامل کر لیا

جائے تو انسان کی لاتعلّقی کا ریشو (Ratio) کھربوں گنا زیادہ ہوگا اور اگر اس میں پورے عالم موجود کائنات اور ملکوت و کروبیاں و جنّات وارواح کو بھی شامل کر لیا جائے تو انسان کی لاتعلّقی کا تناسب نکالنا ہی ممکن نہ ہوگا اس لئے اس لاتعلّقی کی بنیاد پر اسے کوئی کلّی طور پر یا کامل یا حقیقی دوست نہیں کہہ سکتا بلکہ یہ صفت صرف پاک خاندان کے پاک افراد علیھم الصلوات و السلام کی ہے کہ وہ اس کائنات سے صرف ایک ہی تعلّق رکھتے ہیں اور وہ ہے دوستی کا یہ نہ تو کسی کے دشمن ہیں اور نہ ہی کسی سے لاتعلّق ہیں چاہے کوئی مانے یا نہ مانے یہ اس کے دوست ہی ہیں اور اگر کوئی دشمنی بھی کرتا ہے تو یہ اس سے صرف اور صرف دوستی ہی کرتے ہیں کیونکہ یہ ولی العصرؑ ہیں

اولیائے کرام رضوان اللہ علیھم جب کسی کو دستارِ فضیلت دے کر مسندِ ارشاد و تبلیغ پر بیٹھنے کی اجازت دیتے تھے تو فرماتے تھے کیا تم کافر سے دل و جان سے محبت کر سکو گے؟ کیا تم اپنے دشمن سے دل و جان سے محبت کر سکو گے؟

اگر تمہارا جواب منفی ہے تو پھر تم اس مسند کے لائق ہی نہیں ہو کیونکہ جب تمہیں کافر سے محبت نہیں ہوگی تو اس کی آخرت کی خیر کیسے چاہو گے تم اسے ہر حال میں جہنّم سے بچانے کی کیسے کوشش کرو گے؟ ہاں اگر تم اسے اپنے بیٹوں کی طرح چاہو گے تو اس کی خیر ہی خیر چاہو گے اور اسے ابدی ہلاکت سے بچانے کی بھرپور کوشش کرو گے جیسا کہ کسی شخص کا بھائی یا بیٹا یا باپ جہنّم میں جا رہا ہو تو انسان اسے جہنّم سے بچانے کی پوری پوری کوشش کرتا ہے اسی طرح تمہارا پوری انسانیت سے محبت کا یہی رشتہ ہوگا تو تم انہیں بچانے کی پوری پوری کوشش کر سکو گے ورنہ تم بہت جلدی ناامید ہو جاؤ گے اور کسی کی نجات کے حقیقی طالب نہیں رہو گے

وہ یہ بات اس لئے فرماتے تھے کہ وہ انہیں اس مسند پر بٹھا رہے ہوتے تھے جو ولی العصر عجل اللہ فرجہ الشریف کی نیابت کی مسند تھی اور اس پر وہی بیٹھ سکتا ہے کہ جو ان کی طرح پوری کائنات سے دوستی اور ہمدردی رکھتا ہو جیسی محبت اور دوستی وہ جناب عجل اللہ فرجہ الشریف رکھتے ہیں

آپ دیکھیں اللہ جل جلالہ نے فرمایا کنت کنزاً مخفیاً ...... میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا اور مجھے یہ محبوب ہوا کہ میں خلق کو تخلیق فرماؤں

اس میں واضح طور پر فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے تخلیق کی بنیاد محبت کو بنایا ہے اب اس محبت کرنے والی ذات کا کوئی نمائندہ کس طرح کسی سے نفرت کر سکتا ہے؟ یا کسی سے لاتعلّق رہ سکتا ہے؟ وہ تو صرف اور صرف دوستی کر سکتا ہے

دوستو! سچ تو یہ ہے کہ اس دنیا میں اللہ کے انوارِ خالص کا لباسِ بشر میں آنا ہی ان کی انسان دوستی کا ایک جیتا جاگتا ثبوت ہے ان کی انسانِ ظاہر سے دوستی کا آغاز ہی ان کے جامۂ بشری میں آنے سے ہوتا ہے

یہاں میں ایک مثال عرض کرتا ہوں کہ مدر ٹریسا یورپ میں رہتی تھی اور ایک چرچ میں مزے کی زندگی گزار رہی تھی وہاں ساری سہولیاتِ حیات میسر تھیں مگر اس کے دل میں انسانیت کی محبت جاگی اور وہ انڈیا میں آ گئی اور عین اس وقت میں کہ جب انڈیا ہیضے کی لپیٹ میں تھا اور لوگ سڑکوں پر اپنے بچوں کو پھینک کر بھاگ رہے تھے وہ اس وقت ہیضے کی وبا سے بالکل نہیں ڈری اور اس نے ان معصوم بچوں کو گود میں اٹھایا اور ان کا علاج کروایا اور اس کی کوشش نے ہزاروں بچوں کی جان بچا لی اب اس کے بارے سوچیں کہ اس سے یہ کام کس چیز نے کروایا ہے؟ یہ تو انسانیت کی

محبت نے کروایا ہے اگر یہ محبت نہ ہوتی تو وہ آرام کی زندگی چھوڑ کر یہاں کی غلیظ گلیوں میں سارا سارا دن صعوبتیں کیوں برداشت کرتی ؟

بلاتشبیہ یہ اللہ کے انوارِ خالص علیھم الصلوات و السلام عرش معلیٰ سے ماوریٰ اللہ کی ہم نشینی کی پاکیزہ صحبت چھوڑ کر اس دنیا میں ہرگز نہ آتے ان کا اس طرح لباسِ بشر میں آنا اور انسانیت کی ہدایت کرنا اور محفل ناقدراں میں انہی کی خیر کیلئے سارے صعوبات برداشت کرنا بتا رہا ہے کہ یہ اس انسانیت سے لاتعلّق بھی نہیں رہ سکتے کیونکہ یہ ولی العصر عجل اللہ فرجہ الشریف ہیں

دوستو! اس دنیا کے سارے افراد مجموعہ ہائے اضداد ہیں مگر شہنشاہ ولی العصر عجل اللہ فرجہ الشریف کا تعلّق اس انسانیت اور اس کائنات سے صرف اور صرف دوستی کا ہے

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس پاک خاندان علیہ الصلوات و السلام کے بارے میں کتب تواریخ میں لکھا ہے کہ انہوں نے لاتعداد افراد کو (جو کافر تھے) فی النار کیا ہے تہہ تیغ کیا ہے اور کئی لوگوں پر حدود وتعزیرات عائد فرمائے ہیں تو کیا کسی کو قتل کرنا یا فی النار کرنا بھی دوستی کے دائرے میں آ سکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ عرفا فرماتے ہیں کہ عرفانیاتی نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو کفّار کو تہہ تیغ کرنا بھی ایک طرح کی دوستی ہی تھی کیونکہ انہیں قتل کر کے مزید متوقع جرائم سے بچا لیا جاتا تھا کیونکہ اگر وہ اور زندہ رہتے تو اور ظلم کرتے جیسا کہ ایک ڈاکو کو، ایک رہزن کو، ایک چور کو جب سزائے قید ہوتی ہے تو اس میں اس کی اپنی ہی بھلائی ہوتی ہے کیونکہ اسے دس بیس برس قید میں ڈال کر ایک تو دوسروں کو اس کے ظلم سے بچا لیا جاتا ہے اس طرح پورے معاشرے سے دوستی کا مظاہرہ ہوتا ہے اور ساتھ ہی

اسے بھی گناہوں کے بوجھ کو بڑھانے سے روک لیا جاتا ہے جیسا کہ کسی شریف آدمی کا بچہ برے لڑکوں سے کھیلنے نکل جاتا ہوا اور وہ اسے کمرے میں بند کر دے تو یہ اس کی دوستی اور محبت کی وجہ سے ہوتا ہے نہ کہ کسی دشمنی کی وجہ سے اسی طرح اگر کسی شخص کو ڈاکے ڈالنے کیلیئے چھوڑ دیا جاتا تو وہ اپنے سر پر گناہوں کا بوجھ اور بڑھاتا رہتا اور قتل سے اس کا یہ سلسلہ رک جاتا ہے اور وہ ظلم کے مزید بوجھ سے بچ جاتا ہے اور ساتھ ہی انسانیت کے دوسرے افراد کو بھی پھر نقصان کا سامنا نہیں کرنا پڑتا

دوستو! کسی دوست کو جبراً جرم سے روک دینا بھی ایک دوستی ہی ہے کیونکہ کوئی دوست کسی دوست کو خود اپنا نقصان نہیں کرنے دیتا جیسا کہ کوئی دوست حالات سے پریشان ہو کر خودکشی کرنا چاہتا ہے تو اس کے دوست اسے جبراً خودکشی سے روک دیتے ہیں باندھ کر رکھتے ہیں کسی کمرے میں بند کر دیتے ہیں اسی طرح معاشرے کا کوئی فرد جب اپنے محسن حقیقی کے خلاف ہوتا ہے تو اسے اس دشمنی سے روک دیا جاتا ہے یعنی اسے قتل کر دیا جاتا ہے کیونکہ ہمارے لئے زندگی کا تصور بہت محدود ہے اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ قتل ہونے والے کی زندگی کا خاتمہ کر دیا گیا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہوتا بلکہ اسے ایک اور زندگی کے زندان میں ڈال دیا جاتا ہے جس میں وہ مزید کوئی جرم نہیں کر سکتا

عذابِ جہنّم

اب یہاں یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ ایک کافر و مشرک سے یہ دوستی تو کرتے ہیں کہ اسے اس دنیا کے جرائم سے بچا لیتے ہیں تو کیا انہیں ابدی جہنّم میں ابدالآباد تک معذّب رکھنا بھی کوئی دوستی شمار ہو سکتی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جہنّم بذات خود اذیّت گاہ وعقوبت خانہ نہیں ہے کیونکہ اس میں نہ ہی کوئی اذیّت ہے اور نہ کوئی لذّت ہے جہنّم ایک زیرو پوائنٹ ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ فرشتے جو جہنّم میں موجود ہوں گے اور اہل جہنّم کو عذاب کریں گے کیا انہیں بھی جہنّم میں کوئی اذیّت ہوگی ؟

سچ تو یہ ہے کہ وہی جہنّم جو دوسروں کیلیئے جائے عذاب ہوگی ان کیلیئے جنت النعیم سے کم لذّت بخش نہ ہوگی اگر جہنّم بالذّات الم واذیّت ہوتی تو انہیں بھی اس میں اذیّت ہی پہنچتی مگر انہیں وہاں اذیّت تو کجا الٹا لذّت پہنچ رہی ہوگی

اسی طرح بعض غیر مسلم لوگوں کیلیئے احادیث میں آیا ہے کہ انہیں جہنّم میں تو ڈالا جائے گا مگر انہیں وہاں جو ماحول ملے گا وہ اس دنیا جیسا ہوگا یعنی انہیں وہاں اذیّت نہ ہوگی جیسا کہ شہنشاہ ایران نوشیرواں یا حاتم طائی کے بارے میں ہے کہ وہ کئی صفات اِلٰہیہ کے حامل تھے یعنی اللہ جواد ہے اور وہ بھی سخی تھے اور انہوں نے اللہ کی ایک صفت کو اپنایا ہوا تھا اسی طرح اللہ عادل ہے اگرچہ وہ غیر مسلم تھے مگر تھے عادل تو ان کو بھی جہنّم میں تو ڈالا جائے گا مگر ان کے ان صفات کی وجہ سے وہاں انہیں عذاب نہیں پہنچے گا اس سے ثابت ہوا کہ جہنّم میں رہ کر بھی عذاب سے محفوظ رہا جا سکتا ہے کیونکہ جہنّم بذات خود نہ لذیذ ہے نہ الیم ہے

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب جہنّم ایک مطلق صفر ہے تو وہاں کفّار کو عذاب کیسے پہنچے گا ؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اللہ کا قانون ہے کہ اس نے ہر عمل کے ساتھ اس کا ردّعمل بلافصل رکھا ہے جہاں عمل ہوگا اس کا ردّعمل ضرور ہوگا یہ قانون قدرت ہے کہ عمل

سے ردّعمل کبھی جدا نہیں ہوتا اور یہ دوست دشمن دونوں پر برابر اپلائی (Apply) ہوتا ہے جیسا کہ آگ میں جو بھی ہاتھ ڈالے گا اس کا ہاتھ گرمی ضرور محسوس کرے گا اس میں چاہے کوئی مسلمان ہو یا کوئی نان مسلم ہو جب سردی آتی ہے تو اسے ہر شخص محسوس کرتا ہے اس کے اثرات سے نہ ہی کوئی اپنا محفوظ ہوتا ہے اور نہ کوئی بیگانہ اسی طرح جب کسی کا ہاتھ کٹتا ہے تو پھر وہ ہاتھ دوبارہ نہیں اگتا چاہے وہ ہاتھ کافر کا ہو یا مسلمان کا کہتے ہیں کہ ع

چوٹ پڑتی ہے تو پتھر بھی صدا دیتا ہے

کیونکہ چوٹ کا ردّعمل صدا ہے جسے کوئی ایک دوسرے سے جدا نہیں کرسکتا یہاں میں سائنسی قوانین کے حوالے بات نہیں کرنا چاہتا بلکہ ایک سطحی طریقے سے عرض کر رہا ہوں تا کہ ہر آدمی اسے سمجھ سکے

تو دوستو! میں عرض کررہا تھا کہ ہر عمل کے ساتھ ردّعمل متّصل آتا ہے اسی طرح کفّار ومشرکین وظالمین کے اعمال کا ردّعمل سٹور ہوتا رہتا ہے جیسا کہ انسان جو کچھ کمپیوٹر پر لکھتا جاتا ہے وہ اس کی Hard Disk پر سٹور ہوتا جاتا ہے اسی طرح انسان یہاں جو برے اعمال کرتا ہے وہ سٹور ہوتے جاتے ہیں اور جب انسان کو اس سٹور میں داخل کیا جاتا ہے تو اس کے برے اعمال اس کیلئے عذاب بن جاتے ہیں وہ عذاب اس کے اپنے اعمال ہی کا ردّعمل ہوتا ہے اس پر خارج سے کوئی عذاب نہیں آتا

دیکھئے عذاب ہائے جہنّم میں سے جو سب سے بڑا عذاب ہے وہ ہے دیدارِ انوارِ اِلٰہی سے محرومی۔ جس کے بارے میں دعائے کمیل میں بھی ہے

اے میرے محبوب حقیقی میں تیرے عذاب نار پر تو صبر کرسکتا ہوں مگر میں تیرے فراق

وہجر کو کیسے برداشت کرلوں

یعنی عذاب نار سے بھی بڑھ کر جو عذاب ہے وہ فراقِ محبوب ہے اور جنت کی جو چیز الذّ اللذّات ہے وہ ہے دیدار حبیب جیسا کہ کلام الٰہی میں فرمایا گیا ہے کہ کچھ چہرے اس دن خوش و خرم ہوں گے اور وہ اپنے محبوب حقیقی کو دیکھ رہے ہوں گے وہ وہی لوگ ہوں گے جو اللہ کے انوارِ ازلیہ کو مقام الوہیت پر مشاہدہ کر رہے ہوں گے

کیونکہ اللہ جل جلالہ کی زیارت تو نہ یہاں ممکن ہے اور نہ ہی جنت میں ممکن ہے

یہاں یہ سوال بھی وارد ہوسکتا ہے کہ کافر یہاں بھی تو اللہ کے انوار کی زیارت سے محروم ہے پھر اسے یہاں احساس اذیّت کیوں نہیں ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ لذّاتِ دنیا موانع احساس عذاب ہیں جیسا کہ ایک ڈاکٹر مریض کا کوئی عضو سن کر کے اس کا آپریشن کرلیتا ہے اور اس شخص کو احساس اذیّت ہوتا ہی نہیں اسی طرح انسان کے آلات محسوسیہ کو حُبِ دنیا نے سُن کر رکھا ہے اس لئے یہاں ان کو احساسِ اذیّت نہیں ہوتا ہاں جب انہیں ہوش آئے گا اور یہ سارے موانع اور رکاوٹیں دور ہوجائیں گی تو اس وقت کفّار کو احساسِ اذیّت عذاب کی طرح تڑپا دے گا ہاں مومن اور عرفاحبِ دنیا سے محفوظ ہوتے ہیں اس لئے انہیں اس دنیا میں ہجر و فراق عذابِ جہنّم کی طرح لگتا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ ہم تمہارے عذابِ جہنّم پر تو صبر کرسکتے ہیں مگر تمہارے ہجر و فراق پر ہم سے صبر نہیں ہوسکتا

دوستو! میں عرض کر رہا تھا کہ جہنّم بذاتِ خود اذیّت گاہ Self Torture Cell نہیں ہے بلکہ وہاں بھی انسان کو اس کے اعمال ہی جلائیں گے تڑپائیں گے عذاب دیں گے مگر وہاں بھی ولی العصر عجل اللہ فرجہ الشریف کی دوستی کا مظاہرہ بھرپور ہوگا کیونکہ ظالم

جہنّم میں تو اپنے عمل کے ردِعمل کی وجہ سے جائے گا مگر وہاں بھی وہ جناب اسے فنا نہیں کریں گے بلکہ اسے باقی رکھیں گے اور وہ وہاں ابدلآ باد تک زندہ رہے گا اور اپنے دشمن کو بھی ہمیشہ کیلئے باقی رکھنا کیا یہ دوستی کا عظیم مظاہرہ نہیں ہے

دشمنی کیا ہے؟

دوستو! میں نے پہلے بھی گذارش کی تھی کہ ہم دوستی کو نہیں سمجھ سکتے جب تک دشمنی کو نہ سمجھیں اب یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ دشمنی کیا ہے؟

اس کا جامع جواب یہ ہے کہ کسی کو اس کے متعلّقات سمیت مٹا دینا یا اس کے متعلّقاتِ حیات کو اس سے چھین لینا دشمنی ہے یعنی دشمنی میں فنا اور جدائی کا عنصر ہمیشہ موجود ہوتا ہے وہ فنا و جدائی چاہے کسی کے مال کی ہو یا اس کی اولاد کی ہو یا اس کے اسبابِ حیات کی ہو یا اس کے آثار کی ہو یا اس کے متعلّقات کی ہو یہ سب دشمنی کے دائرے میں آجاتے ہیں

اب جہنّم میں ولی العصر عجل اللہ فرجہ الشریف کی دشمن نوازی دیکھئے کہ ہر دشمن کو جہنّم میں تو ڈالا جائے گا مگر انہیں فنا نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے جہنّم میں اسبابِ حیات دیئے جائیں گے وہ وہاں کھائیں گے پیئیں گے وہ غذا ویسی ہوگی جیسی انہوں نے اس دنیا سے وہاں بھیجی ہوگی مگر ملے گی ضرور - وہ عذاب جہنّم سے معذّب ہوں گے مگر مٹیں گے نہیں باقی رہیں گے اور وہ بھی ابدالآ باد تک باقی رہیں گے کیا یہ کم دوستی ہے؟

یہ بات شاید آپ نہ سمجھ سکے ہوں اس لئے ایک واقعہ بیان کرتا ہوں

ہمارے ہاں ایک نوجوان کو باؤلے کتے نے کاٹ لیا اس نے علاج وغیرہ میں کوتاہی کی اور نوبت بہ ایں جارسید کہ وہ خود باؤلا ہوگیا

جب اس پر پہلے پہلے باؤلے پن کا دورہ پڑا اور اس کے گھر والوں کو پتہ چلا کہ یہ تو باؤلا ہونے والا ہے تو اس وقت انہوں نے اس کا علاج شروع کیا مگر وقت گزر چکا تھا اور وہ نوجوان مکمل طور پر باؤلا ہوگیا اور اس کے باپ نے اسے زنجیروں سے باندھ دیا اور سارے گھر والوں کو اس کے قریب جانے سے روک دیا کیونکہ وہ بھی اب ہر قریب آنے والے کو کاٹتا تھا اس لئے اس کے باپ نے دوسروں کو اس کے نقصان سے بچانے کیلئے اسے گھر میں ایک چارپائی پر باندھ دیا

اس طرح دو دن گزر گئے تو اس کے دوستوں نے اسے مشورہ دیا کہ اب تمہارا بیٹا ٹھیک نہیں ہوسکتا اور ہر وقت خطرہ بھی ہے کہ کسی طرح سے اگر اس کی زنجیر نکل گئی تو تمہیں اور سارے گھر والوں کو کاٹ لے گا اس لئے اسے زہر کا انجکشن لگوا دو۔

یہ سن کر وہ رونے لگا اور کہا یہ ٹھیک ہے کہ یہ آپ کا کچھ نہیں لگتا مگر یہ میرا تو بیٹا ہے میں اسے اپنے ہاتھوں سے کیسے قتل کرواؤں؟

جب سب نے اس سے پوچھا کہ اب تو کیا چاہتا ہے؟

اس نے کہا دیکھو بھائی میں اسے اسی طرح باندھے رکھوں گا تاکہ یہ کسی کو نقصان نہ پہنچا سکے دراصل میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ جب تک زندہ رہے گا میں اسے دیکھتا تو رہوں گا اگر اسے مار کر قبر میں دفن کر دیا جائے گا تو پھر تو اسے دیکھنا بھی نصیب نہ ہوگا زندہ رہا تو چلو چار آٹھ دن اور اس کا چہرہ تو نظر آتا رہے گا

دوستو! آپ بتائیں کہ ایک باپ اپنے بیٹے کو کیسے خود سے دور ہوتا دیکھ سکتا ہے؟

شہنشاہ زمانہ ولی العصر عجل اللہ فرجہ الشریف کی یہی دشمن نوازی ہے کہ جسے ان کی دشمنی کے باؤلے کتے نے کاٹ کر باؤلا کر دیا ہے اسے بھی فنا نہیں کرنا چاہتے بلکہ اسے بھی

ہمیشہ ہمیشہ اپنے سامنے رکھیں گے یہ علیحدہ بات ہے کہ اس کا باؤلا پن اس کیلئے عذاب بنا رہے

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ جہنّم میں جو عذاب ہے یہ تو انسان کے اپنے اعمال کا ردِّعمل ہے اور جہاں تک دوستی کا تعلّق ہے تو وہ شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف کسی کو اپنے ہاتھوں اور اپنی آنکھوں کے سامنے فنا ہوتا ہوا نہیں دیکھ سکتے جیسے ایک مہربان باپ بیٹے کو زہر نہیں دے سکتا اسی طرح سے یہ بھی کسی کے فنا ہونے پر راضی نہیں ہو سکتے اب اس سے بڑی دوستی اور کیا ہو سکتی ہے؟

اس دور میں کچھ ملکوں نے Mercy Killing رحم کھا کر قتل کرنے کا قانون بنایا ہے تو پوری دنیا میں (Human Rights) ہیومن رائیٹس کی تنظیموں نے بھرپور احتجاج کیا ہے اور وہاں بھی Mercy Killing کو رکوا دیا ہے اور اس کی یہی دلیل دی ہے کہ اگر کوئی انسان ایسا بیمار رہے کہ جس سے اسے شفا نہیں مل سکتی تو انسانیت کا تقاضہ یہ ہے کہ جب تک وہ زندہ رہ سکتا ہے اسے باقی رکھا جائے اور اس کا علاج جاری رکھا جائے نہ کہ اسے زہر کا انجکشن لگا دیا جائے کیونکہ جب تک وہ زندہ ہے اس کے گھر والے اسے دیکھ تو سکتے ہیں جب وہ مر جائے گا تو اس کے گھر والے ملنے کیلئے قبرستان جائیں گے اور اسے دیکھنے کی بجائے اس کی تصویر دیکھیں گے اس لئے لازم ہے کہ اسے جہاں تک ممکن ہو باقی رکھا جائے

اور اس بات کو پوری دنیا نے انسان دوستی کا مظاہرہ کہا ہے اور اسی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ ذات کتنی بڑی دوست ہے کہ جو انسان کو ابدلآباد تک باقی رکھے گی دوستو! میں عرض کر رہا تھا کہ شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کا اس انسانیت کیا پوری

کائنات کے ساتھ صرف ایک تعلّق ورشتہ ہے اور وہ ہے رشتۂ دوستی ومحبت

ایک دن میں آقائی ومرشدی وسیدی [سدا سلامت رہیں] کی بزم قدسی میں بیٹھا ہوا تھا تو اس وقت اپنی بزمِ قدسی کے ایک عارف کے بارے میں فرمایا کہ ایک دن وہ حق امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف ادا کررہا تھا یعنی ان کے مصائب پر گریہ کررہا تھا اور بار بار عرض کررہا تھا اے میرے آقا اے میرے شہنشاہ میں آپ کے مصائب پر قربان جاؤں آپ کا ظاہری سن مبارک پانچ سال سے بھی کم تھا اور آپ پر مصائب کا پہاڑ ٹوٹ پڑا خدا جانے اس وقت آپ کی کیا کیفیت ہوگی وہ یہ عرض کررہا تھا اور بہت رورہا تھا کہ اس وقت کریم ازل شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف تشریف لائے تو وہ فوراً قدموں میں گر گیا اور روتے ہوئے اپنی اسی بات کا پھر اعادہ کیا اس وقت شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف نے ایک شعر تلاوت فرمایا

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روز گار

لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

یعنی ہم پر زمانے نے جتنے بھی مظالم کے پہاڑ توڑے ہم پھر بھی آپ [مخلوق] سے بے خبر نہیں رہے

آقائی ومرشدی وسیدی [ہمیشہ سلامت رہیں] نے فرمایا ایک دن ہم نے اپنے شہنشاہ معظم عجل الله فرجه الشريف کے بارے میں ان کے جدّ اطہر امیرالمومنین علیه الصلوات و السلام کی خدمت میں گذارش کی کہ آقا ومولا ہماری لاکھ جانیں آپ کی نعلین پر فدا ہوں جب ہم کوئی عرض کرتے ہیں تو وہ شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف اور آپ بھی ہمارے کئی مرتبہ عرض کرنے کے بعد زیارت سے مشرف فرماتے ہیں اور ہماری

عرضداشت بھی دیر سے سنتے ہیں جبکہ وہ لوگ کہ جنہیں علماء (نعوذ باللہ) ان پڑھ جاہل سمجھتے ہیں وہ جب عرض کرتے ہیں تو آپ فوراً سن لیتے ہیں یہ رویّہ ہے تو حق مگر ہماری سمجھ سے باہر ہے

اس وقت شہنشاہ امیرالمومنین علیہ الصلوات و السلام نے ہمارے سامنے ایک چھوٹا سا بچہ رکھ دیا جو ایک یا دو دن کا تھا اس بچّے کو ہمارے سامنے رکھ کر فرمایا کیا اس بچّے سے اس کے ماں باپ ایک لمحے کو بھی غافل ہو سکتے ہیں؟

ہم نے عرض کیا جی ہرگز نہیں اس کے بعد مالک ازل نے اس بچّے کو بڑھتے ہوئے دکھایا اور ایک ایک سن کے بارے میں یہی سوال دہرایا کہ کیا اس بچّے سے بھی ماں باپ غافل ہو سکتے ہیں ہم نے عرض کیا آقا ہماری جان آپ پر قربان اس عمر کے بچوں سے ماں باپ غافل نہیں ہو سکتے اس کی بعد اسے ایک دم جوان کر کے دکھایا کہ دیکھو جب اس عمر میں بچّے پہنچ جاتے ہیں تو البتہ اب ان سے تھوڑی لا پرواہی برتی جاسکتی ہے کہ اب انہیں ہلاکت کا خوف نہیں ہے فرمایا اسی طرح جو لوگ سیدھے سادے ہوتے ہیں زیادہ علم بھی نہیں رکھتے ہم اپنے ان بچوں سے ایک لمحے کیلئے بھی غافل نہیں ہوتے ہاں جو معرفت کے لحاظ سے سن بلوغ کو پہنچ جاتے ہیں ان کی بات ذرا دیر سے سننے میں ان کی تکمیل کرنا مقصود ہوتی ہے

دوستو! ان دو واقعات پر غور کریں اور سوچیں کہ وہ جناب عجل اللہ فرجہ الشریف خلق سے کس درجہ محبت فرماتے ہیں اور وہ جناب چاہے جس حال میں بھی ہوں جس جگہ بھی ہوں ہم سے کبھی غافل نہیں ہوتے تو اب خود فیصلہ کریں کہ ان سے بڑھ کر کوئی ہمارا دوست ہوسکتا ہے اسی محبت اور دوستی اور کرم ہی کا نام ولی العصر عجل اللہ فرجہ الشریف ہے

اس لئے ہمارا بھی یہی فریضہ ہے کہ ایک سعادت مند دوست کی طرح ہمیشہ دعا کریں کہ ان کا صدیوں کا ویران گھر جلدی آباد ہو ان کے جدِّ اطہر علیہ الصلوات و السلام کا جلدی انتقام ہو ان کے بیت اطہر سے صف ماتم جلدی لپیٹی جائے ، ان کے مصائب زدہ دل کو ابدی مسرت نصیب ہو، ان کے سارے دکھوں کا جلدی ازالہ ہو، ان کی ابدالآباد کی شاہی اور حکومت الٰہیہ جلدی ظاہر ہو

آمین یارب العالمین

اللھم صل علیٰ محمدؐ وآل محمدؐ و عجل فرجھم بقائمھمؑ صلوات الله علیه والسلام

یا هو یا من هو لا هو الا هو الحی القیوم یا هو یا من لا یعلم ما هو الا هو الحی القیوم العلی العظیم
یا مولا کریم عجل الله فرجك و صلوات الله علیك

عجل الله فرجه الشریف و صلوات الله علیه

الحمد لله رب العالمین و صل علیٰ محمدؐ و آلہٖ اجمعین خصوصاً علی حجة الله فی العالمین عجل الله فرجه الشریف و آبائه المعصومین و امهاته الطاهرین الطیبین صلوات الله علیهم اجمعین و لعنة الله علیٰ اعدائهم اجمعین من یوم الازل الی یوم الدین

اے حاملانِ مکتبِ عشق!

عرفانِ حجتؑ اور معرفت ایک ایسے چشمۂ حیواں کی طرح ہے جو کسی سکندر کی پُرشکوہ دنیا کو کبھی خاطر میں نہیں لاتا بلکہ کسی قلندر صفت جوئیندہ خضر دلق پوش ہی کی تلاشِ صادق کی پذیرائی کرتا ہے اور یہ چشمۂ عرفاں اگرچہ نورِ خالص ہے مگر ہمیشہ ظلماتِ قہریہ میں مخفی رہتا ہے اور یہ معرفت اتنی بے نیاز حقیقت ہے کہ جو اپنی طرف بڑھنے والے کے قدم کی کسی لغزش سے کبھی درگذر نہیں کرتی اسی لئے رہروانِ معرفت اکثر راستوں میں ہی دم توڑتے نظر آتے ہیں

دوستو! آج سے ہم ایسے اسمائے مبارکہ پر تشریحی گفتگو کریں گے کہ جن کا تعلّق ایک

ایسے موضوع سے ہے کہ جس پر کئی لوگ کٹنے مرنے پر بھی تیار ہو جاتے ہیں اور ہمارا مقصد ان لوگوں کی جنگ میں شریک ہونا نہیں ہے بلکہ شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے اسمائے مبارکہ کے اسرار پر روشنی ڈالنا ہے اس لئے دونوں فریقین سے ہم قبل از وقت معذرت چاہیں گے کہ ہم ان کے نہ مدّعی ہیں نہ مدّعا الیہ اس لئے ناراضگی معاف

دوستو! جس موضوع کی ہم بات کر رہے تھے وہ متنازعہ مسئلہ ہے ''علمِ غیب'' اس میں جو لفظ غیب ہے اس کے بارے میں اتنا ضرور کہوں گا کہ اس لفظ نے جملہ مکاتیبِ فکر میں بہت بڑے ہنگاموں کو جنم دیا ہے کوئی کہتا ہے کہ غیب سے مراد کچھ مخصوص چیزیں ہیں۔ کچھ کہتے ہیں کہ غیب حاضر کی ضد ہے جو بھی غیر حاضر ہے وہ غیب ہے۔ کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ اور لفظِ غیب کو Define کرنے کی بجائے ہر شخص بحث میں مصروف نظر آتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج تک یہ نزاع مسلسل بڑھ رہا ہے اور عالمِ اسلام خود سے برسرِ پیکار نظر آتا ہے اور ایک دوسرے پر طعن و تشنیع میں مصروف ہے حالانکہ مناسب یہ تھا کہ پہلے اس لفظ کی تعریف وضع کی جاتی پھر اس کی تعریف پر بحث ہوتی اور اگر وہ تعریف متفقہ طور پر پاس ہو جاتی تو فبہا اگر اس میں بھی کچھ لوگوں کو اختلاف رہ جاتا تو انہیں ان کی رائے پر قائم رہنے کا حق دیا جاتا بلکہ انہیں علمی اعلیٰ ظرفی کے تحت قبول کیا جاتا کیونکہ کوئی رائے رکھنا ان کا اپنا اخلاقی و انسانی حق ہے اور ان پر علمی و عقلی جارحیت کا مظاہرہ کرنا جائز نہ تھا۔

دوستو! مباحثوں کا یہ مسلّمہ اصول ہے کہ بحث کیلئے جب کوئی قرارداد پیش کی جاتی ہے تو اس کے الفاظ کی وضاحت قرارداد پیش کرنے والے سے طلب کی جاتی ہے

ہاں اگراس میں اختلاف ہوتو پھراس پر بحث کی جاتی ہے۔
کالج میں ایکDebate تھی جس میں قرارداد یہ لائی گئی کہ
''امن کیلئے جنگ کرنا ناگزیر ہے''
سارا دن بحث ہوتی رہی اور اکثر مقررین اس کے خلاف دلائل دیتے رہے صرف قرارداد پیش کرنے والے دو افراد اس کے حق میں بول رہے تھے
سارے دن کی بحث کے بعد قرارداد پیش کرنے والے نے ایک وضاحت کر دی کہ آپ لوگ غلط سمجھے ہیں جنگ سے مراد صرف جسمانی جنگ ہی نہیں بلکہ ذہنی جنگ بھی ہے جب یہ وضاحت ہوئی تو قرارداد پاس ہوگئی اسی طرح یہاں یہ تو بحث ہو رہی ہے کہ علم غیب اللہ جل جلالہ کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں ہے مگر غیب کیا ہے اس پر کبھی مکمل روشنی نہیں ڈالی گئی اس طرح ہو یہ رہا ہے کہ جو بھی کسی چیز کو غیب سمجھتا ہے بس اسی کو اللہ جل جلالہ سے وابستہ کر کے بحث شروع کر دیتا ہے کیونکہ عقول انسانی کے اپنے اپنے درجات ہیں اس لئے علمائے مذہب و سائنس سے لے کر جہلا تک سب اس بحث میں بولے جا رہے ہیں اور سن کوئی نہیں رہا اور شاید ہمارے ساتھ بھی یہی ہوگا
دوستو! ہم لفظ غیب کے بارے میں اپنی بات کرنے سے پہلے سب سے نیچے والے نظریات سے بات کو شروع کریں گے پھر آگے بڑھاتے بڑھائیں گے اور سب سے آخر میں اپنے نظریات کو پیش کریں گے
اس لفظ غیب کے بارے میں جو سطحی نظریہ ہے وہ یہ ہے کہ
''ہر وہ چیز جو آنکھوں سے اوجھل ہے وہ غیب ہے،،
آیئے پہلے اسی کو دیکھ لیتے ہیں کہ اس نظریے میں کتنی صداقت اور جان ہے؟

دوستو! پہلی بات تو یہ ہے کہ آنکھ ایک آلۂ بصارت ہے اور دیکھنے کا کام آنکھ کا نہیں ہے بلکہ دیکھنا بصارت سے متعلّق ہوتا ہے اگر بصارت نہ ہو تو آنکھ کی موجودگی کے باوجود انسان اندھا ہوتا ہے جیسا کہ ہمارے سامنے ایسے لاکھوں لوگ موجود ہیں کہ جن کی آنکھیں تو موجود ہیں مگر وہ دیکھ نہیں سکتے

دوسری بات یہ ہے کہ ہر انسان کی بصارت کے درجات ہوتے ہیں یعنی ایک مکمل طور پر نابینا شخص سے لے کر ایک تیز ترین بصارت والے شخص تک اس کے کئی درجات ہیں جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب کسی کی نگاہ کمزور ہو جاتی ہے تو چشمہ لگوا لیتا ہے اور اس چشمے کا ایک نمبر ہوتا ہے پھر یہ بھی ہے آئی سائیٹ کی کمزوری Weakness of Eyesight دو طرح کی ہوتی ہے یا تو قریب کی نگاہ کمزور ہوتی ہے یا دور کی - اس پر ایک علیحدہ علم بھی موجود ہے کہ جسے بصریات کہا جاتا ہے اور آج تو اس پر Specialization ہو رہی ہے مگر وہ ہمارے موضوع سے خارج ہے ہم تو یہ عرض کر رہے ہیں کہ اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ ہر وہ چیز جو نظر نہ آئے وہ غیب ہے تو اس مفروضے سے اندھے آدمی کیلئے ہر موجود چیز غیب کا درجہ پا لیتی ہے اور یہ پورے کا پورا جہانِ رنگ و بو غیب مطلق قرار پائے گا اور پھر اس جہانِ موجود کو دیکھنا فقط اللہ جل جلالہ تک محدود کرنا پڑے گا جو عقل و مشاہدے کے خلاف ہو گا-

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ایک کمزور نظر والے کے سامنے سے جو چیز غائب ہوتی ہے وہ تیز نظر والے کے سامنے حاضر ہوتی ہے اور پھر ایک منزل ایسی بھی ہے کہ جہاں تیز سے تیز تر نگاہ کے آدمی سے موجود اشیاء غائب ہو جاتی ہیں ہاں کوئی جدید دور کی خوردبین (Microscope) سے دیکھے تو اس کیلئے وہ چیزیں غائب نہیں ہوتیں

جیسا کہ اس دور میں کئی جراثیم ہیں، بکٹیریا ہیں، وائرس ہیں جو ہم ان آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے بات یہاں بھی ختم نہیں ہوتی بلکہ اس دنیا میں موجود خوردبینوں (Microscopes) کے بھی درجات ہیں یعنی کئی وہ ہیں جو ایک چیز کو سو گنا بڑھا کر دکھاتی ہیں تو کئی لاکھ گنا بڑا کر کے دکھاتی ہیں اس طرح اگر آج ہمارے پاس کوئی ایسی مائیکروسکوپ ہو کہ جو کسی چیز کو ایک کھرب گنا بڑا کر کے دکھا سکتی ہو تو ہم ایک نیا جہانِ موجود دریافت (Discover) کرلیں گے اور وہ جہانِ موجود اس ہمارے جہان دریافتہ سے کھربوں گنا بڑا ہوگا تو اب یہاں پہلے یہ طے کرنا لازم ہوگا کہ ہم جس غیب کو اللہ ہی تک محدود کررہے ہیں وہ کون سا غیب ہے؟ کیا اندھے والا غیب ہے یا ایک انتہائی (Sensitive Microscope) حساس خوردبین والا غیب ہے

دوسری بات یہ ہے کہ انسان کی نظروں سے دو قسم کی چیزیں اوجھل اور غائب ہوتی ہیں- کچھ وہ چیزیں غائب ہوتی ہیں کہ جو بہت چھوٹی ہونے کی وجہ سے غائب ہوتی ہیں اور کئی چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ اگرچہ بہت بڑی ہوتی ہیں مگر وہ ہم سے دور ہونے کی وجہ سے غائب ہوجاتی ہیں کیونکہ ہماری بصارت کی رسائی کی بھی ایک حد (Line of range) ہوتی ہے اس سے آگے یہ نہیں دیکھ سکتی جیسا کہ ہمارے نظام کوکبی (Galaxy) میں لاکھوں کروڑوں نجوم وکواکب ایسے ہیں کہ جنہیں ہم کھلی آنکھوں (Naked Eyes) سے نہیں دیکھ سکتے بلکہ ہمیں اس کیلئے دوربین (Telescope) کا سہارا لینا پڑتا ہے جیسا کہ آج ہمارے اکثر گھروں میں کوئی نہ کوئی (Telescope) موجود ہے مگر کئی چیزیں ایسی بھی ہیں کہ ہم ان دوربینوں سے بھی ان کا مشاہدہ نہیں کرسکتے یعنی ہم کیلیے فورنیا کی دوربین سے جن سیاروں کا

مشاہدہ کر سکتے ہیں اُن کا اِن دور بینوں سے مشاہدہ ہو ہی نہیں سکتا۔

دوستو! آنکھ کی فطرت ہے کہ جو اجسام بہت دوری پر موجود ہوں انہیں یہ دیکھ ہی نہیں سکتی اور جو اس کی رسائی میں ہوں ان کو یہ بہت چھوٹا کر کے دکھاتی ہے یعنی کوئی چیز جیسے جیسے دور ہوتی جاتی ہے اتنی ہی چھوٹی ہوتی جاتی ہے اور بعید اجسام کے بارے میں آنکھ کا ایک رویّہ یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر اجسام روشن ہوں تو انہیں چھوٹا کر کے دکھاتی ہے اور اگر غیر روشن ہوں تو یہ انہیں سیاہ کر کے دکھاتی ہے اور جو اس کی رسائی سے دور ہوں انہیں یہ دکھا ہی نہیں سکتی اور انسان آج کی جدید دوربین سے کھربوں گنا زیادہ طاقتور دوربین ایجاد کر لے تو پھر اس خلا میں اسے ایک ایسا عالم اجسام وکرات دیکھنے کو ملے گا کہ جس کا کوئی اندازہ ہی نہ ہو سکے گا یعنی یہ بھی ممکن ہے کہ انسان اس کے مشاہدے میں ملنے والی حیرت سے دیوانہ ہو جائے یا مر جائے

تو دوستو! یہ تو ہے اس عالم موجود کے بارے میں آنکھ کا رویّہ اگر ہم آنکھ ہی کو پیمانہ بنا کر غیب و حاضر کا تعیّن کریں گے تو پھر یہ ایک پیمانہ نہ ہوگا بلکہ کروڑوں پیمانے ہوں گے اور ان کی کثیر تعداد کی وجہ سے کوئی بھی پیمانہ مسلّمہ نہ ہوگا پھر ہم کس چیز کے علم کو علم غیب کا نام دے سکیں گے؟

دوستو! یہ بات بھی ایک حقیقت ہے کہ آنکھ تو حواسِ خمسہ ظاہری میں سے ایک حس ہے اس جیسے چار اور حواس بھی موجود ہیں اور ان سب کا فیلڈ ایک دوسرے سے جدا ہے یعنی شامہ [سونگھنے کو قوت] ہے تو وہ صرف خوشبوؤں کا ادراک کر سکتی ہے اور آنکھ تو خوشبوؤں کو نہیں دیکھ سکتی اس طرح جو چیز شامہ کیلئے حاضر ہے وہ آنکھ کیلئے غیب کا درجہ رکھتی ہے اسی طرح سماعت ہے تو آوازوں کا ادراک کرتی ہے مگر شامہ

سمیت آنکھ بھی آوازوں کونہیں دیکھ سکتی یعنی جو چیز ایک حس کیلئے حاضر ہے وہ دوسری کیلئے غائب ہے یعنی سامنے موجود اشیا شامہ، سامعہ، ناطقہ، لامسہ وغیرہ کیلئے غیب ہیں اسی طرح آوازیں سامعہ کے علاوہ سارے حواس سے غائب ہیں اسی طرح خوشبوئیں ہیں تو وہ شامہ کے علاوہ سب حواس کیلئے غیب کا درجہ رکھتی ہیں اب یہ بھی تو فیصلہ کرنا ہے کہ ہم غیب کس حس کے غیب کو مانیں؟

اسی طرح جو چیزیں حواس عشرۂ باطنیہ سے تعلّق رکھتی ہیں وہ خود انسان کے اپنے ہی حواسِ ظاہریہ سے غائب ہیں پھر یہ انسانی خیالات ہیں، بھوک ہے، پیاس ہے اور پھر کیفیات کی دنیا ہے تو وہ بھی اپنے متعلّقہ شعبے کے علاوہ سب کیلئے غیب ہوتی ہے اس طرح یہاں آ کر ہمیں پہلے یہ تو طے کر لینا چاہیے کہ ہم کس کس چیز کو غیب قرار دیں تا کہ اس کے بارے میں مخلوق کے علم کی نفی کریں اور شرک سے بچ سکیں۔ فنِ لغت کے امام عبدالملک بن محمد اسماعیل ثقالبی اپنی کتاب [سرّ الادب] میں لفظ غیب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

☆ کلما اغاب عن العیون و کان محصلا فی الصدور فھو غیب

یعنی غیب کی تعریف اس طرح کی ہے کہ جو چیزیں آنکھوں سے پوشیدہ ہوں اور دلوں میں موجود ہوں غیب کہلاتی ہیں

اب اسی کو اگر معیارِ غیب قرار دیا جائے تو بات آنکھوں پر آ کر رک جاتی ہے یعنی اندھے کیلئے ہر شئے غیب ہے حتیٰ کہ اس سے ہمکلام شخص بھی اس سے غیب ہے اور اسے علمِ توحید سمجھ لیا جائے تو یہ بات کسی بڑی حماقت سے کم نہیں ہوگی

دوستو! حواس خمسہ وعشرہ میں سے کسی ایک حس پر اکتفا کر لینا کہ یہی غیب و حاضر کا

معیار ہے بالکل غلط ہے آنکھ تو صرف دیکھ سکتی ہے، نہ سن سکتی ہے، نہ سونگھ سکتی ہے گویا جملہ آوازیں اور خوشبوئیں، جملہ ذائقے دائرہ غیب میں داخل ہو جائیں گے یعنی اس طرح ایک اندھے کیلئے پورا جہانِ رنگ و بوغیب مطلق ہو جائے گا اور پھر کیا وہ بھی یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ غیب کو صرف اللہ عزوجل ہی جانتا ہے؟ تو معلوم ہوا کہ غیب کی یہ تعریف غلط ہے اور یہ معاملہ تو اس طرح صاف ہو جاتا ہے۔

قرآنی تصورِ غیب

دوستو! اس قرار داد کو پیش کرنے والوں کا ایک طبقہ یہ کہتا ہے کہ اس قرار داد کے الفاظ کی وضاحت اور معانی کے تعیّن کیلئے کلامِ الٰہی [جو ہماری مقدّس ترین کتاب ہے] سے رجوع کرنا چاہیے کیونکہ اس میں بیسیوں مرتبہ لفظِ غیب لایا گیا ہے اور اسے محدود نہیں کیا گیا ہاں اگر یہ دیکھ لیا جائے کہ کلامِ الٰہی میں یہ لفظ کن معانی میں آیا ہے تو غالباً کوئی شخص علمِ غیب کے بارے میں اشتباہات کا شکار نہیں ہوگا اور جو عرفِ عام میں لفظ غیب ہے اس کی ایک خاص صورت سامنے آ سکتی ہے۔

دوستو! ہم بھی ان کی فرمائش کی تعمیل میں چند قدم بڑھتے ہیں

بات یہ ہے کہ اگر ہم ان چیزوں کی فہرست مرتب کریں کہ جنہیں کلام اللہ میں غیب کہا گیا ہے تو وہ چند ایک محدود چیزیں ہیں کیونکہ کلامِ الٰہی میں لفظ ''غیب'' تقریباً تیس 30 مرتبہ استعمال ہوا ہے اور ان تیس آیات سے فہرست مرتب کرنا کون سا مشکل کام ہے آیئے ہم دیکھتے ہیں کہ خالق نے کن کن چیزوں پر لفظ غیب کو استعمال فرمایا ہے

(1) خالق نے باقی چیزوں کی طرح انبیائے ماسلف علیہم السلام کے واقعات کو بھی دائرہِ غیب میں داخل فرمایا ہے جیسا کہ متعدد آیات میں ہے

☆تِلْكَ مِنْ أَنبَاء الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ......(ہود49)

☆ذَلِكَ مِنْ أَنبَاء الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ......(العمران44)

یعنی یہ واقعاتِ جناب مریم سلام اللہ علیہا اور جناب یوسف علیہ السلام غیب کی خبریں ہیں جو بذریعہ وحی پہنچائی گئی ہیں اور وہ واقعات جو انبیائے ماسلف علیہم السلام کے ہیں وہ غیب ہیں

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان واقعات کو غیب کیوں کہا گیا ہے ان کے بیان میں وہ کون سی صفات ہیں کہ جن کی بنیاد پر انہیں غیب میں شامل کیا گیا ہے؟

جب ہم ان پر غور کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ جو واقعات نہ دیکھے گئے ہوں نہ سنے گئے ہوں وہ واقعات غیب کہلاتے ہیں یعنی جن کی اطلاع مادّی وسائل کے ذریعے نہ پہنچی ہو ان واقعات کو خالق نے غیب فرمایا ہے

(2) قرآن مقدّس میں کسی کی ''عدم موجودگی'' میں ہونے والے عمل کو بھی غیب کہا گیا ہے جیسا کہ جناب یوسف علیہ السلام کا فرمان ہے

☆ذَلِكَ لِيَعْلَمَ أَنِّي لَمْ أَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَأَنَّ اللّهَ لاَ يَهْدِي كَيْدَ الْخَائِنِينَ......(یوسف52)

جناب یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کے قاصد سے فرمایا کہ یہ صرف اس لئے کہا ہے کہ اسے معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی عدم موجودگی میں اس کی خیانت کا ارتکاب نہیں کیا اور اللہ خائنین کے فریب کی ہدایت نہیں فرماتا

(3) کلام اِلٰہی میں بعض افراد کی لاعلمی کو بھی غیب کے دائرے میں کھڑا کیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے

☆وَقَدْ كَفَرُوا بِهِ مِن قَبْلُ وَيَقْذِفُونَ بِالْغَيْبِ مِن مَّكَانٍ بَعِيدٍ......(سبا53)

یعنی کفّار لاعلمی میں ٹامک ٹوئیاں مارتے ہیں یعنی ذہنی طور پر انہیں کچھ معلوم نہیں بس ہوائی فائر کرتے ہیں اور وہ بھی بہت دور سے

(4) جناب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا واقعہ ہے کہ جب ان میں سے ایک بھائی بنیامین علیہ السلام پر چوری کا الزام تراشا گیا تو انہیں جناب یوسف علیہ السلام نے حکم دیا کہ

☆ارْجِعُواْ إِلَى أَبِيكُمْ فَقُولُواْ يَا أَبَانَا إِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ وَمَا شَهِدْنَا إِلاَّ بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حَافِظِينَ......(یوسف81)

کہ تم اپنے باپ کی طرف لوٹ جاؤ اور جا کر کہو کہ بابا جان آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے اور ہم نے اس کی گواہی دی ہے کہ جو ہمیں معلوم تھا اور ہم غیب کے محافظ نہیں ہیں (یعنی جس کا علم نہ ہو وہ بھی غیب ہی ہے)

(5) کلام مجید میں گہرائیوں اور پوشیدگیوں کو بھی غیب میں شامل فرمایا ہے

☆فَلَمَّا ذَهَبُواْ بِهِ وَأَجْمَعُواْ أَن يَجْعَلُوهُ فِي غَيَابَةِ الْجُبِّ وَأَوْحَيْنَا ......الخ

(یوسف15)

کہ جب جناب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اجماع کرلیا کہ اسے اندھے کنویں میں ڈال دیں یعنی کنویں کی گہرائی کیلئے بھی غیابات کا لفظ استعمال ہوا ہے

(6) اسی طرح ان چیزوں کو کہ جو اکثر انسان سے مخفی ہیں یا ایک سے مخفی دوسرے پر ظاہر ہیں انہیں بھی غیب کہا گیا ہے

☆وَعِندَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لاَ يَعْلَمُهَا إِلاَّ هُو......الخ (انعام59)

اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ جو کچھ بحر و بر میں ہے یا جو کوئی درخت کا پتّہ گرتا ہے یا جو دانہ زیرِ زمین نمو پاتا ہے یہ سب دائرہ غیب میں ہیں

() کلام خالق میں عورت کی شرم گاہ کو بھی غیب کہا گیا ہے جیسا کہ

☆الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاء بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُواْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰه......الخ (نساء 33)

یعنی مرد عورتوں کے حاکم ہیں وغیرہ وغیرہ اور یہاں لفظ حَـفِظٰت لِلغَیبِ سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے غیب کی حفاظت کرنے والیاں ہیں کہ جس کی اللہ حفاظت فرماتا ہے یہاں اکثر مفسرین نے غیب سے مراد شرم گاہ لی ہے

اب کس کس آیت کا حوالہ دیا جائے بات بہت بڑھ جائے گی

یہاں پہنچ کر ہمیں اس قرارداد پر غور کرنا چاہیئے کہ "اللہ عز وجل کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا"

اب ذرا خود غور کریں کہ انبیائے ماسلف علیھم السلام اور امم سابقہ کے حالات و واقعات غیب ہیں کیا انہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا؟

کیا وہ لوگ کہ جن کے یہ واقعات ہیں وہ بھی نہیں جانتے تھے؟

حقیقت یہ ہے کہ جن جن چیزوں پر لفظ غیب کا اطلاق ہوا ہے انہیں تقریباً کوئی شخص غیبِ مطلق ماننے پر تیار نہیں ہوگا

دوستو! غیب کی ہیئت قضائی یہ ہے کہ غیب ایک نفی اور ایک اثبات سے تشکیل پاتا ہے یعنی ہر وہ چیز غیب کہلاتی ہے جس کی نفی بھی موجود ہو اور اثبات بھی موجود ہو یعنی غیب

ہے ہی وہی کہ جس کی ایک طرف نفی ہو اور دوسری طرف اثبات ہو
جس کا اثبات ہی نہ ہو وہ غیب تو کیا کچھ بھی نہیں ہوسکتا وہ لاشئے ہے جہاں بھی غیب کے لفظ پر بغور نظر کی جاتی ہے ایک نفی اور ایک اثبات نظر آتا ہے اس کے علم کو دیکھا جائے تو بھی یہی صورت سامنے آتی ہے کہ غیب کیلئے یہ لازم نہیں کو وہ ہر شخص کیلئے غیب ہو بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک کیلئے غیب ہے مگر دوسرے کیلئے وہ غیب نہیں ہے جیسا کہ کلامِ الٰہی میں ارشاد ہے

☆فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَى مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنسَأَتَهُ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَن لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ......(سبا14)

یعنی جب جناب سلیمان علیہ السلام اپنی نگرانی میں جنّات سے کام کرا رہے تھے اور عصا کے سہارے کھڑے تھے تو وہیں ان کی روح نے پرواز کیا اسی لئے ارشاد ہے کہ جب ان پر امر موت جاری ہوگیا تو ان کی وفات کا کسی کو علم نہ ہوا سوائے دیمک کے اور دیمک ان کے عصا کو چاٹتی رہی تا اینکہ وہ گر گئے اور تب جنّات کو معلوم ہوا اگر جنّات علم غیب رکھتے تو اتنے لمبے اور شدید عذاب میں مبتلا نہ رہتے ۔ یہاں جنّات سے علمِ غیب کی نفی ہے اور دیمک کے علمِ غیب کا اثبات ہے جنّات نہ جانتے تھے مگر دیمک جانتی تھی

ثابت ہوا کہ لازم نہیں کہ غیب سب کیلئے غیب ہو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قریب بیٹھے ہوئے دو افراد میں سے ایک کیلئے ایک چیز غیب ہو اور دوسرے کیلئے حاضر و معلوم ہو جیسا کہ جنّات اور دیمک کا معاملہ ہے

صلح بین النظریات

دوستو! کچھ علمائے کرام نے یہ فرمایا ہے کہ قرآن میں جن جن چیزوں کو غیب کہا گیا ہے علم غیب سے مراد ان سب چیزوں کا علم نہیں بلکہ وہ کچھ مخصوص چیزیں ہیں جیسا کہ انہوں نے مفاتیح خمسہ والی آیت کو معیار قرار دیا ہے اور اسی طرح دیگر آیات سے استخراج کر کے پانچ چیزوں کو دائرۂ علم غیب میں محصور کر دیا ہے

دوستو! عوامی سطح پر ان نظریات میں صلح کروانے کی کئی صورتیں ہیں کیونکہ عرفا میں تو اس معاملے میں کوئی اختلاف موجود ہے ہی نہیں اس لئے عوامی سطح پر صلح کی جو چند صورتیں ہیں میں یہاں ان صورتوں کو پیش کرنا چاہوں گا

(1) پہلی صورت تو یہ ہے کہ جب ہم ان آیات کو دیکھتے ہیں کہ جو آیات علمِ غیب کی نفی کرتی ہیں وہ جملہ آیات مکی ہیں اور جن سے علمِ غیب ثابت ہوتا ہے وہ سارے آیات مدنی ہیں کیونکہ مکی آیات سے مدنی آیات بعد میں نازل ہوئی ہیں اس لئے مکی آیات کو منسوخ مان لیا جائے اور مدنی آیات کو ناسخ تو جھگڑا ہی ختم ہو جائے اگر اس بحث کو ختم کرنا ہے تو اس کی پہلی صورت یہی ہے اگر یہ بھی نا منظور ہو تو پھر دوسری صورت ہے

(2) ان نظریات میں صلح کی دوسری صورت یہ ہے کہ سارے لوگ یہ جانتے ہیں کہ یہ ایک مسلّمہ ہے رفع ایجاب کلّی لیس کل یعنی جو الفاظ عموم کیلئے آئیں اس سے خواص خارج ہوتے ہیں اور انہیں ہمیشہ خارج تصور کیا جاتا ہے جیسا کہ سورۂ دہر میں ہے کہ انسان کو امتزاجِ نطفہ سے خلق فرمایا گیا ہے اس کے بعد فرمایا

و جعلناہ سمیع بصیراً یعنی انسان کو دیکھنے اور سننے والا بنایا گیا ہے

حالانکہ پوری دنیا میں لاکھوں انسان اندھے اور بہرے موجود ہیں کیونکہ اس آیہ

مبارکہ میں عمومی حالات کا ذکر ہے اسی لئے خاص حالتیں اس سے خارج ہیں اسی طرح علمِ غیب کی نفی کرنے والے آیات کو عمومی قرار دیا جائے اور انبیائے کرام علیہم السلام اور آئمہ اطہار علیہم الصلوات والسلام کو اس سے خارج سمجھ لیا جائے تو جھگڑا پھر بھی ختم ہوسکتا ہے

(3) اس جھگڑے کو ختم کرنے کی ایک تیسری صورت بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ آیاتِ نفی کو علمِ غیب بالذّات کی نفی سمجھ لیا جائے اور اثباتی آیات کو علمِ مستفاد پر محمول کر لیا جائے یعنی یوں سمجھ لیا جائے کہ ازل سے کوئی علمِ غیب نہیں رکھتا ہاں جسے خالق نے یہ علم عطا فرما دیا ہے تو وہ عالم الغیب و الشهادة ہوسکتا ہے لہٰذا ''اثبات'' عطا کا ہے اور ''نفی'' علم بالذّات کی ہے

اس صورت میں ایک سوال ہوسکتا ہے کہ جب علم بالذّات کسی کیلئے ممکن ہی نہیں تو پھر نفی کیسی ؟ کیونکہ نفی ہمیشہ امکان کی ہوتی ہے غیر ممکن کی نفی کرنا کم عقلی ہے کیونکہ علم بالذّات یعنی ذاتی علمِ غیب جب ممکن ہی نہیں تو نفی کیسی ؟ دراصل یہ آیاتِ نفی مستفاد و عطائی علم کی نفی کرتے ہیں

اس کا جواب یہ ہے کہ کلام اِلٰہی میں خالق نے اپنے بیوی بچوں شریک اور موت وغیرہ کی نفی کی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے بیوی بچوں اور موت و ہلاکت کا امکان ہی نہیں ہے تو پھر نفی کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ جس طرح یہ آیات ادیانِ فاسدہ کے رد میں وارد ہوئی ہیں اسی طرح آیاتِ نفی بھی بعض قدیم نظریات کے رد میں صادر ہوئی ہیں کہ کسی کو ذاتی علم غیب حاصل نہیں ہے [آج کی گفتگو کیونکہ علمِ مستفاد تک محدود ہے]

کئی مہربان کلام مقدّس کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ علم غیب اللہ کے سوا

کسی کو حاصل نہیں ہے جیسا کہ ارشاد ہے

☆وَعِندَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِن وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ......(انعام59)

فرمایا غیب کی چابیاں اسی کے پاس ہیں اور اسے کوئی نہیں جانتا سوائے اس کے اور وہ جانتا ہے جو کچھ بحر میں ہے بر میں ہے اور کوئی پتہ نہیں گرتا ، کوئی دانہ زمین کی تاریکیوں میں نمو نہیں پاتا بلکہ کوئی خشک وتر ایسا نہیں ہے کہ جو کتاب مبین میں نہیں ہے اس آیت مبارکہ سے کئی لوگ یہ عقیدہ اخذ کرتے ہیں کہ علم غیب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا بات یہ ہے کہ علمِ غیب کی دو اقسام ہیں

(1) وہ علم غیب ہے کہ جس پر عقلی دلیل قائم نہیں ہو سکتی

(2) وہ علم غیب ہے کہ جس پر عقلی دلیل قائم کی جا سکتی ہے

اس آیت مبارکہ کے بارے میں پہلی بات تو یہ عرض کروں گا کہ اس میں جس علم غیب کا بیان ہے اس کا تعلّق قسم اوّل سے ہے یعنی عندہ مفاتح الغیب قسمِ اوّل سے ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی بغیر عطائے اِلٰہی علمِ غیب حاصل نہیں کر سکتا نہ یہ کہ اللہ کسی کو عطا ہی نہیں کر سکتا کیونکہ اس آیت مبارکہ میں لفظ (لا یعلمھا) سے مراد یہ ہے کہ اسے کوئی نہیں جانتا یہ تو نہیں ہے کہ وہ کسی کو بتلاتا بھی نہیں ہے نفی جاننے کی ہے بتلانے کی نہیں پھر لفظ مضارع حال میں حقیقت اور مستقبل میں مجازاً ہوتا ہے اور (لا یعلمھا) صیغہ مضارع ہے جو حال پر دال ہے یعنی حال میں کوئی نہیں جانتا مستقبل میں بتانے کی نفی نہیں ہو سکتی

کچھ علما کا یہ نظریہ ہے کہ (مفاتیح الغیب) صفاتِ ایزدی میں سے ایک صفت ہے اور ممکنات کا کسی چیز کا مفاتح ہونا ناممکن ہے کیونکہ ممکنات محاط ہیں اور محاط محیط کا احاطہ نہیں کرسکتا تو اس آیت کا جھگڑا اس طرح ختم ہو جاتا ہے میں اس میں زیادہ الجھنے کے بجائے اپنے مقصود پر آتا ہوں

دوستو! اس آیت پر آپ غور کریں اس میں خالق نے دائرہ غیب کے اندر آنے والی چیزوں کو مبہم نہیں چھوڑا بلکہ ایک ایک کا نام بھی لیا ہے اور اس کے بعد عقل استعمال کرنے کیلئے ایک میدان فراہم کیا ہے یعنی فرمایا یہ ہے کہ

چاہے کوئی چیز بحر میں ہے یا بر میں

چاہے کوئی پتہ درخت سے گرتا ہے

چاہے کوئی دانہ زمین کی ظلمت میں پھوٹتا ہے

چاہے کوئی خشک چیز ہے یا تر چیز

عربی میں رطب و یابس ایک محاورے کے طور پر استعمال ہوتا ہے جس کا مطلب ہے کوئی اچھی یا بری ، خیری یا شری ، جھوٹی یا سچی چیز ہے یعنی ہر قسمی بلنڈ (Blend) کیلئے استعمال ہوتا ہے جیسا کہ ہم کہتے ہیں کہ اس کتاب میں تو سب رطب و یابس جمع ہے اس میں کون سا سچ جمع ہے اگر ہم اس محاورے کو ترک کر کے معانی لیں تو اس کا مطلب ہے ہر وہ چیز جس کو ہم چیز کہہ سکتے ہیں وہ ایک کتاب میں جمع ہے جس کا نام ہے کتاب مبین بہ الفاظ دیگر خالق نے جن چیزوں کو دائرۂ غیب میں شمار فرمایا ہے ان کیلئے یہ بھی فرمایا ہے کہ انہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا لیکن یہ سب کچھ یعنی جو کچھ وہ جانتا ہے وہ کتاب مبین میں بھی موجود ہے

اب اس سے خود سوچیں کہ اس آیت میں علم غیب کی کلّی نفی تو ثابت ہی نہیں ہوتی کیونکہ اس علم میں تو خالق کے ساتھ کتاب مبین بھی شریک ہے

دیکھئے جس کے پاس کتابِ مبین کا علم ہوگا وہ کلّی طور پر اس علم کا عالم ہوگا یا نہیں؟

کیونکہ مکمل علمِ غیب کتابِ مبین میں ہے اور علمِ کتاب اس کے پاس ہونا لازم ہے کہ کتاب کا علم رکھتا ہے یعنی علمِ غیب صاحبِ علمِ کتاب کو حاصل ہے

اس کی تائید مزید کیلئے دوسری آیت بھی دیکھ لیں فرمایا گیا ہے

☆وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ......(نمل75)

یعنی جو کچھ آسمانوں اور زمین میں غائب ہے وہ مکمل طور پر کتابِ مبین میں ہے

اگر کتابِ مبین کا علم کسی کو حاصل ہے تو پھر اس کیلئے علم غیب ثابت ہو جائے گا یا نہیں؟

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کتابِ مبین کیا ہے؟

کئی لوگوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد لوحِ محفوظ ہے کچھ لوگوں نے کچھ کہا ہے اور کچھ لوگوں نے کچھ کہا ہے اور تفاسیر میں جب ہم دیکھتے ہیں تو اس کے بارہ 12 کے قریب معانی و مرادات لکھے ہوئے ہیں مگر ہم اگر صرف تفاسیر آئمہ ہدیٰ علیھم الصلوات والسلام میں دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ ہر زمانے کے امام کتاب مبین ہوتے ہیں جیسا کہ ایک نصرانی امام موسیٰ کاظم علیہ الصلوات و السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ حٰمٓ والکتاب المبین کے باطنی معنی کیا ہیں؟

فقال علیہ الصلوات و السلام اما حٰمٓ فھو محمد صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم و اما الکتاب المبین فھو علی علیہ الصلوات و السلام

فوراً فرمایا حم سے شہنشاہِ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم مراد ہیں اور کتابِ مبین سے شہنشاہ

معظم امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام مراد ہیں

اسی طرح ہم جملہ آئمہ ہدیٰ علیہم الصلوات والسلام کی زیارت کرتے ہیں تو وہاں عرض کرتے ہیں اور یہ اقرار کرتے ہیں کہ

☆انتم الکتاب المسطور و انتم الکتاب المبین

کہ آپ ہی کتاب مسطور ہیں اور آپ ہی کتاب مبین ہیں

اس سے ثابت ہوا کہ جملہ معصومین علیہم الصلوات والسلام کے جو قرآنی اسمائے مبارکہ مشترکہ ہیں ان میں سے ایک کتاب المبین ہے یعنی ہر زمانے کا امام کتاب مبین ہے

اب ہم اللہ کے اس دعوے کی طرف لوٹتے ہیں کہ اس نے فرمایا کہ

☆وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِیْ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِلَّا فِیْ کِتَابٍ مُّبِیْنٍ......(نمل 75)

آسمانوں اور زمینوں کی کوئی ایسی چیز کہ جسے غائب کہا جا سکتا ہے وہ کتاب مبین میں موجود ہے یعنی چہاردہ معصومین علیہم الصلوات والسلام کے سینوں میں موجود ہے

☆لَا رَطْبٍ وَلَا یَابِسٍ إِلَّا فِیْ کِتَابٍ مُّبِیْنٍ......(انعام 59)

اور اس دنیا و مافیھا کا ہر خشک و تر کتاب مبین میں موجود ہے

اس میں ایک اہم بات کی طرف آپ کی توجہ دلاؤں گا وہ یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ نے جن چیزوں کو غائب کے نام سے مشخص فرمایا ہے ان کے بارے میں اس نے دو باتیں فرمائی ہیں یعنی ایک ہے اس کا علم ہونا یعنی ان اشیاء کے بارے میں معلوم ہونا اور ایک ہے ان چیزوں کا کسی چیز میں بذات خود موجود ہونا

اس بات کو آپ ایک طرح سے سمجھیں گے دیکھئے آپ کو کسی نے آ کر دو لاکھ روپے دیئے ہیں آپ نے انہیں گنا اور جب معلوم ہو گیا کہ یہ پورے دو لاکھ روپے ہیں تو

آپ نے انہیں اپنی سیف میں یا تجوری میں رکھ دیا اب مال تجوری میں پہنچ گیا اور علم آپ کے پاس رہ گیا وہ کتنے ہیں کس شکل کے ہیں

اسی طرح اللہ نے غیب کی اشیاء کے بارے میں فرمایا ہے کہ غیب کی چیزوں کا علم اس کے پاس ہے اور چیزیں کتابِ مبین میں جمع ہیں

یہاں ماہرین لسانیات العرب کے حوالے سے عرض کروں گا کہ ان کا یہ مسلّمہ ہے کتاب کو کتاب اس لئے کہا جاتا ہے کہ

ان الکتب بمعنی الجمع فسمی به الکتاب لاجتماع اشیاء فیه

کتب کے معنی جمع کے ہیں دراصل کتاب کو کتاب اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں چیزیں جمع کردی جاتی ہیں یعنی کئی واقعات اور کئی چیزیں اس میں جمع ہوتی ہیں یعنی ہر قسمی علم، حساب، کتاب، حکایات، واقعات، شاعری، لطائف وفقا ہے یعنی لطیفے اس لئے کتاب کو کتاب کہا جاتا ہے

اب یہ تو آپ سمجھ گئے ہیں کہ کتاب صرف تحریری نہیں ہوتی بلکہ ہر وہ چیز جس میں کوئی چیز جمع کردی جائے اصل کتاب وہی ہے اسی حوالے سے اللہ نے ہمارے امام زمانہ عجل اللہ فرجه الشریف سمیت سارے معصومین علیهم الصلوات والسلام کو کتاب مبین کا نام بخشا ہے کہ علم اللہ ان کے ہاں موجود ہے اور اشیاء ان کے احاطہ ٔنور کے اندر(Preserve) کیئے ہوئے ہیں اب کوئی یہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ جو جو چیزیں اس پاک ذات کے نور کی حفاظت میں ہی باقی ہیں ان کے متعلّق خود اس پاک ذات علیه الصلوات والسلام کو یہ معلوم نہیں ہے کہ وہ کیا کیا چیزیں ہیں؟

ان کے نور کی حیثیت اس طرح ہے کہ یہ نور ہر چیز پر محیط بھی ہے اور ان اشیائے

عالمین کے اندر سرایت پذیر بھی ہے اس لئے ان کی ذات سے نہ انسان کے اعمال و افعال مخفی ہیں اور نہ نیات و خیالات اور نہ انسان کے مادّی جسم کا کوئی ایک سیل اور اس کے اندر کے عناصر اور ڈیٹا ان سے مخفی ہے جب صورت حال یہ ہے تو پھر اس دور کے اِن حضرات سے کیا کہیے کہ جواب بھی یہی پر چار کر رہے ہیں کہ علم غیب اللہ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے ہاں ایک زمانہ آنے والا ہے جب یہ خاکی انسان ان علوم سے واقف ہو جائے گا کہ جنہیں آج علم غیب کہا جاتا ہے اور وہ زمانہ ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے ظاہری ظہور کا زمانہ ہے جب انسان پر جملہ علوم انڈیل دیئے جائیں گے اور انسان جب ان علوم کا عالم ہوتا ہے تو اسے اپنے سے اوپر کے علیم کی عظمت دریافت ہوتی ہے اور جہالت ہمیشہ انکار پر اکساتی رہتی ہے اور علم کا ہونا اس صورت میں فائدہ پہنچاتا ہے جیسا کہ ہم جناب موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں دیکھتے ہیں کہ فرعون کو جادو کا علم نہ تھا اس لئے وہ جاہل ہونے کی وجہ سے معجزے کی معجزیت کو دریافت نہ کر سکا اور وہ اسے ایک جادو ہی سمجھتا رہا اور جو علم السحر سے آشنا تھے انہوں نے عالم اعجاز کو دریافت کر لیا اور کلمہ پڑھ لیا اسی طرح جب انسان کو سارے علوم عطا کر دیئے جائیں گے تو اس وقت مبدہٴ علمِ الٰہی کی عظمت کو کما ظرفہٗ دریافت کر لیں گے

آیئے اب ہم دعا کریں کہ وہ زمانہ جلدی آئے کہ ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی عظمتوں کا آفتاب طلوع ہو اور سارے جاہلانہ نظریات فنا کے گھاٹ اتر جائیں

آمین یارب العالمین

اللھم صل علیٰ محمدؐ وآل محمدؐ و عجل فرجھم بقائمھمؐ صلوات اللہ علیہ والسلام

یا ھو یا من ھو لا ھو الا ھو الحی القیوم یا ھو یا من لا یعلم ما ھو الا ھو الحی القیوم العلی العظیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک

خازنِ کل علم

عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه

الحمد لله رب العالمين و صل علىٰ محمدؐ و آلهٖ اجمعين خصوصاً على حجة الله فى العالمين عجل الله فرجه الشريف و آبائه المعصومين و امهاته الطاهرين الطيبين صلوات الله عليهم اجمعين و لعنة الله علىٰ اعدائهم اجمعين من يوم الازل الى يوم الدين

اے مسافرانِ طریقِ عرفان!

معرفت ایک ایسی محبوبہ طناز ہے جو سرِ راہِ شوق منتظر عشاق کی آنکھوں کی جھولی میں جلووں کی بھیک ڈال دیتی ہے مگر کسی کو کہیں سے بلانے کی تکلیف گوارا نہیں کرتی اس لئے ہمہ وقت تیار رہنا لازم ہوتا ہے

دوستو! یہ تو آپ جانتے ہیں ہم اپنے مالک و منعمِ ازل عجل الله فرجه الشريف کے اسمائے مبارکہ کی تشریحات پیش کر رہے ہیں مگر ہم نے کل سے ان اسمائے مبارکہ کے اندر ہی ایک اور سلسلہ شروع کیا ہے یعنی ہم ایسے اسمائے مبارکہ کے اسرار و غوامض پر گفتگو کر رہے ہیں کہ جو کسی نہ کسی طرح سے علمِ غیب سے متعلّق (Related) ہیں اور

کل سے ہماری گفتگو غیب کے عوامی تصور کے حوالے سے ہو رہی ہے یعنی عوام جن جن چیزوں کو غیب جانتے یا مانتے ہیں ہم ان کے حوالے سے بات کرر ہے تھے کہ کیا وہ واقعی اللہ جل جلالہ کے سوا کسی اور حاصل نہیں ہے؟

کل ہم نے عرض کیا تھا کہ ہمارے شہنشاہِ حقیقی عجل اللہ فرجہ الشریف کا ایک اسم مبارک ہے کتابِ مبین اور ایک آیت پیش کی تھی کہ عالمِ امکان کا کوئی غیب ایسا نہیں ہے کہ جو کتابِ مبین میں موجود نہ ہو یعنی جو کچھ آسمانوں اور زمین میں غائب ہے وہ مکمل طور پر کتابِ مبین میں ہے اگر کتابِ مبین کا علم کسی کو حاصل ہے تو پھر اس کیلئے علمِ غیب ثابت ہو جائے گا

اور یہاں نفی ہے تو جاننے کی ہے بتلانے کی نہیں بلکہ کسی ایک آیت کو بھی پیش نہیں کیا جا سکتا جس میں ہو کہ وہ علمِ غیب کسی کو بتلاتا بھی نہیں ہے

اب اگر کوئی کہتا ہے کہ ہم علمِ غیب عطا نہ کرنا اگر ثابت نہیں کر سکتے تو عطا کرنا بھی تو ثابت نہیں ہے جواب یہ ہے کہ اس کا ثبوت موجود ہے کہ اللہ عطا فرماتا ہے ارشاد قدرت ہے کہ وَ مَا هُوَ عَلَى الغَيبِ بِضَنِينٍ (٢٤) تکویر کہ خالق غیب کے معاملہ میں بخیل نہیں ہے

اگر بخیل نہیں تو لازماً سخی ہوگا اور سخی کا کام عطا کرنا ہے اور انبیاء علیہم السلام کے واقعات کو بھی غیب فرمایا گیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے تِلكَ مِن انبآءِ الغیب ...... الخ

یہ غیب کی خبریں ہیں جو تمہاری طرف وحی ہوئی ہیں یہاں اس کا غیب عطا کرنا ثابت ہے (انبا) جمع کا صیغہ ہے جس کا واحد نبا ہے اور انبا کا مضاف غیب ہے اور لفظ غیب پر الف اور لام استغراقیہ ہے (نوحیھا) مضارع ہے جو استمرار تجددی پر حمل کیا

جائے گا تو ثابت ہوگا کہ ہر لحظہ انہیں علمِ غیب حاصل ہے اور وہ بھی عطائے اِلٰہی ہے اور یہاں مراد استغراقیہ علم ہے نہ کہ جزوی کیونکہ جزوی علمِ غیب تو کافر کیلئے بھی ثابت ہے

تفسیر کبیر میں امام رازی نے لکھا ہے کہ سلطان سنجر نے کاہنہ بغدادی کا مستقبل کے حالات کے بارے میں اور دیگر غیب کی چیزوں کے بارے میں بیس سال تک امتحان لیا اور ہر بات کو درست پایا

یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ نبی کے معنی غیب کی خبر دینے والا کے ہیں کیونکہ لفظ نبی نبا سے مشتق ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب ایک نبی ءِ کاذب ابنِ صیاد نے دعوائے نبوّت کیا تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا امتحان علمِ غیب سے لیا اور سورہ ''الدخان'' کو دل میں رکھ کر اس سے سوال کیا کہ اگر تو نبی ہے تو بتا کہ ہمارے دل میں کیا ہے؟

اس نے کہا (الدخ) یعنی الدخان کے چھ حروف میں سے چار درست بتائے مگر آخری دو نہ بتا سکا تو اسے جلا دیا گیا یعنی جو دل کی بات نہیں جانتا اور علیم بالذّات الصدور نہیں ہے وہ جھوٹا نبی ہے۔ نبی تو ہوتا ہی دانندہِ غیب ہے۔

یہاں ایک اور طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں کہ نبی کا لفظ نبا سے ہے نبا کے معنی ہیں عالم غیر محسوس کی خبر دینا کیونکہ عالم محسوس کی خبر کو عربی میں بھی خبر کہتے ہیں جیسا کہ اللہ جل جلالہ کے اسمائے الحسنٰی میں سے علیم وخبیر بھی ہے یعنی عالم محسوس سے باخبر اسی طرح اللہ نے انسان کو اپنے نفس پر خبیر فرمایا ہے کیونکہ انسان کی ذات کیلئے اس کا عالمِ نفس عالمِ محسوس ہی ہوتا ہے یہاں جو بات میں عرض کرنا چاہتا تھا وہ یہ ہے کہ

نبی غیب کی خبر تو کبھی کبھی دیتا ہے اور وہ بھی کسی ایک آدھ غیب کی خبر دیتا ہے مگر عالم وہ سارے غیب کا ہوتا ہے شہنشاہ انبیاصلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے غیب کی خبر چالیس سال کی ظاہری عمر میں دی جبکہ عالم الغیب وہ ازل سے تھے جب کوئی نبی کسی دوسرے کو اپنے غیب و عالمِ غیر محسوس میں شریک کرتا ہے اسی کا نام بعثت ہے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ شہنشاہ انبیاصلی اللہ علیہ و آلہ و سلم چالیس برس تک نعوذ باللہ علم غیب سے ناواقف تھے بلکہ واقف ازل سے تھے ظاہر چالیس سال کی عمر شریف میں فرمایا ورنہ ان کے گھر کے معصوم بچّے بھی زمانہ رضاعت میں لوح محفوظ کا مطالعہ فرماتے ہیں ان کے در کے غلام بھی علمِ مستفاد سے بہرہ ور ہوتے ہیں

کچھ لوگ علمِ غیب کی نفی کیلیئے ایک آیت پیش کرتے ہیں

☆ قُل لَّآ أَمۡلِكُ لِنَفۡسِىۡ نَفۡعاً وَلَا ضَرّاً إِلَّا مَا شَاء اللّهُ وَلَوۡ كُنتُ أَعۡلَمُ الۡغَيۡبَ لَاسۡتَكۡثَرۡتُ مِنَ الۡخَيۡرِ وَمَا مَسَّنِىَ السُّوءُ إِنۡ أَنَاۡ إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِّقَوۡمٍ يُؤۡمِنُونَ ......(اعراف 88)

یعنی فرما دیجیئے کہ ہم اپنی ذات کیلیئے نفع اور ضرر کے مالک نہیں ہیں سوائے اس کے کہ جو میرا اللہ چاہے اگر ہم عالمِ الغیب ہوتے تو اپنے لئے خیر کثیر جمع کر لیتے اور کوئی برائی جمع نہ کرتے تحقیق میں سوائے ڈرانے والے اور بشارت دینے والے کے کچھ بھی نہیں ہوں اور میں بشارت دیتا ہوں یا ڈرانے والا ہوں تو صرف مومنین کیلیئے

یہ تو بجا ہے کہ جو اپنے نفس کو بیچ چکا ہو وہ یہی کہے گا کہ اب اس کے نفع اور نقصان کا مالک میں نہیں ہوں بلکہ اس کا خریدار ہے اس سے آگے جو فقرہ ہے اس کی تحلیل کی

جائے تو عجیب چیز سامنے آتی ہے (لَو) کی تعریف یہ ہے کہ عطف فیھا مثبت ہوتو منفی کردیتاہےاور منفی ہوتو مثبت کردیتاہےتو اس طرح معنی کچھ یوں ہوں گے کہ

1 -اگر میں علمِ غیب رکھتا = یعنی میں علمِ غیب نہیں رکھتا

2 -تو مجھ میں اچھائی جمع ہوتی = یعنی مجھ میں کوئی اچھائی نہیں ہے

3 -اور مجھ میں کوئی برائی نہ ہوتی = یعنی مجھ میں ہر برائی موجود ہے

اب خود سوچیۓ کہ جس میں ہر برائی موجود ہو وہ برا نہیں تو کیا ہے؟

جیسا کہ مسلّمہ ہے اذا قام المبدا قام المشتق صفت ہوگی تو موصوف ماننا لازم ہو گا اب قارئین خود فیصلہ کریں کہ کیا ایسا نبی کسی کو پسند ہے؟ ؟

کیا ہمارا اپنے شہنشاہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے بارے میں ایسا عقیدہ جائز بھی ہے

اس آیت سے تو یہ بھی تبادر ہوتا ہے کہ آپ عالمین کیلئے نہیں بلکہ صرف مومنین ہی کو ڈرانے اور بشارت دینے والے ہیں-

یہ بھی تبادر ہوتا ہے کہ ان کے دیگر کوئی عہدہ ہائے اِلٰہی ہیں ہی نہیں- صرف بشارت اور نذارت ہی ہیں- اب خود فیصلہ کریں کیا کسی مسلمان کا ایسا عقیدہ ہے بھی سہی ؟ اگر ہےتو کیا اسے کوئی مسلمان مسلمان ماننے کیلئے تیار بھی ہے؟

اب وہ آیت سامنے ہے کہ جسے علمِ غیب کی نفی میں اس نظریے کا تقریباً ہر داعی پیش کرتا ہے وہ ہے سورہ لقمان کی آخری آیت کیونکہ جب علم غیب کی نفی کرنے والوں نے یہ دیکھا کہ بہت سی چیزیں تو ایسی ہیں کہ جنھیں عام لوگ غیب بھی سمجھتے ہیں اور وہ عام لوگوں کیلئے ثابت بھی ہیں مثلاً مستقبل کے واقعات کو سارے لوگ غیب سمجھتے ہیں مگر آنے والے واقعات کی درست پیش گوئی کرنا کسی کاہن کیلئے بھی ، کسی

Witch-hunter کیلیئے ، کسی ماہرعلم نجوم کیلیئے بھی ثابت ہے اور قرآن سے ثابت ہے کیونکہ فرعون کو جناب موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کی خبر کسی نبی نے نہیں دی تھی ماہرینِ علم نجوم نے دی تھی اور آخری ایاّم میں تو ٹھیک وقت اور دن بھی بتا دیا تھا اور اسی محل کے نگران جناب عمران [عمرام]علیہ السلام کے بارے میں بتایا تھا کہ ان کے ہاں کب اور کیسے ولادت ہوگی اسی طرح ایک (Palmist) ماہرعلم الید انسان کی موت کے بارے بھی بتا سکتا ہے اور میرا یہ اپنا ذاتی تجربہ ہے کہ جس دور میں مجھے پامسٹری کے سیکھنے کا جنون تھا تو اس دور میں کئی لوگوں کے بارے میں میں نے قدرت کے اشارے پڑھ کر بتایا تھا کہ اسے کسی کندآلے سے قتل کیا جائے گا اور ایک شخص کے بارے میں بتایا کہ یہ آدمی کسی کو قتل کر کے خود پھانسی چڑھ جائے گا کسی کے بارے میں بتایا تھا کہ یہ آدمی پاگل ہو جائے گا اسے عمر کے فلاں حصے میں دولت کا حصول ہوگا اس دور میں مجھے پامسٹری کا جنون تھا اس لئے ہر آنے والے کا ہاتھ دیکھ کر بولنا شروع کر دیتا تھا ، اس دور کے بارے میں ایک لطیفہ بھی عرض کروں کہ ایک مبتدی بعض اوقات کیسی دلچسپ الجھنوں میں الجھتا ہے ہمارے ہاں ایک بزرگ آیا کرتے تھے اور ہم ان کی بہت عزت کرتے تھے ایک دن انہوں نے مجھے کسی کا ہاتھ دیکھتے اور بولتے سن لیا تو میرے پاس آئے اور آتے ہی اپنے دونوں ہاتھ میرے سامنے پھیلا دیئے اور سوال کیا کہ آپ یہ بتائیں کہ میری کتنی شادیاں ہیں؟

میں نے ان کا ہاتھ دیکھا تو پریشان ہوگیا اور میں نے کہا آپ کی شادیاں تو دو ہیں مگر مجھے ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ایک ہی مرد کے عقد میں دو بہنیں کیسے آ سکتی ہیں؟ یہ سن کر وہ بہت زور سے ہنسے اور کہا کہ کیا ایک کے مرنے کے بعد بھی دوسری

بہن سے عقد نہیں ہوسکتا؟ یہ سن کر میری ہنسی نکل گئی پھر انہوں نے بتایا کہ ان کی واقعی دو شادیاں ہوئی ہیں اور دونوں آپس میں سگی بہنیں تھیں؟

یعنی یہ بات مشاہداتی ہے کہ جسے عام لوگ غیب سمجھتے ہیں وہ پرُاسرار علوم میں سے کسی بھی علم کا کوئی بھی ماہر آسانی سے بتا سکتا ہے یعنی ٹیلی پیتھی ہے، پیراسائیکالوجی ہے، علم الہمزاد ہے، العلم الدعوات القبور ہے، علم دعوات الارواح ہے، تسخیر جنّات ہے، علم نجوم ہے، علم جفر ہے، علم الاعداد ہے وغیرہ ان علوم کے ماہرین ان چیزوں کے بارے میں درست بتا سکتے ہیں کہ جنہیں ایک آدمی اور ایک سطحی علم کا عالم بھی علمِ غیب میں شمار کرتا ہے اس لئے جو لوگ قدرے حقیقت کے قریب پہنچے اور مشاہدات کی نفی نہ کر پائے تو انہوں نے اس آیت کا سہارا لے کر کہنا شروع کر دیا کہ باقی سارے علم غیب تو اللہ جل جلالہ کسی نہ کسی کو بتا دیتا ہے مگر ان میں سے پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ ان کا علم اللہ کے بغیر کسی کو حاصل نہیں ہوسکتا ہے کیونکہ انہیں اللہ جل جلالہ نے مخلوق سے اپنی برتری کیلیئے اپنے لئے مخصوص فرما دیا ہے اور وہ ان پانچ چیزوں کا علم کسی کو بالکل نہیں دیتا وہ کیا ہیں؟

☆إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَداً وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ......(34 لقمان)

اس آیت میں پانچ چیزوں کو علمِ غیب قرار دیا گیا ہے ان پر فرداً فرداً تھوڑی سی بحث کرتا چلوں۔ اس میں تین چیزیں ایسی ہیں جن کا تعلّق صرف اور صرف مذہب سے ہے انہیں کسی سائنسی (Scientific) طریقے سے نہیں جھنجھوڑا جا سکتا البتہ دو چیزیں

اس میں وہ ہیں جنہیں موجودہ سائنسی ترقی کے آئینے میں دیکھا جا سکتا ہے
جن کل پانچ چیزوں کا ذکر ہوا ہے ان میں سے پہلی چیز ہے علم الساعة
عام طور پر ساعت سے مراد قیامت لی جاتی ہے حالانکہ مجھے اس ترجمہ سے قدرے اختلاف ہے اس پر بحث پھر کسی موضوع میں ہوگی فی الحال قیامت ہی تصور کر کے بحث کرتا ہوں آیت ہے من عنده علم الساعة
اس فقرے کی اصل وضاحت ایک اور آیت میں ہے کیونکہ اس فقرے کا مطلب و معنی یا اس کا ترجمہ کرنے سے نہ تو نفی ثابت ہوتی ہے نہ اثبات کیونکہ ترجمہ ہے کہ علم الساعة اللہ کے پاس ہے تو کسی چیز کا اللہ کے پاس ہونا کسی دوسرے سے نفی نہیں کرتا اور نہ ہی دوسرے میں وہی چیز ثابت کرتا ہے بلکہ اس آیت کی توضیح دوسری آیت میں ہے وہ آیت اس طرح ہے
يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِندَ رَبِّي (اعراف 187)
اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کے بارے میں سوال کرنے والوں سے فرما دیجئے کہ اس کا علم میرے رب کے پاس ہے
اب اس آیت کو اپنے مقصود میں پیش کرنے والوں کا مرکزی لفظ ہے (اِنَّما) انما کلمہ حصر ہے وہ کہتے ہیں کہ حصر کی تعریف یہی ہے کہ جو اس میں داخل ہے اسے خارج نہیں کیا جا سکتا اور جو خارج ہے اسے داخل نہیں کیا جا سکتا اور آیت کا فقرہ ہے
قُل اِنَّمَا عِلمُهَا عِندَ رَبّی
کیونکہ ربِّ حقیقی پر علم غیب منحصر ہے اسی لئے کسی دوسرے کو اس علم میں شریک نہیں کیا جا سکتا علمِ غیب کے باہر ایک حصار ہے اور اس حصار کے اندر خالق ہے اور مخلوق

اس سے باہر ہے

حالانکہ کلمہٴ حصر کی دو اقسام ہیں نمبر ایک حصرِ اضافی نمبر دو حصرِ اختلافی

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہاں حصرِ اضافی نہیں اختلافی ہے جس سے اثبات ثابت ہوتا ہے اور حصر ٹوٹ جاتا ہے حصر اضافی کو دیکھا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ [انما] ہمیشہ غیر حصر کیلیئے آتا ہے مثلاً ارشادِ قدرت ہے

☆إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ

اس آیت میں ''انما'' کو اگر حصر مان لیا جائے تو پیغمبر اکرم صلی الله علیه و آله و سلم کی باقی ساری صفات سے ہاتھ دھونا پڑیں گے وہ صرف ڈرانے والے ہوں گے دوسری کوئی صفت ان میں نہ ہو گی اور انذار کا حصار ان کی مقدّس شخصیت کو گھیر لے گا

دوسری آیت ہے کہ

☆حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالْدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ

یہاں بھی انما موجود ہے اور اگر یہاں بھی کلمہ حصر مان لیا جائے تو مردار خون اور خنزیر کے گوشت کے سوا کوئی چیز حرام نہیں رہے گی حالانکہ حلال وحرام کی فہرست بہت لمبی ہے جب ''انما'' دیگر کسی آیت میں حصار نہیں بن رہا تو علم الساعۃ میں کیسے حصار ثابت ہوسکتا ہے؟؟

لہٰذا انما کی بنیاد پر علمِ غیب کی نفی کرنا خلافِ قانون ہے خلافِ اصول ہے اسی طرح انما کی کئی مثالیں دی جاسکتی ہیں اور کلامِ اِلٰہی میں دیکھی جاسکتی ہیں

نزولِ بارش

اس محولہ بالا آیت میں مذکور دوسری چیز ہے غیث [بارش] کے نزول کا علم

جیسا کہ فرمایاوَ یُنَزِّلُ الغَیث یعنی بارش کب آئے گی اس کا علم بھی اللہ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے۔

دوستو! بارش تو ایک ایسی چیز ہے جسے عقلی اور نقلی دلائل سے پرکھا جا سکتا ہے اس کے جواب میں اگر چہ بہت کچھ کہا جا چکا ہے واقعات بھی اس کے ضمن میں لائے گئے ہیں مثلاً آئمہ اطہار علیہم الصلوات والسلام کے دور میں مسلمانوں کا نماز استسقاء پڑھنا بارش نہ آنا پھر ایک عیسائی پادری کا دعا کرنا اور بارش کا آجانا پھر عباسیوں کا پریشان ہونا اور آخر میں امام حسن عسکری علیہ الصلوات و السلام کا فرمانا کہ اس پادری کے ہاتھ میں ایک نبی کی ہڈی ہے اس کا خاصّہ یہ ہے کہ جب اسے زیرِ آسمان کھول دیا جائے تو بارش آجاتی ہے

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ جس کی ہڈی بارش برسا سکتی ہے وہ خود اتنا بھی نہیں جانتا کہ بارش کب ہوگی آخر کیوں؟؟

اگر آج کسی آدمی کے پاس وہی ہڈی موجود ہو تو بارش اس کے اختیار میں ہوگی جب چاہے جہاں چاہے بارش کرا دے گا اور ہفتہ بھر پہلے اعلان کر سکتا ہے کہ فلاں دن فلاں مقام پر بارش ہوگی اور اسی دن معینہ وقت پر اس ہڈی کو ظاہر کرے اور خود کو سچا ثابت کر کے دکھا سکتا ہے یا نہیں؟

تو ایسے جوابات تو بہت ہو چکے ہیں اب مزید جواب دینا فضول ہے ہاں اس دور کے نوجوان لوگوں کیلئے اس موضوع پر ضیافتِ علمی نہیں دی گئی سو وہ حاضر ہے

ہمارا یہ دور ایک سائنسی دور ہے اور مادّیات کے معاملے میں انسان بہت ترقی کر چکا ہے اور آئندہ بھی اس سفر میں تیزی پیدا ہو رہی ہے آج سے دو صدیاں پہلے بارش

کے علم کے بارے میں خیال تھا کہ اس کا معلوم کرنا محال ہے اچانک بیرومیٹر (Barometer) ایجاد ہوا جس سے ہوا کے دباؤ کا نارمل نقطہ معلوم ہوا اور ہوا کے دباؤ کی کمی پر بارش کا ہونا قرار پایا تو کچھ وقت قبل از برسات درست پیش گوئی ممکن ہوگئی پھر موسمیات کے محکمے وضع ہوئے ان کو مختلف جدید آلات بخشے گئے پھر اونچی جگہوں پر بیرومیٹر (Barometer) اور ہیگرو میٹر نصب کئے گئے تو ان کی وجہ سے چوبیس گھنٹے پہلے بارش کی درست پیش گوئیاں ہونے لگیں پھر موسمی سیارے خلا میں چھوڑے گئے Computer I.B.M. ایجاد ہوئے تو گھنٹوں اور منٹوں تک بارش کی پیش گوئی کی جانے لگی

پھر سائنس نے اس سے آگے قدم بڑھایا اور بادلوں پر خاص قسم کے (Chemicals) کیمیاوی مادّے مثلاً ڈرائی آئس (Dry Ice) کاربن مونو آکسائیڈ (Carbon-monoxide) چھڑک کر مصنوعی بارش برسائی گئی

پھر روس نے سوچا کہ مصنوعی بارش کی افادیت کو بڑھایا جائے تو اس نے مصنوعی بارش برسانے سے پہلے بادلوں میں کھاد ملا دی اور بارش کروائی اور فصلیں تیار کروائیں

اب ابخارات اٹھانے اور ان سے بادل بنانے پر کامیاب تجربے ہو رہے ہیں پھر بادلوں کو ہنکانے کا کام چین میں ہوا ہے کہ ژالہ باری والے بادلوں کے پیچھے بڑے بڑے جہاز لگا کر انہیں اپنے ملک کی سرحد سے باہر نکال دیا گیا

اب تو موسمی بم بھی ایجاد کئے جا رہے ہیں جس سے موسم کو فوراً بدلا جا سکے اس کا ایک تجربہ روس میں ہو بھی چکا ہے کہ جب چرنوبل میں ایٹمی ری ایکٹر لیک ہوا تو روس

نے ایمونیا گیس کے بم برسا کر فوراً موسم کو بدل دیا اور عام درجہ حرارت کو صفر سے بہت نیچے کر دیا پھر جب ہوائیں چلیں تو پاکستان میں بھی مئی اور جون کے دنوں میں درجہ حرارت اتنا گرا کہ لوگوں نے ایک دومہینہ لحاف نکال لئے اندر سونا شروع کر دیا اور ماہرین موسمیات کا کہنا ہے مستقبل میں شاید عالمی عدالتوں میں ایسے کیس بھی آئیں کہ جب ایک ملک دوسرے ملک پر دعویٰ کرے گا کہ اس نے ہمارے ملک کی طرف بڑھتے ہوئے بادلوں کو جبراً اپنے ملک میں برسا لیا ہے اس لئے یہ اس کا ہرجانہ ادا کرے جیسا کہ کوئی آدمی کسی کی راہ چلتی بکری کا دودھ نکال لیتا ہے اور اس پر کیس ہوسکتا ہے اسی طرح بادلوں کے بارے میں بھی کیس دائر ہوں گے اور ان کیلئے بھی عالمی لیول پر قوانین مرتب کئے جائیں گے

اب کوئی ذی عقل انسان بتائے کہ اتنی ترقی کر لینے کے بعد کوئی شخص ان سائنس داں حضرات سے کہہ سکتا ہے کہ بارش کب ہوگی یہ تو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا؟ اگر کوئی انہیں یہ بات کہہ دے تو کیا وہ ایسے شخص کا دماغ درست تسلیم کر لیں گے؟ جو لوگ بارش کا وقت بتا سکتے ہیں برسا سکتے ہیں بنا سکتے ہیں بادلوں کو نکیلیں ڈال کر چلا سکتے ہیں کیا ان کے سامنے قرآن کا یہ دعویٰ ہم پیش کر سکتے ہیں؟

اب اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ یہ دعویٰ بغیر آلات کے بتانے کا ہے تو جواب یہ ہے کہ ایک نبی ایک بیرومیٹر سے بھی کم حسّاس ہے یا کم پہچان رکھتا ہے تو پھر ہمیں کلمہ اس بیرومیٹر کا پڑھنا چاہیئے۔

بہرحال اس دعوے کی نفی خود سائنس نے کر دی ہے تو لازماً ہمیں یہ کہنا پڑے گا کہ قرآن کو نہیں سمجھا گیا ورنہ یہ تو اللہ کی وہ کتاب ہے کہ جس کی تردید سائنس تو کیا

کائنات بھی نہیں کرسکتی سائنس اس کی تائید ہی کرے گی

حقیقت یہ ہے کہ یہ آیت متشابہ ہے اور متشابہ پر عقائد استوار کر لینا دلوں میں کجی کی علامت ہوتی ہے

علمِ ارحام

محولہ بالا آیت میں جو تیسرا جز تھا وہ تھا شکمِ مادر کا علم جیسا کہ ارشاد ہے

وَ یَعلَمَ مَا فِی الاَرحَام

اس کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے کہ شکمِ مادر میں بچی ہے یا بچہ کوئی نہیں جانتا

ویسے تو اس دعوے کے کئی جواب ہیں پہلی صورت یہ تھی کہ ایسے واقعات وفرامین و احادیث پیش کئے جاتے کہ جو اس کے اثبات پر دلیل ہوتے مگر اس دور میں رواتِ حدیث پر نقد و تبصرہ ہوتا ہے احادیث کو ضعیف کہہ دیا جاتا ہے کتب اور صاحبانِ کتب علماء پر اعتراض ہوتا ہے اور انہیں ساقط الاعتبار قرار دے دیا جاتا ہے پھر سب سے بڑی قباحت اس میں یہ ہے کہ اس کے مقابلے کی احادیث تلاش کر کے سامنے رکھ دی جاتی ہیں اور پھر یہ فقرہ کَس دیا جاتا ہے کہ اذا جاء الاحتمال فقد بطل الاستدلال کہ جہاں احتمال پیدا ہو جائے وہاں استدلال باطل ہے

حالانکہ یہ کلّیہ ہی غلط ہے مگر علمائے کرام کا یہی آخری ہتھیار ہے اس لئے اب دو ہی صورتیں باقی رہ جاتی ہیں ، پہلی صورت یہ ہے کہ شکمِ مادر کے علم کو قرآن کریم سے ثابت کیا جائے یا سائنسی طریقہ سے

ویسے تو قدامت پرست علماء کا طریقہ یہ ہے کہ جہاں بھی ان کے مفروضہ عقائد سے سائنس متصادم ہو تو ان عقائد کو قرآنی کہہ کر سائنس کی تردید میں جُٹ جاتے ہیں

؎ خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں

والی بات ان پر صادق آتی ہے انہیں چاہیئے تھا کہ وہ اپنی اصلاح کرتے اور معذرت کرتے کہ ہم نے قرآن کو سمجھا ہی نہیں بلکہ صورت حال یہ ہے کہ اگر قرآن کی (نعوذ باللہ) تکذیب ہوتی رہے تو بھی انہیں کوئی پرواہ نہیں ہوتی مگر اپنے نظریات میں ترمیم کرنا وہ بالکل پسند نہیں کرتے بلکہ قرآن اگر اس کی تائید بھی کر دے تو اس آیت کی بھی تاویل کر کے اپنے نظریات پر فٹ کر دیتے ہیں

قرآن مقدّس نے علمِ ارحام کی صرف نفی ہی نہیں کی ہے بلکہ غیر کیلئے اسے ثابت کیا ہے اور نہیں تو جملہ مسالک کے علما [زاجر] فرشتے کے علمِ ارحام کے قائل ہیں اور کسی کو بھی اس سے انکار نہیں ہے

یہاں یہ نہیں سوچا جاتا کہ اگر فرشتہ علمِ ارحام کا حامل ہو تو کوئی فرق نہیں پڑتا اگر نبی کو یہ علم مل جائے تو پھر توحید کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے یہ منطق میری سمجھ سے باہر ہے

جناب نوح علیہ السلام کے بارے میں کلامِ مقدّس میں ہے کہ جب جناب نوح علیہ السلام تبلیغِ رسالت کر کے فارغ ہو چکے تو انہوں نے خالق کے حضور جو کچھ عرض کیا وہ کلامِ مقدّس بن گیا اور ان کی گذارش کو ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے

☆وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّاراً () إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِراً كَفَّاراً ......(نوح27)

یعنی جناب نوح علیہ السلام نے عالم الغیب اللہ سے گذارش کی کہ تو زمین پر کسی کافر کو مت چھوڑ اگر تو کسی کو چھوڑے گا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان کے اسلاب وارحام میں سے کافر و فاجر کے سوا کچھ بھی پیدا نہ ہو گا

یہاں دیکھیں جناب نوح علیہ السلام ارحام کی خبر دے رہے ہیں اور وہ بھی مخلوق کو نہیں بلکہ عالم الغیب اللہ جل جلالہ کو ایک مستقبل کی خبر دے رہے ہیں کہ اگر یہ باقی رہے تو تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے پھر خود عالم الغیب ذات کو بتلا رہے ہیں کہ ان میں سے کوئی پیدا نہ ہو گا مگر کافر

اب اس پر خود غور کریں کہ یہ علمِ اسلاب وارحام نہیں تو کیا ہے؟

اور خبر بھی اپنے خالق کو دے رہے ہیں اگر یہ شرک تھا تو خالق نے ٹوکا کیوں نہیں؟؟

ایسی آیات وافر تعداد میں پیش کی جا سکتی ہیں مگر امکان یہ ہے کہ ان کی تاویل کر دی جائے گی یا تکذیب کر دی جائے گی مگر سائنس ایک ایسی مشاہداتی حقیقت ہے کہ جس کی تردید کوئی صاحبِ عقل وشعور تو نہیں کر سکتا

سائنس نے علم ارحام یعنی شکم مادر کے بارے میں علم حاصل کرنے کیلیئے درجہ بدرجہ ترقی کی ہے اس لئے اس کے اہم مراحل کی طرف اشارے کرتا جاؤں گا

مراحلِ سائنس

() سب سے پہلے سائنس نے ایکس ریز X.Rays دریافت کیئے تو شکمِ مادر میں کسی وجود کا ادراک کرنا شروع کیا

() الٹراساؤنڈ (Ultrasound) اور پھر سکرینینگ (Screening) سے جنس کا بھی پتہ لگایا جانے لگا کہ پیٹ میں بچی ہے یا بچہ ہے

() لیزر Laser شعاعوں کی ایجاد و دریافت نے اس کام کو مزید آگے بڑھایا اور شکمِ مادر میں جنس تبدیل کرنے کے تجربات ہوئے یعنی عورت کے پیٹ میں لڑکا تھا اس نے ڈاکٹر سے کہا کہ میری خواہش ہے اسے لڑکی بنا دو بس لیزر شعاعوں سے فوراً

شکمِ مادر میں ہی جنس تبدیل کر دی

() اس سے ایک قدم آگے بڑھا اور انجکشن سے عورتوں کو حاملہ کیا جانے لگا پھر ایکس X اور وائی Y سپرم Sperm کی مخصوص تعداد کو قائم کر کے انجکشن سے پہلے پوچھا جانے لگا کہ لڑکا ہو یا لڑکی ہو؟ اور اس کے کامیاب تجربات ہوئے یعنی رحمِ مادر میں پیدا ہونے والے اووم Ovum پر کنٹرول حاصل کر لیا

() اس کے بعد بے بی ٹیسٹ ٹیوب Baby Test Tube سے بچّے پیدا کر کے علمِ ارحام کے مسئلے کو ہی ختم کر دیا گیا اور گذشتہ سال اقوامِ متحدہ میں بے بی ٹیسٹ ٹیوب سے پیدا ہونے والے بچّے کی سالگرہ منائی گئی تو یو این او کے سینکڑوں مندوبین نے اس کے یومِ پیدائش پر Hapy Birthday to You گا کر تالیاں بجائیں اور اس کا کیک کاٹا۔

یہاں خود سوچیں کہ اب ان گاتے ہوئے مندوبین سے بھی کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ شکمِ مادر میں بچی ہے یا بچہ ہے صرف اللہ جانتا ہے؟؟؟

ماضی میں جنس معلوم کرنے کیلئے ایک عرصہ لگ جاتا تھا یعنی انعقادِ نطفہ کے بعد ایک ماہ کے بعد جنس کا پتہ چلتا تھا کہ شکم مادر میں لڑکی ہے یا لڑکا ہے مگر جدید ترین اعلان کے مطابق انعقادِ نطفہ کے 48 گھنٹے بعد پتہ چل جاتا ہے کہ پیٹ میں لڑکی ہے یا لڑکا

اب تو سائنس آر این اے (RNA) ڈی این اے (DNA) پہ کام کر رہی ہے اور کلوننگ (Cloning) جیسے علوم متعارف ہو چکے ہیں جس سے ایک نطفے سے ایک جیسے لاکھوں بچّے اپنی منشا کہ مطابق پیدا کئے جا سکتے ہیں اور جانوروں پر اس کے کامیاب تجربات کئے جا چکے ہیں

اس سے قبل جتنے تجربات ہوئے اس میں (Male & Female) میل فی میل کے نطفوں ہی سے سب کام کیا گیا مگر آج سائنس نے یہ بھی کرلیا ہے کہ بغیر باپ کے صرف ماں ہی کے مادہ منویہ سے بچہ پیدا کرلیا ہے اور اولاد کیلئے عورت کو مرد سے بے نیاز کردیا گیا ہے

اب جینیٹکس (Genetics) سائنس آرہی ہے اوراس میں حشرات الارض پر تجرباتی کام ہورہا ہے جس میں جینز (Genes) کو بڑھانے گھٹانے سے پیدا ہونے والی چیز کی آنکھوں کی تعداد خود مقرر کی جائے گی ہاتھ پاؤں کی تعداد خود مقرر کی جائے گی اور یہ بھی پہلے ہی سے طے کرلیا جائے گا کہ اس بچّے کی آنکھیں کہاں لگائی جائیں، ہاتھ کہاں ہوں، پاؤں کہاں اور کتنے ہوں اس کے کامیاب تجربات پر میں نے ایک ڈاکومنٹری بھی دیکھی ہے اوراس کے آخر میں یہ کہا گیا تھا کہ اب وہ دن دور نہیں کہ انسان سب سے پہلے اپنے پیدا ہونے والے بچّے کا کمپیوٹر پر ماڈل بنائے گا اس کی قد وقامت اور رنگ وخال وخد کو متعیّن کرے گا اوراس کے بعد اپنی منشا کے مطابق اپنے بچی یا بچہ پیدا کرلے گا اور ایسا بھی ممکن ہے کہ کوئی انسان اپنا ایسا کوئی بچہ پیدا کرے جس کا قد دس فٹ ہو، تین آنکھیں ہوں، چار ہاتھ ہوں، چار ٹانگیں ہوں اسی طرح اب تو سائنس بہت کچھ کررہی ہے اور کرچکی ہے اب اگر Conservative Minded علماء ان چیزوں پر یقین نہیں کریں گے تو کب تک۔ فی الحال تو یہ ذہنی طور پر قبل از مسیح کے لوگ ہیں جو نفی اثبات کے چکروں میں الجھے ہوئے ہیں اور ہر تحقیق پر شرک کا فتویٰ لگا رہے ہیں اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں کہ یہ سب کچھ خدا اور اسلام کی محبت میں کرتے ہیں ان کے یہ جھگڑے کسی بدنیتی پر

مبنی نہیں ہیں مگر اتنا تو سوچ لینا چاہیئے تھا کہ ان چیزوں کی نفی سے اقوامِ عالم کے سامنے ہمیں رسوا تو نہیں ہونا پڑے گا-

ایک صاحب میرے پاس آئے اور سوال کیا کہ کیا ہم شہنشاہ امیرالمومنین علیہ الصلوات و السلام سے اولاد مانگ سکتے ہیں کیا ان سے اولاد مانگنا جائز ہے؟

میں نے عرض کیا کہ جی بالکل نہیں- وہ خوش ہوگئے میں نے پھر عرض کیا کہ جناب اس دور میں مولا سے تو کجا خود اللہ جل جلالہ سے بھی اولاد مانگنا جائز نہیں ہے کیونکہ اب تو عورت کو کسی یورپین ڈاکٹر کے پاس لے جائیں چاہے وہ یہودی ہوگا یا عیسائی ایک منٹ میں عورت کو حاملہ بھی کردے گا اور یہ گارنٹی بھی دے گا کہ لڑکا ہی ہوگا اور جیسا آپ کہیں گے رنگ بھی ویسا ہی ہوگا

پھر میں نے عرض کیا کہ آپ لوگ پاک خاندان علیہ الصلوات و السلام کے بغض میں پاگل ہو چکے ہیں اور یہ بھی نہیں سوچتے کہ آپ اسلام اور اہل اسلام کو بدنامی اور رسوائی دے رہے ہیں اور اللہ جل جلالہ کی نعوذ باللہ توہین کروا رہے ہیں اور کلام اِلٰہی کی اہانت کروا رہے ہیں

دوستو! آپ نے دیکھا کہ جن پانچ چیزوں کے بارے میں دعویٰ یہ تھا کہ ان پانچ چیزوں کے بارے اللہ جل جلالہ کے سوا کوئی نہیں جانتا تو ان میں سے دو چیزیں تو ایسی ہی ہیں کہ انسان ان کے صرف علم پر نہیں رکا ہوا بلکہ اس پر ایک طرح سے تصرف بھی کررہا ہے اور اصول یہ ہے کہ جس دعوے کا ایک جز ہی کیوں نہ باطل ہو جائے سارا دعویٰ باطل ہو جاتا ہے اور اس دعوے کا تو چالیس فی صد حصہ باطل ہو چکا ہے پھر یہ دعویٰ کیسے قائم رہ سکتا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ کلام اِلٰہی کو سمجھنے کے بجائے اپنے نظریات پر استعمال کیا جارہا ہے
اور یہ چیز علم دشمنی ہے اور حقیقت کُشی ہے اس لئے ہمیں اپنے عقائد کا از سرنو جائزہ
لینا چاہیے کیونکہ اللہ کے علم کے جتنے خزائن ہیں ان کے خازن اسی اللہ کے انوارِ
ازلیہ واوّلیہ علیھم الصلوات والسلام ہیں اور کوئی علم ایسا نہیں ہے کہ جو ان کے پاس نہ ہو
اسی حقیقت کے انکشاف کیلئے امام صادق آلِ محمد علیھم الصلوات والسلام نے فرمایا تھا

نحن خزان الله فی ارضہٖ و سمائہٖ لا علیٰ ذھب ولا علٰی فضة الا علی علمه
یعنی فرمایا ہم اللہ کے زمین و آسمان کے خزانہ دار ہیں یعنی ہم نہ سونے کے خزانہ دار
ہیں نہ چاندی کے بلکہ ہم اللہ کے علم کے خزانہ دار ہیں یعنی اس کے سارے علم کے
محافظ ونگران ہم ہیں ویسے تو یہ سارے معصومین علیھم الصلوات والسلام اللہ کے علم کے
خزانہ دار ہوتے ہیں مگر ہر وہ ذات جو امام عصر و ناطق کا منصب سنبھالتی ہے وہ اللہ
کے علم کی خازن ہوتی ہے اسی لئے ہم اپنے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی
زیارتوں میں عرض کرتے ہیں

و خازن کل علم یعنی اللہ جل جلاله کے خزائن کے خزانہ دار ہمارے آپ پر لاکھوں
درود وسلام ہوں اور ہمارے آپ کو اربوں کھربوں صلوات وسجودِ عقیدت ہوں
اب یہاں ہر کوئی آسانی سے سوچ سکتا ہے کہ اللہ کے سارے علوم میں کیا ان
چیزوں کا علم شامل نہیں ہے کہ جنہیں ہم علمِ غیب فرض کئے ہوئے ہیں؟
جب یہ سارے علومِ اِلٰہی کے خزانہ دار ہیں تو کیا کوئی خزانہ دار اپنے خزانے سے
لاعلم بھی ہوتا ہے؟ ہم یہ ساری بحث عرفانیاتی حوالے سے نہیں کر رہے ہیں بلکہ عام
سطحی انداز میں بات کر رہے ہیں ہاں اس سلسلے کے آخر میں عرفانیاتی بات بھی ضرور

کریں گے

اب وقت ہے کہ ہم سب مل کر دعا کریں کہ اللہ جل جلالہ کے خزائنِ علم کو ظاہر فرمانے والی ذات عجل اللہ فرجہ الشریف کا ظہور جلدی ہو کیونکہ فرمایا گیا ہے کہ ازل سے لے کر خروج تک جتنے علوم ظاہر ہوئے ہیں یہ صرف ایک حرف کا مکمل علم بھی نہیں ہیں بلکہ ایک حرف کے علم کا بھی لاکھواں حصہ ہے ہاں جب ہمارے آخری شہنشاہ عجل اللہ فرجہ الشریف تشریف لائیں گے اور ان کی حکومت اِلٰہی کا قیام ہوگا تو اللہ کے سارے علوم سارے حروف کے علوم مخفیہ کو اس دنیا پر انڈیل دیا جائے گا اور پھر کیا ہوگا ؟ فرمایا ہم اس وقت اللہ کے علم کے خزانہ دار ہوں گے اور شیعتنا خزاننا یعنی ہمارے شیعہ پھر ہمارے خزانہ دار علم ہوں گے یعنی اس وقت ہمارے شہنشاہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی ساری رعایا اللہ کے علوم باطنیہ ومخفیہ کی خزانہ دار بن جائے گی اور ان کی رعایا کا ہر فردِ علمِ غیب کا عالم ہوگا دعا کریں کہ وہ روز سعید دیکھنا ہمارے نصیب میں ہو

اللھم ارزقنا من لقائہٖ

آمین یارب العالمین

اللھم صل علیٰ محمدؐ وآل محمدؐ و عجل فرجھم بقائمھمؑ صلوات اللہ علیہ والسلام

یا ھو یا من ھو لا ھو الا ھو الحی القیوم یا ھو یا من لایعلم ماھو الا ھو الحی القیوم العلی العظیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجك و صلوات اللہ علیك

خزانة العلمؑ

عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه

الحمد لله رب العالمين و صل علىٰ محمدؐ و آلهٖ اجمعين خصوصاً على حجة الله فى العالمين عجل الله فرجه الشريف و آبائه المعصومين و امهاته الطاهرين الطيبين صلوات الله عليهم اجمعين و لعنة الله علىٰ اعدائهم اجمعين من يوم الازل الى يوم الدين

اے دریوزہ گرانِ باب العلمؑ !

ہم کل والے سلسلے کو آگے بڑھا رہے ہیں جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ ہم اپنے شہنشاہ معظم ولی و منعمِ ازل و ابد عجل الله فرجه الشريف کے ان اسمائے مبارکہ پر گفتگو جاری رکھے ہوئے ہیں کہ جن میں کسی نہ کسی طرح ان کی علمی تصویر اجاگر کی گئی ہے

اس دور میں یہ ہنگامہ کھڑا کیا گیا ہے کہ علم غیب سے اللہ جل جلالہ کے سوا کوئی واقف نہیں ہے اور نہ ہی یہ علم کسی کو دیا گیا ہے اور اس میدانِ جنگ میں یہ بھی واضح نہیں کیا گیا کہ علمِ غیب ہے کیا ؟ بس جس کا جی چاہتا ہے وہ کسی چیز کو علم غیب بنا دیتا ہے اور اس کے خلاف بولنے والے کی گردن اڑانا جائز سمجھتا ہے اور اسی کو جہاد فی سبیل اللہ سمجھتا ہے اور عام طور پر علم الاشیاء ہی کو علم غیب بتایا جاتا ہے

دوستو! سچی بات تو یہ ہے کہ ہم اس جنگ میں شریک نہیں ہیں اور نہ ہمارا ان سے کوئی تعلّق ہے ہم تو صرف اپنے دوستوں تک محدود ہیں اور انہی کے سامنے اپنے نظریات کو بیان کرتے ہیں اور اس میں بھی انہیں آزاد رکھتے ہیں کہ اگر انہیں کوئی بات اچھی لگے تو قبول کرلیں اگر کوئی بات ناپسند ہو تو اسے ٹھکرادینے کا انہیں اختیار ہے اور یہ رویّہ ہمارے تعلّقات پر بھی اثر انداز نہیں ہوگا ہماری دوستی ویسے ہی رہے گی جیسے پہلے سے ہے کیونکہ انہیں بھی اپنی رائے رکھنے کا پورا پورا حق حاصل ہے اور ہمیں اس حق پر ڈاکہ ڈالنے کی اجازت نہیں ہونا چاہیے بلکہ کسی کو نہیں ہونا چاہیے کیونکہ یہ علمی جارحیت ہے اور علمی جارحیت جہالت و جاہلیت ہوتی ہے

دوستو! اس دور میں کئی ایسے منچلے بھی ہیں کہ جو سورہ یوسف کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں لَم اَخُنہُ بِالغَیب کہ ہر وہ چیز جو سامنے موجود نہ ہو غیب ہے یعنی عدم موجودگی ہی غیب ہے اور اس کا علم اللہ جل جلالہ کے سوا کسی کو نہیں ہے مگر وہ یہ نہیں سوچتے کہ کلام اِلٰہی میں اس طرح کی بہت سی آیات ہیں کہ جن سے خود اللہ جل جلالہ کی عدم موجودگی بھی ثابت ہو جاتی ہے جیسا کہ

☆وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى وَهَارُونَ الْفُرْقَانَ وَضِيَاء وَذِكْراً لِّلْمُتَّقِينَ ( )الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ وَهُم مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُونَ ......(الانبیاء49)

اور یقیناً ہم نے جناب موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو فرقان وضیا سے نوازا کہ فرقان متقین کیلئے ذکر ہے۔ متقین کی تعریف یہ ہے کہ وہ اپنے رب سے غیب میں ڈرتے ہیں۔

غیب میں ڈرنے کے دو پہلو ہو سکتے ہیں ( ) ایک تو یہ ہے کہ وہ خود کو اللہ سے غیب

میں پانے کے باوجود ڈرتے ہیں ( ) یا اللہ کی عدم موجودگی میں ڈرتے ہیں جہاں تک اللہ کا غائب ہونا ہے تو وہاں ایک آیت بتاتی ہے کہ وہ غائب نہیں جیسا کہ ارشاد ہے

☆فَلَنَسۡـَٔلَنَّ الَّذِيۡنَ اُرۡسِلَ اِلَيۡهِمۡ وَلَنَسۡـَٔلَنَّ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ( ) فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيۡهِمۡ بِعِلۡمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيۡنَ ......(اعراف 7)

یعنی ہم ان امتوں سے بھی باز پرس کریں گے اور ان کی طرف بھیجے جانے والوں [مرسلین] سے بھی سوال کریں گے اور اپنے علم سے سب کچھ بیان کر دیں گے کیونکہ ہم غائب نہیں تھے [یعنی حاضر تھے]

اس سے ثابت ہوا کہ اللہ غائب نہیں حاضر ہے موجود ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی ثابت ہو گیا کہ نظر نہ آنے سے کسی کو غیب سمجھ لینا بھی خلافِ عقل و قرآن ہے کیونکہ اللہ جل جلالہ ادراکِ حواس سے اوجھل ہونے کے باوجود حاضر و موجود ہے غیب نہیں [یہاں حاضر و ناظر کے مسئلے کو چھیڑنا نہیں چاہتا مجھے اور آگے جانا ہے]

میں عرض کر رہا تھا کہ غیب کے معنی میں اب از سرِ نو غور کرنا چاہیئے اگر غیب کے معنی چھپا ہوا ، اوجھل ہونا ، لاعلم ہونا وغیرہ لئے جائیں تو پھر کئی آیات ایسی ہیں جن میں اللہ سے غیب ہونا ثابت ہوتا ہے

1...... مَنۡ خَشِيَ الرَّحۡمٰنَ بِالۡغَيۡبِ ...... الخ (ق 33)

2...... اِنَّ الَّذِيۡنَ يَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ بِالۡغَيۡبِ ...... الخ (الملك 12)

3......وَلِيَعۡلَمَ اللّٰهُ مَنۡ يَّنۡصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالۡغَيۡبِ ...... الخ (الحديد 25)

4...... اِنَّمَا تُنۡذِرُ الَّذِيۡنَ يَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ بِالۡغَيۡبِ ...... الخ (فاطر 18)

5...... لِيَعۡلَمَ اللّٰهُ مَن يَخَافُهُ بِالۡغَيۡبِ ...... الخ (مائدہ94)

فی الحال انہی پانچ آیات پر اکتفیٰ کرتا ہوں- ان کا خلاصہ یہ ہے کہ

کون ہے جو اللہ سے غائبانہ ڈرتا ہے،

وہ ہیں جو اللہ سے غائبانہ ڈرتے ہیں،

تاکہ اللہ معلوم کر سکے کہ کون اس کی اور اس کے رسولوں کی غائبانہ نصرت کرتا ہے

تحقیق تم تو انہیں ڈراتے ہو جو اللہ سے غائبانہ ڈرتے ہیں،

تاکہ اللہ کو معلوم ہو جائے کہ کون اللہ سے غائبانہ خوف کھاتا ہے

غائبانہ کے معنی عدم موجودگی لیں یا پسِ پشت لیں یا جو بھی لیں مگر (مخلوق کا فعل ہے غائبانہ اور اللہ کے حق میں) تو ان آیات سے اللہ سے غیب ثابت ہے اب کوئی کہتا ہے کہ یہاں معنی ہیں تنہائی میں کون اللہ سے ڈرتا ہے

اب تنہائی وہ مقام ہے جہاں کوئی موجود نہ ہو اور خاص طور پر وہاں کوئی ایسا فرد موجود نہ ہو جس کی موجودگی مانعِ فعل ہو یعنی دو آدمی بھی تنہا ہو سکتے ہیں اور ایک کثیر جماعت بھی تنہا ہو سکتی ہے یعنی (فلاں شخص نے اپنے بھائیوں کو تنہائی میں سمجھایا) تو یہاں پوری جماعت کی تنہائی ہے کیونکہ غیر وہاں نہیں ہے اب جو اللہ سے تنہائی میں ڈرتا ہے تو تبادر یہی ہوتا ہے کہ جہاں اللہ نہ ہو وہاں بھی وہ اللہ کی حیا کرتا ہے یعنی مالک موجود نہیں اور غلام نیک نیتی سے کام کر رہا ہے تو ثابت ہوا کہ غیب کا جو تبادر ہوتا ہے وہ حقیقی معنی سے بعید تر ہے-

مجھ سے جن لوگوں نے اس موضوع پر بحث کی ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا کہ جو حتمی طور پر کسی چیز کو ''غیب'' سمجھتا تھا بلکہ ایک خلط مبحث جیسا غیب کا بلنڈ

(Blend) ان کے ذہن میں تھا اور اس میں دیوار سے دوسری طرف کی چیز سے لے کر دلوں کی باتوں تک ہر چیز کو وہ غیب مانتے تھے اور کبھی کسی طرف بھاگ جاتے تھے اور کبھی کسی طرف وہ کسی واضح چیز یا واضح تصور پر قائم نہ تھے بلکہ منتشر ذہن کے حامل تھے مثلاً ایک صاحب مجھ سے فرمانے لگے کہ ہم تو محمدؐ وآل محمدؐ علیہم الصلوات والسلام کو دانندۂ غیب نہیں مانتے

میں نے عرض کیا حضور اس میں کیا قباحت ہے؟ انہوں نے فرمایا یہ شرک کے قریب ہے بلکہ عین شرک ہے کیونکہ اللہ نے انہیں علم غیب نہیں دیا ہے اور اسے اپنے لئے مخصوص فرمایا ہے میں نے عرض کیا کہ حضور ان پاک انوارِ الٰھیہ علیہم الصلوات والسلام کو علم نہ ملنے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں

ایک یہ کہ یا تو وہ قادرِ مطلق انہیں یہ علم دے نہیں سکتا یا پھر وہ تو دے سکتا ہے مگر ان میں اس علم کے لینے کی نعوذ باللہ صلاحیت نہیں ہے اگر وہ قادرِ مطلق انہیں علم غیب دے نہیں سکتا تو پھر وہ قادر نہیں نعوذ باللہ عاجز ہے

اور اگر یہ علم غیب لے نہیں سکتے تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں کہ یا وہ دینا نہیں چاہتا- یا ان میں لینے کی استعداد نہیں ہے- اگر وہ دینا چاہتا ہے تو استعداد کا فقدان مانعِ قدرت نہیں ہے- اگر دینا نہیں چاہتا تو اسے کون سی چیز مانع ہے؟ اس خلاقِ کائنات کو کون سا خطرہ ہے کہ جس کی وجہ سے وہ دینا نہیں چاہتا؟ کیونکہ اگر وہ مالک مطلق اپنا سارے کا سارا علم کسی کو بھی دے دے تو اس کی وحدانیت میں تو کوئی فرق نہیں آتا پھر اسے کون سا خطرہ ہے؟

مسئلہ خودکشی

ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے حضور کیا آپ آئمہ اطہار علیھم الصلوات والسلام کو عالمِ ما کان و ما یکون سمجھتے ہیں؟

میں نے عرض کیا الحمدللہ۔

وہ فرمانے لگے آپ ایک فتویٰ دیجئے میں نے عرض کیا حضور فتویٰ کوئی مفتی ہی دے گا میں تو قیمتی آدمی ہوں بہر حال آپ سوال کریں۔ فرمانے لگے اگر کوئی شخص عمداً جانتے بوجھتے ہوئے زہر کھالے تو اس کی موت کیسی ہے؟

میں نے کہا خالق نے فرمایا ہے کہ خود کو ہلاکت میں مت ڈالو۔ فرمایا اگر آئمہ اطہار علیھم الصلوات والسلام کو علم تھا کہ انہیں زہر کا جام دیا جارہا ہے اور انہوں نے جانتے بوجھتے ہوئے وہ زہر کا جام نوش فرمایا ہے تو نعوذ باللہ یہ خودکشی ہے جو حرام ہے اور فعلِ حرام کا ارتکاب امام معصوم علیہ الصلوات و السلام کے شایانِ شان نہیں اور یہ فعل ایک نہیں نو آئمہ ہدیٰ علیھم الصلوات والسلام سے صادر ہوا ہے

اب آپ کے سامنے دو راستے ہیں یا ان کے فعل کو نعوذ باللہ حرام قرار دے دو یا پھر مان لو کہ انہیں علمِ غیب نہیں تھا

میں نے عرض کیا کہ ایک سطحی سوچ رکھنے والے کیلئے تو جناب آپ کا سوال معقول لگتا ہے مگر میرے خیال میں آپ نے اس سوال کو خود ہی نہیں سمجھا ہے کہ یہ سوال ہے کیا کیونکہ اس کے دو طرح کے جوابات ہیں ان میں سے ایک قرآنی جواب ہے اور دوسرا عقلی جواب بھی ہے۔

قرآنی جواب یہ ہے کہ جب جنابِ موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے گاؤ سالہ پرستی شروع کر دی تھی تو جناب موسیٰ علیہ السلام نے میقات سے واپسی پر انہیں توبہ پر آمادہ کرلیا اب توبہ کا طریقہ بیان فرمایا تو یہی بات کلامِ الٰہی کی آیت میں بیان ہوئی ہے ارشادِ قدرت ہے کہ

☆وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُوا إِلَى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِندَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ......(بقرہ53)

اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم وہ وقت یاد کریں جب جناب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا اے قوم تم لوگوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے کیونکہ تم لوگوں نے سامری کے بچھڑے کی پرستش کی ہے اب تم اپنے خالق کی بارگاہ میں توبہ کرو اور توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ تم خود اپنے آپ کو قتل کرو یہ قتل ہونا تمہارے خالق کے نزدیک تمہارے لئے خیر ہے۔ اللہ نے تمہاری اس طرح توبہ قرار دی ہے کیونکہ وہ تواب الرّحیم ہے۔

اب حکم پر عمل ہوا کافی لوگ خودکشی کا ارتکاب کر چکے تو اس عمل سے روکا گیا یعنی اس میں تیس ہزار کے قریب لوگ شہیدِ توبہ ہوئے اور جن لوگوں نے یہ قدم اٹھایا تھا آج تک کسی نے ان کی موت کو حرام موت قرار نہیں دیا کیونکہ انہوں نے خالق کی رضا کے تحت خودکشی کی تھی۔

اس سے ثابت ہوا کہ خودکشی بذاتِ خود حرام نہیں اگر رضائے اِلٰہی کیلئے ہو تو مستحسن ہے حکمِ خالق کے ماتحت ہو تو عین سعادت وشہادت ہے ہاں اگر کسی دیگر وجہ سے یہ

کام کیا جائے تو حرام ہے

پاک خاندان علیہ الصلوات و السلام کے جملہ افراد کو علم غیب تھا اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ یہ زہر کا جام ہے مگر جان کے مالک کا حکم ہوا تو انکار کیسا؟

اب یہ تو کوئی بھی نہیں کہہ سکتا کہ انہوں نے رضائے اِلٰہی کے علاوہ کسی دوسری وجہ سے یہ اقدام کیا

اس بات کو ہم ایک عقلی طریقے سے حل کرتے ہیں

وہ یہ ہے کہ اگر ہمارے سامنے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف تشریف لائیں یا شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم تشریف لائیں اور ان کے دست مبارک میں ایک جام ہو اور وہ ہمیں عطا فرمائیں اور حکم فرمائیں کہ تم اسے پی لو لیکن اس جام میں زہر ہے اور ہماری رضا و خوشنودی اسی میں ہے کہ تم اسے پی لو

اب اس مقام پر کوئی مومن اور صاحب معرفت انسان کیا کرے گا؟ کیا وہ عرض کرے گا کہ آپ ہمیں خودکشی کا حکم دے رہے ہیں اور ہمیں حرام موت مارنا چاہتے ہیں کیا اسے کسی طرح کے انکار کا حق حاصل ہے؟

میں سمجھتا ہوں کہ جو بھی صاحبِ ایمان ہوگا ذرّہ بھی توقف نہ کرے گا اور ایک ہی سانس میں سارا جام چڑھا لے گا۔

اب اگر یہی آدمی شہید حق ہو جاتا ہے تو کیا اس کی شہادت کو کوئی شخص دوسری موت کہہ سکتا ہے؟ جنگ جمل میں شہنشاہ معظم جناب امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام نے فرمایا تھا کوئی ہے جو ہماری طرف سے لشکر جمل کو دعوت حق دے، یہ سن کر ایک ہزار جوان باہر نکلے تھے آپ نے فرمایا پہلے سن لو تمہارا انجام کیا ہونا ہے تم میں سے ہم

صرف ایک جوان کو روانہ کریں گے اور اس کے پہلے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں گے پھر اذیّت ناک طریقے سے اس کی گردن کاٹی جائے گی اب تم بتاؤ اس کیلئے تیار ہو؟ سبھی نوجوانوں نے لبیک کہا اس کے بعد ان میں سے ایک کو منتخب فرمایا گیا اور اس کے ساتھ وہی ہوا جو اللہ کی لسان صادقہ نے فرما دیا تھا اب اس شہید ہونے والے جوان کو اپنی موت کا علم بھی ہو گیا تھا اس کے باوجود وہ شہید ہوا تو کیا اس کے اس فعل کو کوئی شخص نعوذ باللہ خود کشی کہہ سکتا ہے؟

اسی طرح خاندانِ تطہیر علیہم الصلوات والسلام کو رضائے اِلٰہی کے پیشِ نظر اگر ایسا کام کرنا پڑے تو کون سا جرم ہے یا اسے لاعلمی پر مبنی کیسے تصور کیا جا سکتا ہے ان کی شہادت کے واقعات سے علمِ غیب کی نفی کرنا خود انسان کی کم علمی کا ثبوت ہے

کئی لوگ یہ تو مانتے ہیں کہ اللہ کے انوارِ ازلیہ واوّلیہ علیہم الصلوات والسلام کو کلّی علم غیب حاصل ہے مگر یہ اللہ سے اکتساب کرتے ہیں نہ کہ انہیں پہلے سے یہ علم حاصل ہوتا ہے بہ الفاظ دیگر ان کا علم ان کی ذات میں داخل نہیں بلکہ لمحہ بہ لمحہ انہیں اللہ کی طرف سے علم ملتا رہتا ہے

اس لئے عرض کروں گا کہ مستفاد علم کی بھی دو اقسام ہیں

(1)......اکتسابی (2)......وہبی

اکتسابی علم سیکھنے سے آتا ہے وہ جزوِ ذات نہیں ہوتا بلکہ خارج سے حاصل کیا جاتا ہے یعنی سیکھتے سیکھتے آتا ہے

جبکہ وہبی علم طینت اور سرشت میں داخل ہوتا ہے اسے مثال سے واضح کروں تو بہتر ہے

دیکھئے دوستو! تیرنا بھی ایک علم ہے یا فن ہے جو انسان سیکھتے سیکھتے سیکھ جاتا ہے مگر بطخ کا بچہ انڈے سے نکلتے ہی تیرنا شروع کر دیتا ہے تو خالق نے انسان میں تیراکی کی استعداد رکھی ہے مگر تیراکی اس کی فطرت میں داخل نہیں ہے ادھر بطخ کے بچّے کو خالق نے ہی یہ صفت بخشی ہے مگر اسے سرشت میں داخل فرما دیا ہے وہ کسی سے سیکھتا نہیں ہے۔ اسی طرح جملہ آبی جانور ہیں مینڈک سے لے کر شارک تک کی مثال دی جا سکتی ہے تو ماننا پڑے گا کہ ان چیزوں کی یہ صفت بالذّات ہے یعنی داخلِ طینت و فطرت ہے اسی طرح پاک خاندان تطہیر علیھم الصلوات والسلام کے جملہ صفات وہبی اور بالذّات مان لئے جائیں تو کیا ہرج ہے

وہبی بالذّات کی تعریف یہ ہے کہ

ذوالعقول کی ذات سے جدا نہ ہونے والی صفات اور غیر ذوالعقول کی وہ صفات کہ جن پر اشیاء کے وجود و عدم کا انحصار ہو

اس تعریف سے مجھے اختلاف ہے کیونکہ یہ تعریف مبہم ہے

اگر ہم تھوڑا سا اپنا مشاہدہ استعمال کریں تو پتہ چلتا ہے کہ وہبی علم بھی بالذات کے قریب ہی ہوتا ہے وہبی صفات بھی بالذّات ہی ہوتی ہیں جیسا کہ جسم کے ابعاد اربعہ بالذّات ہیں، دائرے کا مرکز بالذّات ہے، آگ کی حرارت بالذّات ہے، پانی کی نمی اور H_2O کا فارمولا بالذّات ہے، زمان میں حرکت بالذّات ہے، حق میں واقعیت بالذّات ہے، روحِ حیّ بالذّات ہے، سیاہ میں سیاہی بالذّات ہے

اسی طرح خاندانِ تطہیر علیھم الصلوات والسلام کی صفاتِ حسنہ بالذّات ماننے میں کیا مانع ہے؟

اس دنیا میں پانی کیلئے کوئی ایسا وقت تصور نہیں کیا جا سکتا کہ جب پانی ہو مگر اس کے مالیکیولز (Molecules) نہ ہوں، اس میں نمی نہ ہو، آگ کیلئے کوئی ایسا لمحہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ جب آگ ہو مگر اس میں حرارت نہ ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ گلزار ہوگئی مگر اپنی حرارت نہ کھو سکی کیونکہ بجھ جانا اور بات ہے، حرارت نہ ہونا اور بات ہے، نہ جلانا ایک اور چیز ہے

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ روح ہو مگر زندہ نہ ہو، جسم ہو مگر ابعادِ اربعہ نہ ہوں، دائرہ ہو لیکن اس کا مرکز نہ ہو۔ ہاں کہنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ ایک وقت ایسا تھا کہ پانی تو تھا مگر اس میں نمی نہ تھی وہ تب تھا جب آکسیجن اور ہائیڈروجن کے ایٹم تو تھے مگر پانی میں تبدیل نہ ہوئے تھے لیکن یہ ناممکن ہے کہ پانی بھی ہو اور نمی نہ ہو اسی کائنات کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے کہ جس کی کوئی نہ کوئی چیز یا صفت وہبی بالذّات نہ ہو اسی طرح اگر ہم اللہ کے انوارِ ازلیہ و اولیہ علیھم الصلوات و السلام کی صفتِ علم بالذّات مان لیں تو کیا ہرج ہے؟

ہم تو انہیں راستے دکھا رہے ہیں چلو یہ نہیں مانتے تو یہ مان لو ورنہ حقیقت تو ہمارے عقول و افہام سے ماوریٰ ہے۔

ایک دن ایک مولوی صاحب تشریف لائے اور مستفاد و بالذّات پر بحث چل نکلی تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ کے سوا کسی کی کوئی صفت بالذّات نہیں ہے ہر صفت مستفاد ہے

میں نے عرض کیا کہ کسی صفت کے بالذّات ہونے میں کون سی چیز مانع ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ بالذّات ہوگی تو واجب ہوگی ممکن نہ ہوگی قدیم ہوگی حادث نہ ہوگی لہٰذا

قدیم اور واجب اللہ کے سوا کوئی نہیں اس لئے کسی کی کوئی صفت بالذّات نہیں ہوسکتی
میں نے عرض کیا کہ حضور ہر تصویر کے دو رخ ہوتے ہیں یہی تاریک رخ ہی تو ہے جو
روشن کو ثابت کرتا ہے کیونکہ ہر شئے اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے اس تصویر کا بھی
دوسرا رخ ہے ذرا اس پر تھوڑی سی روشنی ڈالئے کہ محمدؐ آلِ محمدؐ علیهم الصلوات والسلام کا علم
تو (بقول آپ کے) ذاتی نہیں مگر یہ فرمایئے کہ ابوجہل کی جہالت مستفاد ہے
بالذّات ہے؟

اگر آپ کہیں کہ بالذّات ہے تو مسئلہ حل ہو جاتا ہے کہ جہالت بھی ایک صفت ہے
اور وہ بالذّات بھی ہے اگر کہیں کہ مستفاد ہے تو پھر فرمایئے کہ اس نے کس سے
استفادہ کیا؟ کہنے لگے نفسِ ناطقہ سے استفادہ شدہ ہے۔ میں نے عرض کیا نفسِ
ناطقہ کس کی جہالت سے مستفید ہوا؟ ذرا کسی ایسے قدیم کا نام لیں جس کی جہالت
واجب و قدیم ہو؟

تو وہ سوچ میں پڑ گئے جواب نہ دارد۔

دوستو! میں یہ سمجھتا ہوں کہ من النور اللہ ہونے کی وجہ سے ان کی نوریت بھی قدیم
ہے حادث نہیں ہے۔ ہاں ان کا وجودِ ظاہری جو اصل کا مظہر ہے وہ قدیم نہیں ہے
کیونکہ ان کا مادّہ نوری قدیم ہے اس لئے اس کی صفات نوریہ بھی قدیم ہی ہیں جیسا
کہ انسان لوہے کے مادّے سے کوئی آلہ بناتا ہے تو وہ آلہ اپنی شکل و ساخت کے
لحاظ سے قدیم نہیں ہوتا مگر اس کا مادّہ اس کی ساخت سے قدیم ہوتا ہے ان کا نور
قدیم الاصل ہے اور ان کی فرع الکریم قدیم نہیں ہے کیونکہ یہ تو غیر اللہ کی ہدایت
کیلئے اختیار کی گئی ہے۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس علم غیب کی ان کے بارے میں نفی صادر ہوئی ہے وہ کون سا علم غیب ہے؟

ما کنت تدری ما الکتٰب ولا یمان والی آیات اوراس جیسی احادیث کا مطلب کیا ہے؟

اس سوال کا جو ایک عالمانہ جواب ہے کہ اشیائے کائنات کا جو علم ہے اس کی دو حالتیں ہوتی ہیں یعنی وہ دو قسم کے علم ہوتے ہیں

(1)علم ازلی وکلّی (2)علم وقوعی وحالی

علم وقوعی کی پھر دو قسمیں ہوتی ہیں

(1)علم اخباری توسطتی (2)علم احاطی ومعیّتی

اللہ جل جلالہ کو جوعلم الاشیاء حاصل ہے وہ ازل سے حاصل ہے اور ابد تک کا کلّی علم حاصل ہے اور جب سے وہ ذات ہے تب سے اس کا علم ہے اور اس میں نہ کوئی کمی ہوتی ہے نہ زیادتی ہوتی ہے کیونکہ وہ کامل علم ہے اور یہ وہ علم ہے جو اس کا جزو ذات ہے یعنی صرف علم کی صفت تو کیا علما کا کہنا ہے کہ اس کی ہر صفت عین ذات ہے زائد بر ذات نہیں یہ ایک علیحدہ بحث ہے کہ کمالِ توحیدِ ذات سے صفات کی نفی ہے مگر ہم اس میں الجھنا نہیں چاہتے کیونکہ بات دوسرے رخ پر چلی جائے گی تو میں عرض کر رہا تھا کہ اس کا ایک علم ازلی وکامل وکلّی علم ہے

لیکن اس کے اندر تعیّنات زمانی [جو اعتباری ہیں] ان کا تصور موجود ہے یعنی ازل میں وہ یہ جانتا تھا کہ فلاں کام ایسا ہوگا یعنی اس کام میں لفظ ہوگا بتا رہا ہے کہ اس وقت اس کے علم میں صرف زمانہ مستقبل تھا اور اس کے علم کا ہر صیغہ مستقبل کا تھا جیسا

کہ کلام پاک میں بھی اس نے مستقبل کے بارے میں مستقبل کے صیغے استعمال کیئے یعنی''سوف''یا''سین'' کا استعمال فرمایا ہے جو مستقبل کیلیئے لائے جاتے ہیں یہ ایک علیحدہ بات ہے کہ اس کا ہر معلوم عین علم کے مطابق ہوتا ہے اور معلوم عین علم کے مطابق نہ ہوتو وہ جہل ہے اور اللہ جل جلالہ جہل سے مبرا اور پاک ہے اس لئے اس کا ہر معلوم اس کے عین علم کے مطابق ہوتا ہے لیکن وہ پیشگوئی کی طرح ہوتا ہے کہ یہ ہوگا یہ ہوگا۔

جب کچھ نہ تھا تو ازل میں اس کا سارے کا سارا علم استقبالی تھا اگرچہ وہ اس کیلیئے حال جاری کی طرح تھا مگر تھا استقبالی۔ جب وجود ممکن کو لباسِ وجود ملا تو اس کے ازلی وکلّی علم میں زمانی تعیّنات کے حصے میں وقوع کا کھاتہ کھلا جو جو ہوتا گیا وہ اس کھاتے میں ماضیٔ کامل کی طرح ہوتا گیا جیسا کہ اس نے کلام اِلٰہی میں بھی ماضی کے واقعات کو ماضی کے صیغوں میں بیان فرمایا ہے اور ان کے ساتھ 'کان ،کانوا '' وغیرہ کا استعمال فرمایا ہے اللہ کا ازلی وکلّی علم کبھی کم یا زیادہ نہیں ہوتا مگر اس کا علم وقوعی ہمیشہ بڑھتا رہتا ہے کیونکہ جیسے جیسے واقعات وقوع پذیر ہوتے جاتے ہیں وہ استقبال و مستقبل کے تعیّن سے نکل کر ماضی کے تعیّن میں جمع ہوتے جاتے ہیں یعنی ہر لمحہ جس طرح مستقبل ماضی میں ڈھلتا جاتا ہے اسی طرح علم وقوعی میں بھی ماضی کے کھاتے میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

جہاں تک علم کلّی وازلی کا تعلّق ہے تو وہ ازل سے بھی ماقبل کا ہے اور ایک جیسا ہے مگر جو علمِ وقوعی ہے تو اس کی نفی اللہ کے بارے میں وارد ہوتی ہے کیونکہ جب کوئی چیز واقع ہی نہیں ہوئی تو اس کے وقوع کا علم کیسے ہوسکتا ہے بہ الفاظ دیگر جو چیز ابھی ہونا

ہے اس کے بارے میں یہ علم تو ہے کہ یہ اس طرح ہونا ہے مگر وہ اس طرح ہو چکی ہے یا ماضی میں جمع ہو چکی ہے یہ تو اس وقت ہوگا جب وہ واقع ہو چکی ہو گی اسی علم کے بارے میں بہت سے آیات میں ہے کہ اس کا علم ابھی اللہ جل جلالہ کو نہیں ہوا جیسا کہ ارشاد ہے

☆أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُواْ الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّهُ الَّذِينَ جَاهَدُواْ مِنكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ......(آل عمران142)

تم بھی یہ گمان کرتے ہو کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے اور اللہ نے ابھی تو یہ معلوم ہی نہیں کیا کہ وہ کون ہیں جو تم میں سے جہاد کرتے ہیں اور اللہ نے ابھی تو یہ بھی معلوم نہیں کیا کہ تم میں سے صبر کرنے والے کون ہیں

☆أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تُتْرَكُواْ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّهُ الَّذِينَ جَاهَدُواْ مِنكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُواْ مِن دُونِ اللّهِ وَلاَ رَسُولِهِ وَلاَ الْمُؤْمِنِينَ وَلِيجَةً......(توبہ16)

تم یہ گمان کرتے ہو کہ تمہیں یونہی چھوڑ دیا جائے گا حالانکہ اللہ جل جلالہ نے ابھی یہ معلوم ہی نہیں کیا کہ تم میں سے جہاد کرنے والے کون کون سے ہیں

ان آیات میں اللہ جل جلالہ کے ایک علم کی بھی نفی موجود ہے۔ ان میں الفاظ یہ ہیں ''ابھی تو اسے یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ کون جہاد کرتے ہیں'' یعنی اسے علم ازلی وکلّی کے لحاظ سے تو معلوم ہے کہ کون کیا ہے مگر علم وقوعی کے لحاظ سے ابھی اس نے معلوم کرنا ہے

اب بات یہاں تک پہنچ گئی ہے تو اسی سے سمجھیں کہ اللہ جل جلالہ کے انوارِ ازلیہ و اوّلیہ علیہم الصلوات والسلام کے بارے جہاں جہاں بھی علم الاشیاء کی نفی ہے وہ علم وقوعی

کی نفی ہے اور یہ نفی تو اللہ جل جلالہ کیلئے بھی عیب نہیں ہے تو اس کے انوارِ خالص علیھم الصلوات والسلام کیلئے کیسے عیب بن سکتی ہے؟

☆مَا کُنتَ تَدرِیٔ مَا الکِتَابُ وَلَا الإِیمَان کا بھی یہی مفہوم ہے کہ جب کچھ بھی وقوع پذیر نہیں ہوا تھا یعنی جب کتابِ وجود کو اللہ جل جلالہ نے اپنے نورِ ذات سے جدا ہی نہیں فرمایا تھا تو اس کے افاضہ نور کی وجہ سے وہ اس کے مقام اظہار تک پہنچے ہی نہ تھے تو پھر علم کتاب وعلم ایمان کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

یعنی جب یہ انوارِ الٰہیہ ازلیہ واوّلیہ علیھم الصلوات و السلام علمِ الٰہی میں بلاتعیّن موجود تھے تو جلال و جمالِ الٰہی میں اس درجہ مستغرق تھے کہ کائنات کی ہر چیز سے بے نیاز تھے خود اپنی خبر بھی نہیں پاتے تھے کہ فنا فی الحُسنِ الٰہی تھے فنا فی الجمالِ الٰھی تھے اور ان کے علاوہ کچھ واقع بھی نہیں ہوا تھا تو اس کا علم وقوعی کیسے ہوسکتا ہے؟

مگر یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ ان کا علم بھی اللہ جل جلالہ کی طرح ازلی وکلّی بھی ہے کیونکہ یہ اس کے علم کا خزانہ ہیں یعنی یہی انوارِ ازلیہ علیھم الصلوات والسلام اس کا عین علم بھی ہیں اور علم ان کی ازلی صفت کی طرح ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اظہارِ صفات کا نہ ہونا دلیلِ عدمِ صفات نہیں ہوسکتا۔

دوستو! یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کا اسم مبارک ہے خزانة العلم الله عجل الله فرجه الشريف یعنی اللہ کے علم کے خازن بھی ہیں اور خود ہی اس کے علم کا خزانہ بھی ہیں یعنی اللہ کے علم کے ظرف بھی یہی ہیں اور اس کے علم کا خزانہ بھی یہی ہیں اور اس کا عین علم بھی یہی ہیں، آپ کا یہ اسم مبارک بھی آپ کے اجداد طاہرین کے ساتھ مشترک ہے یعنی اللہ جل جلالہ کے سارے انوارِ

ازلیہ وابدیہ علیہم الصلوات والسلام اس کے علم کا خزانہ ہیں اس پر عرفانیاتی نقطۂ نگاہ سے ہم اگلے کسی بیان میں بات کریں گے

اب یہاں یہ فیصلہ میں آپ پر چھوڑتا ہوں کہ جو ذوات مقدّسہ اللہ کے علم کے خزائن ہوں کیا ان سے بھی علم الاشیاء مخفی ہوسکتا ہے؟

اب یہ بھی آپ سوچیں کہ کیا کوئی ایسا علم بھی ہوسکتا ہے کہ جو اللہ کے علمی خزانے میں موجود نہ ہو؟

آیئے ہم سب مل کر دعا کریں کہ اللہ کے ان انوارِ ازلیہ وابدیہ علیہم الصلوات والسلام کو اپنی صفاتِ اعلیٰ کے اظہار کا موقعہ میسّر آئے اور وہ اس وقت ہوگا جب ہمارے شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف کا اس دنیا پر راج ہوگا اس وقت انہیں اپنی صفاتِ اِلٰہیہ کے اظہار کو موقعہ ملے گا کیونکہ اس سے قبل یہ دنیا غیر خالص تھی کہ جہاں جناب سلمانؓ بیٹھے تھے وہاں مروان ملعون بھی بیٹھا تھا جہاں جناب ابوذر کھڑے تھے وہاں ابو سفیان بھی کھڑا تھا، اس لئے اس مخلوط اجتماعیت میں اظہارِ صفات کیلئے گنجائش ہی نہیں تھی۔ ہاں ہمارے شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف کے دور میں کوئی کافر کوئی ظالم کوئی منافق باقی نہیں رہے گا اور ساری رعایا مقامات عالیہ پر فائز ہوگی تو اظہارِ صفاتِ اِلٰہیہ میں کوئی مانع نہ ہوگا آیئے دعا کریں خالق ہمیں محمدؐ وآل محمدؐ علیہم الصلوات والسلام کی ابدی حکومت جلدی دکھائے

آمین یارب العالمین

اللھم صل علیٰ محمدؐ وآل محمدؐ و عجل فرجھم بقائمھمؑ صلوات اللہ علیہ والسلام

یا ھو یا من ھو لا ھو الا ھو الحی القیوم یا ھو یا من لا یعلم ما ھو الا ھو الحی القیوم العلی العظیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک

عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه

الحمد لله رب العالمين و صل علىٰ محمدؐ و آلهٖ اجمعين خصوصاً على حجة الله فى العالمين عجل الله فرجه الشريف و آبائه المعصومين و امهاته الطاهرين الطيبين صلوات الله عليهم اجمعين و لعنة الله علىٰ اعدائهم اجمعين من يوم الازل الى يوم الدين

اے طالبانِ مبدہٴ غیبؑ!

آپ کو علم ہے کہ ہم اپنے شہنشاہ معظم عجل الله فرجه الشريف کے ان اسمائے مبارکہ پر سلسلۂ گفتگو جاری رکھے ہوئے ہیں کہ جن میں ان کی علمی تصویر اجاگر کی گئی ہے

اس دور میں آپ نے یہ آواز بار بار سنی ہو گی کہ علم غیب اللہ جل جلالہ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ جہاں تک علم الاشیاء کا تعلّق ہے تو ان میں سے کوئی علم بھی پاک انوارِ الٰہیہ علیہم الصلوات و السلام سے مخفی نہیں ہے اور چونکہ یہ اللہ کے علوم کے خازن بھی ہیں اور خزائن بھی ہیں اور عین علم اِلٰہی بھی ہیں اس لئے ان سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے اور علم الاشیاء میں سے ان کے جس علم کی نفی

کی گئی ہے وہ علمِ وقوعی ہے نہ کہ علم کلّی وازلی وحقیقی اور علم وقوعی کی نہ صرف ان انوارِ الٰہیہ اوّلیہ وازلیہ علیھم الصلوات و السلام کے بارے میں نفی نہیں ہوئی بلکہ اس کی نفی تو خود اللہ جل جلالہ کے بارے میں بھی بہت سی آیات میں صادر ہوئی ہے جیسا کہ میں اپنے سابقہ بیان میں عرض کر چکا ہوں

اس دور میں اس بات کو بہت اچھالا گیا ہے اور ستم ظریقی یہ ہے کہ جو لوگ علوم متداولہ ومروّجہ کے پوری طرح نام بھی گن کر نہیں بتا سکتے وہ لوگ بھی اس بحث میں بہ حیثیتِ عالم شریک ہیں حالانکہ ان لوگوں نے جس موضوع کو بحث کا اکھاڑا بنا دیا ہے دراصل یہ موضوع ہے ہی نہیں اور جس علم کی نفی پر زورِ بیان صرف کیا جا رہا ہے یہ تو انوارِ الٰہیہ ازلیہ علیھم الصلوات و السلام کا خاصّہ ہے ان کی ناگزیر صفات میں سے ہے اور علم غیب سے مراد یہ تھا ہی نہیں کہ جسے علمِ غیب کی بحثوں میں لایا گیا اگر یہی علمِ غیب ہے جو بیان ہوا ہے تو یہ اللہ کے غیر کیلئے حتیٰ کہ غیر مسلموں پر ثابت ہے یوگا، ٹیلی پیتھی یا پیرا سائیکالوجی کے ماہرین بھی ذہنی ارتکاز سے بہت کچھ معلوم کر لیتے ہیں ایک بزرگ یہاں ماہ رمضان میں تشریف لائے اور ہمارے ہاں بعد از نماز صبح استغاثہ بہ حضور شہنشاہِ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف ہوتا ہے اس کے بعد کلام پاک کی تلاوت ہوتی ہے یعنی جو لوگ ناظرہ پڑھ سکتے ہیں وہ ایک ایک پارہ یا ایک ایک پارے کو دو دو افراد مل کر پڑھ لیتے ہیں وہ بزرگ بھی اس میں شامل تھے انہیں جو پارہ ملا انہوں نے اسے پڑھا اور جب ہم واپس آئے تو انہوں نے جیب سے ایک کاغذ نکالا اور ایک آیت میرے سامنے رکھ دی یہ اس طرح تھی

☆قُل لَّآ أَقُولُ لَكُمۡ عِندِىۡ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلآ أَعۡلَمُ الۡغَيۡبَ وَلآ أَقُولُ لَكُمۡ إِنِّىۡ

مَلَكٌ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَى إِلَيَّ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَى وَالْبَصِيرُ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ ......(انعام 50)

انہوں نے اس آیت کو سامنے رکھ کر فرمایا کہ اس آیت میں تو خود کہلوایا جارہا ہے کہ آپ فرمادیں ہم یہ نہیں کہتے کہ ہمارے پاس اللہ کے خزائن ہیں اور نہ ہی ہم عالم الغیب ہیں اور نہ ہی یہ فرماتے ہیں کہ ہم فرشتہ ہیں ہمارے پاس تو بس وحی آتی ہے جس کی ہم اِتّباع کرتے ہیں اب ان سے دریافت فرمائیں کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہوسکتا ہے؟ [یہ ترجمہ بھی انہوں نے کیا تھا]

میں نے عرض کیا جناب آپ نے اس آیت کریمہ کی ترکیب پر بھی غور فرمایا ہے ذرا ایک مرتبہ پھر اس کی ترکیب پر غور کرلیں (لا) زائدہ تاکید ہے (اعلم) کا عطف اقول پر نہیں (عندی خزائن) پر ہے تو اس طرح ترجمہ یہ ہوگا کہ

فرمادیجئے کہ میں تمہیں بتانا نہیں چاہتا کہ میں غیب کا عالم ہوں اور میں دعویٰ نہیں کرتا کہ میرے پاس اللہ کے خزائن ہیں اور نہ یہ فرماتا ہوں کہ میں ملک ہوں۔ میرے پاس وحی آتی ہے اس پر عمل پیرا ہوتا ہوں اب آپؐ ان لوگوں سے سوال کیجئے کہ کیا اندھا اور بینا برابر ہوسکتے ہیں؟

اب آخری سوال تو قولِ سابق کی حقیقت بتارہا ہے کہ میں دانا و بینا ہوں بصیر بالعباد ہوں اور تم لوگ اندھے ہو یعنی جو چیز اندھوں کیلئے غیب قرار پاتی ہے وہ حاملِ بصارت کیلئے غیب نہیں ہوتی۔

دوستو! میں عرض کررہا تھا کہ علم الاشیاء میں سے کوئی چیز ایسی نہیں ہے کہ جو ان کے دائرۂ علم سے خارج ہو اور جس علم کو عوام علم غیب کہتے ہیں ان میں ہر علم کسی نہ کسی

مخلوق کیلئے ثابت ہے۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر ہم ''علمِ غیب'' کے حقیقی معانی ومفہوم کو دریافت کرلیں تو پھر اس ساری بحث کا خاتمہ ہوجاتا ہے کیونکہ جب اس کے حقیقی مفہوم تک ہماری رسائی ہوجاتی ہے تو اس سے انسان کئی طرح کے فسادات سے بچ جاتا ہے یعنی اسے اللہ جل جلالہ کے کلام پاک کے ظاہری وتبادری مفہوم سے بھی متصادم نہیں ہونا پڑتا اور دوسری طرف اللہ کے انوارِ ازلیہ وابدیہ علیہم الصلوات و السلام کے بارے میں کسی توہین آمیز رویّے سے بھی بچا جاسکتا ہے اب آپ پوچھیں گے کہ وہ کون سا راستہ ہے؟ یعنی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ غیب سے مراد کیا ہے؟ کیونکہ جسے عام طور پر غیب کہا جا رہا ہے یہ علمِ توحید نہیں بن سکتا یہ چیلنج کے طور پر لایا ہی نہیں جاسکتا اور توحید تک محدود وموقوف نہیں ٹھہرایا جاسکتا تو پھر وہ علمِ غیب کیا ہے؟ وہ غیب کیا ہے؟

دوستو! جن جن ازلی حقیقتوں کو زبانِ تطہیر میں لفظ غیب سے تعبیر فرمایا گیا ہے وہ دیکھنے میں متعدد ہیں مگر ہیں ایک ہی (اصل کے کئی روپ)

آپ کو شاید یاد ہو میں نے 1981 میں اربعین کے خطاب میں عرض کیا تھا کہ جن جن چیزوں کو غیب کہا گیا ہے ان میں سے اللہ کا ایک ''غیب'' پردہ دارانِ توحید و رسالتؐ صلوات اللہ علیھن ہیں اس پر میں نے ایک طویل گفتگو کی تھی یعنی اللہ کا جو غیبِ اوّل ہے وہ یہ ہیں۔

اللہ جل جلالہ کا جو دوسرا غیب ہے وہ اس کے انوارِ ازلیہ علیہم الصلوات و السلام کی حقیقتِ اوّلیہ کی باطنیت ہے اس پر بھی میرا ایک سلسلۂ بیان تھا

اللہ جل جلالہ کا جو تیسرا غیبؐ ہے اس پر آج گفتگو ہورہی ہے اب اس کے بارے میں

بھی مجھے اپنی طرف سے کچھ نہیں کہنا بلکہ آ یئے امام صادق علیہ الصلوات و السلام کی بارگاہ عالیہ میں عرض کرتے ہیں کہ وہ اپنے غیب کے بارے میں آگاہ فرمائیں

ذرا ماضی کے جھروکے سے جھانک کر دیکھئے ، مطلعِ ولایت کے چھپٹے آفتاب عالم تاب علیہ الصلوات و السلام کی مقدّس بارگاہ ہے اور ایک جماعت حاضرِ بارگاہ ہے اس جماعت میں سے ایک شخص نے یہ آیت تلاوت کی

الم () ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ () الَّذِيْنَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ (البقرہ2)

فرمایا اس آیت کا مطلب بھی سمجھتے ہو؟

انہوں نے عرض کیا جعلت فداك آقا آپ بہتر جانتے ہیں- فرمایا متقین سے مراد شیعانِ امیرالمومنین علیہ الصلوات و السلام ہیں اور غیب سے مراد حجّتِ غائب عجل اللہ فرجہ الشریف ہیں اس کے بعد فرمایا یہ آیت اس حقیقت کو واضح کرتی ہے

☆ وَيَقُولُونَ لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّهِ فَانْتَظِرُواْ إِنِّىْ مَعَكُم مِّنَ الْمُنتَظِرِيْنَ ...... (یونس20)

یعنی وہ لوگ کہیں گے کہ ان پر اللہ کی طرف سے کوئی نشانی [آیت] کیوں نہیں اترتی آپ فرمادیں کہ وہ نشانی غیب ہے جو اللہ کے ہاں ہے پس تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی منتظرین میں شامل ہیں-

دوستو! ایک تو ہمارے شہنشاہ معظم عجل الله فرجه الشريف کو غیب کہا گیا جیسا کہ ارشاد ہے

☆ وَ الَّذِينَ يُومِنُونَ بِالغَيبِ ...... (البقرہ3)

☆ أُوْلَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ...... (مائدہ22)

کہ مومنین وہ ہیں جو غیب عجل الله فرجه الشريف پر ایمان لائے اور اللہ جل جلالہ نے ان کی

تعریف وتوصیف میں فرمایا ہے کہ یہی جماعت اللہ کی پارٹی ہے اور اللہ کی پارٹی ہی فلاح پانے والی ہے (تفسیر مراۃ الانوار صفحہ 168)

تو ثابت ہوا کہ غیب سے مراد امامِ غائب عجل اللہ فرجہ الشریف ہیں اور ان کا علم اللہ جل جلالہ کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں۔

دوستو! غیب کے بارے میں یہ تو پہلے ہی بتایا جاچکا ہے کہ غیب ایک نفی اور ایک اثبات سے بنتا ہے یعنی ایک طرف اس کا موجود ہونا بھی ثابت ہو اور دوسری طرف سے اس کا پوشیدہ ہونا بھی معلوم ہو یعنی ہر غیب کسی نہ کسی کیلئے ثابت ہوتا ہے اور وہ ہمیشہ اپنے غیر کیلئے غیب ہوتا ہے نہ کہ اپنے کیلئے بھی غیب ہوتا ہے اس لئے یہ خلائق کیلئے غیب ہیں مگر اپنے انوارِ ازلیہ علیهم الصلوات و السلام کیلئے ظاہر ہیں۔ ہاں ان کے علاوہ یہ بات کسی کو معلوم نہیں کہ اس ذات غائب عجل الله فرجه الشريف کی حقیقت ازلی کیا ہے؟ اور یہ بھی کسی کو معلوم نہیں ہے کہ ان کا خروج وقیام کب ہوگا؟

اس حقیقت کی وضاحت سورہ جن میں فرمائی گئی ہے ارشادِ قدرت ہے کہ

☆حَتَّى إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ أَضْعَفُ نَاصِراً وَأَقَلُّ عَدَداً () قُلْ إِنْ أَدْرِي أَقَرِيبٌ مَّا تُوعَدُونَ أَمْ يَجْعَلُ لَهُ رَبِّي أَمَداً ()عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَداً ()إِلَّا مَنِ ارْتَضَى مِن رَّسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَداً ()لِيَعْلَمَ أَن قَدْ أَبْلَغُوا رِسَالَاتِ رَبِّهِمْ وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَحْصَى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدا...... (الجن 28)

فرمایا تا اینکہ وہ موعود [یعنی جس کی آمد کا وعدہ ہے] جب وہ اسے دیکھیں گے تو تب انہیں معلوم ہو جائے گا کہ ناصرین کے لحاظ سے کون کمزور ہے اور تعداد کے لحاظ سے

کون قلّت میں ہے، اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم ان سے فرما دیجئے کہ میں ظاہر نہیں کرتا کہ اس کی آمد کا دن قریب ہے یا اللہ نے اس کی مدّت بڑھا دی ہے۔ اس غیب کو تو اللہ ہی جانتا ہے اور وہ اپنے ذاتی غیب کو کسی ایک پر بھی ظاہر نہیں فرماتا سوائے اس کے کہ جسے وہ رسولؐ اور مرتضیٰ بناتا ہے اور وہ انہیں آگے [مستقبل] اور پیچھے [ماضی] سے منسلک فرما دیتا ہے تا کہ اسے معلوم ہو کہ اس نے ابلاغِ رسالت کر لیا ہے اور اپنے متعلّقات سے وہ محیط ہے بھی یا نہیں اور اس نے ہر چیز کا احصیٰ کر لیا ہے تو اس آیت میں بھی لفظ غیب سے مراد ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف ہیں

چوتھے نمبر پر جس حقیقت کو اللہ نے غیب کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے وہ ان کا قیام و خروج ہے اور اس کا علم بھی کسی کو نہیں دیا گیا کیونکہ انہی کی آمد اور خروج کا اللہ نے وعدہ فرما رکھا ہے اور ان کے خروج کے بارے میں حدیث ہے کہ

و کذب الوقاقون

جو لوگ شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے قیام و خروج کے وقت کا تعیّن کرتے ہیں وہ جھوٹے ہیں۔ کیونکہ آیت ہے کہ

☆وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا أَمْرُ السَّاعَةِ إِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ أَوْ هُوَ أَقْرَبُ إِنَّ اللّٰهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ......(نحل77)

یعنی آسمانوں اور زمین کا غیب اللہ جل جلالہ کیلئے ہے [یعنی وہ غیب واحد ہے جو آسمانوں کیلئے بھی غیب ہے اور زمین کیلئے بھی] اور اس کی آمد کا معاملہ تو ایسا ہے جیسے آنکھ کا جھپکنا بلکہ اس سے بھی قریب سمجھو کیونکہ خالقِ کائنات علیٰ کل شیئی قدیر ہے بیسیوں احادیث و آیات کے تفاسیر موجود ہیں کہ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ غیب سے

مراد شہنشاہِ زمانہ عجل الله فرجه الشريف ہیں۔

دوستو! اگر ہم اللہ جل جلالہ کے انوارِ ازلیہ علیهم الصلوات و السلام ہی کو انہی کے حکم کے مطابق اللہ جل جلالہ کا وہ غیب مان لیں کہ جس کے بارے میں اللہ کے سوا کوئی کچھ نہیں جانتا تو اس عقیدے اور نظریئے پر قائم ہونے سے انسان ایک طرف اللہ جل جلالہ کے قرآنی احکام کے تاویل کرنے سے بھی بچ جاتا ہے اور اللہ کے انوارِ قدسیہ علیهم الصلوات و السلام کا حفظ مراتب بھی ہو جاتا ہے۔

دوستو! کلّیہ یہ ہے کہ جن آیات کے ظاہری معانی سے اللہ جل جلالہ کی عظمت وشان میں تقصیر کا خطرہ ہو یا پاک انوارِ الٰہیہ علیهم الصلوات و السلام کے مراتب عظیمہ پر کوئی حرف آتا ہو تو وہاں آیات کی تاویل کرنا لازم ہو جاتا ہے مگر مختلف مکاتیب فکر کے علماء کا اس بارے میں ایک رویّہ نہیں ہے یعنی حنابلہ [حنبلی مسلک کے لوگ] تاویل کے بالکل خلاف ہیں حتیٰ کے وہ اللہ کے ہاتھ، پاؤں، آنکھ اور چہرے کو اسی طرح ماننا لازم سمجھتے ہیں کہ جیسے ایک انسان کیلئے لازم ہے۔ پورے کلام پاک میں سے حنابلہ نے صرف تین آیات کیلئے تاویل کو جائز قرار دیا اور وہ لفظی معانی کو اہمیت دیتے ہیں چاہے اس سے نعوذ باللہ اللہ جل جلاله کی شان میں کفر کی حد تک تقصیر ہی کیوں نہ واقع ہو جائے۔

اس کے بعد کئی مکاتیب فکر ایسے ہیں کہ جو اللہ جل جلالہ کے خلافِ شان ہر آیت کی تاویل کرنے کو جائز مانتے ہیں مگر شہنشاہ انبیا صلى الله عليه و آله و سلم کے بارے میں کسی رعایت کو جائز نہیں سمجھتے اور وہ و وجدك ضالاً فهدیٰ میں ضالاً کا ترجمہ [نعوذ باللہ] گمراہ ہی کرتے ہیں بعض مکاتیب فکر ایسے ہیں کہ جو شہنشاہ انبیا صلى الله عليه و آله و

سلم کی عظمت اور شان پر قرآن کریم کے ظاہری معانی کو قربان کرنا واجب سمجھتے ہیں اور یہ ہے بھی حق اسی طرح عرفائے حق کا رویّہ ہے کہ وہ جملہ انبیا ما سلف علیہم السلام اور آئمہ ہدیٰ علیہم الصلوات و السلام کی عظمت وشان پر قرآن کریم کے ظاہری معانی کو قربان کرنا واجب سمجھتے ہیں اور آیات میں تاویل کو عین دین سمجھتے ہیں اور یہی طریقہ درست بھی ہے مگر ہم مسئلہ علم غیب میں سارے جھنجھٹ سے نجات کا ایک راستہ بتا رہے ہیں کہ کسی تاویل اور کسی بحث کی ضرورت ہی نہ رہے یعنی ہم یہ مان لیں کہ اللہ کے نور اوّل علیہ الصلوات و السلام کی حقیقتِ ازلیہ کلّیہ کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور نہ جان سکتا ہے تو اس طرح اللہ جل جلالہ کی انفرادیت علیٰ المخلوق بھی باقی رہتی ہے اور اس کے علم میں کوئی شریک بھی نہیں ہوسکتا تو دوسری طرف اللہ کے انوارِ ازلیہ علیہم الصلوات و السلام کی عظمت وشان میں کوئی فرق نہیں آتا۔

اس بات کو تسلیم کرنے میں کوئی مانع بھی نہیں ہے کیونکہ شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام سے فرمایا تھا اے میرے برادر بہ روح برابر اللہ جل جلالہ اور ہمارے سوا آپ کو کوئی نہیں جانتا اور ہمیں بھی اللہ جل جلالہ اور آپ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اللہ جل جلالہ کو بھی ہم دونوں کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

ایسی بہت سی احادیث ہیں جو یہ بتاتی ہیں کہ ان انوارِ الٰہیہ علیہم الصلوات و السلام کو اللہ جلالہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور نہ ہی جان سکتا ہے اور اگر ہم اس نظریے کو عقیدہ بنالیں تو اس عقیدے کی رو سے یہ اللہ کا غیب بن جاتے ہیں اس لئے ان کا اللہ جل جلالہ سے مقابلہ نہیں بنتا اور اللہ جل جلالہ کی عظمتِ خداوندی بھی بحال رہتی ہے اور ان کی عظمتِ محبوبیت بھی قائم ودائم رہ جاتی ہے اور ہے بھی

غیوبِ نورِ ازل

دوستو! حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے انوارِ ازلیہ اوّلیہ علیھم الصلوات و السلام کا ظہورِ مطلق عالم خلق و امر کیلئے ناممکن ہے۔ ان کے تجلیات مجردہ کا حامل کوئی نہیں ہوسکتا نہ کوئی نبی مرسل، نہ ملک مقرب، نہ مومن ممتحن، یعنی کوئی بھی ان کے جمالِ ازل کے مشاہدہ کا متحمل نہیں ہوسکتا اسی لئے آپ نے فرمایا تھا

مارأنی علی صورۃ التی خلقت ما سوانی

یعنی ہماری حقیقی صورت کسی نے آج تک دیکھی ہی نہیں ہے اور نہ کوئی دیکھ سکتا ہے کیونکہ حقیقت ازلیہ اپنے مراتب ذات میں سے اپنے مرتبۂ ولایت مطلقہ کا اظہار کر ہی نہیں سکتی کیونکہ مرتبۂ ولایت مطلقہ ان کی ذات کا وہ پہلو ہے کہ جو ذاتِ واجب الوجود کی طرف ہے اور اس سے سوائے ذات واجب الوجود کے کوئی واقف ہی نہیں ہے اور نہ ہی ہوسکتا ہے۔

کیونکہ نورِ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم من حیث الکل ہمیشہ سے غیب ہے اور غیب ہی رہے گا اور یہ جو صورتیں اور شکلیں اور ان کا مرتبۂ اظہار ہے یہ ان کی حقیقت کو عارض ہونے والا وجودِ نسبی ہے جبکہ مرتبۂ ذات میں اس نورِ اوّل کا ہر جزو یعنی ہر فرد غیب ہے اور اس نورِ اوّل صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کا ظہور و غیاب مخلوق کیلئے برابر ہے کیونکہ ان کا ظہور دراصل ان کے مرتبۂ عقلانی پر مترتّب ہے اور جسمانی ظہور اس مرتبہ کو عارض ہوتا ہے اسی لئے فرمایا تھا

فانا نظھر فی کل زمان فی صورۃ ما شاء الرحمن

یعنی ہم ہر زمانے میں ظاہر ہوتے ہیں مگر اس صورت و شکل میں کہ جس میں رحمٰن مطلق

پسند فرماتا ہے یعنی ان کی صورت وشکل وخال وخد ان کے مرتبۂ اصل کو عارض ہوتے ہیں اسی لئے امام ظاہر وغائب اپنے افادات میں مساوی ہے یعنی امام چاہے غائب ہو یا ظاہر مخلوق اس سے ایک جیسا استفادہ کرسکتی ہے جیسے انسانی روح کا ظاہر نہ ہونا اس کے فیوض وبرکات میں مانع نہیں ہے اسی طرح غیبتِ نورِصمد بھی مانعِ استفادہ نہیں ہے آگے چل کر یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس پاک انوارِ الٰہیہ کا ہر فرد جو ظاہر تھا اور لوگوں کے درمیان چل پھر رہا تھا وہ بھی اپنے مرتبہِ ذات میں غائب تھا اس لئے ان پاک ذوات مقدّسہ علیھم الصلوات و السلام کے نور کے ظہور کو بھی غیبت ہی کہنا چاہیئے کیونکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا تھا کہ مجھے آج تک کسی نے اس صورت میں نہیں دیکھا کہ جیسا مجھے اللہ نے خلق فرمایا ہے سوائے میرے کوئی میری اصلی شکل سے آشنا ہی نہیں ہے اور نہ ہی ہوسکتا ہے کیونکہ وہ اصلی شکل مرتبۂ ذات کی ہے کہ جسے کبھی ظہور نصیب نہیں ہوا جو ہمیشہ غیب ہے اور اسی کے بارے میں ارشاد ہے کہ ھدی اللمتقین الذین یؤمنون بالغیب متقین وہ ہیں جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں

اسی لئے جو زیارت پڑھی جاتی ہے ان میں یہ الفاظ موجود ہیں اور ہم سے اس کا اقرار کروایا جاتا ہے کہ تم ان کی ذات کو سامنے رکھ کر اقرار کرو

امنت بظاھرکم و باطنکم و سرکم

کہ میں آپ کے ظاہر اور باطن جو غیب ہے، جو رازِ الٰہی ہے اس پر ایمان رکھتا ہوں اور یہی وجہ ہے کہ ان کے مرتبۂ ذات کو اللہ کے سوا کسی نے نہیں پہچانا شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے اسی حقیقت کو بیان فرماتے ہوئے فرمایا تھا اے میرے برادر مکرم علیہ الصلوات و السلام آپ کو میرے اور اللہ کے سوا کسی نے نہیں پہچانا۔

اس مختصر بحث سے یہ ثابت ہوا کہ یہ نورِ مقدّس اپنے مرتبۂ ذات میں غائب ہی نہیں غیبِ مطلق ہے

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جن ذواتِ اقدس علیہم الصلوات و السلام کی حقیقت کبھی ظاہر ہی نہیں ہوسکتی جس کا عرفان محال ہے تو انسان ان کے عرفان کے حصول کی سعی لا حاصل کرنے کی بجائے ارتیابی ذہن کیوں نہ بنا لے یعنی عرفان ہو نہیں سکتا تو کوشش کرنے سے کیا فائدہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ طلبِ صداقت حصولِ صداقت سے بہتر و افضل ہوتی ہے اگر فلسفیانہ تفکر سے اور استدلالِ منطق سے انسان اس نتیجے پر پہنچے کہ ہمیں حقیقت معلوم نہیں ہوسکتی تو اس بات سے طلبِ صداقت کی قیمت کم نہیں ہوتی ہے اور کچھ نہیں تو تفکر اور تامل سے ہمارے ذہن میں وسعت و گہرائی اور ترقی پیدا ہو جاتی ہے ہملٹن ایک عظیم فلسفی تھا وہ کہتا ہے کہ وجودِ کی مطلق ماہیت کی بابت ہمارے یقین کے پختہ نہ ہونے کا باعث یہ ہے کہ ہمارا فکر ایک محتمل الضدین پر آ کر رکتا ہے جس کے دونوں قضیئے ہماری سمجھ میں نہیں آ سکتے اگر ہم وجودِ غیر متعیّن کو معلوم کرنا چاہیں تو وہ ہمارے سامنے ایک غیر متعیّن محدود یعنی ایک مطلق کلّیت کی شکل میں آئے گا یا پھر ایک لا غیر متعیّن لا محدود کی صورت میں لیکن یہ دونوں صورتیں قانونِ اضافیت سے مطابقت نہیں رکھتیں۔

ہملٹن نے کتنا سچا تبصرہ کیا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان دونوں صورتوں پر غور کریں تو دو متناقض امکانات میں سے اصولِ ارتفاعِ تصنیفین کی رو سے ایک لازمی صحیح ہوگا اور یہاں پر ایمان کی عین ضرورت پیش آتی ہے کیونکہ ہمارا علم وجود کا معیار نہیں

ہوسکتا ہمیں دو متناقض امکانات میں سے ایک کا انتخاب لازمی کرنا پڑے گا- یہاں پہنچ کر دنیاوی فکرارتیابیت کی طرف مائل ہوتی ہے حقیقت یہ ہے کہ ہمیں ایمان لانا چاہیئے کہ خاندانِ تطہیر علیہم الصلوات و السلام اوراللہ عزوجل معقولات ومقولاتِ انسانی سے اجل وارفع ہیں کیونکہ ماوریٰ العقل ذوات کی تعریف ایجابی ہوہی نہیں سکتی-

اصول یہ ہے کہ غیرمشروط اور مطلق کی بابت انسانی علم ہمیشہ سلبی ہو جاتا ہے اسی حقیقت کے دریافت ومنکشف ہونے ہی سے عقل کے محدود ہونے کا پتہ چلتا ہے تاہم اس سے ایمان کوتقویت ملتی ہے-

دوستو! اس حقیقت سے کوئی انکارنہیں کرسکتا کہ اللہ عزوجل کی شان وصفات کے بیان سے اگراس کا اثبات کر دیا جائے تو پھر کفر وشرک میں داخل ہو جائیں کیونکہ عقل سے اعلیٰ ذوات کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ ایسے ہیں یہ جائزنہیں بلکہ ان کی تعریف سلبی ہی ہوسکتی ہے اورسلبی علم ہی سے اقرارِ عجزثابت ہوتا ہے اوریہی اقرارِ عجز عن المعرفت ہی عینِ عرفان ہے-

یہی بات میں عرض کر رہا تھا کہ غیبِ مطلق پر ایمان بالغیب ہی ہوسکتا ہے اسی طرح اللہ جل جلالہ کے انوارِ مقدّسہ اوّلیہ وازلیہ علیہم الصلوات و السلام پر ایمان بالغیب لازم ہے کیونکہ انہی کا علم علمِ غیب ہے جو اللہ کیلئے مخصوص ہے اور جسے ذاتِ صمد کے سوا کوئی نہیں جانتا ورنہ باقی ہر چیز کتابِ مبین اورلوحِ محفوظ میں موجود ہے ایک یہی ذوات عالیہ علیہم الصلوات و السلام ہیں کہ جو لوحِ محفوظ اور خالق کے مابین بھی وسیلہ ہیں جو اسمِ اعظم وذاتِ صمد کے مابین بھی وسیلہ ہیں انہی کی ذات کا علم علمِ غیب ہے اوراس نور کے فردِ آخر منتقمِ آلِ محمدؐ شہنشاہ امامِ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کا ایک اسمِ قرآنی ''

الغیب'' عجل الله فرجه الشریف ہے

یہاں ایک بات کی وضاحت کرنا لازم ہے کہ جب ہمارے شہنشاہ معظم عجل الله فرجه الشریف کا ظہور وخروج ہوگا اور ان کی ابدی حکومت اِلٰہیہ کا قیام ہوگا تو اس وقت بھی ان کا ظہور کامل نہیں ہوگا بلکہ وہ اس دور میں بھی اللہ کے غیب مطلق رہ کر ظاہر ہوں گے ان کے دور میں جتنے پاک انوارِ اِلٰہیہ علیهم الصلوات و السلام رجعت فرمائیں گے وہ بھی اگرچہ ظاہر ہوں گے مگر حقیقتاً ان کا ظہور بھی ان کا غیاب ہی ہوگا کیونکہ ان کے ظہورِ کلّی کی کوئی چیز متحمل نہیں ہوسکتی اور عالمِ مخلوق کیلئے یہ ہمیشہ غیب لا یدرک ہی رہیں گے اوران کا ظہور عالمِ مخلوق کے استفادے کیلئے بقدر ضرورت ہوگا نہ کہ کلّی ہوگا

آیئے اس مقام پر ہم بھی دعا کریں

اللهم ارنی فی آل محمدٍ علیهم الصلوات والسلام ما یا مُلُونَ و و فی عُدُوّهِم مَا یَحذُرُون اِلٰهِ الحَقِّ آمین یا ذَالجلال و والاکرام یا ارحم الراحمین

اے ذوالجلال والاکرام ہمیں محمد وآل محمد علیهم الصلوات و السلام میں وہ کچھ دکھا جس کی وہ ذوات عالیات توقع رکھتے ہیں اور ان کے دشمنِ ملعون کو وہ کچھ دکھا کہ جس کا سامنا کرنا اس کیلئے قیامت ہے یعنی جس سے وہ بچنا چاہتا ہے

اس کائنات میں حکومت اِلٰہیہ کا ایسا قیام دکھا کہ جو ہماری اور پوری مخلوق کی سوچوں سے اربوں گنا زیادہ ہو اور ہمیں اپنے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشریف کی نصرت کی توفیق کاملہ عطا فرما

آمین یارب العالمین

اللهم صل علیٰ محمدؐ وآل محمدؐ و عجل فرجهم بقائمهمؐ صلوات الله علیه والسلام

یا ھو یا من ھو لا ھو الا ھو الحی القیوم یا ھو یا من لا یعلم ما ھو الا ھو الحی القیوم العلی العظیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک

علم النافذہ ؑ

عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه

الحمد لله رب العالمین و صل علیٰ محمدؐ و آلہٖ اجمعین خصوصاً علی حجۃ اللہ فی العالمین عجل اللہ فرجہ الشریف و آبائہ المعصومین و امھاتہ الطاھرین الطیبین صلوات اللہ علیھم اجمعین و لعنۃ اللہ علیٰ اعدائھم اجمعین من یوم الازل الی یوم الدین

اے قطرہ نوشانِ بحرِ عرفان!

ہم اپنے شہنشاہ معظم منعم ومحسن ازل عجل الله فرجه الشريف کے ان اسمائے مبارکہ پر گفتگو کر رہے ہیں کہ جن کا تعلّق کسی نہ کسی طرح سے لفظ ''علم'' سے ہے اور یہ اسمائے مبارکہ بہت سے ہیں ان میں سے میں چند ایک کے بارے میں عرض کر چکا ہوں اور یہاں شاید سارے اسمائے مبارکہ کے بارے میں عرض بھی نہ کرسکوں گا اس لئے آج میں نے سوچا ہے کہ ایک جامع گفتگو کی جائے جس میں ان سارے اسمائے مبارکہ پر عرفانیاتی نقطۂ نگاہ سے ایک جامع اورکلیدی گفتگو کی جائے کہ جس کے بعد ان کے بارے میں فکرکوسوچنے کیلئے ایک ٹریک مل جائے۔

اس سے قبل میں نے جو کچھ عرض کیا ہے اس میں سے کوئی خطاب بھی عرفانیاتی نقطۂ نگاہ سے نہیں تھا بلکہ رائج الوقت علم مناظرہ کے حوالے سے تھا-

دوستو! یہ تو آپ کو پہلے ہی بتایا جاچکا ہے کہ اس وقت دنیا میں 12 سو علوم وفنون رائج ہیں اوران کی تعداد میں آئے دن اضافہ ہورہا ہے اگر ہم ان مروّجہ ومتداولہ علوم کی ماہیتی تقسیم کریں تو اس کی دو بڑی قسمیں ہمارے سامنے آتی ہیں

() علم ورائی () علم ماورائی

علم ورائی وہ علم ہے کہ جو عالمِ خلق سے بحث کرتا ہے یعنی یہ علم مخلوق اور متعلقاتِ مخلوق کو موضوعِ کلام بناتا ہے اوراس دور میں وہ علوم جو عالمِ خلق سے بحث کرتے ہیں ان کی تعداد 12 سو کے قریب ہے- آج سے ہزار سال قبل ان کی تعداد 6 سو کے قریب تھی اوراس کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہورہا ہے-

اگر ہم ان مروّجہ متداولہ علوم کا تجزیہ کریں تو ان کے پھر تین قسمیں ہیں

() علوم طبعی () علوم نفسی () علوم معیاری

علوم طبعی میں وہ سارے علوم آجاتے ہیں کہ جو مادّے سے متعلّق ہیں جن میں سائنس کے اکثر شعبے آجاتے ہیں بہ الفاظ دیگر یہ وہ علوم ہوتے ہیں کہ جنہیں لیبارٹری میں نشانۂ مشق بنایا جاسکتا ہے یعنی لیبارٹری میں ان کا تجزیہ ممکن ہوتا ہے

ان کی بھی دو قسمیں ہیں () علومِ کثیفہ () علومِ لطیفہ

علومِ کثیفہ وہ علوم ہوتے ہیں جو مادّے ہی پر منحصر ہوتے ہیں جیسے فزکس (Physics) کیمسٹری (Chemistry) بیالوجی (Biology) جیالولی (Geology) ارکیالوجی (Archeology) آسٹرانومی (Astronomy) وغیرہ

علومِ لطیفہ کی پھر دو قسمیں ہیں ( ) علومِ ذوقی ( ) علومِ شوقی

علومِ ذوقی وہ علوم ہوتے ہیں کہ جو انسان کے ذوقِ لطیف کیلئے باعث تسکین بنتے ہیں یعنی جن کے وجود سے انسان کے صاحب ذوق ہونے کا پتہ چلتا ہے جیسا کہ شاعری ہے ، موسیقی ہے ، ادب ہے ، مصوّری ہے ، اس میں شوبز (Show-biz.) کے سارے شعبے آجاتے ہیں اور ان میں سے ہر علم کے اندر کئی کئی علوم ہوتے ہیں کہ جن پر ان علوم کی عمارت کھڑی ہوتی ہے جیسا کہ شاعری ہے تو اس کے بنیادی علوم میں علم عروض ہے ، علم تقطیع ہے ، علم قوافی ہے ، علم الزحافات ہے ، علم الصنائع ہے ، علم البدائع ہے ، علم تراکیب ہے ، علمِ بلاغت ہیں وغیرہ وغیرہ

ان میں سے کچھ علوم ایسے ہیں جو جب تک نظریاتی (Theorem) رہتے ہیں علوم میں شمار ہوتے ہیں اور جب وہ عملی (Hypothesis) ہوجاتے ہیں تو انہیں فن کہا جاتا ہے اسی لئے ان علوم میں سے چار علوم کو فنون لطیفہ کہا جاتا ہے اسی طرح صرف ونحو وغیرہ بھی جب عملی ہوجاتے ہیں تو فنون بن جاتے ہیں۔

شوقی علوم وہ ہوتے ہیں کہ جو انسان کے شوقِ دریافت کیلئے باعثِ تسکین ہوتے ہیں جیسا کہ علم النجوم ، جفر وغیرہ ہیں میں بات کو بڑھانا نہیں چاہتا کیونکہ وقت کم ہے۔

علومِ نفسی

علومِ طبعی کے بعد علومِ نفسی ہوتے ہیں جو کسی لیبارٹری میں نہیں جانچے جا سکتے بلکہ ان کی لیبارٹری انسان کا اپنا نفس ہوتا ہے کیونکہ یہ سارے علوم کیفیاتِ نفسی کے متعلّق ہوتے ہیں اس لئے انہیں کسی مادّی تجزیے سے نہیں گزارا جا سکتا۔ یہ کئی علوم ہیں جیسا

کہ علمِ نفسیات ہے علمِ روحانیات ہے علمِ عرفانیات ہے نیورالوجی (Neurology) ہے ٹیٹالوجی (Tautology) ہے وغیرہ وغیرہ

علومِ معیاری

اس میں وہ علوم شامل ہوتے ہیں کہ جو انسان کو معیارات و اقدار کا پیمانہ فراہم کرتے ہیں جیسا کہ اخلاقیات (Ethics) ہے،(Aesthetics) جمالیات ہے، فقہ ہے اس طرح کے بہت سے علوم ہیں میں کس کس کا نام لوں۔

علومِ ماورائی

میں نے ابتدا میں عرض کیا تھا کہ ماہیتی نقطۂ نگاہ سے علوم کی دو قسمیں ہیں علوم ورائی اور علوم ماورائی اور یہ بھی عرض کرنا لازم ہے کہ علوم ماوری وہ علوم ہوتے ہیں کہ جو اللہ جل جلالہ اور ازل اور انوارِ الٰہی اور عالمِ امر کو موضوع بحث بناتے ہیں یعنی پورے عالم ماورائی کے بارے میں انسان کو ایجوکیٹ کرتے ہیں

یہاں یہ بات واضح کرنا لازم ہے کہ جو علم ذاتِ واجب الوجود اور اس کے انوار سے بحث کرتا ہے وہ علم نور ہوتا ہے جس کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ العلم نور یقذف اللہ فی قلب من یشا ہے یعنی علم ایک نور ہے جسے اللہ جل جلالہ جس دل میں پسند فرماتا ہے انڈیل دیتا ہے اور جو عالمِ خلق سے بحث کرتا ہے وہ علمِ نور نہیں ہے بلکہ غیر نور ہے۔ ہاں ان علوم میں جو علوم دین سے متعلّق ہیں وہ نورِ علم کے وسائل و ذرائع ضرور بن سکتے ہیں جیسا کہ اگر کوئی شخص اپنے گھر میں بجلی لانا چاہتا ہو تو اسے کیبل فٹنگ کروانا پڑتی ہے جیسے بلب(Bulb)، ٹیوبز(Tubes) لگوانا، پنکھے، فریج،

اے سی لگوانا- جب ساری تاریں مکمل ہوجائیں تو اس کے بعد کنکشن لینا پڑتا ہے تب بجلی آتی ہے اسی طرح صرف کیبل فٹنگ اور برقی آلات گھر میں لگوا لینے سے بجلی نہیں آجاتی بلکہ بجلی ان تاروں کے ذریعے آتی ہے- اسی طرح علوم دین کا حاصل کر لینا نورِعلم نہیں ہوتا بلکہ نورِعلم ان کے ذریعے آتا ہے اور نورِعلم کے حصول کے جو ذرائع ہیں ان میں سے یہ ایک ذریعہ ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ نورِعلم کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ زہد فی الدنیا ہے جو آدمی زہد اختیار کر لیتا ہے اسے بغیر تعلیم و تعلّم کے بھی نورِعلم حاصل ہوجاتا ہے اور جو شخص علومِ دین کے حصول کے بعد بھی دنیا کی طرف راغب رہتا ہے اس کیلئے یہ علومِ دین بھی نورِعلم کے حصول کا ذریعہ نہیں بن سکتے بلکہ وہ علمائے سو میں داخل ہوجاتا ہے اور یہی علم اس کے کیلئے حجاب بن جاتا ہے

اب آپ نے یہ تو سمجھ لیا کہ علم کیا ہے اب ہم ایک منزل اور آگے بڑھتے ہیں

دوستو! حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے اتنے علوم ہیں کہ جن کی تعداد اس کی ذات کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں اور اللہ کا ہر علم اتنا بڑا ہوتا ہے کہ اسے ایک خزانہ کہا جا سکتا ہے اس کی اس طرح مثال دی جا سکتی ہے کہ جیسے کسی بادشاہ کے خزائن ہوتے ہیں اس میں کوئی اس کے جواہرات کا خزانہ ہوتا ہے کوئی اس کے سکہ رائج الوقت کا خزانہ ہوتا ہے کوئی اس کے مال کا خزانہ ہوتا ہے کوئی اس کا سونے چاندی کا خزانہ ہوتا ہے کوئی اس کا گندم کا خزانہ ہوتا ہے کوئی اس کے جانوروں کا خزانہ ہوتا ہے یہ سب بادشاہ کے خزائن ہوتے ہیں اسی طرح اللہ جل جلالہ کے جو خزائن ہیں وہ علمی ہیں -

اب یہ بھی آپ کو معلوم ہے کہ ہر بادشاہ کے خزائن کیلئے علیحدہ علیحدہ سٹور ہوتے ہیں جہاں وہ اپنے خزانہ کو محفوظ رکھتا ہے ایک عام آدمی بھی اپنی دولت کو محفوظ رکھنے کیلئے

ایک ظرف ضرور بنا تا ہے چاہے وہ کوئی تجوری ، سیف ، لاکر یا اس کا بٹوا ہی کیوں نہ ہو اس کے محفوظ کرنے کا ایک ظرف ہوتا ضرور ہے مگر جو بادشاہوں کے خزانوں کے سٹور ہوتے ہیں وہ بڑے بڑے تہہ خانے ہوتے ہیں یا بڑے بڑے مکان ہوتے ہیں حکومتوں کے خزائن کیلئے بڑی بڑی عمارتیں بنائی جاتی ہیں جن میں اس کے انواع واقسام کے خزائن ہوتے ہیں جیسے سونے کی اشرفیاں ، ہیرے ، جواہرات ، چاندی ، سونا وغیرہ اس لئے اس کے خزائن کی تعداد کے مطابق اس کے خزانے میں ظروف ہوتے ہیں کہ جن میں وہ خزائن ترتیب سے رکھے جاتے ہیں کسی خزانۂ واحد کیلئے جو ظرف ہوتا ہے اسے عربی میں عیبہ کہا جاتا ہے اس لئے کیسہ ہو یا ہمیانی ہو یا بٹوا ہو یا صندوق ہو اسے عیبہ کہا جاتا ہے اسی طرح اللہ کے خزائنِ علم کیلئے بھی کئی ظروف ہوتے ہیں کہ جن میں اس کے علم کے خزائن مخفی و محفوظ ہوتے ہیں یہاں تک تو بات واضح ہوگئی ہے اب ہم اور آگے بڑھتے ہیں

دوستو! جب ہم اللہ جل جلالہ کے انوارِ ازلیۂ اولیۂ ذاتیہ علیھم الصلوات و السلام کے ان القاب و اسما حسنیٰ کو دیکھتے ہیں کہ جو علم سے متعلّق ہیں تو ان میں ہمیں ایک عجیب طرح کا سیکوئنس (Sequence) یا سلسلۂ اتصال نظر آتا ہے آپ بھی دیکھ لیں

خازن کل علم ، عیبة العلم ، خزانة علم الله ، علم الله ، العلم النافذة......الخ

( ) اللہ جل جلالہ کے خزائن کے خزانہ دار و نگران بھی یہی ہیں

( ) اللہ جل جلالہ کے خزائن کے ظروف بھی یہی ہیں

( ) اللہ جل جلالہ کے پورے خزائن بھی یہ خود ہی ہیں

() اللہ جل جلالہ کے عین علم بھی یہی ہیں

() اللہ جل جلالہ کے علم نافذہ و جاری بھی یہی ہیں

اب اس سیکوئنس (Sequence) کو دیکھتے ہوئے ہر آدمی سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کا خزانہ بھی وہی، خازن بھی وہی، ظرف بھی وہی، مظروف بھی وہی ہوں۔ یہ تو ایک خلط مبحث سا بن جاتا ہے

دوستو! حقیقت یہی ہے کہ اللہ جل جلالہ کا علم انہی انوارِ الٰہیہ ازلیہ علیھم الصلوات و السلام میں محفوظ (Save) ہے۔ یا یوں سمجھیں کہ جہاں اللہ جل جلالہ کے جملہ علوم فیڈ ڈ (Feeded) ہیں وہ پاک خاندان کے نور کی پرتیں ہوتی ہیں۔

اس بات کو سمجھانے کیلئے ہمارے پاس جدید دور کی ایک چیز ہے جسے کمپیوٹر کی سی ڈی (C.D. of Computer) کہا جاتا ہے۔ اگر ہم اس سی ڈی کو غور سے دیکھتے ہیں تو ہمیں اس پر بہت سے دائرے نظر آتے ہیں جو ایک دوسرے کے اندر بھی ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے متّصل بھی ہوتے ہیں ان دائروں کو سی ڈی کے ٹریک (Tracks) کہا جاتا ہے ان سی ڈیز (CD,s) میں جتنا مواد (Data) ہوتا ہے وہ ان ٹریک (Tracks) میں بھرا ہوا ہوتا ہے چاہے وہ سائیٹس (Sites) ہوں یا سانگز (Songs) ہوں چاہے وہ ٹیکسٹ (Text) ہو یا امیج مووی (Movie Image) ہو یا سٹل کلرڈ (Still Coloured) ہو یا بلیک اینڈ وائیٹ (Black & White) چاہے وہ گرافکس (Graphics) کی شکل میں ہو یا ڈوس موڈ (Dos Mode) میں ہو الغرض ہر قسمی مواد یا ڈیٹا (Data) اس کے ٹریکس (Tracks) میں بھرا ہوا ہوتا ہے اور پھر ان ٹریکس (Tracks) کے اپنے اپنے نمبر ہوتے ہیں اور اس کے

ٹریک ون (Track One) میں ایک ڈیٹا(Data) فیڈ ڈ(Feeded) ہوتا ہے تو ٹریک ٹو(Track two) میں دوسرا ڈیٹا(Data) فیڈ ڈ(Feeded) ہوتا ہے- بلاتشبیہ اسی طرح ان انوارِازلیہ اِلٰہیہ علیھم الصلوات و السلام کی ذات کے بھی باطن در باطن لاتعداد ٹریکس ہیں اور اِن کے باطن در باطن جومختلف ٹریکس ہیں وہ اللہ کے کسی نہ کسی علم کے سٹور ہیں

اس بات کو میں ایک اور طرح سے پیش کرنا چاہوں گا-

دیکھئے دوستو! اس دنیا میں موجود ہر انسان کے بھی باطن در باطن تین ٹریک ہیں جس میں اس کے خزائن سٹور ہوتے ہیں-

اس کا پہلا ٹریک بدن ہے اور یہ انسان کا باہر والا ٹریک ہے اور اس میں انسان کی طاقت(Energy) سٹور ہوتی ہے یعنی انسان غذاؤں سے یا دیگر ذرائع سے جتنی طاقت حاصل کرتا ہے وہ اس بدن میں سٹور ہوتی ہے یعنی یہ بدن انسان کا پہلا ٹریک بھی ہوتا ہے اور اس کی طاقت (Energy) کا سٹور بھی ہوتا ہے اور اس میں یہ خصوصیت بھی ہے کہ یہ انسان کے دوسرے ٹریک کا ظرف بھی ہوتا ہے-

انسان کا دوسرا ٹریک اس کا نفس ہوتا ہے انسان کے نفس میں کوئی طاقت سٹور نہیں ہوتی بلکہ اس میں جو ڈیٹا(Data) فیڈ ڈ(Feeded) ہوتا ہے یا ہوسکتا ہے وہ کیفیات وجذبات وقیاسات وتوہّمات کی قسم کا ہوتا ہے اس ڈیٹا(Data) سے متعلّق طاقتوں کو طاقت نہیں کہتے بلکہ قوت کہتے ہیں اور یہ دوسرا ٹریک ہی ہوتا ہے کہ جس میں انسان کی کیفیات بھری ہوئی ہوتی ہیں یعنی محبت، نفرت، غم، خوشی کے ساتھ ساتھ اس میں ذائقے، خوشبوئیں، رنگ، آوازوں کے ایکسنٹ (Accent) اتار چڑھاؤ تک بہت

سے اقسام کا مواد (Data) اس میں بھرتا جا تا ہے

یہ دوسرا ٹریک پہلے ٹریک یعنی بدن کا مظروف بھی ہوتا ہے اور اپنے تیسرے ٹریک کیلئے یہ ظرف بھی ہوتا ہے یا یوں سمجھیں کہ بدن میں نفس فیڈ ڈ (Feeded) ہوتا ہے اور نفس میں تیسرا ٹریک فیڈ ڈ (Feeded) ہوتا ہے اور اس میں یہ خصوصیت بھی ہوتی ہے کہ اس میں ڈیٹا (Data) فیڈ (Feed) تو کیا جا سکتا ہے مگر اس میں سے اسے ختم (Delete) یا کسی دوسری جگہ نقل (Copy) نہیں کیا جا سکتا ہے -

انسان کا تیسرا ٹریک روح ہے اس میں کیا فیڈ ڈ (Feeded) ہے کب سے فیڈ ڈ (Feeded) ہے کوئی نہیں جانتا کیونکہ یہ مـن امر ربی ہے ہاں اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ نورِ علم اسی میں فیڈ ڈ (Feeded) ہوتا ہے اور دوسرا ٹریک یعنی انسانی نفس اس روح کا ظرف ہوتا ہے یعنی روح اس میں فیڈ ڈ (Feeded) ہوتی ہے جو آدمی کمپیوٹر کی الفابیٹ سے واقف ہے وہ میری بات کو آسانی سے سمجھ چکا ہوگا-

اب ہم یہاں عرض کرنے کی پوزیشن میں ہیں کہ بلا تشبیہ اسی طرح پاک انوارِ ازلیہ اِلٰہیہ علیھم الصلوات و السلام کے بھی کئی ٹریک ہیں یعنی ان کے نور کے اندر باطن در باطن اربوں کھربوں ٹریکس (Tracks) ہیں اور اسی میں اللہ جل جلالہ کے خزائن سٹور (Stored) ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کے علم کو سٹور کرنے کیلئے اللہ ہی کا نورِ ذات درکار ہے کسی اور چیز میں اس کے علم و متعلّقات علم کو سٹور کرنے کی صلاحیت (Capability) ہی نہیں ہوسکتی

اب ہم اس بات کو سمجھنے کی پوزیشن میں ہیں کہ انہیں کہیں خزانہ، کہیں خزانہ دار کیوں کہا گیا ہے حقیقت یہ ہے کہ ان کی ذات کے جو ٹریک یا پرتیں ہیں یہ اسمائے مبارکہ

انہی کی مناسبت سے بیان ہوئے ہیں کیونکہ اللہ جل جلالہ کا جو علمِ ذات ہے [جو اسے اپنی ذات کے بارے میں علم ہے] اس کا سٹور بھی یہی نورِ ذات ہے اس لئے اس ٹریک کے حوالے سے انہیں علم اللہ فرمایا گیا ہے۔

جو اللہ کی ذات کے علاوہ اس سے متعلّق علم ہے یعنی صفات و اسمائے حسنٰی کا جو علم ہے وہ بھی اسی سے متعلّق علم ہے جیسا کہ اللہ جل جلالہ کے اسما و صفات کا اک جدا گانہ علم ہے یعنی ہر صفت کو ہر اسم کو ایک نئی قسم کا علم حاصل ہوتا ہے کیونکہ اس کی کوئی صفت غیر عالم نہیں اس کی ہر صفت اپنے دائرۂ تعلّق میں پوری پوری عالم و دانندہ ہوتی ہے کیونکہ یہی نورِ ازلیہ اوّلیہ ذاتیہ علیھم الصلوات و السلام کا ہی ایک ٹریک اس کے علوم کا جامع ہوتا ہے اسی لئے انہیں خزانہ بھی فرمایا گیا ہے کیونکہ ایک طرف یہ اسما وصفات کے علم کا خزانہ ہیں تو دوسری طرف یہ علمِ الٰہیہ ذاتیہ کے محافظ بھی ہیں کیونکہ اگر یہ نور اس کی حفاظت نہ کرے تو وہ علم اسما وصفات کیلئے متحرّق [راکھ کر دینے والا] بھی ہے ان کی حفاظت کی وجہ سے علم ذاتیہ یعنی ان کی ذات کا مخفی ٹریک محفوظ بھی ہے اور اگلے ٹریک کیلئے ظرف کا درجہ بھی رکھتا ہے

یہ بھی حقیقت ہے کہ جملہ ٹریکس (Tracks) سے متعلّق جو علم و دانش و بینش ہے وہ اصل ذات اقدس ہی کی طرف سے ان صفات و اسمائے الحسنٰی سے ہوتی ہوئی ان کے ظاہری ٹریک تک نافذ فرمائی جاتی ہے اس لئے ان انوارِ الٰہیہ ازلیہ علیھم الصلوات و السلام کے اس ٹریک کے حوالے سے جو نام پاک ہے وہ ہے

''علم النافذہ'' علیھم الصلوات و السلام

دوستو! یہاں یہ وضاحت کرنا ضروری ہے کہ جس طرح سی ڈی کے ٹریک اندر سے

باہر کی طرف شمار ہوتے ہیں اسی طرح اللہ کے انوارِ ازلیہ علیہم الصلوات و السلام کے جو بواطن ہیں وہ اندر سے باہر کی طرف شمار ہوتے ہیں

مخلوق کے حوالے سے جب ہم بات کریں تو حقیقت یہ ہے کہ عالمِ خلق ایک مائیکرو نظام (Micro System) ہے اس لئے باقی سارے نظام اس کے باہر تہہ در تہہ ہیں اور ہر تہہ کسی نہ کسی نوری باطن کے اندر ہوتی ہے جو اس کا ظرف بھی ہوتا ہے اور سرایت یافتہ (Penetrated) بھی ہوتا ہے اس لئے ان مقاماتِ باطنیہ کے حوالے سے ہر باطنی مقام کے علم کا ظرف (Store) اللہ کا نور ازلی ہے اس لئے اس کا ہر مقام و مرتبے میں نام جدا جدا ہوتا ہے یعنی پورا عالمِ ملکوت علم کے جس ٹریک سے علم حاصل کرتا ہے وہ علیحدہ ہوتا ہے اور انبیا ورسل و اولیاء علیہم السلام یا جن وانس ان سب کیلئے جدا جدا ذرائع (Sources) ہیں ان سورسز (Sources) میں اللہ کا علم نافذہ ہی علوم کو نفوذ بخشتا ہے جس سے وہ اپنے (Dependants) طفیلیوں کو دولتِ علم عطا فرماتے ہیں۔

دیکھئے دوستو! جنابِ آدم علیہ السلام کا علم علمِ نبوّت تھا اور نبوّت کی سورس (Source) ولایت ہوتی ہے کیونکہ ولایت ہی ان کیلئے (Input Cable) ہوتی ہے کہ جس سے ان میں علم آتا ہے اور ان کی (Output Cable) کا نام نبوّت ہوتا ہے کیونکہ جملہ انبیاء علیہم الصلوات و السلام کی سورس (Source) ولایت ہوتی ہے جو ملکوت کی نہیں ہوتی اس لئے جب ان کا مقابلہ جناب آدم علیہ السلام سے ہوا تو وہ علم میں مار کھا گئے یہ بھی حقیقت ہے کہ ولایت مطلقہ ءالٰہیہ اللہ کے انوارِ ازلیہ اوّلیہ علیہم الصلوات و السلام کے سوا کسی مخلوق کو حاصل نہیں ہے چاہے وہ نبی ہیں یا ولی ہیں یا جن ہیں یا ملکوت ہیں

یعنی کسی کو بھی حاصل نہیں ہے اور وہ انوارِ اوّلیہ علیھم الصلوات و السلام واحد الاصل ہیں اس لئے انہیں اس حوالے سے معدن العلم النبوۃ کہا جاتا ہے یعنی یہ بھی انہی کا ایک اسم مبارک ہے۔

اگر ہم عالم مادّیات کے حوالے سے بات کریں تو یہ بات ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ عالم ِمادّیات یعنی عالم خلق ومخلوق کا جملہ علم بھی ایک بطنِ نور میں (Feeded) بھرا ہوا ہوتا ہے یا یوں سمجھیں کہ عالمِ خلق کی مخلوق کے قریب ترین جو ٹریک (Track) ہوتا ہے اس میں فیڈ ڈ (Feeded) ہوتا ہے اور مخلوق کے قریب ترین جو ٹریک ہے اسے کتاب المبین کا نام دیا گیا ہے جیسا کہ لا رطب ولا یا بس الا فی کتاب مبین والی آیت میں جن جن چیزوں کو برسبیلِ مثال (For Example) پیش کیا گیا ہے ان ساری چیزوں کا تعلّق عالمِ مادّیات سے ہے جیسا کہ فرمایا گیا ہے کہ درختوں کے پتوں کا گرنا بحرو بر کے ایک ایک ذرے کا علم یہ ساری چیزیں جو حاضر ہیں یا غائب ہیں سب کتابِ مبین میں فیڈ ڈ(Feeded) ہیں

اب یہاں یہ تو بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ کتاب مبین کیا ہے؟ یعنی کتاب مبین اللہ کے نورِ ازلیہ علیھم الصلوات و السلام کے اس ٹریک کا نام ہے کہ جو عالم مادّیات کا قریب ترین ٹریک ہے

ان انوارِالٰہیہِ ازلیہ علیھم الصلوات و السلام کا جو علم کے حوالے سے اعلیٰ ترین ٹریک یا منصب ہے وہ علم اللہ کا ہے کیونکہ اللہ کا علم کسی کو ہو ہی نہیں سکتا

دوستو! اگر ہم علم الکلام کے حوالے سے بات کریں تو علم کی تین قسمیں ہیں

ایک علم وہ ہے جو ذات سے ذات کا علم ہوتا ہے

دوسرا علم وہ ہے کہ صفات و آثار سے ذات کا علم حاصل کیا جاتا ہے
تیسرا علم یہ ہے کہ امتناعات سے ذات کا علم ہو
انہیں علم کلام کی اصطلاحات میں براہینِ انیہ و براہینِ لمیہ کا نام بھی دیا جاتا ہے
سارے متکلمین یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اللہ کی ذات کا ذات کے ذریعے علم حاصل کرنا عالمِ خلق و عالمِ امر کی مخلوق کیلیئے محال ہے اس لئے اللہ کو معلوم کرنے کا حکم نہیں بلکہ اس کی معرفت کا حکم ہے اور معرفت ذات سے ذات کی نہیں ہوتی بلکہ آثار سے ذات کی ہوتی ہے
یہاں یہ وضاحت کر دوں کہ عرفانیاتی معرفت کا درجہ معرفتِ کلامیہ سے بلند ہوتا ہے مگر وہ معرفت بھی آثار ہی کے مشاہدہ سے حاصل ہوتی ہے اور مشاہدہ ذات کا کبھی بھی نہیں ہوسکتا۔ اس پاک نورِ ازل کو جو اللہ کا تعارف یا پہچان ملتی ہے وہ ہر ٹریک میں جداگانہ ہے تا اینکہ عالمِ ظاہری و مادّی میں جب ان کے اجسام مروح اور ابدان منور ہدایتِ خلق کیلیئے تشریف لائے تو یہاں کی معرفت کا مقام اور ہے اور ان کی معرفت ازلی کا مقام اور ہے اس لئے اس دنیا کی معرفت الٰہی کے بارے میں فرمایا تمہاری معرفت کا حق ادا نہیں ہوسکتا
اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی عالم بھی عالم عنصریۂ ظاہریہ میں اللہ جل جلالہ کی کماحقّہ معرفت حاصل کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا اس کی مثال ایسے ہے کہ کسی عالمی شہرت یافتہ Athlete [دوڑنے والے] کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اس سے کہا جائے کہ تو سومیٹر کی ریس کے مقابلے میں شریک ہوجا تو وہ دوڑنا تو کجا ہل بھی نہیں سکے گا۔ اسی طرح جب ظاہریت کی زنجیریں پاؤں میں پڑی ہوں تو کوئی مخلوق پرواز نہیں کر

سکتی جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں جب جناب جبریلؑ ظاہر ہوتے تھے اور دحیہ کلبی کی شکل میں ہوتے تھے تو اس شکل میں رہتے ہوئے کبھی پرواز نہیں کر سکتے تھے بلکہ وہ کھڑے کھڑے غائب ہو جاتے تھے یعنی پہلے وہیں کھڑے کھڑے اپنی ظاہریت کو باطنیت میں بدلتے تھے اس کے بعد پرواز کر جاتے تھے

اس سے یہ گمان نہیں کرنا چاہیے کہ ان کا ظاہر اور ہے اور باطن اور ہے یا ظاہر نعوذ باللہ کمزور یا ناقص ہے۔ ایسا کچھ نہیں ہے بلکہ ان کا ظاہر ان کے باطن کا لباس ہے ہاں جب یہ باطن میں نزول فرماتے ہیں تو ان کا باطن ان کے ظاہر کا لباس بن جاتا ہے اور وہ ان سے جدا نہیں ہوتا بلکہ ان کے باطن کا باطن بن جاتا ہے ایک طرف تو یہ عالم ہے مگر ایک مقام پر فرماتے ہیں عرفت ربی بربی یعنی ہم نے اپنے رب کو آثار سے نہیں بلکہ اس کی ذات سے پہچانا ہے یہ وہ مقام ہے کہ جو ان کا "علمُ اللہ" والا مقام ہے اور یہی ان کا سب سے اعلیٰ ٹریک ہے اور اسی مقامِ اعلیٰ پر یہ فرماتے ہیں

لو کشف الغطاء لا ازددت یقیناً یعنی اگر ذات اِلٰہیہ کے سارے حجابات ہٹا ہی کیوں نہ دیئے جائیں تو ہمارے یقین میں ایک سرِ مو اضافہ ممکن نہیں ہے کیونکہ ان کے مقامِ یقین و مشاہدے کے اوپر کوئی مقام ہے ہی نہیں جیسا کہ آج ہر سائنسدان جانتا ہے کہ ہر چیز کا ایک آخری درجہ ہوتا ہے

جسے (Absolute Bottom) اور (Absolute Top) کہا جا سکتا ہے کہ جس سے نہ کوئی نیچے جا سکتا ہے اور نہ کوئی اوپر کیونکہ اس کے نیچے والے درجات بھی نہیں ہوتے اور اوپر والے درجات بھی نہیں ہوتے اسی طرح ان کے اور خالق کے مابین

''اوادنیٰ'' کا جو مقام ہے یہ اس ظاہری واعتباری مرتبے کا مقام ہے ورنہ ان کے باطنی مقام میں تو اتصال ہی اتصال ہے وصال ہی وصال ہے اور اسی مقام اعلیٰ کے بارے میں فرمایا گیا تھا ھو نحن و نحن ھو وہ ہم ہیں اور ہم وہ ہیں ان کا یہی مقام ہے کہ جس کے بارے میں فرماتے ہیں بینی و بین الله حالات ھو نحن و نحن ھو یہی وہ مقام ہے کہ جس میں یہ عین علم اللہ ہوتے ہیں اور ان کے ایسے فرامین میں کوئی تضاد و تناقض بھی نہیں ہے

دوستو! اب مقام پر پہنچنے کے بعد ہم ایک منزل آگے بڑھتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہم نے جنہیں سی ڈی کے ٹریکس سے تشبیہ دی تھی وہ ان انوارِ الٰہیہ از لیہ علیهم الصلوات و السلام کے مراتبِ باطنیہ ہیں اور ان کا ہر مرتبہ گویا ان کی ایک پرت ہے اور ان کے درمیان علم الٰہی کی ایک رو دوڑتی ہے جو ان کے مقامِ علم اللہ سے شروع ہوتی ہے اور ان کے مقام ظاہر تک آتی ہے اور یہاں سے پھر اوپر جاتی ہے جیسا کہ ایک برقی رو کا سرکٹ (Circuit) ہوتا ہے جس میں برقی رو (Circulate) ہوتی ہے اسی طرح ان کا علم ازل بھی (Circulate) ہوتا ہے اور اس علم کی رو کا کام ہوتا ہے ان کے ''مراتب بعدیہ'' کو ''مقامِ اللہ'' کا علم سپلائی (Supply) کرنا اور اِن کے مراتب باطنیہ میں اس علم کو نافذ کرنا

دوستو! یہ بھی حقیقت ہے کہ ان میں علم کا نفاذ کوئی دوسری قوت نہیں کرتی بلکہ وہ بھی انہی کی ذات کے نور کا ایک عہدہ ہے اور ان کے اس عہدے اور مرتبے کے حوالے سے انہیں ایک اور نام پاک سے پہچانا جاتا ہے یعنی ان کی علم نافذ کرنے والی حیثیت کا نام ہے ''علم النافذہ''

یہ بات تو ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہمارے شہنشاۂ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی زیارتوں میں اسی نام پاک سے ہم اپنے شہنشاۂ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کو خطاب کرتے ہیں دوستو! اس بات سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ ان کے انوارِ ازلیہ اوّلیہ علیہم الصلوات و السلام کا کوئی ٹریک کسی وقت کسی علم سے خالی ہوتا ہے بلکہ ان ٹریکس میں علم ہمہ وقت موجود رہتا ہے یہ علم الیکٹرون (Electrons) کی شکل میں نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ ان میں نافذ و موجود رہتا ہے گویا یہ لباسِ علم ہر وقت ان کے ہر مرتبے اور ہر حیثیت کی قامت موزوں پر استوار رہتا ہے اور اس غلط فہمی کو دور کرنے کیلئے بھی ہمارے شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف کی زیارتوں میں ان کا ایک اسم مبارک موجود ہے اور وہ ہے ''علم المصبوب'' عجل اللہ فرجہ الشریف

'' صَبَّ '' کے معنی پہنانا ہے جیسا کہ عربی میں کہا جاتا ہے

صَبَبتُ الدِرعَ عَلیٰ زید و زید مصبوب بدرع الحصینة

یعنی میں نے زید کو زرہ بکتر پہنائی اور زید زرہ بکتر سے مصبوب یعنی ملبوس ہو گیا

اب اسم مبارک کو دیکھیں تو وہ ہے ''علم المصبوب'' عجل اللہ فرجہ الشریف

یعنی پہنایا ہوا علم۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس کو پہنایا ہوا علم؟

تو اس کا وہی جواب ہے کہ یہ علم اپنے سارے ٹریکس (Tracks) سارے مراتبِ علمیۂ ذاتیہ کو پہنایا ہوا علم ہے جو ان کی قامتِ مراتب سے کبھی بھی جدا نہیں ہوتا

کیونکہ آج اس سلسلۂ مجالس کا آخری خطاب ہے اس لئے میں بھی اس سلسلہ گفتگو کو ختم کرنے پر مجبور ہوں ورنہ ان میں سے ہر اسم مبارک ایک علیحدہ خطاب کا تقاضا

کرتا ہے مگر ہم تو وقت کے تقاضوں کو اہمیت دیتے ہیں اس لئے آخر میں عرض کروں گا کہ ہمیں یہ دعا کرنا چاہیے کہ ہمارے شہنشاہ دوراں ولی ومنعم ازل عجل اللہ فرجہ الشریف کا ظہور اجلال جلدی ہو تا کہ یہ ہمارا علم مشاہدات میں بدل جائے اور ہم اپنے اپنے ظرف کے آخری کناروں تک نورِ معرفت سے مملو ہو جائیں بلکہ اس طرح لبریز ہو جائیں کہ کچھ باہر بھی چھلک جائے ہمارا یہ فریضہ ہے کہ ہمیشہ یہ دعا کرتے رہیں

☆اللھم ارنی طلعة الرشیدة و الغرة الحمیدة و اکحل ناظری بنظرة منی الیه

اے ہمارے مالک مطلق ہمیں ہمارے شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف کے رخ انور کے جلوہِ طور سے مشرف فرما اور ان کے لائق حمد وثنا تجلی کا اعزاز بخش دے اور ان کی زیارتِ الٰہیہ کو ہماری آنکھوں کا کاجل بنا دے۔

آمین یارب العالمین

اللھم صل علیٰ محمدؐ وآل محمدؐ و عجل فرجھم بقائمھمؑ صلوات اللہ علیه والسلام

یا هو یا من هو لا هو الا هو الحی القیوم یا هو یا من لا یعلم ما هو الا هو الحی القیوم العلی العظیم
یا مولا کریم عجل الله فرجك و صلوات الله علیك

شہید علی الخلق

عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه

الحمد لله رب العالمين و صل علىٰ محمدؐ و آلهٖ اجمعين خصوصاً على حجة الله فی العالمين عجل الله فرجه الشريف و آبائه المعصومين و امهاته الطاهرين الطيبين صلوات الله عليهم اجمعين و لعنة الله علىٰ اعدائهم اجمعين من يوم الازل الى يوم الدين

اے همسفرانِ کشتیِ عرفان!

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ ہم ایک عرصے سے اپنے مالکِ رگِ گردن اپنے شہنشاہِ زمانہ عجل الله فرجه الشريف کے اسمائے مبارکہ پر گفتگو کر رہے ہیں اور اس میں ان اسمائے مبارکہ پر ایک سلسلۂ بیان شروع کر چکے ہیں کہ جن میں کسی نہ کسی طرح سے ان کے علم کے بارے میں ہمیں (Educate) کیا گیا ہے آج ہم جس اسم مبارک کی عرفانیاتی تشریح کا آغاز کر رہے ہیں وہ اسم مبارک ہے

''الشهيد على الخلائق عجل الله فرجه الشريف''

دوستو! اس سے پہلے کہ ہم اس اسم مبارک کے بارے میں عرفانیاتی گفتگو کریں بہتر یہ نظر آتا ہے کہ اس پر ایک عمومی نظر بھی ڈالتے چلیں کیونکہ اس اسم مبارک میں دو

الفاظ ہیں ایک ہے ''شہید'' اور دوسرا ہے ''خلائق''

یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ خلائق خلق و مخلوق کی جمع ہے یعنی خلائق کے معنی ہیں مخلوقات اور دوسرا لفظ تھا ''شہید'' اس کے بارے میں عرض کر دوں کہ اس کا مادّہ ہے شھد اس کی وجہ سے کہتے ہیں کہ الشھود و الشھادۃ الحُضور مع المشاھدۃٍ اما بالبصر او بالبصیرۃ یعنی شہود و شہادت، مشاہدے کے ساتھ حاضر ہونے کو کہتے ہیں یعنی حاضر و ناظر کو کہتے ہیں۔ اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ راہِ خدا میں جان دینے والے کو کس لئے شہید کہا جاتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ الشھید ھو المحتضر فتسمیتہ بذالک لحضور الملائکۃ یعنی شہید کو شہید اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ حالت احتضار میں ملکوت کے حضور میں مشاہدہ کر رہا ہوتا ہے بعض کہتے ہیں کہ تشھد ارواحھم عند اللہ فی الجنۃ کیونکہ شہیدوں کی روحیں جنت میں اللہ جل جلالہ کے سامنے رہیں گی اس حضور و مشاہدے کی وجہ سے انہیں شہید کہا جاتا ہے۔

لغوی لحاظ سے شہید کے کئی معنی ہیں مثلاً گواہ، حاضر، موجود، گواہی میں امین، جس کے علم سے کوئی چیز پوشیدہ نہ ہو، اللہ کے راستے میں جان دینے والا، قسم، واقف، دیکھنے والا، مشاہد کرنے والا، کسی کے سامنے حاضر ہونے والا، لیکن یہ بات یاد رہے کہ شہید و حاضر میں ایک فرق ہے وہ یہ ہے کہ شہید کیلئے مشاہدہ ضروری ہے جبکہ حاضر کیلئے لازم نہیں ہے جیسے اندھا بھی حاضر ہوسکتا ہے مگر شہید نہیں ہوسکتا لفظ شہید حاضر و ناظر کا جامع لفظ ہے یہ تو تھی اس لفظ پر ایک طائرانہ نظر۔

آیئے دوستو! ہم عرفانیات کے سمندر میں بھی ایک غوطہ لگاتے چلیں۔

یہ تو آپ کو بتایا جا چکا ہے کہ علم اِلٰہی کی دو قسمیں ہوتی ہیں اسی طرح علمِ آل محمد علیہم الصلوات و السلام کی بھی دو قسمیں ہوتی ہیں () علم ازلی وکلّی () علم وقوعی
ایک وہ علم ہے کہ جس میں جل جلالہ کو یہ معلوم ہے کہ ازل سے ابد تک کیا ہوگا اور ازل سے ابد تک جو بھی ہونا ہے وہ اس علم کے عین مطابق ہونا ہے کیونکہ اگر معلوم علم کے مطابق نہ ہو تو جہل ہوتا ہے اور علیم ذات میں جہل کا تصور بھی کفر ہے اور یہ علم بلا تغیر و تبدل ایک جیسا ہمیشہ ہمیشہ رہتا ہے اور یہی علم الدائم ہے- دوسرا علم وہ ہے جسے علم وقوعی کا نام دیا جاتا ہے اس کی تشریح میں اپنے سابقہ بیان میں کر چکا ہوں کہ کسی واقعہ کے واقع ہو جانے کا علم علم وقوعی ہوتا ہے اور اس کی صورت ہمیشہ ماضی جیسی ہوتی ہے یعنی واقعہ ہونے کے بعد اس کا بیان جب بھی ہوتا ہے تو اس میں ماضی کے صیغے استعمال ہوتے ہیں اور جو علم ازلی وکلّی ہے اس میں مستقبل کو بھی ماضی کی طرح بیان کیا جاتا ہے کیونکہ اس میں ہر شے پہلے سے ہو چکی ہوتی ہے جیسا کہ قیامت کے بارے میں کہیں تو یہ فرمایا گیا ہے اس میں یہ ہوگا اور کہیں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ ہو چکا ہے یہ ایک علیحدہ موضوع ہے اس پر پھر کبھی بات ہوگی-
اب آج ہم آپ کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اللہ جل جلالہ کے انوارِ ازلیہ اوّلیہ ذاتیہ علھیم الصلوات والسلام کو جو علوم حاصل ہیں ان کے بنیادی طور پر دو شعبے ہیں
(1) العلم متعلّق باللہ (2) العلم متعلّق بالخلق اللہ

العلم متعلّق باللہ

پہلا علم وہ ہے جس کا تعلّق صرف اللہ جل جلالہ کی ذات سے ہے یعنی انہیں اللہ کے

بارے میں جو علم ہے کہ اس کی ذات کیسی ہے، اس کی صفات کیا ہیں، اس کے اسماء کیا ہیں، اس کی عظمت وشان کیا ہے، اس کے احکام وفرامین کیا ہیں، اس کے اوامر ونواہی کیا ہیں، وہ کس چیز سے راضی ہوتا ہے، کس سے ناراض ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ اللہ جل جلالہ کے انوارِ ازلیہ اوّلیہ علھیم الصلوات والسلام کا جو علم متعلّق باللہ ہے اس کے پھر دو حصے ہیں:-

()العلم متعلّق بذات اللہ

()العلم متعلّق بالشان اللہ

اس میں سے جو ذات اِلٰہی کے بارے میں ان کا علم ہے وہ کبھی تغیر پذیر نہیں ہوتا نہ کبھی کم ہوتا ہے نہ زیادہ ہوتا ہے اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوتی کیونکہ جب اللہ جل جلالہ کی ذات میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا تو اس کی ذات کے بارے میں جو علم ہوگا اس میں کوئی تغیر کیسے واقع ہوسکتا ہے جب وہاں تبدیلی نہیں ارتقا نہیں تو اس کے بارے میں جو علم ہوگا اس میں تغیر وتبدل کیسے ہوسکتا ہے؟

اور یہ بھی ہے کہ اللہ جل جلالہ کا علم خاص اس کے انوارِ ازلیہ علھیم الصلوات والسلام کے علاوہ کسی کو ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ اس نے فرمایا ہے

ولا یحیطون بشی من علمه الا بماشاء

یعنی کوئی بھی اپنے سارے سورسز (Sources) استعمال کرنے کے باوجود اس کی ذات وصفات کے علم کا احاطہ نہیں کرسکتا ہاں جسے وہ چاہتا ہے وہ اس کا علمی احاطہ کرسکتا ہے اور پاک انوارِ ازلیہ اوّلیہ ذاتیہ علھیم الصلوات والسلام کو اس نے اپنے احاطہ علمی کیلئے پسند فرمایا ہے اس لئے وہ اس کا علمی احاطہ رکھتے ہیں اور ان کا یہ علم غیر متغیر ہے ازلی ہے

اور یہی علم دوسروں کے علم سے ان کی وجہ امتیاز ہے اور ان کا طرّہ امتیاز ہے

العلم متعلّق بالشان اللہ

اللہ جل جلالہ کے انوار اِزلیہ اوّلیہ علیھم الصلوات والسلام کو جو علم شان الٰہی کے بارے میں ہوتا ہے وہ ہمیشہ بدلتا رہتا ہے اور وہ علم ہمیشہ تغیر پذیر ہوتا ہے- اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ فرماتا ہے کل یوم ھو فی شان ہر دن اس کیلئے ایک شان ہوتی ہے یعنی اس کی شان میں ہمیشہ تنوع اور جدت ہوتی ہے اس میں ہر لمحے میں لاکھوں کروڑوں جدتیں پیدا ہوتی ہیں اس لئے اس کی شان سے متعلّق جو علم ہے وہ ہمیشہ بڑھتا رہتا ہے اس میں کمی نہیں ہوتی بلکہ اس میں ہمیشہ اضافہ ہوتا رہتا ہے شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو جو دعا تعلیم ہوئی تھی اس میں تھا قل رب زدنی علما آپ اپنے محبّ حقیقی سے عرض کریں کہ ہمارے علم میں زیادتی فرما-

اس میں علم ازلی میں اضافے کی دعا نہیں ہے بلکہ اس میں علم شانی کے اضافے کی دعا ہے اور وہ بھی ان کے ظاہر کو حکم ہے نہ کہ ان کے باطن کو یہ حکم ہے یہ بھی ایک علیحدہ موضوع ہے جس پر ایک مکمل خطاب کی ضرورت ہے ہم یہاں سے ترک کرتے ہیں ہم اس دوسرے علم کے بارے میں عرض کر کے آگے بڑھیں گے وہ تھا العلم متعلّق بالخلق اللہ

العلم متعلّق بالخلق اللہ

دوسرا علم جس کا ہم نے ذکر کیا تھا وہ ہے کہ جس کا تعلّق غیر اللہ سے ہے یعنی عالمِ خلق و عالمِ امر سے متعلّق علم ہے کہ وہ کیسے ہیں کیا ہیں پھر ان کے ماضی و حال و مستقبل

کے بارے میں جاننا ہے وغیرہ وغیرہ

اللہ جل جلالہ کے انوارِ باھرہ علھیم الصلوات والسلام کا جو علم عالمِ خلق و عالمِ امر کے بارے میں ہے اس کی بھی دو قسمیں ہیں

( )علمِ کلّی وقدیم ( )علمِ وقوعی وحادث

مخلوق کے بارے میں ان کا جو علمِ کلّی وقدیم ہے اس میں بھی کوئی تغیر وتبدل نہیں ہوتا وہ ہمیشہ ہمیشہ ایک جیسا رہتا ہے

( )علمِ کلّی

اب یہاں بھی عرض کردوں کہ علمِ کلّی کیا ہے ؟ دیکھئے ازل میں ہر چیز کی بنیاد (Base) کو خلق فرمایا گیا اور اس کی تقدیر و مقدّر کو لکھا گیا، اس کے آنے والے حالات کو لکھا گیا، اس کی سعادت وشقاوت کو لکھا گیا، یعنی اس کی ایک ایک چیز کو لکھا گیا کہ اس کے ساتھ کیا ہوگا کب ہوگا کیسا ہوگا وغیرہ وغیرہ یہی نوشتہ تقدیر علم ازلی و کلّی کہا جاتا ہے یعنی اس میں جملہ مخلوق جو ازل سے ابد تک پیدا ہونا ہے اس پیدا ہونے والی مخلوق کی زندگی کے ایک ایک لمحے کے بارے میں سب کچھ لکھا گیا یہی وہ بات ہے کہ جس کا علم علمِ کلّی تصور ہوتا ہے

( )علمِ وقوعی

علمِ وقوعی کی دو طرحیں ہوتی ہیں ( )علمِ وقوعی کلّی ( )علمِ وقوعی جزئی

علمِ وقوعی کلّی یہ ہوتا ہے کہ ازل سے ابد تک جس مخلوق نے پیدا ہونا ہے اس کا ایک جامع اور مفصّل علم ہوتا ہے اور علمِ وقوعی جزئی کا تعلّق فرد سے ہوتا ہے یعنی اس میں

کسی نوع کے کسی فرد کے بارے میں مفصّل علم ہوتا ہے یعنی زید فلاں دن فلاں سال میں پیدا ہوگا اور اس کی پیدائش سے موت تک کے درمیانہ عرصے میں اس کے ساتھ کیا کیا ہوگا اور موت کے بعد قبر میں، حشر میں، قیامت میں، حساب میں کیا کیا ہوگا یہ علم جزئی ہے اس لئے کہ یہ پوری نوع کیلئے یا پوری مخلوق کیلئے نہیں ہوتا بلکہ اس کا فوکس (Focus) صرف ایک فرد پر ہوتا ہے اور اس طرح یہ فوکس (Focus) ایک ایک کر کے ساری مخلوق پر ہوتا ہے یعنی اس کے فوکس (Focus) کا دائرہ اگر چہ ایک ایک فرد پر علیحدہ علیحدہ ہوتا ہے مگر ان فوکس (Focus) کے دائروں سے کوئی ایک ذرّہ (Atom) کوئی سیل (Cell) بھی باہر نہیں ہوتا اور اس کے وقوع کا علم ہو جاتا ہے یعنی اس کے ساتھ تازہ بہ تازہ واقعات کے ظہور کا علم ہوتا جاتا ہے اس کی ایک مثال عرض کر دوں شاید میری بات سمجھ میں آ جائے۔

ایک فلم پرڈیوسر ایک فلم بناتا ہے جب وہ فلم فلمائی جاتی ہے تو اس میں وہ ایک جگہ اس کے ہیرو کو زخمی ہوتا ہوا دکھاتا ہے ایک جگہ اسے مرتا ہوا دکھاتا ہے جب فلم مکمل ہو جاتی ہے تو اس فلم کے مشتملات (Contents) اس کے علم میں آ جاتے ہیں یہ ایک علیحدہ علم ہے پھر جب وہ فلم چلتی ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ فلاں جگہ پر ہیرو کو زخمی ہونا ہے مگر جب تک چلتی ہوئی فلم میں وہ مقام نہیں آتا اس وقت تک وہ مقام عام ناظر کیلئے مستقبل ہوتا ہے مگر فلم بنانے والے کیلئے وہ ایک طرح سے ماضی کی طرح ہوتا ہے تو دوسری طرح سے ناظر ہونے کی وجہ سے وہ حصہ مستقبل بھی ہوتا ہے یعنی جیسے جیسے فلم چلتی جاتی ہے اس کا ہر حصہ اس کے علم رواں کے مطابق مستقبل سے ماضی میں بدلتا جاتا ہے اور جب تک اس فلم کا کوئی واقعہ چل نہیں جاتا اس کے علم میں یہ

ہوتا ہے کہ ابھی فلاں واقعہ نہیں آیا اور جب وہ واقعہ چل جاتا ہے تو اس کے علم میں آجاتا ہے کہ وہ واقعہ چل چکا ہے گزر چکا ہے یہ جو اس کے علم میں یہ چھوٹا سا تغیر ہے یہی علم وقوعی کہلاتا ہے اور یہی علم وقوعی ہمیشہ بڑھتا رہتا ہے یعنی جیسے جیسے فلم چلتی جاتی ہے یہ علم بڑھتا جاتا ہے کہ فلاں واقعہ بھی ہو چکا ہے فلاں بھی ہو چکا ہے۔

علم وقوعی کا حصول دو طرح سے ہوتا ہے اس لئے اس کی حصولی صورت کو دیکھتے ہوئے اسے دو نام دیئے جاتے ہیں

() علم اخباری و انبائی () علم معیتی و احاطی

اخباری علم وہ ہوتا ہے کہ جیسے کوئی نہ جاننے والا کسی سے خبر سنتا ہے کہ فلاں واقعہ ہو گیا ہے وہ اسے خود نہیں دیکھتا بلکہ کسی سے شنیدہ علم ہوتا ہے یعنی موسمیات والے بتاتے ہیں کہ ایک سمندری طوفان (Hurricane) فلاں ملک کے فلاں ساحلی شہر کی طرف اتنی سپیڈ سے بڑھ رہا ہے اور وہ پرسوں اس شہر کو ہٹ (Hit) کرے گا ہم اس کے انتظار میں ہوتے ہیں کہ اب اس شہر کا کیا ہو گا؟ پھر جب وہ ہٹ (Hit) کرتا ہے تو ہم ریڈیو یا ٹی وی پر سن لیتے ہیں کہ اس شہر کو اس نے ہٹ (Hit) کیا اور وہاں اس طرح کی تباہی ہوئی یہ علم جو ہے یہ اخباری ہے اور اگر کوئی واقعہ غیر مادّی ذرائع سے پہنچے تو اسے انبائی علم کہا جاتا ہے۔

علم معیتی و احاطی

اس علم کی دو قسمیں ہوتی ہیں کیونکہ معیّت کی دو قسمیں ہوتی ہیں

() معیّتِ جزئیہ خلقیہ () معیّتِ کلّیہ قیومیہ

معیّت جزئیہ یہ ہوتی ہے کہ انسان کسی واقعے کو دیکھتا ہے وہ اس کا مشاہدہ کرتا ہے مگر

وہ اس واقعے کا اس واقعہ کے کردار کا غیر بھی ہوتا ہے اور اس سے دور بھی ہوتا ہے جیسا کہ کوئی انسان کسی کو دریا میں ڈوبتا دیکھتا ہے یا کسی مجرم کو کوئی شخص جرم کرتے ہوئے دیکھتا ہے یعنی یہ دیکھنے والا وہاں موقعہ پر موجود تو ہوتا ہے مگر اس واقعے کو صرف آنکھوں سے دیکھ رہا ہوتا ہے اور کچھ نہیں ہوتا اس لئے اس کے اس مقام کو ''مقامِ شاہدیت'' کہا جاتا ہے۔

معیّتِ کلّیہ قیومیہ اس طرح کی نہیں ہوتی بلکہ وہ فرد کے اجزا کے اندر باہر کا احاطہ کئے ہوئے ہوتی ہے ایک ایک سیل ایک ایک ذرّے میں ایک ایک ایٹم میں وہ ایک طرح سے سرایت یافتہ ہوتی ہے۔

اس کے اس مقام کو مقامِ شاہدیت نہیں کہا جاتا بلکہ ''مقامِ شہیدیت'' کہا جاتا ہے یا یوں سمجھ لیں کہ معیّت جزئیہ قابلِ انقطاع ہوتی ہے اور معیّت قیومیہ ناقابلِ انقطاع ہوتی ہے یعنی معیّت جزئیہ کسی فرد سے جدا ہوسکتی ہے کیونکہ وہ اس کی معیّت خارجی ہوتی ہے داخلی نہیں ہوتی اس لئے مقام شاہدیت ملا ہوا ہوتا ہے وہ صرف گواہی تک محدود ہوتی ہے یعنی چشم دید گواہ تو ہوسکتی ہے مگر اس سے آگے وہ کچھ نہیں ہوتی جبکہ معیّت قیومیہ انسان سے یا کسی نوع کے کسی فرد سے ایک لمحے کے لاکھویں حصے کیلئے بھی منقطع نہیں ہوسکتی اس سے جدا نہیں ہوسکتی اور نہ اس کی جدائی کا تصور کیا جاسکتا ہے

اب یہ تو آپ سمجھ چکے ہیں کہ مقام شاہدیت و مقام شہیدیت کیا ہے اب یہاں یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ اللہ جل جلالہ کے انوار ازلیہ اوّلیہ علیہم الصلوات و السلام کو جو مقامات حاصل ہیں وہ کئی حوالوں سے ہیں اس لئے ان حوالوں کی وجہ سے انہیں کئی اسمائے مبارکہ ملے ہیں جو ان کے ان حوالوں یا حیثیتوں کے اظہار کیلئے بیان ہوئے

ہیں جیسا کہ اس نورِ اوّل کو کلامِ الٰہی میں شاہد بھی کہا گیا ہے جیسا کہ شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے فرمایا گیا

☆یَا أَیُّهَا النَّبِیُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِداً وَمُبَشِّراً وَنَذِیْرا

فرمایا اے میرے حبیب ازل صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم میں نے آپ کو شاہد و مبشر و نذیر بنا کر بھیجا ہے اسی طرح کئی مقامات پر انہیں شاہد کے لقب سے ملقب فرمایا گیا ہے

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ کو کس کس چیز پر شاہد بنایا گیا تھا یعنی کس کس چیز کے یہ عینی گواہ ہیں؟

دوستو! جب ہم تفاسیر آلِ محمد علیہم الصلوات و السلام میں دیکھتے ہیں تو وہاں منقول ہے کہ ایک شخص جب بارگاہِ امام علیہ الصلوات و السلام میں یہ آیت تلاوت کرتا ہے

☆مَا أَشْهَدتُّهُمْ خَلْقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَا خَلْقَ أَنفُسِهِمْ

کہ جب غیر مسلم کی بات ہوتی ہے تو اللہ جل جلالہ فرماتا ہے کیا میں نے انہیں ارض و سما کی تخلیق پر گواہ بنایا تھا کہ وہ ایسی باتیں کرتے ہیں؟

فقال ان الله تبٰرك و تعالی لم یزل فرداً متفرداً فی الوحدانیة ثم خلق محمداً و علیاً و سیدۃ علیهم الصلوات والسلام فمكثوا الف دهراً ثم خلق الاشیاء و اشهدهم

فرمایا اللہ جل جلالہ تبارک وتعالیٰ فرد تھا تنہا تھا اپنی وحدانیت میں اکیلا تھا پھر اس نے نورِ اوّل کے اوّلین اجزائے لا یتجزا کو لباسِ نمود و اظہار بخشا اس طرح ایک ہزار دہر بیت گئے اس کے بعد اللہ نے ہر اس چیز کو خلق فرمایا جس پر لفظ شے کا اطلاق ہوسکتا ہے

تخلیق کے بارے میں یہاں گفتگو نہیں ہوسکتی وقت کم ہے اور یہ تو آپ جانتے ہی ہیں

کہ عرش و کرسی ، لوح و قلم ، ارواح و ملائکہ ،جن و انس کی تخلیق ہوئی ان ساری تخلیقات میں شاہد کون تھے؟ اللہ کے انوارِ ازلیہ اوّلیہ علیہم الصلوات و السلام یعنی اللہ جل جلالہ نے انہیں ہر شے کی تخلیق پر خصوصی طور پر گواہ وشاہد بنایا جیسا کہ جب عالم ارواح کی تخلیق ہوتی ہے اس میں سب سے پہلے ایسی ارواح کی تخلیق ہوتی ہے کہ جنہوں نے بعد میں پیدا ہونے والے ارواح پر شاہد بننا تھا اور وہ ارواحِ انبیاء علیہم السلام تھیں یہ ایک لاکھ تئیس ہزار نو سو ننا وے ارواح مقدّسہ تھیں اور اللہ نے انہیں ایک امّت قرار دیا اور اس کو ''امّت وسطیٰ'' کا نام دیا جب ان کی تخلیق ہوگئی تو ان سے میثاق لیا یعنی اپنے انوارِ ازلیہ اوّلیہ علیہم الصلوات و السلام کے بارے میں ان سے اقرار کروایا ان کی نبوّت ورسالت وولایت و نیابت واولیت ونصرت کا اقرار کروایا اس کے بعد انہیں عہدہ ہائے اِلٰہیہ یعنی نبوّت ورسالت کے عہدے تفویض ہوئے اس کے بعد ان کی امتوں کی ارواح کی تخلیق ہوئی پھر ان سے میثاق لیا گیا اقرار کروایا گیا جب سارا کام مکمل ہوگیا تو اللہ جل جلالہ نے فرمایا

☆كَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطاً لِّتَكُونُواْ شُهَدَاء عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيداً

فرمایا جیسا کہ ہم نے تمہیں امّت وسطیٰ قرار دیا ہے تا کہ تم کو پوری انسانیت پر گواہ بنایا جائے اور ہمارا نور اوّل صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم تم پر گواہ وشاہد ہوگا

اس آیت کے اسرار پر بہت سے لوگوں نے بہت خوبصورت بحثیں کی ہیں جیسا کہ جناب شیخ عبدالعلی ہروی طہرانی غرق اللہ فی رحمتہ نے مواعظ حسنہ میں اور جناب ادیم نقوی صاحب نور اللہ مرقدہ نے اور اسی طرح کئی عرفا نے اس پر گفتگو کی ہے میں اس کا

یہاں اعادہ نہیں کروں گا بلکہ میں اس کے ایک اور پہلو کو پیش کروں گا، وہ یہ ہے کہ جس طرح ایک رسول آفاقی ہوتا ہے اور ایک رسول انفسی ہوتا ہے اسی طرح ایک شہید آفاقی ہوتا ہے اور ایک شہید انفسی ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو رسول آفاقی ہوتا ہے وہی شہید آفاقی ہوتا ہے اور جو رسول انفسی ہوتا ہے وہی شہید انفسی ہوتا ہے شہید انفسی کی فرد کی حیثیت سے معیّت معیّت کلّیہ کی طرح ہوتی ہے یعنی وہ ایک فرد کیلئے معیّت قیومیہ کا حامل ہوتا ہے دیکھئے انسان کا جو نفس ہے وہ انسان سے کسی لمحہ جدا نہیں ہوتا اور وہ انسان کے ہر فعل کا محرک بھی ہوتا ہے اور گواہ بھی ہوتا ہے اور اس نفس کے اندر ایک شہید موجود ہے جسے ہم عام حالات میں ضمیر کا نام دے سکتے ہیں اس کے بارے میں میں نے اسم مبارک الرسولؐ میں کافی کچھ بیان کیا تھا مگر یہاں یہ عرض کرنا ہے کہ جب انسان کی آخرت کا فیصلہ ہونا ہے تو اس میں بطور گواہ پیش ہونے والوں میں ایک تو شہید آفاقی ہوگا اور ایک شہید انفسی ہوگا یعنی انسان کے ہاتھ پاؤں اعضا و جوارح خود انسان کے گواہ کے طور پر بولیں گے دراصل ان کے اعضا و جوارح کے پیچھے شہیدِ نفسی یعنی انسان کے اندر کا شہید گواہی کیلئے کلام کرے گا جیسا کہ اس حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے

☆یَوۡمَ نَبۡعَثُ فِیۡ کُلِّ اُمَّةٍ شَہِیۡداً عَلَیۡہِم مِّنۡ اَنفُسِہِمۡ وَجِئۡنَا بِكَ شَہِیۡداً عَلٰی ھٰؤُلاء

یعنی جس دن ہر امّت پر ایک شہید مبعوث فرمایا جائے گا جو ان کے نفسوں میں سے ہوگا یعنی وہ شہیدِ نفسی ہوگا کیونکہ شرعی طور پر ایک گواہ ناکافی ہوتا ہے اس لئے دوسرا گواہ شہید آفاقی یعنی ہر امّت کا نبی و رسول ہوگا کیونکہ کئی جرائم ایسے ہوتے ہیں کہ

جن کی گواہی کا شرعی نساب چار گواہوں سے پورا ہوتا ہے اس لئے شہیدِ مطلق یعنی اللہ کے نور اوّل صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو گواہ وشہید بنایا گیا اوران سب پر اللہ جل جلالہ خود شہید ہوگا یعنی اگر ہم اس دنیا میں آنے والے افراد کو بحیثیت فرد کے دیکھیں تو ہر فرد پر چار گواہ ہیں ( ) انسان کا اپنا ضمیر یا رسول نفسی ( ) جس نبی کی امّت میں وہ شمار ہوتا ہے وہ نبی یا رسول یعنی شہید آفاقی ( ) ساری امّت انبیا علیہم السلام کا شہید وشاہد یعنی اللہ جل جلالہ کا نوراوّلیہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم جو واحد الاصل ہے ( ) اللہ جل جلالہ

کیونکہ جب قومیں اپنے نبی سے گواہی سنیں گی تو وہ ان سے خوب بحث کریں گی کہ یہ تو ویسے بھی ہمارے خلاف تھے ہم نے ان کا کلمہ نہیں پڑھا اس لئے یہ ہماری مخالفت کررہے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے

☆وَنَزَعنَا مِن کُلِّ أُمَّةٍ شَهِيداً فَقُلنَا هَاتُوا بُرهَانَکُم

یعنی ہم شہید کے ذریعے ہر امّت سے نزاع بحث کریں گے اور فرمائیں گے کہ اگر تم سچے ہو تو کوئی دلیل لاؤ۔

یہ ایک علیحدہ موضوع ہے اس پر ایک طویل سلسلے کی ضرورت ہے اس لئے ہم اسے ترک کے اپنے مقصد کی طرف آتے ہیں وہ یہ ہے کہ اللہ کے انوارِ ازلیہ اوّلیہ علیہم الصلوات و السلام کو اللہ نے تخلیق اشیاء ونفوس کے وقت گواہ بنایا۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم یہ تو کہتے ہیں کہ اللہ جل جلالہ نے انہیں روزِ اوّل تخلیق اشیاء پر گواہ بنایا تو کیا یہ ساری چیزیں جو آج ہم دیکھ رہے ہیں یہ اسی روزِ اوّل کی بنائی ہوئی ہیں؟ جبکہ مشاہدہ یہ بتاتا ہے کہ کئی چیزیں خود ہمارے سامنے بنائی جاتی ہیں اور کئی چیزیں ہم خود بناتے ہیں اور ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ یہ سلسلۂ تخلیق تو

ہمیشہ سے جاری ہے اگر ہم اس بات پر انہیں شہید علی الخلائق مانیں بھی تو زیادہ سے زیادہ ان کی ارواح تک مان سکیں گی باقی تو ثابت نہیں ہوگا کیونکہ سلسلۂ تخلیق تو آج بھی جاری ہے

دوستو! اس سوال کے جواب میں ہم عرض کریں گے کہ اس سے کوئی نادان بھی انکار نہیں کرسکتا کہ سلسلۂ تخلیق جاری ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ تخلیق کی دو قسمیں ہیں ( ) تخلیق حقیقی ( ) تخلیق مجازی

ہمارے سامنے جو سلسلۂ تخلیق جاری ہے یہ تخلیق حقیقی نہیں ہے بلکہ یہ تخلیقِ مجازی ہے اب میں اس بات کو واضح کرتا ہوں

ایک شاعر صاحب میرے پاس تشریف لائے اور انہوں نے ایک اپنا مجموعۂ کلام مجھے دیا اس وقت میرے ساتھ ایک اور شاعر صاحب بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے فرمایا جناب یہ بھی تو ارشاد فرمائیں کہ یہ مجموعۂ کلام کس کی تخلیق کا شہکار ہے؟ انہوں نے جواب میں فرمایا جی یہ اس ناچیز کی تخلیق ہے

اب آپ دیکھیں شاعری بھی ایک تخلیق ہوتی ہے، نثر بھی ایک تخلیق ہوتی ہے، عبارت بھی ایک تخلیق ہوتی ہے، خطاطی بھی ایک تخلیق ہوتی ہے مگر یہ تخلیق حقیقی نہیں ہوتی بلکہ مجازی ہوتی ہے کیونکہ ان لوگوں کے پاس الفاظ موجود ہوتے ہیں یہ ان میں سے کچھ تخلیق کر رہے ہوتے ہیں یہ الفاظ تخلیق نہیں کر رہے ہوتے اور نہ ہی حروف تخلیق کر رہے ہوتے ہیں بلکہ یہ الفاظ وحروف کی بنیاد پر شعر تخلیق کر رہے ہوتے ہیں بعینہٖ اس دنیا میں جو کچھ تخلیق ہو رہا ہے اس کا بیس (Base) آج نہیں بنایا جا رہا بلکہ اس کا مادّہ پہلے بنایا گیا تھا یہ لوگ تو مادّے میں سے تخلیق کر رہے ہیں

جیسے ایک برتن ساز مٹی خلق نہیں کرتا بلکہ مٹی میں سے برتن تخلیق کرتا ہے اسی طرح اس عالم خلق وامر کی تخلیق حقیقی ازل میں ہوئی اور وہی تخلیق حقیقی تھی باقی جو آج ہو رہا ہے وہ تو اس تخلیق میں سے کچھ تخلیق ہو رہا ہے اب اس بات کو میں ایک اور جدید طرز کی مثال سے عرض کرتا ہوں

جو لوگ کمپیوٹر استعمال کرتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ کمپیوٹر پر جو بھی کام ہوتا ہے وہ اس کے پروگرامر پروگرامنگ کر کے پروگرامز کی شکل میں پیش کرتے ہیں اور باقی لوگ اس میں اپنا اپنا کام کرتے ہیں جیسے یہ ایڈیٹر ہے جو ہم استعمال کرتے ہیں اس میں ہم لکھتے ہیں آرٹ کرتے ہیں تصویریں بناتے ہیں بہت سے کام کر سکتے ہیں بڑی بڑی کتابیں لکھ سکتے ہیں مگر یہ ایڈیٹر بھی ایک لکھنے کی صلاحیت دینے والا ایک پروگرام ہے اسے کسی پروگرامر نے پروگرامنگ کر کے بنایا، اس میں کئی فائلیں بنائیں ،اس میں کئی فونٹ فائلز بنیں ،کئی ٹیکسٹ فائلز بنیں ،کئی DLL -DBF فائلز بنائی گئیں پھر انہیں آپس میں مربوط کیا گیا جب یہ ایڈیٹر بن گیا تو اس کی اصلی فائلز کو اصلی حالت میں رکھا گیا اور جو پروگرام مارکیٹ میں لانا تھا اس کی ساری فائلز کو (Compress) کمپریس کر دیا گیا تا کہ کوئی دوسرا شخص اس کی پروگرامنگ کو نہ سمجھ سکے بعینہٖ اسی طرح اس کائنات کے کمپیوٹر کا ہارڈ وئیر اور سافٹ وئیر جب بنایا گیا تو یہ کام اللہ جل جلالہ نے اپنے نور اوّل صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے لیا انہوں نے اسے بنایا پھر اس کائنات کی پروگرامنگ کا اصلی پروگرام اپنے پاس رکھا اور اس کی کمپریسڈ (Compressed) کاپی جاری کر دی اور اس پروگرام کے سارے کمانڈز بھی کسی کو نہ بتائے اور انسان کو عقل آزمانے کیلئے کھلا میدان دیا گیا اور آج سائنس جو کچھ کر

رہی ہے وہ پروگرامنگ کا تخلیقی کام نہیں کر رہی بلکہ یہ تخلیق میں سے تخلیق کر رہی ہے جیسے الفاظ سے عبارت بنائی جاتی ہے اصل الفاظ موجود ہیں صرف اس سے مضمون، شعر، نظم، غزل، گفتگو بن رہی ہے اسی طرح ازل میں تخلیق کا بیس بنایا گیا اور پھر اس کی اصل فائل ان کو تفویض کر دی گئی جس میں ترمیم کی جا سکتی ہے مگر مخلوق کے پاس کمپریسڈ (Compressed) پروگرام ہے جسے یہ کھول نہیں سکتے یعنی کوئی نیا آیٹم نہیں بنا سکتے یہ پروٹان (Proton) میں کوئی نیا ڈیٹا نہیں ڈال سکتے یہ نیٹرون (Neutron) کو کوئی تیسرا چارج نہیں دے سکتے جسے آج ہم سلسلۂ تخلیق سمجھ رہے ہیں یہ حقیقتاً تخلیق نہیں ہے بلکہ تخلیق کا عمل ازل میں ہوا تھا جس کا امر ان کے سپرد ہوا تھا یہی اس کے پروگرامر بھی تھے اور اس پر شاہد بھی تھے کہ کس نے ان سے یہ پرگرام بنوایا تھا اس کے بعد جب خالق کائنات نے مخلوق کو اس میں لانا شروع کیا تو اس کے ایک ایک لمحے پر انہیں نگران بنایا اور خود مخلوق کے اندر اس نے اپنا ایک ایک گواہ بنایا یعنی ہر امّت میں ہادی یا نبی یا رسول مبعوث فرمایا کہ جو اس امت کیلئے شہید قرار پایا اور اس پر نگرانی بھی اپنے نور اوّل صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو دی جیسا کہ ارشاد ہے

☆فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَـؤُلاء شَهِيداً

کہ ہر امّت میں سے ایک شہید [گواہ] کو لایا جائے گا اور آپ کو ان شہیدوں پر گواہ قرار دیا جائے گا دیکھئے عام مخلوق کیلئے کلّیہ شہادت یہ ہے کہ

الحُضور مع المشاهدة اما بالبصر او بالبصيرة یعنی شہود و شہادت یہ ہے کہ اس میں شاہد وہاں حاضر بھی ہو اور مشاہدہ بھی کر رہا ہو چاہے وہ مشاہدہ بصارتِ چشم سے ہو یا وہ مشاہدہ بصیرتِ قلب سے ہو۔

مگر اللہ کے انوارِ ازلیہ علیہم الصلوات و السلام کا جو مشاہدہ ہے وہ اس سے بھی زیادہ قریب کا ہے کیونکہ اللہ کے فیوض و برکات کیلئے وسیلہ یہی ہیں اور وسیلہ اللہ جل جلالہ اور مخلوق کے مابین ہوتا ہے اور اللہ جل جلالہ فرماتا ہے نحن اقرب الیه من حبل الورید یعنی ہم شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں تو اس میں ''نحن'' کا صیغہ بتا رہا ہے کہ اس قربت و معیّت میں اس کے ساتھ اس کا نورِ اوّل صلی الله علیه و آلهٖ وسلم بھی شامل ہے جب شہنشاہ انبیا صلی الله علیه و آلهٖ وسلم انسانیت کی ہدایت کیلئے اس دنیا میں تشریف لائے تو یہاں ایک عجیب صورتِ حال پیدا ہوئی کہ جب یہ ظاہر ہوئے تو ان پر کسی نہ کسی کا شاہد و شہید ہونا بھی لازم تھا اس کیلئے اللہ جل جلالہ نے انہی کے نورِ ازلیہ کی حقیقت باطنیہ کو ان کی حقیقت ظاہریہ پر شہید و گواہ بنایا جیسا کہ ارشاد ہے

☆ قُلْ كَفَى بِاللّٰهِ شَهِيْداً بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتَابِ...... (رعد43)

آپ فرما دیں ہمارے اور تمہارے درمیان شہادت کیلئے ایک تو اللہ جل جلالہ کافی ہے اور اس کے ساتھ وہ بھی کافی ہے جس کے پاس علم کتاب ہے

یہاں لفظ ''کتاب'' کو ہم نہیں چھیڑیں گے کیونکہ یہ ایک علیحدہ موضوع ہے۔

تو ہم عرض کر رہے تھے کہ اس نورِ اوّلیہ صلی الله علیه و آلهٖ وسلم کی باطنی حقیقت کو ان کی ظاہری حقیقت پر گواہ بنایا گیا اور باطنی حقیقت کا ترجمان شہنشاہ امیر المومنین علیه الصلوات و السلام کو بنایا اور انہیں شاہد کا مقام دیا گیا اور شہنشاہِ انبیا صلی الله علیه و آلهٖ وسلم کو مشہود کا مقام ملا ان کی اس حقیقت کی طرف اللہ جل جلالہ نے اشارہ فرماتے ہوئے فرمایا

☆ وَشَاهِدٍ وَمَشْهُوْدٍ () قُتِلَ أَصْحَابُ الْأُخْدُوْدِ...... (البروج4)

مجھے قسم ہے شاہد اور مشہود کی یعنی مجھے قسم ہے امیر المومنین علیه الصلوات و السلام

اور شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی کہ اصحاب اخدود ہلاک ہو گئے

ہاں یہ سلسلۂ شہادت و شہیدیت اس دنیا تک ہی محدود نہیں بلکہ جہاں جہاں بھی اللہ جل جلالہ کا نورِ اوّل ظاہر ہوگا وہاں ان کیلئے جناب امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام ساتھ ہوں گے کیونکہ جب روز حساب ہوگا تو مخلوق کو بلایا جائے گا امتیں جوق در جوق محشر کی طرف لائی جائیں گی تو اس وقت ان کی کیفیت کیا ہوگی اس کے بارے میں ارشاد ہے

☆وَجَاء تْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَائِقٌ وَشَهِيْدٌ...... (ق 21)

یعنی ہر فرد جب میدانِ عدل میں لایا جائے گا تو اس کے ساتھ ایک سائق اور ایک شہید ضرور ہوگا۔ سائق کہتے ہیں جو ریوڑ کو پیچھے سے ہانکتا ہے وہاں شہنشاہ امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام سائق ہوں گے۔

دوستو! اب یہ تو آپ نے معلوم کر ہی لیا کہ ''مقامِ شہیدیت'' کیا ہے؟ اور شہیدِ حقیقی کون ہے اب یہاں ہم اپنے عنوان کی طرف واپس آتے ہیں یعنی ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کا اسم مبارک بھی ہے ''شہید علی الخلائق'' عجل اللہ فرجہ الشریف یعنی جملہ خلائق پر شہید۔

دوستو! اب یہ بات ہم آپ پر چھوڑتے ہیں کہ آپ کس کس چیز کو اللہ کی تخلیق کہہ سکتے ہیں ہاں جس جس چیز کو آپ دائرہ خلائق میں شامل کرتے جائیں گے ان پر ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف حاضر و ناظر تسلیم ہوتے جائیں گے یہ بھی یاد رہے کہ خلائق کے بارے میں شرط نہیں ہے کہ کس زمانے کے خلائق یعنی ازل سے ابد تک کے خلائق اس میں شامل ہیں یعنی یہ عالمِ ازل کے روزِ اوّل میں بھی اپنے نور

اوّلیۂ ذاتیہ اِلٰہیہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی حیثیت سے ہر چیز پر حاضر و ناظر تھے اور آج بھی ہیں اور جب تک خلائق رہیں گے یہ اس پر حاضر و ناظر رہیں گے

دوستو! آج ہم دیکھ رہے کہ سائنس ترقی کر رہی ہے تو اس دور میں ترقی یافتہ ممالک میں تو کوئی انسان حکومت سے غائب نہیں ہوتا کیونکہ ہر انسان کی نگرانی وہ سائنسی آلات سے کر رہے ہیں جیسا کہ روس کو ایک آہنی قید خانہ کہا جاتا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ حکومت کو اپنے نظام کو باقی رکھنے کیلئے اپنے تمام شہریوں کی نگرانی کرنا پڑتی ہے اور کوئی بھی گھر کیمروں کی آنکھ سے اوجھل نہیں ہے اسی طرح سارے ممالک میں اہم مقامات پر جاسوسی کیلئے ایسا نظام بنایا جاتا ہے کہ ان سے کوئی چیز مخفی نہ رہ سکے جب ہمارے جیسے عام لوگوں کی حکومت بھی اس طرح نگرانی میں فعال ہے تو پھر حکومت اِلٰہیہ کے کسی نمائندے سے اس کی سلطنت کا کوئی فرد کیسے غائب رہ سکتا ہے

ایک مرتبہ پاکستان میں متعیّن روسی سفیر نے کہا تھا کہ حکومت پاکستان کو کسی غلط فہمی میں نہیں رہنا چاہیے ہم ان کی ہر خفیہ میٹنگ لائیو دیکھتے ہیں صرف ہم ہی نہیں دیکھتے بلکہ ان کی ہر میٹنگ ماسکو میں ڈائریکٹ دیکھی جاتی ہے

اب اسی سے اندازہ کریں کہ حکومت اِلٰہیہ کا نظام کتنا فعال ہوگا؟

آیئے ہم دعا کریں کہ انکشافِ حقائق کا زمانہ جلدی آئے اور نورِ علم وادراک سے ظلمت زدہ نظریات فنا ہو جائیں اور شانِ امام زمانہ عجل الله فرجه الشریف کا ایسا اظہار ہو کہ کسی بھی دل کے کسی گوشے میں ظلمت نام کی کوئی چیز باقی نہ رہے۔

آمین یارب العالمین

یا ھو یا من ھو لا ھو الا ھو الحی القیوم یا ھو یا من لا یعلم ماھو الا ھو الحی القیوم العلی العظیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجك و صلوات اللہ علیك

شاہدؑ العباد

عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه

الحمد لله رب العالمين و صل علىٰ محمدؐ و آلهٖ اجمعين خصوصاً على حجة الله فى العالمين عجل الله فرجه الشريف و آبائه المعصومين و امهاته الطاهرين الطيبين صلوات الله عليهم اجمعين و لعنة الله علىٰ اعدائهم اجمعين من يوم الازل الى يوم الدين

اے طالبانِ ثمرِ عرفان!

یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ ہم عرصے سے ایک سلسلۂ بیان جاری رکھے ہوئے ہیں اس لئے اب اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے بلکہ یہ عرض کردوں کہ میں نے اپنے سابقہ بیان میں آپ کے سامنے مقام شاہدیت اور مقام شہیدیت کا ذکر کیا تھا اب ہمارے سامنے جو اسم مبارک ہے وہ ہے

شاہدؑ العباد عجل الله فرجه الشريف

اس میں بھی دو الفاظ ہیں یعنی شاہد اور عباد
اس سے قبل میں نے عرض کیا تھا کہ معیّت کی دو قسمیں ہوتی ہیں

()معیّتِ جز ئیہ خلقیہ ()معیّتِ کلّیہ ٔ قیومیہ

معیّت جز ئیہ یہ ہوتی ہے کہ انسان کسی واقعے کو دیکھتا ہے وہ اس کا مشاہدہ کرتا ہے مگر وہ اس واقعے کا، اس واقعہ کے کردار کا غیر بھی ہوتا ہے اور اس سے دور بھی ہوتا ہے جیسا کہ کوئی انسان کسی کو دریا میں ڈوبتا دیکھتا ہے یا کسی مجرم کو کوئی شخص جرم کرتے ہوئے دیکھتا ہے یعنی یہ دیکھنے والا وہاں موقعہ پر موجود تو ہوتا ہے مگر اس واقعے کو صرف آنکھوں سے دیکھ رہا ہوتا ہے اور کچھ نہیں ہوتا اس لئے اس کے اس مقام کو''مقامِ شاہدیت'' کہا جاتا ہے

اور مقامِ شاہدیت ایک طرح سے مقام مشاہدہ ہے اس لئے اس کی حیثیت گواہ کی ہوتی ہے یعنی عینی شاہد (Eyewitness) کا درجہ جو ہے وہ ہے مقامِ شاہدیت- اگر ہم آسان لفظوں میں اس کو کہیں تو یہ ہے کہ جو کسی بھی چیز کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے والا ہو وہ شاہد ہوتا ہے-

اب ہم اس کے دوسرے لفظ کے بارے میں عرض کریں گے وہ لفظ ہے

''عباد''

جس کے عمومی معانی ہیں سارے لوگ اور خصوصی معانی ہیں وہ افراد جو اللہ کے عبد ہوں

اب یہاں آپ کے ذہن میں یہ سوال کروٹیں لے رہا ہو گا کہ جب مقام شہید کا بیان ہو چکا ہے اور اس میں کلّی طور پر ان کا حاضر و ناظر ہونا ثابت کیا جا چکا ہے اور اس نام پاک کا سارا مفہوم سابقہ اسم میں آ چکا ہے تو اب اس نام پاک کو تشریح کیلئے کیوں منتخب کیا گیا ہے؟

دوستو! بات یہ ہے کہ ایک ہوتی ہے تعمیم اور ایک ہوتی ہے تخصیص، تعمیم میں عمومیت اور وسعت ہوتی ہے اور تخصیص میں عمومیت جیسی وسعت نہیں ہوتی بلکہ احکام وفکر کا دائرہ چھوٹا ہو جاتا ہے مگر اس میں شدت پیدا ہو جاتی ہے جیسا کہ ہم کلام اِلٰہی میں دیکھتے ہیں کہ حکم ہے تم زکواۃ دو یہ حکم عمومی ہے اس کی نافرمانی گناہ ہے لیکن آج ہم میں سے کسی شخص کو شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی زیارت ہوتی ہے اور وہ حکم فرماتے ہیں کہ چاہے کوئی اور دے نہ دے تم زکواۃ ضرور دیا کرو اب حکم میں عمومیت نہیں بلکہ ایک مخصوص شخص کو خصوصی طور پر حکم دیا گیا ہے تو اس کی نافرمانی سابقہ حکم سے لاکھوں گنا زیادہ بڑا جرم وگناہ ہے

اگرچہ پہلے والے حکم کی نافرمانی بھی گناہ تھی مگر اس خصوصی حکم سے اس کے ترک کا جرم بڑھ جاتا ہے اسی طرح شہید میں تعمیم ہے اور شاہدیت میں تخصیص ہے

یہ قوت داخلیہ کی حیثیت سے بھی حاضر و ناظر ہیں اور شاہد خارجیہ کی حیثیت سے بھی شاہد ہیں یعنی ان کی معیّت ہر سیل (Cell) کے ساتھ بھی ہے ہر آیٹم (Atom) کے ساتھ بھی ہے جملہ اعضا و جوارح کے ساتھ اور طرح کی معیّت ہے اور بہ حیثیت انسان کے ان کی معیّت اور طرح کی ہے اور یہی معیّت قیومیہ ہے اس کی داخلی اور خارجی دو حالتیں ہیں

(1) شہیدیت معیّتِ داخلی ہے (2) شاہدیت معیّتِ خارجیہ ہے

قرآن کی تلاوت سے پتہ چلتا ہے کہ عباد کی کئی اقسام ہیں

() عباد عمومی ...... یعنی اس میں سارے انسان عباد میں داخل ہیں

() عباد المخلصین

یہ وہ عباد ہیں کہ جو ابلیس کی عملداری سے نکل جاتے ہیں

جیسا کہ ابلیس کا اپنا قول ہے ☆ وَلأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ () إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْن

() شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف کے اصحاب کو بھی عباد کہا گیا ہے

☆فَإِذَا جَاء وَعْدُ أُولاهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَاداً لَّنَا أُوْلِي بَأْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُواْ خِلاَلَ الدِّيَارِ وَكَانَ وَعْداً مَّفْعُولاً ......(بنی اسرائیل 5)

() عباد الصالحین

اس میں انبیا و رسل علیهم السلام آ جاتے ہیں اور اس میں صرف وہ افراد آتے ہیں کہ جو عصمت کے مقام پر فائز ہوں جیسا کہ شہنشاہ وفا علیه الصلوات و السلام کی ہم جب زیارت پڑھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ

السلام عليك ايها العبد الصالح عليه الصلوات و السلام

یعنی یہ ان کی عصمت کی گواہی ہے

() عباد مدعوین

اس میں ہر وہ چیز عباد کے زمرے میں آ جاتی ہے کہ جس کی پوجا کی جائے یا جس غیر اللہ کو بھی مدد کیلئے بلایا جاتا ہے یعنی جن کے بلانے کو اللہ نے حرام قرار دیا ہو جیسا کہ ارشاد ہے

☆إِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ

() عباد المکرّمین

اس میں صرف ملکوت آتے ہیں یا وہ جو اپنے اندر تزکیات نفس کے بعد ملکوتیت [

صفات ملکوتی] پیدا کر لیتے ہیں جیسا کہ فرمایا گیا ہے

☆وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَنِ إِنَاثاً

اسی طرح کئی اقسام ہیں یعنی ( )عباد المطیعین ( ) عباد المتقین وغیرہ وغیرہ

دوستو! اب ہم بات کا آغاز ''عبادِ عمومی'' سے کرتے ہیں جیسا کہ آپ کو بتایا جا چکا ہے کہ ہر انسان ایک طرح سے دائرہ عباد میں شامل ہے اب یہ بھی ہم سب جانتے ہیں کہ اللہ جل جلالہ نے انسان کو جبر وتفویض کے درمیان پیدا کیا ہے یعنی نہ یہ کلّی طور پر مجبور ہے کہ اس کا ہر کام اس سے جبراً کروایا جاتا ہے اور نہ کلّی طور پر آزاد ہے کہ جو جی میں آئے کرلے جیسا کہ کسی نے شہنشاہ امیر المومنین علیہم الصلوات و السلام کی بارگاہ میں عرض کیا کہ آقا انسان کتنی حد تک آزاد ہے اور کتنی حد تک مجبور ہے یہ سن کر آپ نے فرمایا تم ایک ٹانگ اوپر اٹھا لو اور ایک ٹانگ پر کھڑے ہو جاؤ اس نے حکم کی تعمیل کی اس کے بعد فرمایا اب دوسری ٹانگ بھی اٹھا لو اس نے عرض کیا یہ تو ممکن ہی نہیں ہے فرمایا اسی سے سمجھ لو کہ انسان کتنا با اختیار ہے اور کتنا مجبور ہے

دوستو! یہاں میں جبر وتفویض پر گفتگو نہیں کروں گا میں تو صرف اتنا عرض کر رہا تھا کہ انسان اپنے اعمال میں ارتکابِ معصیت و گناہ میں بھی ایک حد تک آزاد ہے اسی طرح جنّات بھی ایک حد تک آزاد ہیں اور جن انواعِ عالم کو اطاعت وعصیان میں آزادی بخشی گئی ہے انہیں ''اشیائے مکلّفہ'' کہا جاتا ہے اور جو اشیائے مکلّفہ ہوتے ہیں وہ اپنے اعمال کے حوالے سے تین حصوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں

( ) مطیع ( ) عاصی ( ) مخلوط

ایک وہ ہوتے ہیں کہ جو ہمیشہ اطاعت کرتے ہیں دوسرے وہ ہوتے ہیں کہ جو ہمیشہ

معصیت کرتے ہیں اور تیسرے وہ ہوتے ہیں کہ جن کے اعمال میں اطاعت و عصیان دونوں خلط ملط یا شامل ہو جاتے ہیں۔

اب یہ تو آپ نے جان لیا کہ انسان با اختیار بھی ہے اس لئے اسے اختیار دینے کے بعد ضروری تھا کوئی نہ کوئی اس کی نگرانی ضرور کرے اس لئے اللہ نے جملہ اشیائے مکلّفہ پر کوئی نہ کوئی شاہد و رقیب مقرر فرمایا ہے کیونکہ ان کے دونوں طرف مبتلا ہونے کے برابر کے چانس تھے اس لئے ان پر شاہد و رقیب و شہید مقرر فرمائے گئے تا کہ یومِ حساب میں تقاضا ہائے عدل کو پورا فرمایا جائے یعنی جس طرح عدالت میں گواہی پر فیصلہ ہوتا ہے اسی طرح وہاں بھی مجرم لائے جائیں ان سے سوال و جواب کئے جائیں اور ان پر شاہد لائے جائیں اس میں چار طرح کے گواہ و شاہد لائے جائیں گے

() الشاھد من الھداۃ () الشاھد من الملکوت () الشاھد من انفسھم () الشاھد من الجوارح

ان میں شاہد من الھداۃ وہ عینی شاہد ہوں گے جو یہ گواہی دیں گے کہ ہمیں خالق نے اس قوم یا اس فرد کیلئے مبعوث فرمایا تھا اور ہم نے ان تک پیغامِ الٰہی پہنچا دیا تھا اور انہوں نے ہماری ایک نہیں مانی تھی

اس کے بعد ملکوت گواہی دیں گے کہ ہم نے ان کے اعمال کا بذات خود مشاہدہ کیا ہے اور ہم ان کے نامہ ہائے اعمال لکھ کر لائے ہیں

اس کے بعد ہر مجرم کا رسول انفسی یعنی ضمیر گواہی دے گا کہ انہوں نے نہ رسول آفاقی کی مانی تھی اور نہ ہی رسول انفسی کی مانی تھی۔

اس کے بعد ظالمین کے منہ بند کر دئے جائیں گے اور ہر مجرم کے اعضا و جوارح اس

کے اعمال کی گواہی دیں گے کیونکہ شرعی طور پر کوئی جرم ایسا نہیں ہے کہ جس میں ایک فرد کیلئے چار سے زیادہ گواہ مقرر ہوں اس لئے اللہ جل جلالہ بھی چار طرح کے گواہ اپنی عدالت میں لائے گا

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ شریعت کا قانون تو یہ ہے کہ جو بھی گواہی کیلئے آئے اسے عادل ہونا چاہیے اب یہ چاروں گواہ تو عدالت میں گواہی دینے پہنچ جائیں گے مگر وہاں ان کے عادل ہونے کیلئے بھی کسی نہ کسی کی گواہی ضروری ہے کیونکہ اللہ جل جلالہ گواہی کیلئے عدالت کا گواہ نہیں بن سکتا کیونکہ کوئی بھی چیف جسٹس کسی گواہ کو اپنے طور پر سچا نہیں کہہ سکتا یہ عدل کے خلاف ہے بلکہ اس کی صداقت کیلئے بھی ثبوت کی ضرورت ہوتی ہے اس چیز کیلئے اللہ جل جلالہ نے فرمایا

☆وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطاً لِّتَكُونُواْ شُهَدَاء عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيداً......(بقرہ143)

فرمایا جیسا کہ ہم نے تمہیں امّت وسطیٰ قرار دیا ہے تا کہ تمہیں پوری انسانیت پر گواہ بنایا جائے اور ہمارا نور اوّل صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم تم پر گواہ وشاہد ہوگا

اس آیت میں کس سے خطاب ہے اس پر بہت سے آرا ہیں۔ کئی کہتے ہیں کہ اس میں جس امّت وسطیٰ کا ذکر ہے وہ ساری امّت مرحومہ ہے یہ بات کہنے والے یہ نہیں سوچتے کہ اس امّت میں تو کثیر تعداد ایسے لوگوں کی ہے کہ جو غیر عادل ہیں اور گواہ کیلئے عادل ہونا شرط ہے اور ان کی صورت حال یہ ہے کہ جنہیں ایک پاؤ تر کاری پر گواہ نہیں بنایا جا سکتا انہیں ساری امتوں پر کیسے گواہ قرار دیا جا سکتا ہے؟ شہنشاہ معظم جناب صادقِ آلِ محمدؐ علیہ الصلوات و السلام کے حوالہ سے صاحب تفسیر عیاشی نے لکھا ہے

فرمایا

قـال ظـنـنـت ان الله عنی جمیع اهل القبلة من الموحّدین افتری من لا یـجـوز شهـادـة فـی الـدنـیـا عـلـیٰ صاع من تمر یطلب الله شهادته یوم القیامة و یقبلها من بحضرة جمیع الامم الماضیة کلا ...... الخ

فرمایا یہ گمان کیا جاتا ہے کہ سارے اہل قبلہ موحّدین میں سے ہیں یہ جھوٹ ہے فرمایا جس کی گواہی ایک صاع کھجور کیلئے قبول کرنا جائز نہیں ہے کیا اللہ انہیں قیامت کے دن سابقہ امتوں کے سامنے گواہی کیلئے بلائے گا اور اس کی گواہی قبول بھی فرمائے گا؟

یہاں ایک بات عرض کرتا چلوں کہ علمائے ظاہر کی شرع میں تو ہر اس آدمی کا کلمہ درست ہے جو زبان سے کہتا ہے

اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمد رسول الله صلی الله علیه و آلہٖ وسلم

مگر شرعِ عرفان میں یہ شہادت کافی نہیں بلکہ اس شہادت کیلئے بھی عدالت شرط ہے جو عادل نہیں اس کی یہ شہادت نفاق پر مبنی ہے جیسا کہ منافقین کے بارے میں ہے کہ وہ آ کر گواہی دیتے ہیں آپؐ اللہ کے رسول ہیں یہ تو اللہ بھی جانتا ہے کہ آپؐ اللہ کے رسولؐ ہیں مگر یہ لوگ جھوٹے ہیں یعنی کسی بھی شرعی عدالت میں جن لوگوں کی گواہی ایک پیاز کیلئے بھی قابل قبول نہیں ہے ان کی توحید ونبوّت پر گواہی کیسے قابل قبول ہوسکتی ہے؟

اب اسی بات سے اندازہ کریں کہ جن کا کلمہ شہادت بھی قابل قبول نہیں ہے انہیں ساری انسانیت پر گواہ بنا دینا کیا یہ مبنی بر عدل قرار دیا جا سکتا ہے؟

یہاں یہ بھی عرض کر دوں کہ جو خود کو شیعہ اور مومن بھی کہلواتے ہیں اگر ان میں بھی فسق ظاہر ہو تو ان کی گواہی بھی قابل قبول نہیں ہوتی ہے یعنی جب وہ فسق میں دشمنان حق کی اِتبّاع کے مجرم ہوتے ہیں گویا وہ معصیت میں کفّار و مشرکین و منافقین کی اِتبّاع کر رہے ہوتے ہیں اس لئے وہ معیار عدالت سے گر جاتے ہیں اب یہ بھی سوچیں کہ جن کی دنیا میں گواہی لینا جائز نہیں انہیں قیامت میں گواہ بنانا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟

اس میں کئی لوگوں نے کہا ہے کہ امّت وسطیٰ چہاردہ معصومین علیہم الصلوات و السلام ہیں کسی نے کہا ہے امّت وسطیٰ پورا خاندان بنی ہاشم علیہم الصلوات و السلام ہے میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ دونوں آراحق ہیں

کافی میں شہنشاہ معظم جناب باقر العلم اللہ علیہ الصلوات و السلام کا ایک طویل فرمان ہے جس میں آپ نے شہدا علی الناس کی تفسیر میں فرمایا

لیشھد محمدؐ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم علینا و نشھد علیؑ علیہ الصلوات و السلام شیعتنا و لتشھد شیعتنا علی الناس

فرمایا شہنشاہ انبیا و رسل صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم تو ہم پر گواہ و شاہد و شہید ہیں اور ہم اپنے شیعوں پر گواہ و شاہد ہیں اور ہمارے شیعہ و مومنین ساری مخلوق پر شاہد ہیں

حدیث صحیح میں ہے ......اتقوا بفراست المومن فھو ینظر بنور ربہ

آج کہنے والے کہتے ہیں کہ معصومین علیہم الصلوات و السلام بھی اعمال خلق کا مشاہدہ نہیں فرما سکتے مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ شیعہ شیعہ اور مومن ہی نہیں ہے کہ جو مشاہدۂ اعمال نہیں کر سکتا۔

اب یہاں سوال ہوسکتا ہے کہ ہم شیعہ تو مخلوق کے اعمال کا مشاہدہ نہیں کر سکتے پھر ہم کیسے مانیں کہ یہ بات درست ہے اس کے جواب کیلیئے ہم ماضی کا ایک دریچہ کھول کر دیکھتے ہیں شہنشاہ معظم ضامن الغربا علیہ الصلوات و السلام خراسان میں ہیں اور ان سے کوفے کا ایک وفد ملنے آیا ہوا ہے اور وہ اذن باریابی طلب کرتا ہے شہنشاہِ معظم فرماتے ہیں ان سے دریافت کرو یہ کون لوگ ہیں؟

حالانکہ آپ جانتے تھے مگر ایک مسئلہ حل فرمانے کیلیئے ان سے دریافت کروایا کہ آپ کون لوگ ہیں انہوں نے عرض کیا ہم آپ کے جدِّ اطہر علیہ الصلوات و السلام کے شیعہ ہیں یہ سن کر آپ کے رخ انوار کا رنگ متغیر ہوگیا اور جبینِ مبین پر جلال کے آثار ظاہر ہوگئے اور انہیں شرف زیارت بخشنے سے انکار فرمادیا۔ وہ اسی طرح مسلسل چالیس دن تک در دولت پر حاضر ہوتے رہے اور انہیں شرفِ زیارت سے محروم رکھا گیا۔ آخر انہوں نے کسی کی سفارش چاہی اور اس ناراضگی کی وجہ دریافت کی اور اپنی غلطیوں کی معافی چاہی تو اس پر آپ نے فرمایا اب انہیں اندر بلا لو۔ جب وہ حاضر ہوئے تو رونے لگے اور عرض کیا آقا آپ ہماری غلطی سے آگاہ تو فرمائیں کہ کس وجہ سے آپ نے ہمیں زیارت سے اتنا عرصہ محروم رکھا ہے؟

فرمایا تم لوگوں نے کہا تھا کہ ہم شیعہ ہیں یہ تو اتنا بڑا دعویٰ ہے کہ جس کے تم اہل ہی نہیں ہو کیا تم مقام ابراہیمؑ پر فائز ہو؟ جبکہ ان کے بارے میں ہے وان من شیعۃ لابراھیمؑ کیا تمہیں معلوم ہے کہ شیعہ کا مقام کیا ہے؟ فرمایا ہمارے جدِّ اطہر علیہ الصلوات و السلام کے اوّلین شیعہ شہنشاہ مجتبیٰ علیہ الصلوات و السلام ہیں پھر ان کے شیعہ شہنشاہ کربلا علیہ الصلوات و السلام ہیں پھر ان کے شیعہ جناب سلمان پاک و جناب

ابوذر و جناب مقداد رضوان اللہ علیھم ہیں۔
اب بتاؤ تم نے کتنا بڑا جھوٹ بولا تھا انہوں نے عرض کیا ہم پھر خود کو کیا کہلوائیں؟
فرمایا تم کو کہنا تھا کہ ہم آپ کے جدِّ اطہر علیہ الصلوات و السلام کے موالی اور نام لیوا ہیں انہوں نے اپنی بات کی معافی طلب کی تو اس کے بعد فرمایا اب تم جتنی مرتبہ ہمارے دروازے سے واپس جاتے رہے ہو اتنی مرتبہ باہر جا کر واپس آؤ اور ہمیں سلام کرو ہم اتنی مرتبہ تمہارے استقبال کو اٹھیں گے کیونکہ تم ہمارے جدِّ اطہر امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام کے موالی ہو اور پھر ایسا ہی کیا۔
اب اسی بات سے اندازہ کریں کہ شیعہ کا مقام کیا ہے؟
ہاں جو شیعہ ہے وہ بھی مخلوق کے اعمال کا شاہد ہوتا ہے اور حقیقی شیعہ ہر دور میں وہ لوگ ہوتے ہیں کہ جو باطنی حکومت اِلٰہیہ کے عہدہ دار ہوتے ہیں اور جو عبادِ صالحین ہوتے ہیں کہ جن پر ہم نماز میں سلام کرتے ہیں حقیقی شیعہ وہی لوگ ہیں جو سلسلۂ مدار و سلسلۂ ارشاد کی مسند پر متمکن ہوتے ہیں اور نیابت و ولایت کا اعزاز جنہیں بارگاہِ قدس سے عطا ہوا ہوتا ہے وہ عمّال و خدّام و رجال الغیب ہوتے ہیں اور ان سے کوئی چیز مخفی ہوتی ہی نہیں ہے بلکہ وہ ہر کسی کے کام کو دیکھتے ہیں کیونکہ وہ حقیقی شیعہ اور مومن ہوتے ہیں۔
شیعہ کے معنی نقشِ قدم پر چلنے والا، قدم بہ قدم پیچھے چلنے والا، اس حقیقت کو ہم اس طرح بیان کر سکتے ہیں کہ ایک راستے سے ہمیں گزرنا ہو اور راستے میں بارودی سرنگیں (Mines) بچھی ہوں اور ہمارے ساتھ ایک گائیڈ ہو جو یہ جانتا ہو کہ کس کس جگہ پر مائنیز (Mines) دفن ہیں اور وہ آگے آگے چلتے ہوئے کہے کہ میرے

قدموں کے نشانوں پر اپنے قدم رکھتے ہوئے میرے پیچھے چلے آ ؤ تم محفوظ رہو گے اگر ایک قدم ایک انچ بھی ادھر ادھر ہوا تو اپنی موت کے تم خود ذمہ دار ہو گے - تو اس صورت میں کوئی اس کے قدموں کے نشانوں سے اپنے قدموں کو جدا کر سکتا ہے ؟ بس اسی طرح جو لوگ معصومین علیہم الصلوات و السلام کے نقوشِ قدم پر چلتے ہیں وہی حقیقی شیعہ ہوتے ہیں اور جو اس درجہ اِتّباع کرتا ہے اس کیلئے مکاشفات کے دروازے کھل جاتے ہیں اور وہ ہر چیز کو اپنے سامنے لائیو ٹیلی کاسٹ (Live Telecast) ہوتا دیکھتے ہیں کیونکہ وہ ہر چیز کے شاہد ہوتے ہیں اس لئے انہیں ساری مخلوق پر گواہ و شاہد بنایا جائے گا اس طرح یہ چاروں شاہدین شاہد قرار دئے جائیں گے اور ان کی صداقت کی گواہی معصومین علیہم الصلوات و السلام دیں گے اور ان کی صداقت کیلئے انہی کے نور اوّل صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم شاہد و شہید ہوں گے اور آخری میں کفیٰ باللہ شہیدا ہو گا اور یہ نساب شہادت بھی چار کا پورا ہو جائے گا-

اختلاف بین الروایات

دوستو! یہاں یہ بات عرض کرتا چلوں کہ اللہ کے انوارِ ازلیہ علیہم الصلوات و السلام کے علم غیب و مشاہدہ اعمال کے بارے میں کئی طرح کی روایات ہیں جیسا کہ بحار الانوار اور دیگر کتب مآ خذ میں انہیں جمع کیا گیا ہے مثلاً

(1) انہیں اعمال خلائق میں سے کچھ بھی معلوم نہیں ہے نعوذ باللہ

(2) یہ علم جفر ابیض و احمر سے حساب کر کے معلوم فرما لیتے ہیں کہ ماضی میں کیا ہوا تھا اور مستقبل میں کیا ہو گا

(3) ان کے پاس کتاب جفر احمر ہے جس میں ازل سے ابد تک کے حالات درج

ہیں اور یہ اسی سے پڑھ کر معلوم کرتے ہیں۔

(4) ملکوت آ کر ان کے گوش ہائے اطہر میں کلام کرتے ہیں اور ان کی آواز ایسی ہوتی ہے جیسا کسی چینی کے طشت میں چاندی کی زنجیر کو رکھنے سے پیدا ہوتی ہے

(5) ان کے پاس ایک دیوان ہے جس میں سارے مومنین اور ظالمین کے بارے میں مفصّل لکھا ہے کہ کون، کیا، کب اور کیسے کرے گا

(6) ہر لیلۃ القدر میں ان کو سال آئندہ کے بارے میں ملکوت و روح آ کر آگاہ کرتے ہیں۔

(7) ہر شب جمعہ یہ عرش پر جاتے ہیں اور جملہ قوائم عرش کے ساتھ دو دو رکعت نماز ادا فرماتے ہیں اور وہاں سے انہیں سارے علوم مل جاتے ہیں اور ان میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

(8) ہر شام کو ملکوت ان کی خدمت میں آ کر ساری مخلوق کے اعمال نامے پیش کرتے ہیں۔ انہیں پہلے شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ملاحظہ فرماتے ہیں ان کے بعد بتدریج سارے معصومین علیہم الصلوات و السلام تا امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف ملاحظہ فرماتے ہیں تو انہیں مخلوق کے اعمال کا پتہ چلتا ہے

(9) ان کے ماتحت ایک روح ہے جسے روح القدس کہا جاتا ہے اور وہ انہیں ہر بات کی اطلاع دیتی رہتی ہے اور کبھی کبھی وہ غیر حاضر بھی ہو جاتی ہے

(10) جب یہ چاہتے ہیں اللہ انہیں مخلوق کے اعمال سے آگاہ فرما دیتا ہے

(11) ایک سیٹلائیٹ (Satellite) کی طرح کا ایک عمود نور ہے جس پر یہ مخلوق کے اعمال کا مشاہدہ فرماتے ہیں۔

(12) یہ بلا واسطہ ساری مخلوق کے اعمال کا مشاہدہ فرماتے ہیں اور پوری کائنات ان کے سامنے ہاتھ کی ہتھیلی کی طرح ہمہ وقت مشاہدے میں رہتی ہے

(13) ان کے نورِ الٰہیہ سے کوئی جگہ یا مقام خالی نہیں ہے یہ ہر وقت ہر چیز کے ساتھ موجود ہیں اور ہر چیز کی علت مبقیہ ہونے کے ناطے سے انہی کا نور ساری کائنات میں جاری وساری ہے اس لئے ان سے کوئی چیز مخفی نہیں ہوتی

(14) موجود فی الحقیقت ہیں ہی یہی انوارِ الٰہیہ علیہم الصلوات و السلام اس لئے باقی مخلوق ان کے نور میں قائم ہے۔

نوٹ

[میں ان چودہ قسم کی احادیث پر اکتفیٰ کرتا ہوں اس کی تفصیل کیلئے میرے خطبات کی کتاب ''ارتقائے عقائد'' کی طرف رجوع کریں]

دوستو! بات یہ ہے کہ ہمارے سامنے جو اختلافِ روایات واحادیث کا دریا بہہ رہا ہے اس میں فرامین واحادیث میں کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ اگر ہم تعصّبات سے ماوریٰ ہوکر سوچیں تو ہم دیکھیں گے کہ یہ اختلاف درحقیقت سامعینِ احادیث کے ظرفوں کا ہے کیونکہ انہیں حکم یہ تھا کہ کلموا الناس علی قدر عقولھم اور پوری انسانیت کا ہم جائزہ لیں تو اس سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ عقلِ انسانیت کے اربوں کھربوں درجات ہیں یعنی اس دنیا کے ہر انسان کا جس طرح انگوٹھے کا نقش کسی دوسرے شخص سے نہیں ملتا اسی طرح عقل بھی کسی دوسرے شخص سے نہیں ملتی اور اگر ہم اس حقیقت پر ساری انسانیت کا تجزیہ کریں گے تو عقل کے لاتعداد درجات سامنے آئیں گے اور ان انوارِ الٰہیہ علیہم الصلوات و السلام نے ہر انسان سے اس کی عقل کے

درجے کے لحاظ سے کلام فرماتا ہےتو اس میں جو اختلاف ہوگا وہ سامعین ک عقلوں کی وجہ سے ہوگا نہ کہ ان کے اصل فرمان میں کیونکہ جو ان احایث کا بنیادی نقطہ ہے وہ ہےان کا شاہدالعباد ہونا یعنی ساری مخلوق کے اعمال کو ان کا دیکھنا یا معلوم ہونا اب اگر اختلاف ہےتو ان ذرائع میں ہے کہ یہ کس طرح دیکھتے ہیں یا معلوم کرتے ہیں وہ ذرائع جو بھی ہوں کم ازکم اتنا تو ثابت ہوجاتا ہے کہ یہ اعمالِ خلائق کے شاہد ہیں مخلوق کے اعمال کا مشاہدہ فرمانے والے ہیں۔

دیکھئے جب ہم کسی ناپختہ شعور بچّے کو یہ بات سمجھانا چاہتے ہیں کہ ہمیں یہ روٹی پانی ہمارے مالک عطا فرماتے ہیں تو ہم کئی طرح کی دشواریوں میں گھر جاتے ہیں اس میں ہم کئی طرح کی مثالیں دیتے ہیں کئی طرح کے متشابہ کلام کرتے ہیں اور کئی حقائق اسے سمجھانے میں ہم کبھی کبھی بے بس ہوجاتے ہیں۔ اس کی اصل وجہ اس بچّے کی ناپختہ شعوری ہوتی ہے اس کی عقل کا درجاتی تفاوت ہمیں کئی غیر حقیقی طریقوں سے بات کو بیان کرنے پر مجبور کرتا ہے اور اس میں جو ہمارے بیانات میں اختلافات ہوتے ہیں وہ ہمارے سامع کی وجہ سے ہوتے ہیں

جیسا کہ میں ایک بچّے سے پوچھا کہ یہ جو کھلونا ہے یہ تمہیں کس نے دیا ہے؟ اس نے کہا یہ تو مجھے چچا جان نے دیا ہے میں نے کہا نہیں بیٹے یہ تو ہمارے مولا پاک نے تمہیں دیا ہے اس نے کہا وہ کیسے یہ تو چچا جان لائے ہیں میں نے کہا یہ انہیں مولا پاک نے دیا تھا کہ وہ آپ کو دے دیں، اس نے کہا نہیں وہ تو بازار سے لائے تھے میں نے کہا بیٹے وہ بازار سے لائے تھے مگر انہیں پیسے مولا پاک نے دیئے تھے کہ آپ کیلیئے وہ بازار سے کھلونا لائیں۔

اب اس میں آپ میرے بیانات کے اختلافات کو سامنے رکھیں گے تو میرے مقصد کو نہ پاسکیں گے بلکہ آپ اس کے بنیادی نظریے کو دیکھیں گے تو حقیقت سمجھ جائیں گے اسی طرح جب جہلا کے سامنے انوارِ الٰہیہ اوّلیہ علیہم الصلوات و السلام یہ بات بیان فرماتے تھے کہ ہم ہر جگہ موجود ہیں اور تمہارے اعمال کو دیکھتے ہیں تو یہ بات ان کی سمجھ میں نہ آ سکتی تھی سو اس کیلئے آپ نے کئی طرح کے ارشادات فرمائے جن کا مفہوم یہ تھا کہ چاہے تم جو بھی ذریعہ سمجھو یا جس طرح بھی سمجھو مگر ہمیں موجود و عالم سمجھو اپنے چاہنے والوں سے لاعلم نہ سمجھو بس یہی واجبی سا عقیدہ ہی تمہاری کفایت کرلے گا۔

مگر جب کوئی عارف و عالم کسی کو یہی بات سمجھاتا ہے تو وہ ایک علمی طریقے سے سمجھاتا ہے جیسا کہ جناب آغا خمینیؒ اسی بات کو جب پیش کرتے ہیں تو ان کا انداز خالصتاً عالمانہ ہوتا ہے اور وہ فرماتے ہیں

وبما علمناك من البيان و اتيناك من التبيان يمكن لك فهم قول مولى الموحّدين و قدوة العارفين اميرالمومنين صلوات الله عليه و اله اجمعين كنت مع الانبيا عليهم السلام باطنا و مع رسول الله صلى الله عليه و آلهٖ وسلم ظاهراً فانه عليه السلام صاحب الولاية المطلقة الكلّيه والولاية باطن الخلافة و الولاية المطلقة الكلية باطن الخلافة الكذائية فهو عليه السلام بمقام ولايتة الكلية قائم على كل نفس بما كسبت و مع كل الاشياء معية القيومية ظلية الهية ظل المعية القيومية الحقة الالهية الا ان الواية لما كانت فى الانبياء اكثر خصهم بالذكر

اور جو بیان ہم نے تمہارے سامنے واضح کیا ہے اور جو تشریح پیش کی ہے اس کی بدولت اب تو ہمارے لئے ممکن ہو گیا ہے کہ تم جناب سرکار الموحّدین اور پیشوائے عارفین جناب امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام کے اس فرمان کے معنی سمجھ سکو جس میں فرمایا تھا کہ ہم تمام انبیا علیھم السلام کے ساتھ باطن میں تھے اور اپنے برادر بہ جان برابر کی معیّت میں ظاہراً ہیں کیونکہ وہ جناب ولایت مطلقہ کلّیہ کے حامل تھے کہ جو خلافت کا باطن ہے اور ولایت کلّیہ مطلقہ خلافت کلّیہ مطلقہ کا باطن ہے پس اسی لئے امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام اپنی ولایت کلّیہ کی وجہ سے ہر شخص اور اس کے اعمال کے ساتھ معیّت قیومیہ کے حامل ہیں اور کائنات کے جملہ موجودات کے ساتھ آپ معیّت قیومیہ اِلٰہیہ رکھتے ہیں جو معیّت قیومیہ اِلٰہیہ کا ایک ظل ہے کیونکہ جنبہ ولایت انبیا میں زیادہ ہے اس لئے انہوں نے انبیا علیھم السلام کا خصوصی طور پر ذکر کیا ہے یعنی دنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے کہ جس کے ساتھ اللہ کے انوارِ ازلیہ اوّلیہ علیھم الصلوات و السلام اس طرح موجود نہیں ہیں کہ جیسے اللہ ہر چیز کے ساتھ موجود ہے۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ معیّت قیومیہ کے حامل ہیں ان کا علم اخباری نہیں ہے بلکہ احاطی ہے یہ اللہ جل جلالہ کی طرح کائنات کے ہر موجود کے ساتھ موجود ہیں اور اس طرح موجود ہیں کہ جیسے اللہ جل جلالہ ہر چیز کے ساتھ موجود ہے اور ان کی معیّت قیومیہ اللہ کی معیّت قیومیہ کا ایک سایہ ہے کہ یہ اس سے کبھی بھی جدا نہیں ہو سکتی

اب ہم اپنے موضوع کی طرف آتے ہیں جیسا کہ ہم نے عرض کیا تھا کہ ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف کا اسم مبارک ہے

شاہدُالعباد عجل الله فرجه الشریف

بات یہ ہے کہ ہر زمانے کا امام شاہد العباد ہوتا ہے جیسا کہ زیارت جامعہ اور دیگر ادعیہ ماثورہ میں ہم اسی لقب سے ہر زمانے کے امام علیہ السلام کو خطاب کرتے ہیں خصوصاً ہم اپنے شہنشاہ معظم عجل الله فرجه الشریف کو ان کی زیارتوں میں اسی لقب سے مخاطب کرتے ہیں اس کی واحد وجہ یہی ہے کہ ان کا نور ہمیشہ سے معیّت قیومیہ کا حامل ہے کہ جو عالمین کے ہر ذرے پر محیط بھی ہے اور اس کے اندر سرایت پذیر بھی ہے اور کوئی آیٹم (Atom) ان کے نور سے خالی نہیں ہے جیسا کہ آپؑ نے جناب شیخ مفیدؒ کی توقیعِ مبارک میں فرمایا

فانا نحیط علماً بانبائکم ولا یعزب عنا شی من اخبارکم و معرفتنا بالذل الذی اصبکم مذجنح ( )

یعنی فرمایا یقیناً ہمارا علم تمہارے حالات پر محیط ہے اور تمہارے امور میں سے کوئی ایک چیز بھی ہم سے پوشیدہ نہیں ہے اور ہم جانتے ہیں کہ جس ذلّت کا آپ کو سامنا ہے

اس میں یہ فرمانا کہ فانا نحیط یعنی ہم محیط ہیں تمہاری ظاہری اور پوشیدہ خبروں کے [یہ یاد رہے کہ انبا نبا کی جمع ہے جو پوشیدہ خبروں کیلئے استعمال ہوتا ہے اور اخبار ظاہری خبروں کیلئے استعمال ہوتا ہے]

اور یہ فرمانا کہ ہم سے تمہاری کوئی شے بھی مخفی نہیں ہے یہ اس معیّتِ قیومیہ کی طرف اشارہ ہے کہ جو ولایتِ مطلقۂ کلّیہ کی وجہ سے آپ کو حاصل ہے

اب یہاں یہ تو کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ جو اللہ کی طرح ہر انسان کے ظاہر و باطن

میں موجود ہو اس سے بھی کوئی چیز مخفی ہو سکتی ہے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ان کا علم اخباری ہے انہیں سوچنا چاہیے کہ جو اخباری علمِ غیب ہے وہ تو ان کے غلاموں کنیزوں کو حاصل ہے بلکہ ان کے استعمال کے جانوروں تک کو وہ علم حاصل ہے جیسا کہ داخلۂ کربلا کے وقت شہنشاہ کربلا علیہ الصلوات و السلام نے چھ یا نو رہوار تبدیل فرمائے مگر کسی رہوار پاک نے قدم نہ اٹھایا کیونکہ وہ علم غیب کے عالم تھے کہ اس مقام پر شہنشاہ کربلا علیہ الصلوات و السلام کے غلاموں اور پاک آل علیہم الصلوات و السلام نے قربانیاں دینی ہیں اور اس بات کو خود شہنشاہ پاک علیہ الصلوات و السلام بھی جانتے تھے مگر انہوں نے اس کا اظہار اپنے رہواروں سے کروایا تاکہ عالمین کو معلوم ہو جائے کہ ہمارے گھوڑے بھی بای ارض تموت کے عالم ہوتے ہیں تم کبھی ان کے مالکوں پر شک نہ کرنا۔

یہ تو جملہ کتب مقاتل نے لکھا ہے کہ جب شہنشاہ کربلا علیہ الصلوات و السلام شہید ہوئے تو مدینہ میں جو خاکِ کربلا شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے عطا فرمائی تھی وہ ساری خون بن گئی تھی۔

کبھی آپ نے اس پر غور بھی کیا ہے کہ وہ خاک جو کربلا میں ہونے والے واقعہ کے مقام سے سیکڑوں میل دور ایک شیشی میں رکھی ہوئی تھی اسے کیسے علم ہوا کہ اس وقت شہنشاہ کربلا علیہ الصلوات و السلام شہید ہو گئے ہیں؟

اس خاک کا خون میں تبدیل ہو جانا بتا رہا ہے کہ اسے علم تھا کہ یہ واقعہ ہو رہا ہے اور اس واقعے کے علم کا اثر جب ہوا تو وہ خون میں بدل گئی تو اس سے ظاہر ہے کہ علم پہلے تھا اثر بعد میں ہوا۔

اسی طرح یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ مدینے میں امام مظلوم علیہ الصلوات و السلام کے نام پر ایک کھجور کا درخت لگایا گیا تھا جب امام مظلوم علیہ الصلوات و السلام کربلا میں شہید ہوئے تو اس کے خوشوں اور پتوں سے خون جاری ہو گیا تھا اور وہ خشک ہو کر زمین پر گر گیا تھا اب اس کے بارے میں سوچیں کہ اسے کس نے بتایا تھا کہ یہ واقعہ ہو رہا ہے؟

دوستو! جب جمادات میں سے کوئی چیز ان سے منسوب ہو جاتی ہے تو وہ بھی علم غیب کی حامل ہو جاتی ہے اسی طرح جب نباتات میں سے کوئی چیز ان سے منسوب ہو جاتی ہے تو وہ بھی علم غیب کی حامل ہو جاتی ہے اسی طرح جب حیوانات میں کوئی چیز ان کی ذات سے نسبت پاتی ہے تو وہ بھی علم غیب کی حامل ہو جاتی ہے آپ اس سلسلے کو آگے بڑھا کر دیکھیں تو ماننا پڑے گا کہ جو انسان ان سے نسبت پا لیتا ہے وہ بھی علم غیب کا حامل ہو جاتا ہے اسی لئے فرمایا گیا تھا ☆اتقوا بفراست المومن فھو ینظر بنور ربہ مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ بھی اللہ کے نور [نورِ معصومین علیہم الصلوات و السلام] کی وجہ سے شاہدِ اعمالِ عباد ہوتا ہے سب کچھ دیکھتا ہے اب یہاں تک تو ثابت ہے کہ جمادات سے انسان تک جب کوئی چیز ان سے نسبت پا لیتی ہیں تو وہ دانندۂ خفی ہو جاتی ہے تو کیا جن کی نسبت کی وجہ سے دیگر انواع علم غیب کے حامل ہو رہے ہیں وہ پاک انوار علیہم الصلوات و السلام خود علم غیب سے عاری ہیں؟ کیا وہ اس کائنات میں موجود افراد کے اعمال کو نہیں دیکھتے؟

دوستو! حقیقت یہ ہے کہ ہر زمانے کے امام علیہ الصلوات و السلام جملہ خلائق کے اعمال کا مشاہدہ فرماتے ہیں ان کا علم ازل سے ہے مگر علمِ وقوعی ہر چیز کو حاضر و موجود حالت میں دیکھتا ہے۔ اس لئے فرمایا گیا تھا کہ جب کوئی مومن کوئی نازیبا حرکت کرتا

ہے اور کوئی غیر شرعی کام کرتا ہے تو اس سے زمانے کے امام علیہ الصلوات و السلام کو نصیب دشمناں دکھ ہوتا ہے اور جب کوئی مومن کوئی اچھائی کرتا ہے تو انہیں خوشی ہوتی ہے اس لئے ہمیں چاہیے کہ ہم کوئی ایسی حرکت نہ کریں کہ جس سے ہمارے مالک و وارثِ حقیقی عجل اللہ فرجہ الشریف کو دکھ پہنچے ہمیں اپنا کردار اس لئے درست نہیں کرنا چاہیے کہ اس کے بدلے میں ہم جنت لیں گے بلکہ ہمارے نیک اعمال کی نیت یہ ہو کہ ہم اپنے آقا و کریم مولا عجل اللہ فرجہ الشریف کو خوش کر رہے ہیں اور ہماری زندگی کا سب سے بڑا مقصد انہیں خوش کرنا ہے اور یہی وہ عبادت ہے جسے خالص و خلوص والی عبادت کہا جا سکتا ہے اگر ہم اپنے اعمال سے اپنے مالکِ حقیقی عجل اللہ فرجہ الشریف کو خوش کر لیتے ہیں تو ہماری جنت بھی یہی ہے کوثر بھی یہی ہے اور رضوان اللہ بھی یہی ہے اس کے علاوہ جو کچھ ہے اس کے بارے میں ہمیں یہی کہنا چاہیے

؎
طاعت میں تا رہے نہ مئے و انگبیں کی لاگ
دوزخ میں ڈال دے کوئی لے کر بہشت کو

اب ہمیں یہ دعا کرنا چاہیے کہ مالک حقیقی ہمیں اپنی خوشنودی کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں اتنی توفیق عطا فرمائے کہ ہم انہیں کبھی دکھی نہ کر سکیں اور ہمیں اپنے انصار میں شامل فرما لیں

آمین یا رب العالمین

یا ھو یا من ھو لا ھو الا ھو الحی القیوم یا ھو یا من لا یعلم ما ھو الا ھو الحی القیوم العلی العظیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک

ولی المظلومینؑ

عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه

الحمد لله رب العالمين و صل علىٰ محمدؐ و آلہٖ اجمعين خصوصاً على حجة الله فى العالمين عجل الله فرجه الشريف و آبائه المعصومين و امهاته الطاهرين الطيبين صلوات الله عليهم اجمعين و لعنة الله علىٰ اعدائهم اجمعين من يوم الازل الى يوم الدين

اے تشنگانِ جرعۂ عرفان!

یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ ہم نے اپنے محبوبِ ازل عجل الله فرجه الشريف کے اسمائے مبارکہ پر گفتگو کا ایک سلسلہ شروع کر رکھا ہے اور آج اس منزلِ اقصیٰ کے ایک اور مرحلے کو طے کرنے کیلئے بڑھنا ہے اور آج ہمارے سامنے نام پاک ہے

"**ولی المظلومین** عجل الله فرجه الشريف"

یہ تو آپ جانتے ہیں کہ سارے **معصومین** علیہم الصلوات و السلام کے کافی اسمائے مبارکہ مشترک ہیں مگر یہ اسم مبارک کسی بھی **معصوم** علیہ الصلوات و السلام کو حاصل نہیں ہوا۔ وہ ولی المومنین ہیں، ولی العصر ہیں، ولی العالمین ہیں، وہ ولی اللہ ہیں اور ان کے

بیسیوں ایسے اسمائے مبارکہ ہیں کہ جو لفظ ولی سے ترکیب یافتہ ہیں مگر ان میں اسم ولی المظلو مین نہیں ہے کیونکہ ولی المظلو مین صرف ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف ہیں

دوستو! یہ ایک حقیقت ہے کہ جہاں جہاں بھی ظلم ہوتا ہے وہاں خود بخود تین فریق بن جاتے ہیں () ظالم () مظلوم () ولی المظلوم

ظالم ظلم کرتا ہے، کسی کو دکھ دیتا ہے، کسی کا مال لوٹتا ہے، کسی کی جان لیتا ہے تو وہ ظالم قرار پاتا ہے اور جس کے ساتھ زیادتی ہوتی ہے وہ مظلوم ہوتا ہے

دیکھئے ظلم کی تعریف یہ ہوئی ہے کہ وُضِعَ الشی علی غیر محلهٖ یعنی کسی چیز کو اس کے مقام سے اوپر یا نیچے رکھ دینا ظلم ہے اب جہاں بھی جس چیز کو اپنے حقیقی مقام سے محروم کیا جاتا ہے وہ ایک طرح سے ظلم ہوتا ہے یعنی اگر کسی نا اہل کو منبر پر بٹھا دیا تو یہ بھی ظلم ہے اور کسی اہل کو منبر سے محروم کر دیا تو یہ بھی ظلم ہے اور یہ بھی ہے کہ ہر مظلوم کا ایک ولی ہوتا ہے

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ''ولی'' کون ہوتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم اکثر مقتولین کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ اس کا کوئی ''ولی و وارث'' بھی ہے؟ یعنی اس طرح ہم دریافت کرتے ہیں کہ کیا اس کی جائداد منقولہ و غیر منقولہ کا کوئی وارث بھی ہے؟ کیونکہ وارثِ عمومی کا تعلّق صرف مال و جائداد سے ہوتا ہے نہ اس کی ذاتیات سے اور ولی کا تعلّق اس کی ذاتیات سے ہوتا ہے نہ کہ مال سے - وارث بنایا جا سکتا ہے مگر ولی ہوتا ہے اسے بنایا نہیں جاتا جیسا کہ ہر مقتول کا ایک ولی شرعی شریعت نے مقرر فرمایا ہوا ہے جیسا کہ ارشاد ہے

من قتل مظلوما فقد جعلنا لولیه جو بھی ظلم سے قتل کیا گیا ہے اس کا ہم نے ایک ولی بنایا ہے اور اسے اختیار بھی دیا ہے۔

یہ بھی آپ جانتے ہیں کہ ولی با اختیار ہوتا ہے کہ وہ مقتول کا بدلہ (قصاص) لے یا دیت (مالی معاوضہ) لے لے یا پھر یونہی معاف فرما دے یا کسی جانور یا زمین کے کسی قطعہ کو مقتول کے خون کا عیوض یا بدلہ قرار دیدے اور وہ چیز لے کر خون سے درگزر کرے یہ اسے اختیار ہوتا ہے۔

دوستو! یہ ایک حقیقت ہے کہ اس دنیا میں آنے والا ہر مومن مظلوم ہوتا ہے اسی لئے اسے شہید کا درجہ دیا جاتا ہے جیسا کہ فرمایا گیا تھا کہ

من مات علیٰ حب آل محمد علیهم الصلوات و السلام مات شهیدا

یعنی جو بھی پاک خاندان علیہ الصلوات والسلام کی محبت میں دنیا سے جاتا ہے وہ شہید ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے الدنیا سجن المومن یعنی دنیا مومن کیلئے قید خانہ ہے۔ بس یوں سمجھ لیں جو مومن بھی اس دنیا میں رہتا ہے وہ ایک قید مسلسل میں رہتا ہے اور اس مظلوم قیدی کی طرح زندگی گزارتا ہے کہ جسے دن رات ٹارچر کیا جارہا ہو اور جب اس کا وصال الی اللہ ہوتا ہے تو وہ اس طرح ہوتا ہے کہ جیسے کوئی مظلوم جرمِ حق میں اسیری کے عالم میں قید ہی میں جان دے رہا ہو۔

عارف حقائق جناب ادیم نقوی صاحب زاد اللہ درجاتہ کے ایک فرزند گرامی جو خلف صالح تھے ان کا عین جوانی میں انتقال ہوگیا تو ایک دن احباب کے سامنے کلام فرما رہے تھے کہ آج میرے بیٹے کی پھوپھی صاحبہ تشریف لائیں تو ہمارے گلے لگ کر رونے لگیں تو مجبوراً ہمیں بھی رونا پڑا یہ سن کر احباب نے عرض کیا کہ جناب یہ''

مجبوراً '' والا لفظ عجیب ہے کیونکہ وہ تو آپ کے فرزندِ صالح تھے اور عین جوان تھے تو یہ مجبوراً رونے والی بات کیسی ہے؟

انہوں نے فرمایا دیکھو بھائی دو باپ بیٹا بلا جرم وخطا کسی جیل میں بند تھے اس طرح انہیں کئی برس ہوگئے اور پھر اچانک کسی نے آ کر ان کے بیٹے کو رہا کروالیا تو جب وہ جوان بیٹا ضعیف باپ سے جدا ہو رہا تھا تو کیا اس کے باپ کو اس جدائی کا دکھ ہوگا یا اس کی رہائی کی خوشی ہوگی؟ یہ کہہ کر فرمایا وہ ہم باپ بیٹا تھے جو اس دنیا کے ٹارچر سیل میں گزار رہے تھے اور پھر ہمارے بیٹے کی رہائی کا پیغام آیا تو مجھے بہت خوشی ہوئی کہ بیٹا تو رہا ہوگیا ہے اب کبھی ہم بھی رہا ہو جائیں گے۔

دوستو! عرفا اس راز کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ دنیا ایک عقوبت خانہ ہے اور اس میں مومنین کی زندگی مظلومین جیسی ہوتی ہے اسی لئے فرمایا گیا تھا فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَادِقِيْنَ یعنی اگر تم سچے ہو تو موت کی تمنا کرو کیونکہ ہر قیدی رہائی کی تمنا کرتا ہے۔

ہم تاریخ میں دیکھتے ہیں کہ ہزاروں مومنین اموی اور عباسی دور میں جیلوں اور عقوبت خانوں میں پڑے پڑے مولا کو پیارے ہوگئے اور ہم انہیں مظلوم بھی سمجھتے ہیں اور انہیں شہید بھی سمجھتے ہیں مگر جو مومنین اس دنیا کی قید میں ان مظلومین جیسی زندگی گزار رہے ہیں انہیں مظلوم وشہید نہیں سمجھتے جبکہ فرمایا یہ گیا تھا کہ من مات علیٰ حب آل محمد علیهم الصلوات و السلام مات شهیدا یعنی جو بھی اللہ جل جلاله کے انوارِ ازلیہ اوّلیہ علیهم الصلوات و السلام کی محبت میں اپنی جان '' جانِ آفرین '' کے سپرد کرتا ہے وہ شہید ہوتا ہے۔

ہمارے ہاں جوشہید کا تصور ہے وہ کافی حد تک مسخ ہو چکا ہے اور اس دور میں یہ تصور دو انتہائیانہ نظریات کے مابین پھنسا ہوا ہے ۔ایک طرف ہر وہ آدمی شہید ہے کہ جو کسی حادثے میں مرجائے چاہے وہ کیسا ہی فاسق و فاجر کیوں نہ ہو دوسری طرف صرف ان لوگوں کوشہید مانا جاتا ہے کہ جو میدان جنگ میں کسی کے ہاتھوں مارے جاتے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ شہادت جہاد کے ساتھ وابستہ ہے اور جہاد دو طرح کے ہیں () جہاد اصغر () جہاد اکبر

میدان جنگ میں اہل باطل سے جنگ کرنا جہاد اصغر ہے اس لئے واجب مشروط ہے اور اس کیلئے شرط ہے کہ جہاد وہ ہے جو زمانے کے امام علیہ الصلوات و السلام کی معیّت میں یا ان کے حکم سے کیا جائے ورنہ ہر جہاد باطل ہے یا پھر دفاع کیا جائے اور مجاہدہ بالنفس کرنا جہادِ اکبر ہے اس لئے وہ واجب غیر مشروط ہے یعنی کسی بھی حال میں ساقط نہیں ہے۔

محبت وشہادت

من مات علی حب آل محمد علیهم الصلوات و السلام مات شهیدا

کی حقیقت یہ ہے کہ محبت جب بھی کسی دل میں جنم لیتی ہے تو محبت کا خاصّہ ہے تصادم ،ٹکراؤ، اعلانِ جنگ یعنی محبت پیدا ہوتی ہے تو محبّ کا تصادم شروع ہو جاتا ہے کیونکہ محبت دو طرح کی ہوتی ہے ایک محبتِ مجازی اور ایک محبتِ حقیقی اب اگر محبت مجازی ہوگی تو اہل مجاز و ظاہر سے اس کا تصادم ہوگا اور اگر محبت حقیقی ہوگی تو اہل باطل سے اس کا ٹکراؤ ہوگا ہم مجازی محبت کو مثال بنا کر پیش کر سکتے ہیں کہ جیسا کہ لیلیٰ مجنوں

، ہیر رانجھا، عذرا وامق ،شریں فرہاد، سوہنی ماہیوال ، جیولیٹ رومیو وغیرہ کی داستانیں ہمارے سامنے موجود ہیں

محبت چاہے مجازی ہی کیوں نہ ہو وہ تصادم میں قربانیاں مانگتی ہے۔اس میں بہت کچھ چھوڑنا پڑتا ہے یعنی زندگی کی ساری لذّات ، آرام وعیش ، مال دولت ، گھربار ، حتیٰ کہ ایڈورڈ ہشتم 8Th کی طرح تخت وتاج بھی چھوڑنا پڑتا ہے بس یوں سمجھ لیں کہ دنیا کی ساری چیزیں اس محبت سے متصادم ہوتی ہیں یا پھر محبت دنیا کی ساری چیزوں سے متصادم ہوتی ہے صورت حال جو بھی ہو اس میں قربانیاں محبّ کو دینا پڑتی ہیں کیونکہ محبّ کو مصلحتوں سے لڑنا پڑتا ہے، کمزوریوں سے لڑنا پڑتا ہے، روایتی رواجوں سے لڑنا پڑتا ہے، سماجی اقدار سے لڑنا پڑتا ہے، یہ ایک مسلسل جنگ کا دورانیہ ہوتا ہے اور اس میں محبت وہی کہلاتی ہے جو فاتحِ عالم ہوتی ہے اور جو کسی چیز سے خائف ہو جائے یا شکست کھا جائے یا کسی مجبوری کے سامنے سر جھکا دے وہ محبت نہیں ہوتی کیونکہ محبت تو فاتح ہی ہوتی ہے اسی لئے تو کہتے ہیں جنگ اور محبت میں سب جائز ہوتا ہے کیونکہ محبت بھی ایک طرح کی جنگ ہوتی ہے۔

حقیقی محبت کے محاذ

اگر محبت حقیقی ہو تو پھر اس کا تصادم باطل کی قوتوں سے ہوتا ہے اور اس طرح محبّ کو دوسیکٹرز (Sectors) پر لڑنا پڑتا ہے اس کے سامنے دو محاذ ہوتے ہیں ایک خارجی محاذ ہوتا ہے اور دوسری طرف داخلی محاذ ہوتا ہے۔

خارجی محاذ میں کفّار ومشرکین وظالمین ومنافقین ، دنیا پرست علمائے ظاہرین و قشریین اور خرانِ مقدّس ، ظاہر پرست طبقے ہوتے ہیں۔اکثر اوقات یہ بھی ہوتا ہے

کہ محبّ کے بیوی، بچّے ، ماں ، باپ ، بہن ، بھائی محبت کے سامنے ڈٹ جاتے ہیں یا پھر دوسرے رشتہ دار بھی محبت کی راہ میں دیوار بن جاتے ہیں۔

جناب شمعون محبّ کا واقعہ ہے کہ انہیں اپنی دختر سے بہت لگاؤ ہوگیا تھا ایک رات انہوں نے دیکھا کہ میدان حشر ہے اس میں محبوں کیلئے ایک طرف ایک علم لگا ہوا ہے اعلان ہوتا ہے سارے محبّ اس علم کے نیچے آ جائیں۔ یہ بھی اس علم کے نیچے پہنچ جاتے ہیں تو ملکوت انہیں وہاں سے ہٹا دیتے ہیں، یہ ان سے کہتے ہیں کہ میں تو شمعون محبّ ہوں آپ مجھے کیسے ہٹا سکتے ہیں؟ وہ کہتے ہیں کہ پہلے آپ مالک کے محبّ تھے اب تو آپ اپنی دختر کے محبّ ہیں پہلے والا مرتبہ تو آپ سے اب سلب ہو چکا ہے یہ سن کر انہوں نے دعا کی خالق جو تیری محبت میں حائل ہے اسے باقی رہنے کا کوئی حق نہیں اس لئے تو میری دختر کو دنیا سے اٹھا لے۔ ابھی یہ دعا کر ہی رہے تھے کہ شور اٹھا کہ آپ جلدی آئیں آپ کی دختر چھت سے گر کر فوت ہوگئی ہے یہ سن کر انہوں نے سجدۂ شکر ادا کیا

اسی بات سے اندازہ لگائیں کہ مراتبِ محبت میں کس طرح یہ چیزیں دیوار بن جاتی ہیں۔ یہ تو تھا خارجی محاذ

داخلی محاذ

داخلی محاذ سب سے خطرناک ہوتا ہے کیونکہ اس میں خواہشاتِ نفس سے تصادم ہوتا ہے، معبودانِ باطلہ میں سے سب سے بڑے معبود ''ھویٰ'' سے مقابلہ ہوتا ہے، جو چھوٹی چھوٹی خواہشوں کے لشکر میدان میں اتارتا ہے تو غضب کا رن پڑتا ہے اور کشتوں کے پشتے لگ جاتے ہیں اور یہ جنگ کبھی بھی ختم نہیں ہوتی اور اس جنگ کا

خاتمہ مظلوم مومن کی شہادت پر ہوتا ہے ہاں جب محبّ جامِ شہادت نوش کر لیتا ہے تو فوزِ عظیم کو پا لیتا ہے ورنہ پوری زندگی یہ جنگ اس پر مسلط رہتی ہے یہ تو ہے مومن کا جہاد۔

مومن ومحبّ کی مظلومیت کا عالم یہ ہوتا ہے کہ وہ یکا وتنہا ہوتا ہے کئی کئی محاذوں پر برسرِ پیکار رہوتا ہے ایک طرف دشمنوں کی شکل میں دشمن بڑھ بڑھ کر اس پر وار کر رہے ہوتے ہیں دوسری طرف دوست نما دشمن اس کی جان کے پیچھے پڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ احباب نما قاتل اپنی آستینوں میں خنجر چھپائے روح کو مجروح کرتے رہتے ہیں۔ دوسری طرف ابلیس اپنی خفیہ ریشہ دوانیوں کا جال بنتا رہتا ہے اور اس میں وہ بڑے بڑے مہلک ہتھیار استعمال کرتا رہتا ہے۔ ایک طرف نفس امّارہ اس کے جسم کے اندر مورچہ لگا کر بیٹھا ہوا ہوتا ہے اور اندر کے بارودی ذخیرے کو چنگاری دینے میں مصروف رہتا ہے۔ ایک طرف ہوائے نفس اپنے چھوٹی چھوٹی خواہشات کی خطرناک آب دوزوں (Marines) کو اس کی چلتی کشتی کی تاک میں لگائے رکھتی ہے اور اس کی تباہی کا کوئی موقعہ فروگزاشت نہیں کرتی اس طرح اسے ''چھ مکھی'' جنگ کا سامنا ہوتا ہے اور وہ مظلوم ہر لمحہ زخموں سے چور چور ہوتا رہتا ہے ہزاروں قاتلوں کے درمیان مصروفِ جہاد رہتا ہے۔

دوستو! ساری دنیا یہ تو جانتی ہے کہ اس کائنات میں ابلیس سے بڑا گمراہ کرنے والا اور کوئی نہیں مگر کیا کوئی یہ بھی جانتا ہے کہ اس ابلیس کو کس نے گمراہ کیا تھا؟ حقیقت یہ ہے کہ ابلیس کو بھی گمراہ کرنے والا ایک اور بڑا ہے کہ جس نے ابلیس جیسے شاطر کو اپنے جال میں ایسا پھنسایا کہ یہ اپنی لاکھوں برس کی عبادات کو داؤ پر لگا کر اللہ کے

مقابلے میں آ کھڑا ہوا اور وہ ہلاک کرنے والی قوت ہے ''ھوائے نفس'' جس کے بارے میں رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو بھی آ گاہ فرمایا گیا کہ افرأیت من التخذ الھاً ھواہ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ جس نے اپنی ہوائے نفس کو معبود بنالیا ہے یعنی جو ہوائے نفس کو معبود بنالیتا ہے اس کی ہدایت نہ اللہ فرماتا ہے اور نہ اس کا کوئی نمائندہ اب آپ دیکھیں کہ ایک طرف اتنا بڑا سفاک ، ظالم ، جابر ، ڈیکٹیٹر (Dictator) اپنے لشکر جرار کے ساتھ ایک مظلوم محبّ پر مسلسل حملہ آور ہوتا رہتا ہے اور اس مظلوم محبّ کو ہلاک کرنے کے درپئے ہوتا ہے۔

دوستو! اس دنیا میں ان قوتوں سے کوئی چیز بھی لڑنے کی صلاحیت نہیں رکھتی سوائے محبت کے ، یعنی اس جیسے جابر حاکم سے بھی اگر لڑنے کی صلاحیت رکھتی ہے تو وہ صرف محبت ہی ہے اور جو اس ملعون قوت سے لڑتا ہے وہ اتنا بڑا مجاہد ہے کہ اس کے سامنے مجاہدینِ بدر و احد کا جہاد معمولی چیز نظر آتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان دشمنوں سے لڑتے لڑتے مجاہدِ اکبر اپنی جان کا نذرانہ تو دے دیتا ہے مگر محبت کا علم سرنگوں نہیں ہونے دیتا۔

دوستو! یہ بھی منعمِ ازل کا فیصلہ ہے کہ جو بھی اس دنیا میں جہادِ اصغر کرتا ہے یا جہادِ اکبر کرتا ہے اس کی نصرت کیلئے ملکوت کے لشکر بھیجے جاتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے

اذ یوحیٰ ربك الی الملائکة انی معکم فثبتوا الذین آمنوا

کہ جب تمہارے رب نے ملائکہ سے فرمایا میں تمہارے ساتھ ہوں جاؤ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھو اسی طرح جہادِ اصغر کرنے والوں کے بارے میں ہے

یمددکم ربکم بخمسة آلاف من الملائکة مسومین

ان یمددکم ربکم بثلاثۃ آلاف من الملائکۃ منزلین

یعنی کہیں تین ہزار ملکوت سے مدد فرمائی گئی اور کہیں پانچ ہزار ملکوت سے مدد فرمائی گئی جب جہاد اصغر میں مومنین کی مشکل وقت میں حوصلہ افزائی اور مدد کی جاتی ہے تو جہاد اکبر کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کیسے نہیں فرمائی جاتی ہوگی ؟ ہاں ان کی مدد بھی فرمائی جاتی ہے جیسا کہ فرمایا گیا ہے

☆إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ

فرمایا بیشک جن لوگوں نے یہ اقرار کیا کہ اللہ ہی ہمارا رب ہے اور پھر وہ اس پر قائم رہے تو ان پر ملکوت کا نزول ہوتا ہے جو کہتے ہیں کہ اب کوئی خوف اور حزن مت کرو اور وہ اسے آ کر اس جنت کی بشارت دیتے ہیں کہ جس کا ان مومنین سے وعدہ ہے کئی لوگوں نے اس سے یہ سمجھا ہے کہ موت کے وقت ملکوت آ کر بشارت دیتے ہیں اور حوصلہ بڑھاتے ہیں ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ اس دنیا میں جو بھی مجاہدہ بالنفس کرتا ہے اس کی حوصلہ افزائی فرمائی جاتی ہے۔ اسے اس دنیا میں ملکوت کا مشاہدہ ہوتا ہے اور وہ اسے کہتے ہیں کہ تم خود کو تنہا نہ سمجھو مالک تمہارے ساتھ ہے اور انہیں اسی دنیا میں بشارت دیتے ہیں اگر ایسا نہ ہو تو کوئی انسان بھی وعدۂ فردا اور بعید ترین اور مشکوک ادھار کیلئے اپنی جان جوکھوں میں نہیں ڈالتا کیونکہ باہر والے کفّار سے لڑنا آسان ہے مگر اندر کے شیطان یعنی ہوائے نفس کی مخالفت میں تو ایک ایک لمحے میں کئی کئی موتوں کا سامنا ہوتا ہے اگر اس وقت مالک کی مددِ ملکوتی اور مشاہداتی امداد نہ پہنچے تو کوئی مائی کا لال ایک لمحہ بھی میدان میں نہیں جم سکتا۔

احتسابِ ذات

دوستو! ایک اہم بات عرض کرتا چلوں کہ ہمیں اپنا احتساب بھی کرنا چاہیے یعنی یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ محبّ کی موت بھی شہادت ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جہادِ اکبر میں لڑتے لڑتے جان دیتا ہے اور جو جہاد نہیں کر رہا وہ شہید نہیں ہوسکتا کیونکہ شہید کیلئے جہاد شرط ہے۔ اب آپ دیکھیں جو محبّ ہے اس کی موت شہادت ہوتی ہے اور شہادت اس کی موت ہوتی ہے جو جہادِ اصغر یا جہادِ اکبر میں جان دیتا ہے نتیجہ یہ نکلا کہ جو جہادِ اصغر یا جہادِ اکبر میں مصروف نہیں ہے وہ اہل بیت علیھم الصلوات و السلام کا محبّ ہی نہیں ہے۔ یہ ایک منطقی نتیجہ ہے کہ جو محبّ ہوگا لازماً وہ مجاہد ہوگا اور جو مجاہد ہوگا وہی شہید ہوگا۔

ہم اکثر لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ خود کو محبّ بھی سمجھتے ہیں اور مکمل طور پر نفس کے مطیع ہیں خواہشاتِ نفس کے غلام ہیں اور معرفت کے نام پر بے عملی اختیار کرتے ہیں اور دین میں تن آسانیاں اور تن پروریاں اپناتے ہیں اور تزکیاتِ نفس سے جی چراتے ہیں۔ انہیں سوچنا چاہیے کہ محبت تو ایک تصادم پیدا کرتی ہے یعنی ایک ملک میں دو بادشاہ ہوں گے تو فساد ہوگا اسی طرح ایک غلام کے دو مالک ہوں گے تو ان کے احکامات میں تصادم ہوگا جس سے غلام کی زندگی اجیرن ہوگی ایک جسم پر دو حکمران ہوں گے تو جسم برباد ہوجائے گا اسی لئے اپنی ذات پر ایک حاکم بنانا ہوتا ہے اور سابقہ حاکم یعنی ہوائے نفس کو معزول کرنے کیلئے اس مملکتِ جسم میں تحریک چلانا پڑتی ہے اور انسان جب ہوائے نفس کے خلاف کوئی تحریک چلاتا ہے تو یہ انسان کو مراعات دینا شروع کردیتا ہے اور طرح طرح کے خزائن کے منہ کھول دیتا ہے اور

اس کی آخری خواہش یہی ہوتی ہے کہ انسان اس کا ہمیشہ غلام رہے مگر انسان کو اس سے آزادی حاصل کرنا ہوتی ہے۔ جیسے انگریزوں کے خلاف جہاد کیا گیا، سامراجی قوتوں کے خلاف جہاد کیا جاتا ہے، اسی طرح اس داخلی فرعون کے خلاف بھی جہاد کرنا پڑتا ہے اور ان خواہشاتِ نفس کی غلامی سے آزادی حاصل کرنے والے ہی کو الرجل، الحر، یعنی مرد اور آزاد کہا جاتا ہے۔

یہاں یہ بھی عرض کردوں کہ ہمیں اس اندر کے شیطان سے لڑنا لازم ہے اور یہ جہاد اکبر ہے اس کیلئے اگر چند چیزوں کا خیال کرلیا جائے تو آدمی جلدی آزادی حاصل کرلیتا ہے مثلاً

() قلّت طعام یعنی کم کھانا () قلّت منام یعنی کم سونا

() قلّت کلام یعنی کم بولنا () خلوت یعنی دن میں ایک یا ڈیڑھ گھنٹہ نکال کر اپنے ذہن کو دنیا اور متعلّقات دنیا سے آزاد کرنے کی کوشش کرے۔ اس کیلئے مناسب وقت نماز صبح سے پہلے کا ہوتا ہے اس وقت اگر انسان اٹھے اور وضو کر کے جائے نماز پر دو رکعت نماز ادا کر کے بیٹھ جائے اور اس کے بعد ذہن کو اپنے مالک زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی طرف متوجہ کرے اور ان سے باتیں کرے، اپنے پیار و محبت کا ذکر کرے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرے اور ان کی ذات پر اپنے ذہن کی کامل توجہ قائم کرے۔

مفہومِ خلوت

دوستو! خلوت کے معنی یہ نہیں کہ انسان جنگل میں جا بیٹھے بلکہ خلوت کے حقیقی معنی ہیں ذہن کو محبوبِ حقیقی کی یاد کیلئے دوسرے خیالات سے پاک کرنا کیونکہ جو انسان جنگل

میں بن باس ہو جائے یا سنیاس لے لے اور وہاں اس کے ذہن میں ایک خوبصورت کوٹھی ہو، اس میں کار ہو، بینک بیلنس ہو، اور ایک خوبصورت دوشیزہ بھی ہو، تو یہ خلوت تو نہیں ہے، یہاں تو ساری دنیا کی برائیاں اس کے ساتھ ہیں، ہاں اگر وہ محفل دنیا پرستاں میں بیٹھا ہو اور اس کے ذہن میں محبوب کے سوا کوئی نہ ہو تو یہ خلوت ہے مگر اس کیلئے ابتدا میں کچھ وقت مجاہدہ کرنا پڑتا ہے یعنی صبح کے وقت ایک یا ڈیڑھ گھنٹہ یہ ریاضت کرنا پڑتی ہے اس میں کنسن ٹریشن (Concentration) میڈی ٹیشن (Meditation) میڈی ایشن (Mediation) مراقبہ، ارتکاز اور یکسوئی کی پریکٹس کرنا پڑتی ہے اور جب انسان صبح کو اپنے مالک سے باتیں کرتا ہے اور آہِ سحر گاہی میں مصروف ہوتا ہے تو آنسوؤں کی بارش میں مالک کی رحمت ٹوٹ کر برستی ہے یہی گریۂ شب ہی وہ پہلا قدم ہے جو انسان کو اس ہوائے نفس سے آزادی کی راہ پر لاتا ہے اور اللہ جل جلالہ نے فرمایا ہے فاذکروا اللہ کثیراً یعنی اللہ کا ذکر کثرت سے کرو، اس کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اپنے ہر کام سے پہلے سوچو میں اسے کیوں کر رہا ہوں؟ کیا اس میں میرے محبوبِ حقیقی میرے منعمِ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کا کوئی حکم بھی ہے کیا یہ ان کے حکم کے ماتحت ہے یا ان کے حکم کے خلاف ہے یا پھر اس کی نہ تو منع ہے اور نہ حکم تو کیا یہ کام کوئی فضول کام تو نہیں ہے اس میں مالک کی رضا کیا ہے اور ہمارے اندر کا شیطان کیا چاہتا ہے۔

دوستو! ابتدا میں تو اس طرح کرنا چاہیے کہ اگر پانی کی خواہش من میں ہوئی ہے یا کسی چیز کے کھانے کی خواہش پیدا ہوئی ہے تو ایک لمحہ رک جایئے اور سوچیئے میں یہ کیوں کھا رہا ہوں؟ کیا اس میں مالک کی رضا بھی ہے؟ کیا واقعی مجھے اس قدر بھوک

یا پیاس بھی ہے کہ میں جگ منہ سے لگانے والا ہوں؟ کیا واقعی مجھے اس کی ضرورت بھی ہے؟ کیونکہ عام طور پر نفس امّارہ اپنی حکمرانی کی دھونس جمانے کیلیئے یونہی کھلاتا پلاتا رہتا ہے اور حکم دیتا رہتا ہے کہ فارغ کیوں بیٹھے ہو تھوڑے سے پکوڑے کھالو، تھوڑا سا ڈرائی فروٹ لے لو، تھوڑی مٹھائی لے لو، کوئی ڈرنک لے لو، چلو ٹی وی پر تھوڑی دیر بیٹھ کر تفریح کرلو، چلو تھوڑی دیر کمر سیدھی کرلو، چلو ذرا سر کو کھجلا لو، یونہی فارغ بیٹھے ہو تو میز پر انگلیوں سے کوئی ردھم تو بجا کر سنا دو یا کتاب پر تھوڑا سا طبلہ بجا کر سنا دو بس وہ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد کوئی نہ کوئی حکم دیتا رہتا ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور نہ اس کی ضرورت ہوتی ہے بلکہ وہ اپنی چودھراہٹ کا مظاہرہ کرنے کیلیئے کبھی کوئی حکم دیتا ہے اور کبھی کوئی بس وہ انسان کو فارغ نہیں بیٹھنے دیتا کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اسے جب تک الجھائے رکھوں گا یہ مالک کی طرف توجہ نہ دے گا اور ہمیشہ میرا غلام رہے گا اس لئے وہ اضول فضول حکم دیتا رہتا ہے اس لئے اس کے ہر حکم کی تعمیل کرنے کی بجائے اس سے کہیں مسٹر نفس ایک منٹ مجھے سوچنے دیں کہ کیا یہ واقعی درست کام ہے بھی یا نہیں بس جب یہ سلسلہ شروع ہو جاتا ہے تو ایک طرح کا جہاد شروع ہو جاتا ہے اور اس میں جب انسان مالک کی مرضی کو بھی دریافت کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے تو پھر مجاہدہ کامل ہو جاتا ہے اور اسی جہاد کی وجہ سے اسے جو موت ملے گی وہ شہادت ہے

دوستو! یہاں یہ بھی عرض کردوں کہ کبھی آپ نے یہ سوچا ہے کہ شہید کو شہید کیوں کہا جاتا ہے- کہتے ہیں

☆ و الشهيد هو المحتضر فتسميته بذلك لحضور الملائكة او لانهم

تشهد ارواحهم عند الله

شہید عالمِ احتضار والے شخص کو کہتے ہیں اور اسے یہ نام اس لئے دیا جاتا ہے کہ وہ حضورِ ملکوت میں ہوتا ہے اور شہدا کی روحیں اللہ جل جلالہ کا مشاہدہ کرتی ہیں

بات یہ ہے کہ جب بھی کسی شہید پر عالمِ احتضار [حضوری] کا وقت ہوتا ہے تو اسے اپنے مالک و منعمِ زمانہ علیہ الصلوات و السلام کی زیارت ہوتی ہے اور اس مشاہدے کی وجہ سے اسے شہید یعنی مشاہدہ کرنیوالا اور گواہ کہا جاتا ہے

رازِ عرفا

آج یہاں عرفانیات کا وہ باب کھولنا چاہتا ہوں کہ جسے شاید کسی بھی عارف نے مصلحتاً نہیں کھولا ہوگا

دوستو! کبھی آپ نے یہ سوچا ہے کہ جب بھی کسی عارف کی شہادت کا وقت ہوتا ہے یا کسی بھی واقف سرِ الٰہی کو شہادت کی نوید ملتی ہے تو وہ سب سے پہلے اپنے قاتل سے وضو کر کے دو رکعت نماز کی اجازت طلب کرتا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ کیا وہ اپنے گناہوں کی معافی کیلیئے دو رکعت نماز ادا کرتا ہے؟

دیکھیئے آپ نے جناب قنبر علیہ السلام کی شہادت کا واقعہ سنا ہوگا، آپ نے جناب کمیل بن زیاد علیہ السلام کی شہادت کا واقعہ سنا ہوگا، اسی طرح جناب مسلم علیہ الصلوات و السلام کے معصوم فرزندان علیہما الصلوات و السلام کی شہادت کا واقعہ بھی سنا ہوگا کہ جب بھی انہیں شہادت کی نوید ملی تو انہوں نے اپنے قاتل سے اجازت چاہی کہ ہمیں دو رکعت نماز پڑھنے دے اس کی وجہ کیا تھی؟ کیا یہ لوگ اپنے گناہ بخشوانا چاہتے تھے؟

اچھا اب ایک بات کی طرف آپ کی توجہ مبذول کروانا چاہوں گا کہ آپ نے کبھی

یہ بھی سوچا ہے کہ جب کسی مومن پر سکرات طاری ہوتی ہے اس کا آخری وقت ہوتا ہے اسے اس طرح سلایا جاتا ہے کہ اس کے پاؤں قبلہ کی طرف ہوں اس کی وجہ کیا ہے؟

یہ بھی آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب بھی کسی مومن کو غسل دیا جاتا ہے تو اس کے پاؤں قبلہ کی طرف کر دیئے جاتے ہیں اس کی وجہ کیا ہے؟

اب ایک مسئلہ اور بھی دیکھ لیں شرع شریف میں ہے کہ عام حالات میں اگر قبلہ کی طرف پاؤں ہوں تو سوئے ادبی ہے یعنی اس سے انسان گناہ گار ہو جاتا ہے اور اگر کسی مرنے والے شخص کے پاؤں قبلہ کی طرف ہوں اور اس آدمی کے احتضار کے عالم میں کسی نماز کا وقت ہو جائے اور وہ اسی عالم میں گزر جائے اور اس حالت میں اسے موت آ جائے تو اس کی وہ نماز ادا شمار ہوتی ہے کہ جس میں اس کے پاؤں قبلہ کی طرف ہوتے ہیں کیونکہ اس کا قبلہ رو ہونا بھی ایک طرح کی نماز و عبادت شمار ہوتی ہے۔

بات یہ ہے کہ نماز کی ادائیگی کے لحاظ سے تین صورتیں ہیں۔ ایک ہے نماز کامل، دوسری ہے نماز قصر، تیسری ہے نماز خوف، ان کی ترتیب یہ ہے کہ نماز قصر نماز کامل کی آدھی ہو جاتی ہے یعنی اگر چار رکعت ہیں تو اس کی دو ہو جاتی ہیں، ہاں اگر چار سے کم رکعت کی نماز ہو تو اس میں قصر نہیں ہوتی اور نمازِ خوف نمازِ قصر کی آدھی ہو جاتی ہے، یعنی نمازِ خوف صرف ایک رکعت ہوتی ہے چاہے وہ نماز کامل حالت میں چار رکعت کی ہو یا تین یا دو رکعت کی ہو وہ خوف کی حالت میں صرف ایک رکعت باقی رہ جاتی ہے

اب دیکھیئے کہ جو آدمی عالمِ احتضار میں ہوتا ہے اور اس کی نماز قضا ہو جاتی ہے تو اس

کے پاؤں قبلہ کی طرف ہونے کی وجہ سے اس کی وہ حالت ایک رکعت نماز کے برابر ہو جاتی ہے اور اس پر کیونکہ موت کا نزول ہو رہا ہوتا ہے اس لئے اس کیلئے نمازِ کامل واجب نہیں رہتی بلکہ اس کی نماز نمازِ خوف بن جاتی ہے اور اس کی وجہ سے اس کی ایک رکعت اس کی قضا نماز کو ادا کر دیتی ہے مگر بحثیت رکعت کے یہ ایک ہی رکعت شمار ہوتی ہے

اس کے بعد جب مومن کو غسل دیا جاتا ہے تو اس کے پاؤں قبلہ کی طرف کر لئے جاتے ہیں اس طرح اس کی ایک رکعت وہاں ادا ہو جاتی ہے، اسی طرح موت کے قریب ہر مومن دو رکعت نماز ضرور پڑھتا ہے اس سے پتہ چلا کہ ہر فوت ہونے والے کیلئے دو رکعت نماز پڑھنا لازم ہے کیونکہ مومن ومحبّ جو ہوتا ہے وہ بھی شہید ہوتا ہے اس لئے اس کی بھی دو رکعت نماز ہوتی ہے اسی طرح جو مومن ومحبّ دشمن کے ہاتھوں شہید ہوتا ہے تو وہ بھی دو رکعت کی اجازت چاہتا ہے اور جو مومن بستر پر فوت ہوتا ہے اسے بھی دو رکعت پڑھائی جارہی ہے تو اس کی وجہ کیا ہے اس دو رکعت میں راز کیا ہے؟

دوستو! تم میں سے بہت سے افراد ایسے ہوں گے کہ جنہوں نے کربلائے معلیٰ میں جا کر زیارت کا اعزاز حاصل کیا ہوا ہوگا یا ایران کی زیارات کا شرف پایا ہوگا وہ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان کے ساتھ جو لوگ ہوتے ہیں وہ انہیں آداب زیارت بتاتے ہیں وہ بھی آپ کو یاد ہوں گے اس میں ہے کہ سب سے پہلے غسل زیارت کرو یعنی اس نیت سے غسل کرنا ہوتا ہے کہ ہم امام علیہ الصلوات و السلام کی زیارت کیلئے غسل کر رہے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ امام موجود ہوں یا ان کا مقدّس مشہد یا

مزار ہوان دونوں کی زیارت کے آداب ایک جیسے ہیں اس لئے حکم ہے کہ جب اپنے امام علیہ الصلوات و السلام کی زیارت کو جانا ہوتو پہلے غسل زیارت کریں یہ بھی غسل واجب جیسا ہے اس کے بعد آداب میں ہے کہ پاکیزہ لباس پہنو اس کے بعد دو رکعت نماز ادا کرو

دوستو! جب بھی کوئی فوت ہوتا ہے تو اس سے بھی یہی آداب پورے کروائے جاتے ہیں کیونکہ اسے موت کے بعد اللہ کے انوار ازلیہ اوّلیہ علیھم الصلوات و السلام کی زیارت کا اعزاز ملنا ہوتا ہے قبر میں تو اپنے اپنے زمانے کے امام علیہ الصلوات و السلام تشریف لاتے ہیں جیسا کہ جناب حارث ہمدانی سے فرمایا گیا

یا حارہ ھمدانی من یموت یرنی یعنی اے حارث ہمدانی ہر مرنے والا ہمیں دیکھتا ہے چاہے وہ مومن ہو یا کافر یعنی ہر مرنے والے کے سرہانے زمانے کے امام کی کرسی لگائی جاتی ہے مگر ماضی کے مومنین کے سامنے ایک تو ان کے زمانے کے امام کی کرسی لگائی جاتی تھی ساتھ ہی انہیں ولی المظلومین عجل اللہ فرجہ الشریف کی زیارت بھی کروائی جاتی تھی۔

یعنی جب بھی کوئی مظلوم اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو سب سے پہلے اسے ولی المظلومین عجل اللہ فرجہ الشریف کی زیارت کروائی جاتی ہے کہ تمہاری محنت اور تمہارا خون رائیگاں نہیں گیا دیکھو یہ تمہارے ولی حقیقی تمہارے سامنے ہیں بس انہیں دیکھ کر ہر مومن و مظلوم کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں۔

یہی وجہ تھی کہ سارے عارفین ہمیشہ اپنی شہادت کی نوید پاتے ہی آداب زیارت پورے کرنا شروع کر دیتے تھے وہ وضو تو پانی سے کرتے تھے اور نماز ادا کرتے تھے

اور جانتے تھے کہ غسل زیارت تو انہیں ان کے خون سے ملے گا

ماضی کے مومنین ایک تو اپنے اپنے زمانے کے امام علیہ الصلوات و السلام کی زیارت کرتے اور وہ بھی سکرات کے وقت سے لے کر قبر کے سوال و جواب تک مسلسل مالک کے حضور میں رہتے تھے اور انہیں ایک اضافی زیارت بھی ہوتی تھی وہ تھی ولی المظلومین عجل اللہ فرجہ الشریف کی اور ہمارے زمانے کے مومنین کو تو سارے معصومین علیہم الصلوات و السلام کے انوارِ طاہرہ علیہم الصلوات و السلام کے مجموعے کی زیارت کا اعزاز حاصل ہوتا ہے اس لئے یہ سارے آدابِ زیارت پورے کروائے جاتے ہیں۔

دوستو! یہ بات بھی قابل غور ہے کہ یہ آداب کسی پر بھی ساقط نہیں ہوتے چاہے وہ اس گھر کا اپنا فرد ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ جناب مسلم علیہ الصلوات و السلام کے پاک فرزندان علیہما الصلوات والسلام ہی کیوں نہ تھے۔ آپ نے ذاکرین سے سنا ہو گا کہ جب حارث بن عروہ تمیمی ملعون انہیں دریا کے کنارے پر لایا تو انہوں نے فرمایا تو ہمیں شہید کرنا چاہتا ہے تو ضرور کر مگر ہمیں دو رکعت نماز ادا کرنے کی اجازت دے دے، اس نے یہ فرمائش پوری کر دی۔

یہ منصبِ امام اور ولی ہے کہ اس کا ادب کسی پر بھی ساقط نہیں ہوتا کیونکہ ولی العصر علیہ الصلوات و السلام ایک طرح سے امیجیٹ گاڈ (Immediate God) ہوتا ہے اللہ جل جلالہ کا قائم مقام ہوتا ہے اس لئے اس کا ادب ہر حال میں ہر فرد پر واجب ہوتا ہے

مقصدِ زیارت

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر ولی المظلومین عجل اللہ فرجہ الشریف کی زیارت کروانے کا کیا مقصد ہوتا ہے؟

دوستو! شرع شریف نے جسے مظلوم ومقتول کا وارث قرار دیا ہے اسے یہ اختیار دیا ہے کہ وہ اس کے خون کو چاہے تو کوڑیوں کے بھاؤ بیچ دے چاہے تو یونہی معاف فرما دے چاہے تو منہ مانگی قیمت لے کر خون بخش دے۔

ایک طرف ولی کو مکمل اختیار رہوتا ہے دوسری طرف مومنین ومظلومین کی عظیم قربانیاں ہوتی ہیں اور انہیں یہ خیال آ سکتا ہے کہ شاید ہمارا ولی و مالک ہمارے خون کی کوئی قیمت نہ لگائے

بس اسی خیال سے کہ انہیں یقین ہو جائے ان کا خون رائیگاں نہیں جائے گا انہیں ولی المظلومین عجل الله فرجه الشريف کی زیارت کروائی جاتی ہے تاکہ انہیں مکمل تسلی ہو جائے کہ نہ ان کا خون بکے گا نہ ضائع ہوگا اور نہ ان کی محنت رائیگاں جائے گی

بلکہ ان کے خون کے ایک ایک قطرے کو اس کے بہنے کا مقصدِ اعلیٰ حاصل ہوگا اور اعلیٰ ترین قیمت ملے گی۔

ہاں جب ولی المظلومین عجل الله فرجه الشريف کا زمانہ آئے گا تو ایک ایک مظلوم کا خون بہا (قصاص) بھی لیا جائے گا۔

مقصدِ جہاد

اب یہاں یہ بات واضح کرنا بھی ضروری ہے کہ جن مومنین ومحبیّن نے اپنی ساری زندگیاں جہاد میں صرف کی تھیں تو ان کا مقصدِ جہاد کیا تھا؟

بات یہ ہے کہ یہ جہاد یعنی جہاد بالنفس کئی طرح کے لوگوں نے کیا ہے ان میں زیادہ تعداد میں وہ لوگ تھے کہ جن کا مقصد صرف حصولِ دنیا تھا یا اس دنیا میں کچھ بن کر دکھانے کی یا کچھ کر کے دکھانے کی خواہش تھی یعنی انہوں نے ترک دنیا فی الدنیا

وللد نیا کیا بعض لوگوں نے خواہشاتِ نفس کی اس لئے بھی مخالفت کی کہ انہیں کسی مرض کا خوف تھا مگر مومنین کے جہاد بالنفس کا مقصد اتنا چھوٹا نہیں ہوتا بلکہ ان کے جہاد کا مقصد حکومتِ الٰہیہ کا قیام ہوتا ہے۔

دوستو! آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب بھی کسی ملک میں آزادی کی تحریک چلتی ہے تو اس میں صرف ایک ہی مقصد ہوتا ہے اور وہ ہوتا ہے اپنے ملک میں اپنی حکومت کا قیام۔اس تحریک کے کارواں میں شامل سارے افراد کا کوئی دوسرا مقصد نہیں ہوتا بلکہ وہ دشمنوں سے اپنا ملک آزاد کروانا چاہتے ہیں اور اس کے لئے وہ ہر قربانی دینے کیلئے تیار ہوتے ہیں جیسا کہ انقلابِ ایران میں کچھ لوگوں نے قربانیاں دیں جان و مال و اولاد کی قربانیاں دیں حتیٰ کہ عزت و ناموس تک کی قربانیاں دیں اور ان کا مقصد ایک اسلامی سلطنت کا قیام تھا اس میں ایک آیت اللہ مرحوم کے ساتھ اس تحریک میں اتنا ظلم ہوا کہ ان کے سامنے ان کی بیٹی کو برہنہ کر دیا گیا اور ان سے کہا گیا کہ تم اپنے مقصد سے دست کش ہو جاؤ مگر وہ اپنی بات پر قائم رہے تا اینکہ ان کی دختر کی چھاتیاں ان کے سامنے کاٹ دی گئیں مگر انہوں نے اپنے مقصد کو ترک نہ کیا اور کہا کہ دین پر سب کچھ قربان کیا جا سکتا ہے۔

اسی طرح نیلسن منڈیلا نے جیلوں میں زندگی کے قیمتی برس صعوبات میں گزار دیئے، اسی طرح جہاد کشمیر میں ہزاروں جانیں کام آ چکی ہیں اور ہزاروں عورتوں کی عصمتیں اس مقصد کیلئے قربان ہو چکی ہیں، اسی طرح کے ہزاروں واقعات ہیں کہ اپنے ملک کو آزاد کروانے کیلئے جان و مال و عزت و ناموس کی قربانیاں دی گئی ہیں، بلاتشبیہ اسی طرح سارے مومنین کا مقصد بھی حکومت الٰہی کا قیام تھا اور وہ بھی اس

دنیا کو ظالمین سے آزاد کروانا چاہتے تھے اور اس روئے زمین پر اللہ جل جلالہ کی ابدی حکومت کو قائم کرنے کیلئے قربانیاں دے رہے تھے اور آج بھی مومنین اپنی زندگیوں کو اس جہاد میں صرف کر رہے ہیں اور اس میں دشمنانِ خارجی و داخلی دونوں سے لڑ رہے ہیں۔

یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ جن لوگوں نے میدانِ جہاد کو عیاشی کا اڈا بنایا ہوا ہے ان کا اس کاروان سے کوئی تعلّق نہیں ہے ان کا شہنشاہ ولی المظلومین عجل اللہ فرجہ الشریف سے بھی کوئی تعلّق نہیں ہے کیونکہ ظالم النفسه کی نص سے ثابت ہے کہ جو بھی بدکرداری کرتا ہے وہ چاہے سید ہی کیوں نہ ہو ظالم ہے اور ولی المظلومین عجل اللہ فرجہ الشریف کا تعلّق صرف مظلومین سے ہے وہ ولی الظالمین نہیں ہیں۔ ہاں ان لوگوں سے ان کا تعلّق ہے کہ جو اس دنیا میں بدکرداریوں سے لڑ رہے ہیں اور اس دنیا کی جیلوں میں اذیّتیں برداشت کر رہے ہیں اور ان کا واحد مقصد حکومت اِلٰہیہ کا قیام ہے اور یہ مومنین کا کاروانِ آزادی ہمیشہ اپنی منزل مراد کی طرف گامزن رہا ہے اور رہے گا اور ہمیں بھی اس کاروانِ آزادی میں شامل ہونا چاہیے اور اس کیلئے ہر قسمی قربانی سے نہیں گھبرانا چاہیے اس میں ہمیں اپنے باطن کے شیطان یعنی نفسِ امّارہ سے لڑنا ہے خواہشاتِ نفس سے لڑنا ہے اور خارجی دشمنوں سے بھی لڑنا چاہیے کہ جو دن بہ دن بڑھ رہے ہیں اور ہماری روحانی ہلاکت کیلئے نئے نئے ہتھیار استعمال کر رہے ہیں معصیت کو ارزاں کیا جا رہا ہے لذّاتِ دنیا کو بہت ہی پرکشش، پرفریب، توبہ شکن اور ایماں شکار بنایا جا رہا ہے اس کے ساتھ ہی فاسد نظریات کو ہر طرح سے پھیلایا جا رہا ہے ایمان خریدے جا رہے ہیں مال و دولت کو معیارِ شرافت بنا کر پیش کیا جا رہا

ہے اور دولت کمانے کے سارے غیر شرعی ذرائع متعارف کروائے جارہے ہیں اور ان کی ترغیب دی جارہی ہے اس لئے اس دور میں اپنے دین پر اور اپنے مقصد پر ثابت قدم رہنا دشوار سے دشوار تر ہورہا ہے۔

وجہ جارحیت

دوستو! یہ ایک مشاہداتی چیز ہے کہ جب بھی کسی تحریک کے دشمن کو یقین ہوجاتا ہے کہ اب تحریکِ آزادی اپنے مقاصد کے حصول کے قریب تر ہورہی ہے تو اس وقت وہ اپنی غیر پسندیدہ حکومت کو بچانے کیلئے اپنے سارے وسائل اس تحریک کو کچلنے کے عمل میں جھونک دیتا ہے اور وہ بہت جارحیت کا مظاہرہ کرتا ہے جیسا کہ جہادِ کشمیر کے ساتھ ہورہا ہے اسی طرح آج ابلیس اور آلِ ابلیس کا اس قدر جارح ہوجانا اس بات کی علامت بھی ہے کہ اب مومنین کی منزلِ مراد دور نہیں ہے۔

دوستو! اس دور میں جس طرح ظلم اپنے عروج پر ہے معصیت عروج پر ہے اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ دشمن سے آزادی کی تحریک کا کارواں اب کامیابی کی چوٹی کے قریب پہنچ چکا ہے اس لئے دشمن بوکھلا کر جارحیت پر اتر آیا ہے اب تو ہمیں اپنے حوصلوں کو بڑھانا چاہیے اور حکومتِ ابلیس کی گرتی ہوئی دیوار کو ''ایک دھکا اور دو'' پر عمل کرنا چاہیے۔ اپنے مجاہدات میں اضافہ کرنا چاہیے۔ اس کارواں کو آگے بڑھانا چاہیے

اس موقعہ پر میں اپنی ایک نظم یہاں عرض کرنا چاہوں گا اس کا موضوع یہ تھا کہ جو عارفین وشہدائے آزادی اس دنیا سے جہاد کرتے کرتے اپنی جانوں کا نذرانہ دے چکے ہیں وہ اب بھی ہمیں پکار پکار کر فرمارہے ہیں

صدائے رفتگان

دوستو کر چلے ہیں فدا ہم تو جاں ...... اب تمہارے حوالے ہے یہ کارواں

راستوں میں ہزاروں ہوں گر پیچ و خم

بڑھتے رہنا ہے تجھ کو سدا دم بہ دم

تم سنبھالے چلو اپنے سب ہمقدم

من میں لے کے چلو ہمّتِ عاشقاں ...... اب تمہارے حوالے ہے یہ کارواں

تم بچھڑنے نہ دینا کوئی ہم سفر

تھک کے بیٹھے نہ کوئی سرِ راہگذر

کارواں اس طرح تو نہ جائے بکھر

ساتھ لے کے چلو اپنے ہر نا تواں ...... اب تمہارے حوالے ہے یہ کارواں

دشمنوں سے بھی پیہم بچانا اسے

سوئے منزل ہمیشہ بڑھانا اسے

اپنی منزل پر خود لے کے جانا اسے

چاہے طوفان آئیں اٹھیں آندھیاں ...... اب تمہارے حوالے ہے یہ کارواں

آج تک ہم اسے ہیں بچاتے رہے

لوگ کافی ہیں یوں کام آتے رہے

جان تک بھی ہیں ہم تو گنواتے رہے

محنتیں یہ ہماری نہ ہوں رائیگاں ...... اب تمہارے حوالے ہے یہ کارواں

لاکھوں جانوں کی ہے اک کمائی یہی
ہم نے پونجی فقط ہے بچائی یہی
اب تمہارے ہے حصے میں آئی یہی
اب حفاظت کرے اس کی ہر نوجواں ...... اب تمہارے حوالے ہے یہ کارواں
سامنے اب ہے منزل تمہارے کھڑی
دے رہی ہے صدا اب تو ابدی خوشی
تھوڑی سی اب تو ہمّت کرو چند گھڑی
دور اب تو نہیں منزلِ جاوداں ...... اب تمہارے حوالے ہے یہ کارواں
آ رہی ہے صدا اے میرے ساتھیو
اب دعا سے بھی اک پل نہ غفلت کرو
تھوڑی سی اور ہمّت کرو دوستو
دے رہے ہیں صدا منزلوں کے نشاں ......اب تمہارے حوالے ہے یہ کارواں

دوستو! اس مقام پر ہمیں دعا کرنا چاہیے کہ جملہ مظلومین کو اپنی منزلِ مراد جلدی نصیب ہو

آمین یارب العالمین

اللهم صل علیٰ محمدؐ وآل محمدؐ و عجل فرجهم بقائمهمؑ صلوات الله علیه والسلام

یا ھو یا من ھو لا ھو الا ھو الحی القیوم یا ھو یا من لا یعلم ما ھو الا ھو الحی القیوم العلی العظیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک

عین اللہؐ

عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه

الحمد لله رب العالمين و صل علىٰ محمدؐ و آلہٖ اجمعين خصوصاً على حجة الله فى العالمين عجل الله فرجه الشريف و آبائه المعصومين و امهاته الطاهرين الطيبين صلوات الله عليهم اجمعين و لعنة الله علىٰ اعدائهم اجمعين من يوم الازل الى يوم الدين

اے مربوبینِ ربّ العرفان!

آج ہم اس سلسلے کی اگلی کڑی کو اس سے منسلک کرنے جا رہے ہیں جیسا کہ ہم نے سابقہ گفتگو میں یہ گذارش کی تھی کہ یہ انوارِ الٰہیہ علیہم الصلوات و السلام معیّتِ قیومیہ کے حامل ہیں مگر اس دور کے کئی مہربان اس بات پر اَڑے ہوئے ہیں کہ یہ ہمارے اعمال کا براہِ راست مشاہدہ نہیں فرماتے بلکہ ہر صبح اور شام کو ملکوت [کراماً کاتبین] اعمال نامے لکھ کر ان کو پیش کرتے ہیں اور یہ وہاں سے اعمال کے بارے میں سب کچھ معلوم فرما لیتے ہیں اور ان کے پرچار کا مقصد یہ ہے کہ کسی طرح یہ انوارِ الٰہیہؑ ازلیہ علیہم الصلوات و السلام اللہ کے نور ثابت نہ ہوں بلکہ نعوذ باللہ عادی بشر ثابت ہو جائیں آیئے ہم بھی اس نظریے پر ایک نظر ڈالتے چلیں۔

دوستو! اس وقت دنیا کی جو آبادی ہے وہ سات ارب کے قریب ہے اور ہم اگر اس آبادی میں سے بالغ افراد کی تعداد کو کم سے کم تین ارب سے قدرے زیادہ مان لیں تو اس طرح سارے انسانوں کے اعمال ناموں کی تعداد چھ ارب سے زیادہ ہوگی کیونکہ ایک اعمال نامہ صبح کو پیش ہوتا ہے اور ایک شام کو، اگر ہم دو فرشتوں کے دو دو نوشتے مان لیں تو ان کی تعداد ساڑھے بارہ ارب کے قریب بنتی ہے اگر ہم اس تعداد کو سیکنڈوں پر تقسیم کریں تو ایک لاکھ چالیس ہزار اعمال نامے فی سیکنڈ کے حساب سے ان کی خدمت میں پہنچتے ہیں اب اس سے اندازہ کریں کہ ایک ایک انسان کے سارے دن کی مکمل کاروائی کی فائلوں کو اس کم وقت میں دیکھنا کیا کسی انسان کے بس کا روگ ہوسکتا ہے؟

اگر ہم اس بات کو مان بھی لیں تو یہ پاک انوارِ الٰہیہ ازلیہ علیھم الصلوات و السلام بشر تو پھر بھی ثابت نہیں ہوتے کیونکہ کسی بشر کے باپ کی طاقت بھی نہیں ہے کہ وہ اس سرعت سے اعمال ناموں کو دیکھ سکے یا کوئی اسے گن کر بتا سکے۔

وہ کہنے والے کہتے ہیں کہ ساری مخلوق کے اعمال ناموں کو حجتِ عصر کے اعزاز کیلئے ملکوت ان کی خدمت میں لاتے ہیں اور وہ بھی سب سے اوّل شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی خدمت میں لاتے ہیں ان کے بعد امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام کی خدمت میں لاتے ہیں اسی طرح چلتے چلتے سب سے آخر میں وہ اعمال نامے حجت عصر عجل اللہ فرجہ الشریف کی خدمت میں پیش ہوتے ہیں اور پھر وہ اعمال نامے اللہ جل جلالہ کے سامنے جاتے ہیں یعنی اس طرح اللہ جل جلالہ کا علم بھی اخباری ہو جاتا ہے احاطی نہیں رہتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ شیعہ عقائد کا یہ ایک مسلّمہ ہے کہ زمانہ کبھی حجت خدا سے خالی نہیں رہا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شہنشاہ انبیاصلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم جب ظاہراً دنیا میں تشریف لائے تو اس وقت سے قبل یہ اعمال نامے کس کے حضور پیش ہوتے تھے؟

یہ جو کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے یہ اعمال نامے شہنشاہ انبیاصلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی خدمت میں جاتے ہیں تو ان کے ظاہراً ظہور سے قبل بھی یہی سلسلہ تھا یا بعد میں یہ سلسلہ جاری ہوا؟ اگر پہلے سے یہ سلسلہ جاری ہے تو جناب آدم علیہ السلام کے دور کے اعمال نامے بھی ان کے حضور پیش ہوتے ہوں گے اگر ایسا ہے تو پھر یہ اولادِ آدم تو نہ مانیں اور بشر تو صرف وہ ہیں جو اولادآدم میں سے ہیں پھر یہ بشر تو کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتے اسی طرح اگر آپ سوچتے جائیں تو فاسد نظریات کا خود بخود رد ہوتا جاتا ہے۔

دوستو! سابقہ بیان میں ہم نے جس اسم مبارک پر روشنی ڈالی تھی اس سے یہ مشاہدۂ عباد ثابت کیا تھا لیکن اس سے کسی نہ کسی کو ایک غلط فہمی ہوسکتی ہے کہ شاید یہ بات صرف انسان موجود تک محدود ہے کیونکہ یہ احتمالِ بعید بھی موجود تھا۔ اس لئے آئمہ اطہار علیہم الصلوات و السلام نے ہمیں جو اسمائے مبارکہ بذریعہ ادعیہ وزیارات تعلیم فرمائے ہیں ان میں اس اشکال کو بھی دور فرمایا گیا ہے۔

جیسا کہ ہم نے عرض کیا تھا کہ دائرہ عباد میں آٹھ دس قسم کے انسان آجاتے ہیں اور ان کے علاوہ انبیا وملکوت ومعبودان کفّار وغیرہ آجاتے ہیں مگر باقی چیزیں اس سے خارج ہیں جیسا کہ اشجار، جمادات، نباتات، جنّات، حیوان اور پھر ان کی اقسام و

انواع کو عباد میں شامل نہیں کیا گیا- اب کوئی یہ کہے کہ ان کے اسم مبارک سے تو صرف ایک محدود سا مشاہدہ ثابت ہوتا ہے تو اس اشکال کو رفع کرنے کیلئے ایک اور اسم مبارک لایا گیا ہے وہ ہے:

عین اللہ الناظرہ عجل الله فرجه الشريف (اللہ کی دیکھنے والی آنکھ)

دوستو! آنکھ کی کئی حالتیں ہوتی ہیں مثلاً

() آنکھ ہی نہیں ہوتی () آنکھ ہوتی ہے بصارت نہیں ہوتی () آنکھ ہوتی ہے اس میں بصارت بھی ہوتی ہے مگر نظر نہیں ہوتی

آپ حیران ہو رہے ہیں کہ میں نے بصارت و نظر کو جدا جدا کہہ دیا ہے

بات یہ ہے کہ آپ اس چیز کو سمجھیں کہ

() عین = [آنکھ] دیکھنے کا آلہ ہے

() بصارت = دیکھنے کی صلاحیت کا نام ہے

() رؤیت = آنکھ کے دیکھنے کے عمل کا نام ہے

() مشاہدہ = دیکھی جانے والی چیز کے دکھائی دینے کا نام ہے

() نظر = اس دکھائی دینے والی چیز کو پرکھنے کا نام ہے

دیکھئے ایک آدمی کسی چیز کو دیکھتا ہے وہ رویت میں آ جاتی ہے اور اس کا مشاہدہ ہو جاتا ہے ان سارے مراحل کے باوجود اس دکھائی دینے والی چیز کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ کرنا آنکھ کا کام نہیں ہوتا جیسا کہ ایک بچہ چاند کو دیکھتا ہے اور اسے گود میں لینے کیلئے ہمکتا ہے کیونکہ وہ دیکھ بھی رہا ہے اس کا مشاہدہ بھی کر رہا ہے مگر اسے سمجھ نہیں رہا وہ اسے ایک چھوٹا سا کھلونا سمجھ رہا ہے اسی طرح ستاروں کے بارے

میں کئی لوگ آج بھی کہتے ہیں کہ یہ بھیڑ کے برابر ہیں یعنی وہ ان کے سائز کا تعیّن درست نہیں کر رہے ہوتے کیونکہ اُن کی بصارت ومشاہدہ ورؤیت تو درست ہے مگر اس کی پرکھنے والی قوت [نظر] ناقص ہے۔

دوستو! عقل کے کئی شعبے ہیں یعنی ہر حس کے بارے میں اس کے اندر علیحدہ علیحدہ شعبے ہیں کہ جو حواسِ خمسہ کی بہم پہنچائی ہوئی معلومات کو پرکھتے ہیں جیسا کہ آج نیورالوجی (Neurology) میں یہ بتایا جاتا ہے کہ دماغ کا کونسا حصہ کس چیز کے بارے میں فعال ہوتا ہے اور اس کے (Cortex) کارٹیکس میں کونسی چیز کہاں ہائی لائیٹ (Highlight) ہوتی ہے مثلاً موسیقی (Melody) دماغ کے داہنے حصے میں بلنک (Blink) کرتی ہے اور ردھم دماغ کے بائیں حصے میں بلنک (Blink) کرتی ہے اسی طرح باقی چیزوں کے بارے میں ہے کہ دماغ کے کارٹیکس (Cortex) میں کس حس سے متعلّق کس مقام پر شعبہ قائم ہے اور آج کی سائنس دماغ کے 42 حصے دریافت کرسکی ہے کہ کون سے حصے کس کس چیز سے متحرک ہوجاتے ہیں یہ ایک علیحدہ علم ہے اس پر بھی کبھی بات ہوگی۔ مگر میں عرض یہ کر رہا تھا کہ آنکھ کے ذریعے جو معلومات دماغ تک جاتی ہیں انہیں ایک شعبۂ عقل ہے جو پہچانتا ہے اور اس کے بارے میں اپنا فیصلہ کرتا ہے کہ اس کی حقیقت کیا ہے پھر دماغ کے اس شعبے میں ذیلی شعبے ہوتے ہیں جیسا کہ کوئی شعبہ رنگوں کے بارے میں تجزیہ کرتا ہے کہ یہ کون سے ہیں کوئی شعبہ اس کے حجم کے بارے میں فیصلہ کرتا ہے کوئی شعبہ اس کے فاصلوں کے بارے میں تجزیہ کرتا ہے اسی طرح ان سب کے اوپر ایک شعبہ ہوتا ہے جو ان ذیلی شعبوں کی رپورٹیں دیکھ کر ایک جامع فیصلہ کرتا ہے جس میں رنگوں، سائز، شکل، دوری وغیرہ سب کے

بارے میں ایک جامع تجزیہ ہوتا ہے اور اسی جامع فیصلہ کرنے والی قوت کو نظر کہتے ہیں جیسا کہ صاحبان ''علم المفردات'' نے نظر کے بارے میں لکھا ہے کہ

النظر تقليب البصر و البصيرة لادراك الشی مع تامل او تفحص او العبرة

نظر بصارت اور بصیرتِ قلبی کا کسی شے کی حقیقت کی دریافت میں غور فکر و عبرت و تجزیے کیلئے متحرک و مصروف ہونے کا نام ہے یعنی جس میں تفکر و تدبر برائے ادراک شئے بھی شامل ہو اسے نظر کہتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے

افلا ینظرون الا ابل کیف خلقت فرمایا کہ کیا وہ اونٹ کو نہیں دیکھتے یعنی ان کی قوت عقلیہ غور نہیں کرتی کہ اسے کیسے خلق فرمایا گیا ہے۔

اب آپ نے نظر کے معنی تو سمجھ لئے اب اس اسم مبارک کی طرف بھی دیکھ لیں جو ہمارا عنوان ہے یعنی عین اللہ الناظرة عجل اللہ فرجہ الشریف اللہ جل جلالہ کی وہ آنکھ جو قوت نظریہ سے بھرپور ہو۔ اس میں عین کو نظر لبریز فرمایا جا رہا ہے کہ یہ صرف عین نہیں بلکہ صاحب نظر بھی ہے۔

عین کے بارے میں تو آپ کو بتایا جا چکا ہے کہ عین ہر اس چیز کو کہتے ہیں کہ جس سے کوئی چیز پھوٹ کر نکلے اس صفت کی وجہ سے آفتاب کو بھی عین کہا جاتا ہے کہ اس سے روشنی پھوٹ کر نکلتی ہے، اسی صفت کی وجہ سے کنویں کے منبع کو بھی عین کہا جاتا ہے کہ جس سے پانی پھوٹ کر نکلتا ہے، اسی صفت کی وجہ سے چشمے کو بھی عین کہا جاتا ہے کیونکہ چشمہ سے پانی پھوٹ کر نکلتا ہے اور اسی صفت کی وجہ سے آنکھ کو بھی عین کہتے ہیں کہ اس سے آنسو پھوٹ کر نکلتے ہیں یا ماضی کے نظریے کے مطابق اس سے بصارت پھوٹ کر نکلتی ہے [اب تو علم البصریات نے آنکھ کے علم کو اتنی وسعت دی

ہے کہ اس علم کے اندر بیسیوں شعبے ہیں اور ان میں سکالر شپ مل رہی ہے]

اب اس مقام پر میں عرض کروں گا کہ جن لوگوں کو یہ خیال ہوسکتا تھا کہ ان کا مشاہدہ محدود علی العباد ہے ان کے اس متوقع خیال کو اس اسم مبارک کے ذریعے رد فرمایا گیا ہے کہ یہ اللہ جل جلالہ کی نظر سے بھرپور چشم ہیں بھلا ان سے بھی کوئی چیز اوجھل ہوسکتی ہے؟

دوستو! حقیقت یہ ہے کہ ان کے نور سے کائنات کا کوئی ذرّہ خالی نہیں ہے یہ ہر انسان سے اس کی روح سے بھی زیادہ قریب ہیں اور اس کی روح سے بھی زیادہ باخبر ہیں کوئی فرشتہ ایسا نہیں جس کی روح ملکوتی سے زیادہ یہ اس کے قریب نہ ہوں۔

عالم موجود ولا موجود پر ان کا نور ازلیۂ الٰہیہ ہمیشہ سے محیط ہے اور ہر وہ چیز جس پر لفظ چیز کا اطلاق ہوتا ہے وہ ان کے نور کے سمندر میں زندگی کی سانسیں لے رہی ہے۔

دوستو! جب ہم معیّت کو دیکھتے ہیں تو ہمیں اس کی دو قسمیں نظر آتی ہیں:

( )معیّت اعزازی ( )معیّت وجودی

معیّتِ اعزازی جسمانی معیّت نہیں ہوتی بلکہ شراکتی و رضائی ہوتی ہے جیسا کہ ارشاد ہے ان الله مع الصابرین یعنی اللہ صابرین کی معیّت میں ہے حقیقت یہ ہے کہ اس کی معیّت وجودی تو ہر شے کے ساتھ ہے مگر اس کی رضا وخوشنودی صابرین کے ساتھ ہے اور یہ اعزاز ہے اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ ان الله لمع المحسنین یعنی اللہ محسنین کے ساتھ ہے

اس کے بعد ہے معیّتِ وجودی تو معیّتِ وجودی کی بھی دو قسمیں ہیں:

( )معیّتِ داخلی ( )معیّتِ خارجی

معیّتِ داخلی اس طرح ہوتی ہے جیسے انسان کا نفس انسان کی روح اس کے اندر ہوتی

ہے اسی طرح اللہ جل جلالہ اور ان کے انوارِ ازلیہ اوّلیہ علیہم الصلوات و السلام کی معیّت کی بھی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ معیّتِ داخلی کے حامل ہیں کیونکہ انسان کا کوئی سیل (Cell) کوئی نیوکلیس (Nucleus) کوئی حصہ ان کی معیّت سے خالی نہیں ہے۔

ان کی دوسری معیّت معیّت خارجی ہے یعنی یہ انسان کے باہر کے بھی ساتھ ہیں اور انسان کے اندر کے بھی ساتھ ہیں یعنی انسان کے اجزائے ترکیبی کے بھی ساتھ ہیں اور ہر مکمل انسان کے بھی ساتھ ہیں۔

اگر ہم معیّت خارجی کے تصور کا بہ نظر تعمق جائزہ لیتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ عدم معیّت سے معیّت کلّیہ تک کئی صورتیں ہیں جیسا کہ

( ) کوئی ساتھ ہی نہ ہو

( ) ساتھ نہ ہو مگر کسی ذریعے سے دیکھ رہا ہو جیسے ٹی وی پر دیکھا جاتا ہے

( ) ساتھ ہو مگر دیکھ نہ رہا ہو جیسا کہ کوئی اندھا ساتھ ہوتا ہے

( ) ساتھ ہو، دیکھ بھی رہا ہو مگر غور نہ کر رہا ہو جیسا کہ ہم عام مناظر دیکھتے ہیں یا عام لوگوں کے ہجوم کو دیکھتے ہیں

( ) ساتھ ہو، دیکھ بھی رہا ہو، غور بھی کر رہا ہو مگر سمجھنے میں دھوکہ کھا رہا ہو جیسا کہ کوئی کسی شعبدہ باز کے کرتب دیکھ بھی رہا ہوتا ہے اور سمجھنے کی کوشش بھی کر رہا ہوتا ہے مگر جو سمجھ رہا ہوتا ہے وہ ہوتا نہیں ہے

( ) ساتھ ہو، دیکھ رہا ہو، غور کر کے سمجھ بھی رہا ہو اور جو کچھ وہ سمجھ رہا ہو وہی عین حقیقت بھی ہو

اللہ جل جلالہ کے انوارِ ازلیہ اوّلیہ علیہم الصلوات و السلام کی معیّت وجودی وخارجی کا جو

مقام ہے وہ یہی مقام ہے اسی مقام کو ''شاہدیت العباد'' کہا جاتا ہے اور جو معیّت کلّیہ ُوجودیہ وداخلیہ ہے وہ مقام ''شہیدیت العباد'' ہے یہ بات یاد رہے کہ یہ مقام ''شہیدیت الخلق'' سے جدا ایک مقام ہے جو فرد سے متعلّق ہے اور ''شہیدیت الخلق'' کا مقام پوری تخلیقِ ازل وابد سے ہے۔

دوستو! یہ مقامات تو آپ کو معلوم ہوگئے ہیں اب یہ بھی عرض کردوں کہ جس ذاتِ اقدس میں شہود و رؤیت کے جملہ مقامات جمع ہوجائیں اسے کہا جاتا ہے ''عین اللہ الناظرۃ'' یعنی اللہ کی دیکھنے والی آنکھ ۔

یہ بات تو ادعیہ وزیارات سے واقف کیلئے بتانا ضروری نہیں ہے کہ یہ لقب بھی ہر زمانے کے امام علیہ الصلوات و السلام ہی کا ہوتا ہے کیونکہ ان کی ذاتِ اقدس میں شہود و رؤیت کے جملہ مقامات جمع ہوتے ہیں۔

کچھ لوگوں نے یہ بات کی ہے کہ یہ ہمہ وقت نہیں دیکھتے بلکہ جب یہ کسی چیز کو دیکھنے کا ارادہ فرماتے ہیں تو اللہ جل جلالہ انہیں وہ چیز دکھا دیتا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ جن لوگوں کا یہ نظریہ ہے انہیں اشتباہ ہوا ہے ورنہ پوری کائنات ان کے سامنے ہاتھ کی ہتھیلی کی طرح ہے کیونکہ یہ عین اللہ الناظرہ علیہم الصلوات و السلام ہیں

دوستو! یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ سننا، بات کرنا، سونگھنا، چکھنا، رونا، ہنسنا وغیرہ یہ سب افعال واعمال ہیں اسی طرح دیکھنا بھی ایک فعل ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ افعال کی دو قسمیں ہوتی ہیں:

( )افعالِ اختیاری ( ) افعالِ غیر اختیاری

افعالِ اختیاری ان افعال واعمال کو کہا جاتا ہے کہ جو انسان یا کسی نوع کا کوئی فرد

بغیر کسی دباؤ کے اپنی مرضی اور رضا سے کرتا ہے یعنی اس کا جی چاہتا ہے تو کرتا ہے اگر جی نہیں چاہتا تو نہیں کرتا مگر افعالِ غیر اختیاری میں اسے یہ اختیار نہیں ہوتا کہ وہ انہیں ترک کر سکے

اعمال وافعالِ غیر اختیاری کی دو قسمیں ہوتی ہیں:

()اضطراری ()واجبی

اعمال وافعالِ اضطراری کو سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ ہم اضطرار کو سمجھیں۔

عالمِ مخلوق پر کسی کام کیلئے تین طرح کے جبر ہوتے ہیں

(1) جبر خارجی

جبر خارجی اس طرح ہوتا ہے کہ کسی کو کسی کام کے کرنے پر کوئی دوسرا مجبور کر دیتا ہے جیسا کہ کوئی انسان کسی کو گن پوائنٹ پر لے کر اس سے کوئی کام کرواتا ہے یعنی انسان جو نہیں چاہتا وہ بندوق کی بیرل کنپٹی پر رکھ کر کروالیتا ہے اسی طرح خالق بھی کئی کام انسان کے نہ چاہنے کے باوجود کروالیتا ہے تو یہ بھی ایک طرح کا جبر خارجی ہی ہے اصطلاحاً اس جبر ہی کو ''جبر'' کہا جاتا ہے

(2) جبر داخلی

یہ جبر مخلوق کے اندر کا جبر ہوتا ہے اور یہ مخلوق کی فطری کمزوریوں کی وجہ سے ہوتا ہے جیسا کہ انسان بھوکا ہو تو موت سے بچنے کیلئے وہ مجبوراً ہر کام کر گزرتا ہے یعنی روٹی چرالیتا ہے اور اپنے اسٹیٹس (Status) کے خلاف کوئی کام کر سکتا ہے اور خالق نے بھی اس طرح کے جبر میں کئے جانے والے اعمال میں رعایت فرمائی ہے جیسا کہ ارشاد ہے

☆إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّهِ بِهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلاَ عَادٍ فَإِنَّ اللّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ......(نحل115)

مردار، خون اور خنزیر کا گوشت اور ہر اس چیز کو حرام قرار دیا گیا ہے کہ جس کے ذبح کرنے پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اس حکم کے آخر میں فرمایا ہے کہ جو اضطرار میں انہیں استعمال کر لے بشرطیکہ اس کی نیت بغاوت یا عداوت کی نہ ہو تو پھر اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی فطری کمزوریوں کی وجہ سے انسان کے اندر سے ایک پریشر ہوتا ہے جو انسان کو ان پر مجبور کر دیتا ہے یہ بھی اضطرار کی وجہ ہوتا ہے اس جبر کو اصطلاحاً ''اضطرار'' کہا جاتا ہے۔

(3) جبر مقدّر

جبر مقدّر یہ ہے کہ انسان اپنے مقدّرات کی زنجیر میں جکڑا ہوا ہوتا ہے جیسا کہ انسان اپنی شکل، قد و قامت، عمر، یعنی بچپن، جوانی، بڑھاپے اور موت کے معاملے میں ہمیشہ بے اختیار رہا ہے یہ بھی ایک جبر ہی ہے جو انسان کے مقدّرات کا ہے اگر چہ یہ بھی خارجی جبر ہے اور جبر اِلٰہی بھی ہے مگر اس کی نوعیت جدا ہے اس لئے اسے ایک علیحدہ نام دیا جاتا ہے اور اصطلاحاً اسے ''تقدیر'' کہا جاتا ہے۔ یہ بھی ہے کہ ہر وہ چیز جسے خلق کہا جا سکتا ہے وہ لازماً تقدیر کے ماتحت ہوگی ہاں جو چیز تقدیر کے ماتحت نہ ہو اسے ''خرق'' کہا جاتا ہے خلق اور خرق میں یہی فرق ہے کہ خلق ہمیشہ تقدیر کے ماتحت ہوتی ہے اور خرق ہمیشہ تقدیر کے دائرۂ اثر سے باہر ہوتی ہے

دوستو! جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ اعمال و افعال غیر اختیاری کی دو قسمیں ہوتی

ہیں () اضطراری () واجبی آپ سے افعال و اعمالِ اضطراری کے بارے میں کچھ نہ کچھ عرض کر دیا ہے اب اس کی دوسری قسم پر بھی بات ہو جائے۔

افعالِ واجبی

دوستو! افعال و اعمال کا صدور صفات کے ماتحت ہوتا ہے اور صفات و خصائص واجبہ وہ ہوتے ہیں کہ جن سے کسی چیز کا وجود و عدم وابستہ ہوتا ہے اور جن صفات و خصائص سے کچھ اشیاء کا وجود و عدم وابستہ ہوتا ہے ان کی دو قسمیں ہوتی ہیں ان کیلئے دو اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں:

() واجبِ حقیقی () لازمِ حقیقی

واجبِ حقیقی اس صفت کو کہتے ہیں کہ جس پر موصوف [صاحبِ صفت] کے وجود و عدم کا انحصار بھی ہو اور اس موصوف سے اس صفت کے جدا ہونے کا کوئی امکان بھی نہ ہو یعنی نہ ہی موصوف کے ختم و عدم کا کوئی امکان ہو اور نہ ہی اس سے اس کی صفت کے جدا ہونے کا کوئی امکان ہو جیسا کہ اللہ جل جلالہ کی صفت قدرت ہے، رویت ہے ، ادراک ہے، ارادہ ہے یا اس کی حیات ہے۔

آپ اس کی صفتِ حیات کو دیکھیں۔ یہ اللہ جل جلالہ کیلئے واجب حقیقی ہے۔ اللہ سے اس کی حیات کا منقطع ہونا محال ہے اگر اللہ خود بھی چاہے تو اپنی حیات کو اپنی ذات سے جدا نہیں کر سکتا ہے کیونکہ جب وہ زندہ نہ رہے گا تو اللہ نہ رہے گا اور اللہ اپنے آپ کو مٹانے پر بالکل اختیار نہیں رکھتا اس لئے اللہ جل جلالہ کی ساری صفاتِ حسنیٰ اس کی ذات کیلئے واجب ہیں۔

لازمِ حقیقی

لازمِ حقیقی اس صفت کو کہتے ہیں کہ جس پر کسی چیز کے وجود و عدم کا انحصار تو ہو مگر اس صفت و فعل کے اس سے جدا ہونے کا امکان بھی ہو اس بات کو میں ایک مثال سے سمجھاتا ہوں

دیکھئے ہمارے سامنے آگ جل رہی ہے آگ کے قریب آپ ہاتھ لے جاتے ہیں اور کہتے ہیں بھائی یہ آگ تو گرم ہے۔

سارے لوگ یہ بات سن کر ہنسنا شروع کر دیں گے کیونکہ آگ اور حرارت کا ایک دوسرے سے جدا ہونا ناممکن ہے۔ ہاں اگر کوئی آگ سے حرارت کو جدا کرنے کی کوشش کرے گا تو آگ ہی نہ رہے گی، آگ کا وجود ہی نہ رہے گا مگر جب تک آگ رہے گی اس کی حرارت رہے گی اس کی وجہ یہ ہے کہ آگ کی ذات کیلئے حرارت کی صفت لازمِ حقیقی ہے اس لئے یہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کا آپس کا جو رشتہ ہے وہ لازم وملزوم کا ہے اور ملزوم کے بغیر لازم کا تصور بھی ناممکن ہوتا ہے کیونکہ لازم وملزوم کا رشتہ وتعلّق ناقابل انقطاع ہوتا ہے لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ یہ دونوں معدوم ہو جائیں یعنی نہ رہے آگ اور نہ رہے حرارت مگر واجب میں لازم وملزوم دونوں کا نہ ہی جدا ہونا ممکن ہوتا ہے اور نہ ان دونوں کا فنا ہونا ممکن ہوتا ہے۔

دوستو! لازم وملزوم کا جو تعلّق ہوتا ہے اس میں یہ بھی ہوتا ہے کہ ہر لازم اپنے ملزوم پر قائم ہوتا ہے چاہے وہ ملزوم خود بھی قائم بالغیر ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ میں نے آگ

کی مثال دی تھی کہ حرارت لازم ہے اور آگ ملزوم ہے اور حرارت آگ پر قائم ہوتی ہے کیونکہ ہر لازم اپنے ملزوم پر قائم ہوتا ہے۔
اب یہ بھی آپ نے دیکھا ہوا ہے کہ آگ خود بھی قائم بالغیر ہے یعنی آگ جل نہیں سکتی جب تک کوئی جلنے والی چیز نہ ہو جیسے لکڑی ہے، کوئلہ ہے، تیل ہے یعنی کسی نہ کسی چیز پر آگ کا وجود قائم ہوگا اگر وہ چیز آگ سے جدا کر دیں گے تو آگ قائم نہ ہو سکے گی۔
دوستو! اللہ جل جلالہ کی جتنی صفات و خصائص ہیں وہ اس کیلئے واجبِ حقیقی ہیں نہ لازمِ حقیقی، کیونکہ اس کی جملہ صفاتِ ذات اس کی غیر نہیں بلکہ عین ذات ہیں جیسا کہ حیات ہے تو اس سے جدا نہیں ہوسکتی بلکہ حیات کا اس سے جدا ہونا محال ہے اور اگر وہ اپنی پوری قدرت کی توانائیاں صرف ہی کیوں نہ کر لے وہ اپنی ذات پر موت کو طاری نہیں کرسکتا۔ بس اسی طرح اس کا ہر شے کو دیکھنا بھی اس پر واجبِ لازم ہے وہ نہ بھی چاہے تو بھی اس کائنات کے ایک ایک ذرے کو دیکھنے پر مجبور ہے چاہے وہ چاہے یا نہ چاہے اسے حاضر و ناظر رہنا پڑتا ہے وہ کسی چیز سے اپنی آنکھ بند نہیں کرسکتا
دوستو! اب یہ بھی عرض کر دوں کہ وہ ذاتِ واجب الوجود اگرچہ جملہ آلات و اسباب سے ارفع و اعلیٰ ہے مگر اس نے اپنے دیکھنے کے اس عمل کیلئے اپنے انوارِ ازلیہ اوّلیہ علیہم الصلوات و السلام کو مقام ''عین'' دیا ہے اور وہ عین اللہ الناظرة ہیں یعنی اس کی دیکھنے والی آنکھ یہی نورِ اوّل ہے اور اس کا مرکز ہر زمانے کے امام علیہ الصلوات و السلام ہوتے ہیں اس لئے ان کی کئی صفات و خصوصیات بھی واجب مجازی کا درجہ رکھتی ہیں جیسے ان کی نوریت ہے، اتصال باللہ ہے، یا یہ کہ عالمین کے ہر فرد کے

ہر ایٹم، ہر ذرے کو دیکھنا بھی ان سے کبھی منقطع نہیں ہوتا- اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا نور قائم باللہ ہوتا ہے جیسے لکڑی پر آگ قائم وظاہر ہوتی ہے بلاتشبیہ اسی طرح ان کا نورِ اوّل اپنے جملہ اجزائے لا یتجزیٰ سمیت اللہ جل جلالہ کے نور پر قائم وظاہر ہوتا ہے اور ان کی صفات ذات بھی نورِ الٰہی پر قائم ہوتی ہیں بس یوں سمجھیں کہ نہ یہ اللہ سے جدا ہو سکتے ہیں اور نہ ان کی صفات مثلاً حیات وعلم وقدرت ان سے جدا نہیں ہو سکتی ہے کیونکہ ان کا قیام ایک دوسرے پر ہے یعنی ان کا نورِ ذات اللہ جل جلالہ کی ذات پر قائم ہے اور ان کی صفات ان کے نورِ ذات پر قائم ہیں اور یہ سلسلہ ایک طرح سے واجب حقیقی کا درجہ بھی رکھتا ہے اور ایک طرح سے لازم حقیقی کا درجہ بھی رکھتا ہے جس کی حقیقت کو عقل دریافت نہیں کرسکتی ہاں اگر ایسا نہ ہوتا تو انہیں عین اللہ نہ کہا جاتا کیونکہ جس طرح اللہ کی رویت ونظر [دیکھنا] اس پر واجب ہے اسی طرح ان کا دیکھنا بھی واجب ہے یہ چاہیں یا نہ چاہیں کائنات کا ذرّہ ذرّہ ان کے سامنے ہمیشہ موجود رہے گا یعنی انہیں مشاہدہ کائنات مجبوراً کرنا پڑتا ہے-

دوستو! یہاں تک تو ہم کچھ نہ کچھ سمجھ چکے ہیں کہ عین اللہ الناظرۃ کیا ہے اب ایک منزل اور آگے بڑھتے ہیں- آپ کو فکری سفر میں ذرا چاق وچوبند رہنا پڑے گا کیونکہ یہ عرفان کی وادیوں کی دشوار گزار گھاٹیوں کا سفر ہے-

دوستو! یہ تو آپ جان ہی چکے ہیں کہ اللہ جل جلالہ کا کسی پر نظر فرمانا ہر حال میں واجب ہے اور وہ اس سے کبھی منقطع نہیں ہوسکتا مگر اس نگاہِ مسلسل کی دو حالتیں ہوتی ہیں () نظرِ غضب () نظرِ رحمت

آپ دیکھیں ابلیس نے جب ساری کائنات کی بدبختیاں گلے میں ڈال لیں تو اس

نے غضب جبار سے عمل کی جزا طلب کی اور عرض کیا انظرنی الی یوم یبعثون یعنی مجھے اس دن تک دیکھتا رہ کہ جس دن لوگوں کو قبروں سے اٹھنا ہے- یہاں اس نے اللہ کی نظر غضب کو دیکھنے کی دعوت دی ہے جو ایک طرح کی مہلت تھی اگر وہ مٹ جاتا یا فنا ہو جاتا تو اسے دیکھا کیسے جا سکتا تھا؟ اس لئے اس نے مہلت کیلئے لفظ ''انظرنی'' [میری طرف نگاہ فرما، فرماتا رہ] کا استعمال کیا اسی طرح قیامت کے ذکر میں ولا یکلمهم و لاینظر الیهم یوم القیامة یعنی اللہ جل جلالہ قیامت کے دن نہ ان سے کلام فرمائے گا اور نہ ہی ان حق دشمن عناصر پر نظر فرمائے گا-
کلام پر ہم پھر کبھی بات کریں گے یہاں یہ عرض کرنا ہے کہ نظر نہ فرمانے سے مراد نظر مطلق نہیں ہے بلکہ نظر رحمت ہے یعنی حق دشمن عناصر پر وہاں نظر رحمت نہیں فرمائی جائے گی یعنی اللہ جل جلالہ کی نظر مسلسل کی دو حالتیں ہیں
بات یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ کیفیات و جذبات سے ماورئ و اجل و ارفع و اعلیٰ ہے- حقیقت یہ ہے کہ خلق پر اس کی نظر جملہ کیفیات و جذبات سے عاری ہوتی ہے کیونکہ رحمت بھی کیفیتِ نفسی ہے اور غضب بھی کیفیتِ نفسی ہے اس لئے وہ ان چیزوں سے ہمیشہ سے پاک ہے اس لئے اس کی نظر مطلق نہ کسی پر رحمت کی ہوتی ہے اور نہ کسی پر غضب کی ہوتی ہے ہاں اس نے اپنے نور اوّل کے دو عین [چشمے] قرار دیئے ہیں ایک ''عین الرحمۃ'' ہے اور دوسرا جو چشمہ ہے وہ ''عین الغضب'' ہے-
اللہ جل جلالہ جب اس کائنات کے جملہ افراد پر نظر فرماتا ہے تو اس کی نظر ان دو عین [چشموں] سے ہو کر گزرتی ہے جب وہ نظر چشمۂ رحمت سے گزرتی ہے تو رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی رحمت کے اثر سے متاثر ہو کر وہ رحمت میں تبدیل

ہو جاتی ہے اور یہی وہ عین [چشمہ] ہے کہ جسے حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کہا جاتا ہے اور جب اللہ جل جلالہ کی نظر اس کے عینِ جلال وغضب سے گزرتی ہے تو اس میں بوجہ جلال غضبیت شامل ہو جاتی ہے اور اس عین الجلال کو حقیقت علویہ وحجتیہ علیہ الصلوات و السلام کہا جاتا ہے انہی وجوہات کی بنیاد پر حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اور حقیقت علویہ وحجتیہ علیہ الصلوات و السلام کو 'عینینِ اِلٰہی'، یعنی اللہ کی دونوں آنکھیں کہا جاتا ہے کیونکہ یہی دو حقیقتیں اس کی دو چشمین کا درجہ رکھتی ہیں۔
اب آپ اس آیت کو دیکھیں کہ جس میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ کی رحمت اس کے غضب پر سبقت رکھتی ہے یعنی حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم حقیقت علویہ علیہ الصلوات و السلام سے سبقت رکھتی ہے۔ اگر ہم اس پر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ ایک طرح سے یہ سبقت ہے بھی اور دوسری طرح سے یہ سبقت نہیں بھی ہے کیونکہ من حیث الذّات ، من حیث التکوین یہ ایک ہی نور ہیں ان میں اختلافِ مراتب نہیں ہے اور تعلّق بہ خلق اللہ کے حوالے سے رحمت کو غضب پر سبقت حاصل ہے۔
تو دوستو! میں عرض کر رہا تھا کہ یہ دو حقیقتیں اللہ جل جلالہ کیلئے بہ منزلتِ چشمین ہیں اور یہی اللہ جل جلالہ کی وہ دو آنکھیں ہیں کہ جن سے دیکھنے کا عمل کبھی منقطع نہیں ہوتا یعنی ان سے ہمہ وقت دیکھنے کا صدور جاری رہتا ہے اور ایک لمحہ بھی منقطع نہیں ہوتا۔
دوستو! یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہر زمانے کے امام علیہ الصلوات و السلام کے مقدّس وجود میں ان ازلی دو حقیقتوں کا اجتماع ہو جاتا ہے یعنی ہر زمانے کے امام پاک علیہ الصلوات و السلام میں یہ دونوں حقیقتیں جمع ہو جاتی ہیں اور وہ ان دونوں حقیقتوں کے جامع ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کیونکہ امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام کے بعد یہ

منصب ایک نہیں دو نیابتوں کا منصب ہوتا ہے ایک طرف نیابتِ حقیقت محمد یہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اور نیابتِ حقیقتِ علو یہ علیہ الصلوات و السلام کا ہر پاک امام علیہ الصلوات و السلام کے وجود مقدّس میں اجتماع ہوتا ہے جس کی وجہ سے ہر زمانے کے امام علیہ الصلوات و السلام عین اللہ الناظرۃ [اللہ جل جلالہ کی دیکھنے والی آنکھ] ہوتے ہیں۔ اس لئے اب کسی پر اللہ کی نظر رحمت ہوتی ہے تو زمانے کے امام علیہ الصلوات و السلام کے ذریعے ہوتی ہے اور اگر کسی پر نظرِ غضب ہوتی ہے تو وہ بھی ہر زمانے کے امام علیہ الصلوات و السلام کے ذریعے ہوتی ہے۔

رفع اشتباہ

یہاں ایک اشتباہ ہوسکتا ہے اس لئے اس کا ازالہ کرنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ کوئی شخص یہ سوچ سکتا ہے کہ ہم یہ بات گیارہ ہجری کے بعد کے بارے میں کر رہے ہیں یعنی جب ان انوارِ الٰہیہ ازلیہ علیہم الصلوات و السلام نے اس دنیا میں ظاہری طور پر منصبِ امامت سنبھالا تو اس کے بعد کا یہ سلسلہ ہے اس سے قبل کوئی اور نظام تھا۔

دوستو! ایسا نہیں ہے بلکہ اللہ جلالہ کے انوارِ ازلیہ واوّلیہ علیہم الصلوات و السلام ازلی ہیں اور ان کی حجتیت بھی ازلی ہے یعنی یہ عالم انوار میں ملکوت کیلئے حجتّ تھے اور عالم خلق وامر میں ان کیلئے حجتّ تھے پھر اس دنیا کی کھیتی میں جب سے انسانیت کی کاشت ہوئی ہے اس دن سے یہ اس انسانیت پر بھی حجتّ ہیں اور جو انبیا و رسل اس دنیا میں مبعوث ہوئے ہیں وہ بھی حجتّ تھے مگر وہ اصلتاً نہ تھے بلکہ نیابتاً حجتّ تھے اور وہ اِن کی نیابت کی وجہ سے حجتّ تھے اور حجتِّ نائبہ پر ہمیشہ حجتِّ حقیقی نگران رہتی ہے اور جب بھی انہیں کوئی اہم کام سونپا گیا ان کی نگرانی میں کرنے کا حکم ہو جیسا کہ جناب نوح

علیہ السلام کو جب کشتی بنانے کا حکم ہوا تو ارشاد ہوا

☆فَأَوۡحَيۡنَا إِلَيۡهِ أَنِ اصۡنَعِ الۡفُلۡكَ بِأَعۡيُنِنَا......تَجۡرِیۡ بِأَعۡيُنِنَا جَزَاء لِّمَن كَانَ كُفِرَ

ہم نے انہیں وحی فرمائی کہ ہماری آنکھوں کے سامنے کشتی تیار فرمائیں ایک اور مقام پر فرمایا کہ ان کی کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے جاری رہی

یعنی انہیں حکم تھا کہ ہماری دونوں آنکھوں [نبیؑ و ولیؑ] کے سامنے کشتی تیار کریں اور وہ کشتی انہی کی آنکھوں کے سامنے ان کی نگرانی میں رواں رہی وہاں بھی دو طرح کی نظر بیک وقت ہو رہی تھی مومنین پر نظر رحمت ہو رہی تھی اور کفّار پر نظر غضب ہو رہی تھی اور ان دونوں آنکھوں کے سامنے سب کچھ ہو رہا تھا۔

یہاں ایک بات عرض کر دوں کہ جب جناب نوح علیہ السلام نے نرسنگھا پھونک کر سارے جانوروں کو بلایا تو سارے جانور آ گئے اور جن جن چیزوں کو عذاب سے نجات دینا مقصود تھا انہیں کشتی پر سوار کیا گیا اس وقت ابلیس بھی اس تاک میں تھا کہ کسی طرح وہ بھی اس کشتی پر سوار ہو جائے مگر ان کی اجازت کے بغیر اس پر وہ سوار ہو نہیں سکتا تھا پھر جب گدھے کی باری آئی تو یہ اپنی عادت سے مجبور تھا بس وہیں اَڑ گیا اور کشتی پر چڑھنے سے انکار نہ کرے تو اسے گدھا کون کہے؟ یہ دیکھ کر جناب نوح علیہ السلام نے گدھے سے فرمایا ادخل یا ابلیس اے ابلیس سوار بھی ہو جا یہ سن کر ابلیس نے ''تجنیس خطابی'' سے فائدہ اٹھایا اور چھلانگ مار کر کشتی میں سوار ہو گیا جب جناب نوح علیہ السلام نے دیکھا تو فرمایا تو کیوں سوار ہو گیا ہے؟ تجھے کیا ڈر ہے؟ تجھے تو یوم بعث تک کی مہلت ہے۔ اس نے عرض کیا جناب مجھے اللہ کے وعدے کا

یقین تو تھا مگر مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ جو زمانے کی حجت ہوتا ہے جسے وہ امان نہ بخشے اسے اللہ بھی امان نہیں دیتا چاہے، وہ حجت مجازی ہی کیوں نہ ہو۔ میں سوار ہونے کی سوچ رہا تھا گدھے میاں نے میری مشکل آسان کر دی۔

دوستو! میں عرض کر رہا تھا کہ اللہ جل جلالہ نے پوری انسانیت پر روز اوّل سے اپنی دونوں آنکھوں کو نگران بنایا تھا جیسا کہ ارشاد ہے

☆أَيَحۡسَبُ أَن لَّمۡ يَرَهُۥٓ أَحَدٌ()أَلَمۡ نَجۡعَل لَّهُۥ عَيۡنَيۡنِ ()وَلِسَاناً وَشَفَتَيۡنِ

یعنی یہ انسان یہ گمان کرتا ہے کہ اسے کوئی ایک بھی نہیں دیکھ رہا۔ کیا ہم نے اس کیلئے دو آنکھیں قرار نہیں دی ہیں۔ کیا ہم نے اس کیلئے ایک زبان اور دو ہونٹ قرار نہیں دئے؟ اس میں جن ہونٹوں اور زبان کا ذکر ہے اس کے بارے میں پھر کبھی عرض کروں گا مگر یہاں جن دو آنکھوں کا ذکر ہے وہ یہی دو آنکھیں ہیں کہ جنہیں ہر انسان کیلئے دیکھنے والا قرار دیا گیا ہے اس میں کئی مفسرین نے تبادر کے معنی لئے ہیں یعنی انسان کی اپنے دو آنکھیں قرار دی ہیں ظاہری طور پر اسے بھی درست کہا جا سکتا ہے مگر حقیقی طور پر ایسا نہیں ہے کیونکہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ

''کیا وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اسے کوئی ایک بھی نہیں دیکھ رہا'' یعنی اس کے گمان کا ذکر کرنے کے بعد ثابت یہ کرنا تھا کہ اسے دیکھا جا رہا ہے اور اسی کیلئے فرمایا أَلَمۡ نَجۡعَل لَّهُۥ عَيۡنَيۡنِ کیا ہم نے اس کیلئے دو آنکھیں قرار نہیں دی ہیں کہ جو اسے دیکھتی ہیں؟

آپ ان آیات کے سیاق وسباق پر غور کریں گے تو اس میں اُس گمان کرنے والے کی آنکھوں کے بجائے اسے دیکھنے والی آنکھوں کا ذکر ثابت ہوگا۔

بس میں یہی عرض کر رہا تھا کہ کوئی بھی زمانہ اللہ کی ان دونوں آنکھوں کی نگرانی سے

خالی نہیں ہے اور یہ دونوں آنکھیں وجہ اللہ کی زینت ہوتی ہیں اور وجہ اللہ ہر زمانے کا امام ہوتا ہے اور وہ عین اللہ الناظرہ بھی ہوتا ہے وہ عین اللہ مجسّم بھی ہوتا ہے اس دور میں ہم پر ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف عین اللہ الناظرۃ ہیں اسی لئے ہم سے ان کی اکثر زیارتوں میں یہ اقرار کروایا جاتا ہے کہ انہیں عین اللہ الناظرۃ سمجھیں جیسا کہ

السلام علیك یا حجة الله فی ارضه السلام علیك یا عین الله فی خلقه

اسی طرح کے بہت سے فقرات ہیں کہ جن سے ثابت ہے کہ یہ اللہ کی دیکھنے والی آنکھ ہیں اور عین کے ایک معنی محافظ کے بھی ہیں اس لئے یہ اللہ کی طرف سے ہمارے نگران بھی ہیں اور ہمیں دیکھنے والے بھی ہیں اور ہمارے محافظ بھی ہیں اب ان سے کوئی انکار کرتا ہے تو پھر ہم کیا کہہ سکتے ہیں ہم تو بس یہی دعا کر سکتے ہیں کہ ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کا ظہور اجلال جلدی ہو اور امّت مسلّمہ کے مابین جتنے اختلافی مسائل ہیں وہ سارے حل ہو جائیں اور ان کا واحد حل ہے بھی یہی کہ وہ ذات یزداں صفات اس دنیا میں اپنا ہی نظامِ حکومت متعارف کروائے اور جن جن اذہان میں شیطانیت کے وساوس کا زنگ چڑھ گیا ہے وہ ان کے نورِ حق سے اتر جائے اور پوری دنیا پر اللہ جل جلالہ کی عظمت کا اظہار ہو جائے۔

آمین یا رب العالمین

اللهم صل علیٰ محمدؐ وآل محمدؐ و عجل فرجهم بقائمهمؐ صلوات الله علیه والسلام

یا ھو یا من ھو لا ھو الا ھو الحی القیوم یا ھو یا من لایعلم ماھو الا ھو الحی القیوم العلی العظیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک

عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه

الحمد لله رب العالمين و صل علىٰ محمدؐ و آلهٖ اجمعين خصوصاً على حجة الله فى العالمين عجل الله فرجه الشريف و آبائه المعصومين و امهاته الطاهرين الطيبين صلوات الله عليهم اجمعين و لعنة الله علىٰ اعدائهم اجمعين من يوم الازل الى يوم الدين

اے تشنگانِ جوئے معرفت!

ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف کے چھ سو سے زیادہ اسمائے مبارکہ ہیں اور ہم ان کی تشریحات پر گفتگو کر رہے ہیں اور آج اس کاروانِ بیان کو اگلی منزل کی طرف بڑھا رہے ہیں اور آج کا ہمارا موضوع تشریح جو اسم مبارک ہے وہ ہے

''امام مبین'' عجل الله فرجه الشريف

دوستو! یہ اسم مبارک ہمارے شہنشاہ معظم عجل الله فرجه الشريف کا قرآنی اسم مبارک ہے جیسا کہ کلام اِلٰہی میں ارشاد ہے کل شی احصيناه فی امام مبين

اس آیت میں جو الفاظ ہیں ان میں سے تین لفظ ایسے ہیں جو تشریح طلب ہیں اگر وہ

سمجھ آ جائیں تو اس اسم مبارک کے کچھ اسرار انسان کی سمجھ میں آ سکتے ہیں ان میں سے پہلا لفظ ہے ''شئ''

شے؟

دوستو! جن جن چیزوں پر لفظ شے کا اطلاق ہوتا ہے ان کی بنیادی قسمیں دو ہیں اور ان کے ذیلی اقسام پھر بہت ساری ہیں شے کی بنیادی دو قسمیں یہ ہیں

() اشیائے مادّی () اشیائے غیر مادّی

اشیائے مادّی کی پھر آگے دو قسمیں ہیں

() مادّیات ارضیہ () مادّیات غیر ارضیہ

مادّیات ارضیہ کی پھر آگے دو طرحیں ہیں () مفرد () مرکب

اشیائے مادّیۂ ارضیۂ مفردہ

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اشیائے مادّیہ ارضیۂ مفردہ کیا ہیں؟

دوستو! زمین چاہے آسمانوں کے کسی سیارے کی ہو یا یہ ہماری چھوٹی سی زمین ہو ان میں جتنی مادّی اشیاء [چیزیں] ہیں وہ کسی نہ کسی مادّے کی اوّلین اکائیوں سے بنی ہوئی ہیں جنہیں عناصر کہا جاتا ہے، سائنس اس موضوع پر ابھی مصروفِ سفر ہے اور کسی حتمی نتیجے تک فی الحال نہیں پہنچی کیونکہ سب سے پہلے اربعہ عناصر کا نظریہ تھا کہ اس کائنات کے مادّی وجود کا میٹیریل چار عناصر پر مبنی ہے مٹی، پانی، ہوا اور آگ ہی سے ہر چیز بنی ہوئی ہے یہ قبل از مسیح کا نظریہ تھا اس پر اپنے ظاہری بچپن میں امام صادق آلِ محمدؐ علیہم الصلوات و السلام نے تنقید فرمائی تھی اور فرمایا تھا کہ یہ سارے عناصر خود

مرکب(Compound) ہیں ہوا میں تو ایک ایسی چیز بھی موجود ہے کہ جس کے محلول میں لوہا چراغ کی طرح جل سکتا ہے یعنی آکسیجن (Oxygen) کے محلول میں گرم لوہا رکھا جائے تو وہ چراغ کی طرح جلتا ہے۔

اس اربعہ عناصر والے نظریے کے بعد عناصر کی تعداد میں اضافہ ہوا اور موناد کا نظریہ دیا گیا کہ یہ کائنات لطیف چکنے عناصر [موناد] سے بنی ہوئی ہے پھر اس کی جگہ مالیکیولز(Molecules) کا نظریہ آ گیا جو سائنسی تھا تو یہ موناد کا نظریہ رد ہو گیا اور اس کے بعد مالیکیولز (Molecules) کے اندر جھانکا گیا تو اس میں نیوکلیس(Nucleus) اور اس میں برقپارے یعنی الیکٹرون (Electron) نیوٹرون (Neutron) اور پروٹون(Proton) دکھائی دئے اس طرح ان کے آئیسوٹوپس(Isotopes) بنائے گئے اور ان کی تعداد ان(Isotopes Number) آئیسوٹوپس نمبرز سے مقرر کی گئی اور اس کے بعد ان کے اندر جھانکنے کی کوشش شروع کر دی گئی اور ابھی تک سائنس کے سامنے کوئی حتمی منزل نہیں آئی کیونکہ سائنس اس کائنات کے (Base Building Blocks) بیس بلڈنگ بلاکس کی دریافت میں لگی ہوئی ہے کہ اس کائنات کی اوّلین اکائی جسے ہم اوّلین اکائی اور مفرد اکائی کا نام دے سکیں وہ کیا ہے یہ معلوم نہیں ہو سکا اور یہ تو ساری دنیا جانتی ہے کہ ابسلیوٹ نتھنگ (Absolute Nothing) یعنی ابسلیوٹ (Absolute) نام کی کوئی چیز نہیں ہے تو پھر کوئی نہ کوئی چیز ایسی ضرور ہو گی کہ جو مجرد و مفرد ہو گی فی الحال ہم اس نادر یافتنی چیز کے بارے میں کچھ نہیں کہتے بلکہ ہم ایٹموں کو ہی بیس بلڈنگ بلاکس (Base Building Blocks) فرض کر کے بات کو آگے بڑھاتے ہیں اور ہم یہی فرض کر لیتے ہیں کہ اس

کائنات کی جو مفرد اشیاء یا چیزیں ہیں وہ یہی ایٹم (Atom) ہیں اور یہ تو آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ سائنس نے جب شہابیوں پر اوّلین تحقیق کی تھی اور زمین پر گرنے والے شہابِ ثاقب کے ٹکڑوں کا لیبارٹری ٹیسٹ کیا تھا تو انہیں یہ دیکھ کر حیرت ہوئی تھی کہ جو (Material) اس زمین کا ہے وہی (Material) آسمان سے گرنے والے شہاب ثاقت کے ٹکڑوں کا ہے تو اس سے کسی سائنس دان نے کہا تھا کہ مجھے اس تحقیق سے یہ تو معلوم ہو ہی گیا ہے کہ جس کیمسٹ (Chemist) نے ہماری اس زمین کا فارمولا بنایا ہے آسمانی سیارے اور ستارے بھی اسی کیمسٹ (Chemist) کے اسی ایک ہی فارمولے پر بنائے گئے ہیں یعنی وہ یہ کہہ رہا تھا کہ اللہ جل جلالہ ہی اس کائنات کا چیف کیمسٹ (Chief Chemist) ہے یعنی سب سے بڑا کیمیا دان ہے

تو یہ جو ایٹم (Atom) ہیں انہیں فی الحال ہم مفرد اشیاء مان لیتے ہیں کیونکہ آگے ابھی معلوم اور نا معلوم کی درمیانی حالت ہے۔

مرکب اشیاء

مرکب اشیاء کی دو قسمیں ہوتی ہیں ( ) مرکب خالص ( ) مرکب غیر خالص

مرکب خالص وہ چیزیں ہوتی ہیں جو ایک ہی قسم کے عناصر یا ایٹموں سے بنی ہوں یعنی آکسیجن (Oxygen) سے یا ہائیڈروجن (Hydrogen) سے یا یورینیم (Uranium) سے یا میتھین (Methane) سے۔ غرض کسی بھی طرح کے ایک ہی مادّے کے عناصر سے بنی ہو وہ مرکّب خالص کہلاتی ہیں مرکب غیر خالص میں وہ اشیاء آجاتی ہیں کہ جو چیزیں کسی ایک مادّے سے نہ بنی ہوں اور ان کی بناوٹ میں ایک سے زیادہ قسم کے مادّے کے عناصر شامل ہوں جیسے پانی دو گیسوں کے عناصر

سے بننے والے (Molecules) مالیکیولز کا مرکب ہے اسی طرح کئی چیزیں بہت سی اقسام کے عناصر سے مل کر بنتی ہیں۔

ان مرکب اشیاء میں جمادات، نباتات، حیوانات، اور انسان بھی شامل ہیں پھر ان کے اندر کئی اقسام کی اشیاء موجود ہیں جیسا کہ جمادات میں لاکھوں قسم کی چیزیں موجود ہیں یعنی ہیرے، جواہرات سے لے کر عام مٹی تک لاکھوں کروڑوں چیزیں ہیں۔

اسی طرح نباتات کی بھی کروڑوں اقسام ہیں اسی طرح حیوانات کی بھی کروڑوں اقسام ہیں یعنی وائرس (Virus)، جراثیم، (Insects) حشرات الارض سے لے کر شارک ہاتھی اور شترمرغ تک کروڑوں اقسام موجود ہیں۔

کیونکہ پہلی قسم میں ہم نے مادیاتِ غیرارضی کی بات بھی کی تھی اسے ہم آگے بیان کریں گے پہلے ہم اس سلسلے کو آگے بڑھانا چاہتے ہیں۔

غیر مادّی اشیاء

دوستو! کیونکہ بات جانداروں تک پہنچ چکی ہے اس لئے ہم نے یہاں مناسب سمجھا ہے کہ غیر مادّی اشیاء کا ذکر بھی کرتے چلیں کیونکہ غیر مادّی اشیاء کا تعلّق زیادہ تر جانداروں سے ہے۔

غیر مادّی اشیاء ان چیزوں کو کہتے ہیں کہ جو ان چیزوں سے بنی ہوئی ہوں کہ جنہیں سائنس لیبارٹری میں ٹیسٹ نہ کر سکے یعنی وہ ہمارے دریافت شدہ عناصر (Atom) سے بنی ہوئی نہ ہوں ان اشیاء کی بھی کئی اقسام ہیں۔

( ) کیفیاتی اشیاء

دوستو! کیفیات بھی ایک چیز ہی ہوتی ہیں جیسا کہ محبت ہے، نفرت ہے، رحم ہے، غضب ہے اسی طرح کی اور کیفیات ہیں یہ بھی ہے کہ یہ ساری کیفیات سارے جانداروں میں پائی جاتی ہیں یہ علیحدہ بات ہے کہ ان کی کوالٹی (Quality) یعنی کمیت اور مقدار (Quantity) جدا جدا ہو لیکن وہ پائی ہر جاندار میں جاتی ہیں اس میں عطفے اور ملکے بھی آ جاتے ہیں جیسا کہ ماماتا ہے، شجاعت ہے، سخاوت ہے وغیرہ وغیرہ

( ) خیالاتی اشیاء

دوستو! جو جو چیزیں خیالاتی ہوتی ہیں وہ بھی چیزیں اور اشیاء ہی ہوتی ہیں کیونکہ تخیّل اور خیال ہی افعال کا محرک ہوتا ہے جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ ہر کام خیال ہی سے شروع ہوتا ہے اور خیال ہی پر ختم ہوتا ہے یعنی جملہ افعال واعمال کا مبدء و منتہیٰ خیال ہی ہوتا ہے اس لئے اسے ''لاشی'' نہیں سمجھنا چاہیے

( ) افتعالاتی اشیاء

دوستو! آپ دیکھیں انسان ماضی میں کوئی کام کرتا ہے یعنی اس نے گذشتہ ماہ میں کوئی روزہ رکھا ہے یا گذشتہ سال میں کوئی فٹبال میچ کھیلا ہے یا گذشتہ محرم میں نوحہ خوانی کی ہے اور ماتم کیا ہے یہ کام اس کے ماضی میں ہوئے شمار ہوتے ہیں کہ وہ انہیں ماضی میں کر چکا ہے اب اگر کوئی وہی کام آج کرے تو یہ اس کا ایک نیا کام ہوگا کیونکہ جو ہو چکا ہے اسے دہرایا جا رہا ہے یہ عین وہی کام نہیں ہے۔
پہلے والا کام یا ماضی کا کام حال میں ''افتعالاتی شئے'' کہلاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی انسان کا کیا ہوا کوئی کام فنا نہیں ہوتا بلکہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کسی نہ کسی شکل میں موجود رہتا ہے جیسا کہ کسی انسان نے دس دن یا دس ماہ پہلے ایک تقریر کی ہو اور اس سے جب اس کے بارے میں دریافت کریں گے تو وہ اسے فنا سمجھے گا کہ وہ ہوئی تھی سو وہ ہوا کی مرتعش لہروں میں تحلیل ہو چکی ہے اور اب وہ معدوم ہے مگر اچانک کوئی اسے بتاتا ہے کہ وہ تقریر میں نے ٹیپ کی ہوئی ہے تو اسے پتہ چلتا ہے کہ وہ فنا ہونے سے بچ گئی ہے اسی طرح انسان کی زبان سے نکلا ہوا ہر جملہ ایک چیز کی حیثیت سے فضا و خلا و ملا میں محفوظ ہوتا ہے اور اسے دوبارہ واپس لانا اب آسان ہوتا جا رہا ہے۔

اسی طرح انسان نے کسی جگہ عزاداری میں ماتم کیا تھا دس برس بعد اسے یاد تک نہیں ہوتا کہ اس نے وہاں کچھ کیا تھا اور وہ اس کام کو معدوم سمجھتا ہے اب اگر کوئی اسے اس جلوس کی مووی دکھا دے تو پھر وہ سمجھتا ہے کہ اس کا وہ کام محفوظ ہے اور وہ خود بھی خود کو دیکھ سکتا ہے اسی طرح انسان جتنے کام کرتا ہے وہ ہمیشہ باقی رہتے ہیں وہ فنا نہیں ہوتے بلکہ ان کی حیثیت اس طرح ہوتی ہے کہ جیسے کسی وی سی آر (VCR) پر چلتی ہوئی کیسٹ کا ہر سین سکرین سے گزرتا ہے تو فارورڈ سائیڈ (Forward Side) پر محفوظ حالت میں چلا جاتا ہے اور وہ دوسری طرف لپٹی ہوئی ٹیپ (Tape) میں اپنی اصلی حالت میں باقی رہتا ہے اس کے ساتھ صرف اتنا ہوتا ہے کہ اس کا وہ سین سکرین سے آؤٹ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ہمارے جملہ اعمال و افعال، حرکات و سکنات بھی صرف سکرین سے آؤٹ ہوتے ہیں معدوم اور فنا نہیں ہوتے اور وہ ایک شے کی طرح باقی رہتے ہیں وہ صرف سکرین کی حد تک ماضی شمار ہوتے ہیں

اگر کوئی انہیں ریوائنیڈ (Rewind) کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو تو اس کائنات کی ہر فلم کئی بار چلائی جا سکتی ہے اور ان اعمال و افعال و حرکات و سکنات کو'' اشیائے افتعالات'' کہا جاتا ہے۔

()اشیائے اصتوار

ان اشیاء کو سمجھانے کیلئے عرض کروں گا کہ آپ دیکھیں ایک زمانہ ہوتا ہے جب انسان بچہ ہوتا ہے پھر اس کا لڑکپن ہوتا ہے پھر شباب کی سرحدوں میں جھوم کر داخل ہوتا ہے اس کے بعد بڑھاپے کی وادی میں ہانپتا کانپتا داخل ہوتا ہے اس میں ولادت کے روز اوّل سے لے کر موت تک صورت وشکل کے لحاظ سے ہر لمحہ تغیر رہتا ہے یعنی اس کی کوئی ایک صورت اور شکل باقی نہیں رہتی اور وہ سمجھتا ہے کہ اس کی سابقہ صورت فنا ہوگئی ہے اور اسی پر دوسری صورت ری پلیس(Replace) کر دی گئی ہے مگر ایسا نہیں ہوتا بلکہ اس کی شکل وصورت کی جملہ تبدیلیوں سمیت اس کا ہر لمحہ محفوظ ہوتا ہے وہ فنا نہیں ہوتا بلکہ وہ بھی ویڈیو کیسٹ (Video Cassette) کی طرح چل کر ماضی کی لپٹی ہوئی ٹیپ(Tape) میں جمع ہو جاتا ہے اور وہ ہمیشہ محفوظ رہتا ہے جیسا کہ انسان اپنے فوٹو میں بچپن کی تصویر کو اپنی اصلی حالت میں دیکھتا ہے یا اپنے بچپن کی کسی فلم یا کسی مووی کو اپنی اصلی حالت میں دیکھتا ہے اسی طرح اس کا کوئی بھی لمحہ کوئی بھی صورت کبھی بھی معدوم نہیں ہوتی بلکہ وہ ماضی کی سطور میں محفوظ رہتی ہے اور ان محفوظ شدہ اشکال وصور کی شکل میں محفوظ اشیاء کو اشیائے اصتوار کہتے ہیں۔

( )اشیائے انتفاس

اشیائے انتفاس کیا ہیں؟ آپ دیکھیں کہ علم نفسیات بتا تا ہے کہ انسان کے ذہن کے اندر فوق الشعور سے لے کر تحت الشعور تک شعور کی کئی پرتیں ہیں جن میں انسان کے جملہ احساسات فیڈ (Feed) ہوتے رہتے ہیں اور ان کا یہ عمل سات سے نو سال کی عمر تک جاری رہتا ہے اور اس کے بعد میں تجربات (Experiment) تو ہوتے رہتے ہیں مگر ان میں کوئی نیا احساس ایڈ (Add) نہیں کیا جا سکتا ہاں اس عمر میں جتنے (Complex) کمپلیکس ہوتے ہیں وہ سامنے آ جاتے ہیں یعنی (Inferiority Complex) احساس کمتری ہے یا (Sense of Deprivation) احساسِ محرومی ہے یا (Superiority Complex) احساس برتری ہے یا احساس جرم (Guilty Consciousness) وغیرہ اس میں مرتسم ہو جاتے ہیں اور وہ ذہن کے اندر سے کبھی کبھی نتھر کر آ جاتے ہیں جس سے انسان ایب نارمل (Abnormal) ہو جاتا ہے اب یہ جو احساسات ہوتے ہیں یہ بھی ایک طرح کی اشیاء ہیں اور انہی اشیاء کو اشیائے انتفاس کہا جاتا ہے۔

( )افتہامی اشیاء

یہ وہ اشیاء ہوتی ہیں کہ جن کا تعلّق جانداروں کے ذہن سے ہوتا ہے کیونکہ ہر جاندار اپنے گردو پیش میں موجود اشیاء کو بقدرِ ذہن اور بقدرِ ضرورت پہچاننے کی کوشش میں مصروف رہتا ہے اور جس قدر وہ اسے سمجھ لیتا ہے وہ بھی ایک چیز ہے جسے (Material of Knowledge) کہتے ہیں۔

ایک بچہ ابتدائی شعور سے ہر چیز کو اپنے عقل کے مطابق سمجھنے میں مصروف رہتا ہے اور وہ ابتدا میں چاند ستاروں کو کھلونوں جیسا سمجھتا ہے بادلوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح سمجھتا ہے اور وہ اپنے اس نالج (Knowledge) میں ہمیشہ ترامیم کرتا رہتا ہے مگر یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اس کے ابتدائی نالج (Knowledge) والی فائل ہی میں کوئی ترمیم ہوتی ہے بلکہ ہوتا یہ ہے کہ ہر ترمیم شدہ فائل ایک نئ فائل بنتی ہے اور ساری ناقص و کامل فائلیں اس کے ذہن میں محفوظ رہتی ہیں اور ان میں سے کوئی فائل ڈیلیٹ (Delete) نہیں ہوتی اور یہ فائلیں بھی ایک چیز ہوتی ہیں اور ان معلوماتی اشیاء کو ''افتہامی اشیاء'' کہا جاتا ہے۔

( ) التفاظی اشیاء

یہ بھی آپ جانتے ہیں کہ جملہ زبانوں کے جو الفاظ ہوتے ہیں ان کے اندر ایک مفہوم ہوتا ہے اور الفاظ کے ساتھ مفہوم کا ایک مخصوص رشتہ ہوتا ہے مگر لفظ اور مفہوم میں ایک بے تعلّقی بھی ہوتی ہے۔ ہاں لفظ سے ایک مفہوم بنتا ہے اور لفظ سے ایک عبارت بنتی ہے اور اس کے اندر بھی ایک مفہوم ہوتا ہے یہ ساری چیزیں التفاظی اشیاء کہلاتی ہیں۔

( ) تاثیرتی اشیاء

یہ بھی آپ جانتے ہیں کہ ہر چیز میں کوئی نہ کوئی اثر ضرور ہوتا ہے چاہے وہ اثر منفی ہو یا مثبت ہو مگر اثر سے خالی کوئی چیز نہیں ہوتی اس لئے علم الامراض والے آئے دن اشیاء کی تاثیرات دریافت کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ وہ اثرات ایک چیز ہوتے

ہیں اور ان اشیاء کو ''تاثیراتی اشیاء'' کہا جاتا ہے۔
اس طرح اور بھی ہیں میں صرف بقدر ضرورت بیان کر رہا ہوں
اب یہ تو تھیں اشیائے غیر مادّیہ کی حالتیں

مادّیاتِ غیر ارضیہ

میں نے ابتدا میں کہا تھا کہ اشیاء کی دو بڑی قسمیں ہیں مادّیہ و غیر مادّیہ اور مادّیہ اشیاء کے بارے میں کہا تھا کہ اس کی دو بڑی قسمیں ہیں مادّیات ارضیہ و مادّیات غیر ارضیہ اور مادّیاتِ ارضیہ کے بارے میں کچھ نہ کچھ بات ہو چکی ہے اب یہ بھی عرض کر دوں کہ مادّیات غیر ارضیہ کیا ہیں؟

دوستو! مادیات غیر ارضیہ میں کئی طرح کی اشیاء آجاتی ہیں مثلاً

() نوری مادّے کی مخلوق جیسے ملکوت و کرّوبیان و قدسیان و حاملانِ عرش و حور غلمان و طوبیٰ و ہفت جنّات وغیرہ ہیں۔ ہیں تو یہ بھی مادّی مخلوق مگر ان کا مادّہ ہماری زمین جیسا نہیں ہے یعنی ہمارے ہاں ایٹم کی جو دریافتہ اقسام ہیں ان میں سے کوئی ایٹم ان کے مادّے میں شامل نہیں ہے

() اس کے بعد جنّات و شیاطین وغیرہ ہیں تو ان کا مادّہ ''نارِ سموم'' ہے اور یہ آگ ہماری دنیا جیسی آگ نہیں ہے بلکہ وہ ایک علیحدہ چیز ہے اور اس کے مادّے سے شیاطین و جنّات کو خلق فرمایا گیا ہے اور یہ ہمارے ہاں جو آگ موجود ہے یہ بھی اسی سے مخلوق شدہ چیز ہے

() اشیائے روحی بھی ایک علیحدہ مادّے کی مخلوق ہیں یعنی اس میں سارا عالم ارواح آجاتا ہے اور اس میں سے تخلیق شدہ مخلوق روحی ہے اس میں انسان کی ارواح ہیں

اس میں جانوروں کی ارواح ہیں یوں سمجھ لیں کہ ایک سیم کے جراثیم سے لے کر وائرس تک کی روحیں اس مادّے سے بنائی گئی ہیں اوراس میں کئی طبقات ہیں یعنی علیین سے لے کر سجین تک معلوم نہیں کتنے درجات ہیں اوران درجات کے لحاظ سے اس مادّے سے پیدا کی جانے والی مخلوق کے درجات ہیں۔

( )المائی اشیاء

اس کے بارے ہم کوئی حتمی بات نہیں کر سکتے بس ہم نے احادیث میں دیکھا ہے کہ الماسے بھی ایک مخلوق خلق فرمائی گئی ہے لیکن اس کی خصوصیات کیا ہیں ہمیں معلوم نہیں کیونکہ ان کے بارے میں ہمارا علم بہت محدود ہے ہاں یہ بات یادرہے کہ اس سے آگے ''وریٰ الوریٰ'' ہے جسے شے نہیں کہا جا سکتا اس کے بارے میں بعد میں بات ہوگی۔

دوستو! یہ تو آپ نے معلوم کرلیا ہے کہ عالم موجود میں کون کون سی اشیاء ہیں کہ جنہیں ہم شے کہہ سکتے ہیں۔

اب عنوانیہ آیت میں ہے کہ ہر ''شے'' امامِ مبینؑ میں احصا کر دی گئی ہے۔

دوسرا لفظ تھا ''احصا'' اس میں گنتی کی بات نہیں ہے بلکہ فیڈ(Feed) ہونے کی بات ہے کلام مقدّس میں ارشاد قدرت ہے کل شیء احصیناہ فی امام مبین

کہ ہر شے کو امام مبین کے اندر محفوظ کر دیا گیا ہے یہاں تعداد کی بات نہیں۔ یہ نہیں کہ ہر شے کی گنتی امامؑ مبین کو معلوم ہے کہ کس چیز کی کتنی تعداد ہےاور نہ علم کی بات ہے کہ انہیں صرف معلومات دے دی گئی ہیں بلکہ جملہ موجوداتِ عالم اوران کے افعال

واعمال و نیات وارادے اوا ہم وتخیلات سب کچھ امام مبینؑ کے اندر محفوظ ہوتا ہے
مادّی اشیاء اپنے غیر مادّی وجود کے ساتھ نورامام مبین کے اندرسٹور ہوتی ہیں وہ
جب چاہیں اور جو چاہیں' نائنوسکنیڈ میں(Within Nanosecond) اسے واپس
لاسکتے ہیں۔
یعنی اشیائے مادّیہ ارضیہ وغیر مادّیہ وغیرارضیہ کوآن واحد میں اپنی ذات سے نکال کر
دکھاسکتے ہیں بلکہ جس چیز میں سے چاہیں انہیں نکال کر دکھا سکتے ہیں۔
دیکھئے اللہ جل جلالہ نے جملہ اشیائے موجود کیلئے اماؐم مبین کواپنا خزانہ بنایا ہے کہ اس
میں ہر چیز محفوظ ہوتی رہتی ہے
جیسے آوازاوں کیلئے آڈیو کیسٹ ہوتی ہے تصویروں کیلئے ویڈیو کیسٹ ہوتی ہے اور
انہی ساری چیزوں کیلئے کمپیوٹر چپس(Computer Chips) ہوتی ہیں یہ تو آپ کا ہر
روز کا مشاہدہ ہے کہ ایک سلیکون (Silicon) کی چپس (Chips) بھی ہزاروں
چیزوں کوسٹور کر لیتی ہے تو اماؐم مبین میں کسی چیز کا سموجانا کیسے محال ہوسکتا ہے؟
اب ایک بات کرنے لگا ہوں جو آپ کواچھی طرح یاد بھی ہے مگراس حوالے سے
آپ نے اسے شاید کبھی نہ دیکھا ہو۔ دیکھئے شہنشاہ انبیاصلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا زمانہ
ہے ایک ضعیف العمر شخص ہے سردی کا موسم ہے وہ دھوپ میں بیٹھا اپنی عبا کو پیوند لگا
رہا ہے مگراپنے آپ کومعرفت خاندان تطہیرعلیہم الصلوات و السلام میں بہت بلند مقام پر
بھی سمجھتا ہے۔
قریب ہی تاجداراولیا شہنشاہ نجف علیہ الصلوات و السلام کھجور پسندفرما رہے ہیں یہ
بوڑھا سرجھکا کرعبا کوٹانکا لگاتا ہے نظر بھی کمزور ہے بس جونہی ٹانکا لگانے کیلئے یہ سر

جھکا تا ہے ادھر امیر کائنات علیہ الصلوات و السلام ایک کھجور کی گٹھلی اس کے سر پر جما دیتے ہیں یہ بوڑھا سر اٹھا کر دیکھتا ہے آقا مسکرا رہے ہیں۔

فعل الحکیم لایخلوا عن الحکمة حکیم کا فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا یہ دوبارہ ٹانکا لگانے کو سر جھکاتا ہے ادھر سے پھر ایک گٹھلی سر کو چومتی ہوئی گود میں آ گرتی ہے پھر سر اٹھا کر دیکھتا ہے امام علیہ الصلوات و السلام مسکرا رہے ہیں بلکہ قہقہہ لگاتے ہیں یہ بھی طوعاً کرھاً مسکرا دیتا ہے اور یہ سوچتا ہے کہ اب پھر یہ کام نہیں ہوگا۔ جب پھر سر جھکا کے ٹانکا لگانے لگتا ہے تو ایک گٹھلی پھر سر کا بوسہ لیتی ہے اب اس بوڑھے کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا عرض کی آقا آپ اخلاقِ حسنہ کی تعلیم دینے دنیا میں تشریف لائے ہیں اور بزرگوں سے بڑے بوڑھوں سے اس طرح مزاح کرنا اخلاقاً درست نہیں سمجھا جاتا ہے اور آپ ہی تو فرماتے ہیں کہ ''وقر الکبیر'' بڑے کی توقیر کرو اگرچہ میں غلام ہوں مگر عمر کے لحاظ سے تو آپ سے بڑا ہوں۔

جونہی اس نے یہ فقرہ کہا امیر کائنات علیہ الصلوات و السلام کے رخِ انور پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے اور فرمایا او ''روزبہ'' ذرا میری طرف دیکھ اس نے سر اٹھایا، فرمایا تو سمجھا نہیں ہے ہم جہاں اخلاقِ حسنہ کا درس دینے آئے ہیں وہاں معرفت الٰہی کی تعلیم دینا بھی ہمارا فرض ہے اگر ہم نہ ہوں تو اللہ کا تعارف بھی نہ ہو پھر یہ بھی تیرا خام خیال ہے کہ تو ہم سے بڑا ہے یہ درست ہے کہ میرا ظاہراً سن بارہ یا تیرہ سال کا ہے اور تو صدیوں کا بیٹا ہے مگر دشت ارژن کا واقعہ بھول گیا ہے بڑا ہے سلیمان فارسی بننے والا تو ابھی تک وہی روزبہ کا روزبہ ہی ہے

یہ سنتے ہی اس بوڑھے کے ہاتھ سے عبا گر گئی ایک دم چونکا عرض کیا آقا آپ کو یہ

واقعہ کس نے بتایا ہے؟ فرمایا واقعہ تو سنائے گا یا میں سناؤں۔
عرض کیا آپ سنائیں فرمایا تو اس طرح جنگل سے گزر رہا تھا، شیر آیا، تو نے پکارا یا فارس الحجازؑ ادرکنی، پھر ایک گھوڑا سوار جوان تشریف لائے، جب شیر نے انہیں دیکھا تو شیر نے سجدہ کیا اور وہاں سے چلا گیا، فرمایا پھر تو نے اس گھوڑا سوار جوان کو پھولوں کا گلدستہ بنا کر تحفہ نہیں دیا تھا؟ عرض کیا ہاں سرکار موسم بہار کا تھا وہاں جنگل میں خوب پھول کھلے ہوئے تھے اور میں نے ایک گلدستہ اپنے محسن کی خدمت میں پیش کیا تھا...... امام علیہ الصلوات و السلام نے آستین میں ہاتھ ڈالا اور ایک گلدستہ اس کے سامنے رکھ دیا، فرمایا ایک ایک پھول کو سنبھال لے اور دیکھ کسی پھول کا کوئی برگ مرجھا تو نہیں گیا؟ آج سے تین سو سال پہلے جو پھول تو نے پیش کیے تھے ان پھولوں میں سے دیکھ کوئی پھول کم یا زیادہ تو نہیں ہے؟ اب بتا تو بڑا ہے یا ہم؟
یہ دیکھ کر جناب سلمان پاکؓ نے زمین پر پیشانی رکھ دی۔
شہنشاہ معظم علیہ الصلوات و السلام نے فرمایا جس جوان کو تم نے تین سو سال پہلے دیکھا تھا اور تُو تو اس وقت نو عمر تھا اور وہ جوان اس وقت پچیس برس کا جوان تھا اب تو بوڑھا ہو گیا ہے اس جوان کی عمر وہی ہے۔
یہ واقعہ چونکہ مشہور عام ہے اور ہر کسی کا سنا ہوا ہے اسی لئے اجمالاً درج کیا ہے
نتیجہ یہ ہے کہ امام مبین علیہ الصلوات و السلام کے پاس ہر چیز محفوظ ہوتی ہے اگر ازل سے ابد تک کی ہر چیز اپنی جملہ کیفیات کے ساتھ ان کے پاس موجود نہ ہو تو پھر امام مبین علیہ الصلوات و السلام ہو ہی نہیں سکتا۔
یہاں ایک بات عرض کرتا چلوں کہ قبل از اسلام عرب، عراق و ایران کے مختلف لوگ

چاہے وہ خدا پرست تھے یا آتش پرست، بت پرست تھے یا ستارہ پرست ان سب کا یہ معمول تھا کہ ہر مشکل میں وہ کہتے تھے یا فارسؑ الحجاز ادرکنی اے حجاز کے گھوڑے سوار ہماری مدد کو تشریف لایئے اور شہنشاہ معظم علیہ الصلوات و السلام ان کی مدد بھی فرمایا کرتے تھے اب اس دور کے مسلمان کہلانے والے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ان سے مدد نہ مانگو تو ثابت ہوا جو ان سے مدد نہیں مانگتے وہ ان کفّار سے بھی بدتر لوگ ہیں۔

دوستو! ایسے سیکڑوں واقعات ہیں بلکہ خود شہنشاہ معظم علیہ الصلوات و السلام کی پاک والدہ صلوات اللہ علیھا کا بھی ایسا ہی ایک واقعہ ہے اور انہیں بھی تروتازہ گلدستہ پیش کر کے فرمایا تھا اب آپ فیصلہ فرمائیں کہ ہم آپ سے بڑے ہیں یا آپ ہم سے بڑی ہیں؟

ان باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ امامِ مبین ہی وہ ذات ہے کہ جس میں جملہ چیزوں کو ان کی مختلف صورتوں میں محفوظ کر دیا گیا ہے جیسا کہ میں نے وی سی آر کیسٹ کی مثال دی تھی کہ اگر کسی آدمی کی ایک ایسی فلم بنائی جائے کہ جو اس کے بچپن اور جوانی اور بڑھاپے تک کی ہو اب کوئی اس سے کہے کہ تم جوانی میں کیسے لگتے تھے؟ تو وہ فوراً اس کیسٹ کو ریوائنڈ (Rewind) کر کے وہ حصہ دکھا دے گا کہ میں ایسا لگتا تھا اسی طرح اس کائنات کی پوری فلم امام مبین علیہ الصلوات و السلام میں لوڈ ہوتی رہتی ہے وہ جس کردار کے جس زمانے کے جس حصہ کو دکھانا چاہیں آن واحد میں دکھا سکتے ہیں بلکہ اس میں فرق یہ ہے کہ کیسٹ میں صرف تصاویر اور آوازیں ہوتی ہیں مگر امام مبین علیہ الصلوات و السلام میں ہر چیز اپنی اصلی حالت میں موجود ہوتی ہے جیسا کہ

جناب زلیخاسلام اللہ علیہا نے دعا کی تو انہیں جوانی واپس دے دی گئی یہ کوئی مشکل امر نہ تھا بلکہ ان کی حیات کی کیسٹ ریوائنڈ(Rewind) کر کے جوانی سے پھر چلا دی گئی تو وہ جوان ہوگئیں کیونکہ ان کا کوئی زمانہ بھی امام مبین علیہ الصلوات و السلام کے خزانہ الٰہی سے باہر نہیں تھا۔

یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے کہ آئمہ اطہار علیہم الصلوات و السلام کی شان بیان فرماتے ہوئے استادِ گرامی القدر جوحسّی مثالیں بیان فرما رہے ہیں یہ صرف ہمیں سمجھانے کی غرض سے ہیں انہیں مبنی بر حقیقت تصور نہ کیا جائے کیونکہ وہ ذوات اقدس علیہم الصلوات و السلام اس سے ماوریٰ اور ارفع و اعلیٰ ہیں [مرتَب]

دوستو! ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کا ایک اسم مبارک امامِ مبین عجل اللہ فرجہ الشریف بھی ہے کیونکہ ہر زمانے کا امام امامِ مبین ہوتا ہے اور وہ اپنے اس منصب کو ثابت فرمانے کیلئے اپنے زمانۂ خروج کے اوّلین دنوں میں ایک مظاہرہ فرمائیں گے جیسا کہ ہمارے کتب غیبت میں سے جس جس کتاب میں جناب سید حسنی علیہ السلام کے خروج کا ذکر کیا گیا ہے انہوں نے اس بات کو ضرور لکھا ہے کہ جب کوفہ کے باہر لشکر سید حسنی اور شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے لشکر آمنے سامنے کھڑے ہوں گے تو سید حسنی سلام اللہ علیہ اپنے لشکر کو اختیاراتِ امام عجل اللہ فرجہ الشریف کے تعارف کیلئے ان سے معجزہ طلب کریں گے [حدیث طویل ہے بقدر ضرورت لکھ رہا ہوں] تو اس وقت مواریث انبیائے ماسلف علیہم السلام ظاہر کرنے کو عرض کریں گے اس پر شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف ایک [سفط] یعنی جنبیل بہ روایت دیگر اپنی انگشتری کو سامنے لائیں گے اور فرمائیں گے اے سید حسنی طلب کرو کیا دیکھنا چاہتے

ہو؟ وہ سر جھکا کر عرض کریں گے جناب داؤد علیہ السلام کی زرہ دکھایئے، جناب یوسف علیہ السلام کی قمیص، جناب موسیٰ علیہ السلام کا عصا تا اینکہ جناب صالح علیہ السلام کا ناقہ طلب کریں گے تو آپ اس جنبیل میں سے ایک ایک چیز برآمد کرتے ہوئے دکھاتے چلے جائیں گے حتیٰ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے مواریث میں سے آپ کی سواری کا ناقہ غضبا اور پالتو خچر یعفور تک اسی جنبیل سے نکال کر سامنے کھڑا کر دیں گے۔

دوستو! حقیقت یہ ہے کہ سب کچھ اپنے اندر سمیٹنا اس جنبیل کے بس کا روگ نہیں ہے بلکہ یہ مقامِ امام مبین علیہ الصلوات و السلام ہے کہ کائنات کی ہر چیز اسی میں سمو دی گئی ہے ہر چیز اپنے حقیقی جسم کے ساتھ ان کے انوار کے سٹور میں محفوظ ہو جاتی ہے۔ اب یہ تو میں بتا ہی چکا ہوں کہ لفظ شے کے دائرے میں کیا آتا ہے اور یہ کلید بھی دے دی ہے کہ ہر شے امام مبین کے نورِ ذات کے اندر (Feeded) ہوتی ہے اب خود اس کلید کو استعمال کرتے چلو اور عقائد کی الجھنوں کے تالے کھولتے چلے جاؤ کسی سے پوچھنے کی ضرورت ہے ہی نہیں۔

دوستو! آپ نے یہ بھی سنا ہو گا کہ جنت میں سارے بوڑھے اور جوان صرف جوانی کے عالم میں جائیں گے اور وہاں ہمیشہ ہمیشہ جوان رہیں گے اور کبھی بوڑھے نہ ہوں گے کبھی سوچا ہے کہ اس کی وجہ کیا ہو گی؟

دیکھئے اس وقت جتنے بھی وی سی آر (VCR) مارکیٹ میں موجود ہیں ان میں ایک اپرچونٹی (Opportunity) ہوتی ہے جسے کہتے ہیں ''پاز'' (Pause) یعنی ایک بٹن ہوتا ہے جس پر لکھا ہوتا ہے پاز (Pause) یعنی اگر کسی چلتی ہوئی فلم کے کسی سین کو

ایک مقام پر روکنا مقصود ہوتو پاز کے بٹن کو پش (Push) کرنا ہوتا ہے بس فلم اسی وقت سٹینڈ بائی(Standby) کی حالت میں آ جاتی ہے بعینہ اسی طرح جب مومنین کو جنت میں لایا جائے گا تو ان کی حیات کی فلم کو عالم شباب سے چلایا جائے گا اور وہاں (Rotate) روٹیٹ کی کمانڈ اسے دے دی جائے گی اور اس کے بعد وہ کبھی بھی بوڑھے نہیں ہوں گے اور یہ کام بھی امام مبین عجل اللہ فرجہ الشریف ہی کو انجام دینا ہے

وریٰ الوریٰ

دوستو! میں نے آپ سے گذارش کی تھی کہ عالم الاشیاء کے آگے وریٰ الوریٰ ہے اب اس کے بارے میں بھی عرض کرتا چلوں۔

اس پر بات کرنے سے پہلے آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں کہ ایک درویش صفت آدمی (جس کا نام لیاقت علی خان ہے) کے سامنے ایک مولوی صاحب کے علم کی بات ہوئی تو اس درویش آدمی نے سوچا کہ میں جا کر مولوی صاحب سے کچھ معرفت کی باتیں سیکھوں جب وہ مولوی صاحب کے پاس گیا تو وہاں مولوی صاحب نے امام کی شان بیان کرتے ہوئے یہی آیت فرمائی کہ و کل شی احصیناہ فی امام مبین یعنی ہر چیز کا امام مبین میں احصٰی کر دیا گیا ہے

یہ سن کر لیاقت علی خان نے کہا کہ مولوی صاحب اب یہ بھی آگاہ فرمائیں کہ کیا ہر شے کو امام مبین میں رکھ دیا گیا ہے؟ اس نے کہا ہاں ایسا ہی ہے تو اس نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ امام مبین شے نہیں ہے بلکہ شے اور چیز ہے اور امام مبین اور ہے کیونکہ وہ تو شے کا ظرف ہیں شے نہیں ہیں۔

مولوی صاحب نے کہا ہاں ایسا ہی ہے اس پر اس نے کہا یہ بھی تو آیت ہے کہ واللہ

علیٰ کل شی قدیر ......مولوی صاحب نے کہا ہاں یہ بھی درست ہے۔
اس نے کہا مولوی صاحب تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے مگر امام مبین علیہ الصلوات و السلام پر وہ قادر نہیں ہے کیونکہ اس کی قدرت تو شے تک محدود ہے اور یہ بھی آیت ہے کہ وہ علیٰ کل شی علیم بھی ہے تو اس کا مطلب ہوا اس کا علم بھی شے تک محدود ہے اور اسے خود امام مبین علیہ الصلوات و السلام کا کلّی علم نہیں ہے یہ سن کر مولوی صاحب کے چھکے چھوٹ گئے اور انہوں نے کہا میں اس بات سے انکار نہیں کرسکتا کیونکہ یہ سارے آیات ہیں مگر جو تو کہلوانا چاہتا ہے میں وہ نہیں کہوں گا کیونکہ مولوی صاحب کو اشتباہ ہوا تھا کہ شاید یہ مجھے نصیری بنانا چاہتا ہے اور امیرالمومنین علیہ الصلوات و السلام کی الوہیت تسلیم کروانا چاہتا ہے۔
دوستو! بات یہ ہے کہ مولوی صاحب کو شے کے بعد کے مراتب کا علم نہ تھا اس لئے وہ بگڑ گئے تھے کیونکہ شے کے بعد بھی کئی عوالم ہیں جنہیں عالمِ وریٰ الوریٰ کہا جاتا ہے جیسا کہ عالم اسمائے اِلٰہیہ ہے، عالم صفات اِلٰہیہ ہے، عالم ہویت ہے، عالم انیت ہے ایسے ہزاروں لاکھوں عوالم ہیں جو عالم شے سے ماوریٰ ہیں ان میں جو بھی ہے وہ شے نہیں ہے اور اس میں اللہ جل جلالہ کے انوارِ ازلیہ اوّلیہ علیہم الصلوات و السلام بھی آجاتے ہیں کہ جنہیں مخلوق کہنا یا شے کہنا جائز ہی نہیں ہے کیونکہ یہ ماورائے مخلوق ہیں اللہ علی کل شی قدیر ہے مگر یہ انوارِ اِلٰہیہ علیہم الصلوات و السلام تو اس کی عین قدرت ہیں وہ علی کل شی علیم ہے یہ تو اس کا عین علم ہیں۔
اب میں آپ سے ایک سوال کرتا ہوں کہ آپ بھی کچھ چیزوں پر قدرت رکھتے ہیں کیونکہ دنیا کا ہر کمزور سے کمزور تر انسان بھی کسی نہ کسی چیز پر قدرت ضرور رکھتا ہے تو

آپ بھی کسی نہ کسی چیز پر قدرت ضرور رکھتے ہوں گے اب آپ مجھے یہ بتائیں کہ کیا آپ اپنی قدرت پر بھی قدرت رکھتے ہیں؟

اسی طرح ایک اور سوال ہے کہ دنیا کا ہر جاہل سے جاہل آدمی بھی کسی نہ کسی چیز کا علم ضرور رکھتا ہے اس لئے آپ بھی کسی نہ کسی چیز کے بارے میں علم ضرور رکھتے ہوں گے تو اب آپ بتائیں کہ کیا آپ اپنے علم کا بھی علم رکھتے ہیں؟

دیکھئے دوستو! ایک ہوتا ہے''عالم''اس کے اندر''قوتِ علمیہ''ہوتی ہے اور وہ اس قوتِ علمیہ کو اپنے''معلوم''کے بارے میں''معلومات''لینے میں صرف کرتا ہے اور اسے جو معلومات کا ذخیرہ حاصل ہوتا ہے اسے کہتے ہیں''علم''

اب آپ سوچیں کہ انسان کو اپنی قوت علمیہ کا علم حاصل ہو سکتا ہے؟ کیونکہ جس نے علم حاصل کرنا ہے وہ تو قوتِ علمیہ ہی ہے لاکھ کوشش کرے وہ اپنے بارے میں علم حاصل نہیں کرسکتی کیونکہ وہ تو اس چیز کے بارے میں معلومات بہم پہنچا سکتی ہے کہ جس پر وہ محیط ہو سکے گی اور قوتِ علمیہ خود اپنے اوپر کیسے احاطہ کرسکتی ہے؟ دیکھئے ایک مرغی کا انڈا ہوتا ہے اب اسے کسی ظرف یا برتن میں رکھنا ہو تو برتن کا اس سے بڑا ہونا ضروری ہوتا ہے مرغی کا انڈا اپنے باہر والے خول کے برابر کے سائز کے برتن میں تو نہیں آسکتا یا خود اپنے خول میں تو نہیں آسکتا۔

اسی طرح قدرت ہے قدرت کا معاملہ یہ ہے کہ اس میں بھی ایک قادر ہوتا ہے ایک مقدور ہوتا ہے ایک تقدر ہوتا ہے قدرت جو ایک قوتِ تقدر ہے وہ اپنے اوپر کیسے غالب آسکتی ہے؟ کیونکہ وہ تو ایک طرح سے انسان کی قوتِ غلبہ ہے اور اسے اپنے ہی اوپر کیسے غالب کیا جا سکتا ہے؟

دوستو! میں اس کے بارے میں صرف اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کیونکہ اس موضوع پر گفتگو کرنا تلوار کی دھار پر زبان چلانے کے مترادف ہے ذرا سی غفلت ہوئی تو زبان کٹ جائے گی

ے

اب مہر لگا لے ہونٹوں پر کوئی راز پھسل نہ جائے کہیں

ہر ہاتھ میں سامنے پتھر ہے ہر فرد صلیب اٹھائے ہے

آیئے دوستو! ہم سب مل کر دعا کریں کہ ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے ظہور اجلال کا دور جلدی آئے اور ہم سب پر سارے راز منکشف ہو جائیں اور ہم اللہ اور ان انوارِ ازلیہ اوّلیہ ذاتیہ علیہم الصلوات و السلام کی معرفت کو تا حد امکان حاصل کر سکیں اور ہم اپنے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے سر اطہر پر نیابتِ الٰہیہ کا درخشاں تاج جلدی دیکھیں۔

آمین یارب العالمین

اللھم صل علیٰ محمدؐ وآل محمدؐ و عجل فرجھم بقائمھمؑ صلوات اللہ علیہ والسلام

یا ھو یا من ھو لا ھو الا ھو الحی القیوم یا ھو یا من لا یعلم ما ھو الا ھو الحی القیوم العلی العظیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک

ولی ؑ الامر

عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه

الحمد لله رب العالمين و صل علىٰ محمدؐ و آلہٖ اجمعين خصوصاً على حجة الله فى العالمين عجل الله فرجه الشريف و آبائه المعصومين و امهاته الطاهرين الطيبين صلوات الله عليهم اجمعين و لعنة الله علىٰ اعدائهم اجمعين من يوم الازل الى يوم الدين

اے محبانِ شھنشاہِ کونین!

آج ہم آپ سے یہ نہیں کہیں گے کہ ہمارا موضوع سابقہ ہے یعنی اپنے مالک ازل عجل الله فرجه الشريف کے اسمائے گرامی کی تشریحات میں ہم مصروف ہیں البتہ یہ عرض کرنا مناسب ہے کہ آج ہمارے پیش بیان جو اسم مبارک ہے وہ ہے

ولی ؑ الامر عجل الله فرجه الشريف

چلو آج میں اس اسم مبارک کے بارے میں کوئی بات نہیں کرتا بلکہ آپ کو اپنی ایک بات سناتا ہوں- یہ ہے بڑی دلچسپ سی بات کیونکہ یہ میرے ایک خیال کی کہانی ہے کیا آپ سنیں گے؟ جی تو پھر سنئے

یہ 1968 کی بات ہے کہ میں حدیث قدسی نامی ایک کتاب پڑھ رہا تھا اس میں فاضل مؤلف نے ساری احادیث قدسی جمع کی ہوئی تھیں اور وہ بہت ہی عرفان انگیز کتاب تھی کیونکہ احادیث قدسی کے بارے میں عرفا کا فیصلہ ہے کہ یہ بھی اللہ جل جلالہ کا وہ پاک کلام ہے جو بلا واسطہ شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے ہوا مگر میں اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں دوں گا کیونکہ میں اس کا مجاز ہی نہیں ہوں۔

دوستو! میں اس کتاب کے مطالعہ میں مصروف تھا کہ ایک حدیث قدسی میرے سامنے آئی جو یہ تھی فرمایا

یا بنَ آدم َانا مَلَكٌ لازوالُ اذا قلتُ لِشیءٍ کن فیکون اطعنی ما امرتُكَ وَانته عما نهیتك حتیٰ تقول لشیء کن فیکون ( )

فرمایا اے آدم زادے میں ایک شہنشاہ لازوال ہوں جب میں کسی چیز سے فرماتا ہوں ہو جا تو وہ فوراً ہو جاتی ہے، میری اطاعت تمہیں بھی حامل ''کن فیکون'' بنا دے گی۔

یہ حدیث جب میں نے پڑھی تو میرے ذہن میں خیالات کا ایک دلنواز ریلا آیا اور وہ مجھے اپنی رو میں بہا کر کہیں دور لے گیا یہ خیال آپ کو بڑا مضحکہ خیز بھی نظر آئے گا مگر اس میں مزا بہت تھا اس حسین خیال میں میرے دو گھنٹے صرف ہو گئے چلو آپ کو اس میں شریک کرتا ہوں۔

دوستو! میں نے جب یہ سوچا کہ خالق کی اطاعت بھی بڑی چیز ہے کہ یہ انسان کو کن فیکون کا حامل بنا سکتی ہے پھر میں نے سوچا کہ کیا یہ اس دنیا میں ممکن ہے کہ انسان کو یہ نسخہ مل جائے کہ وہ لاشے سے بھی کوئی شے بنا سکے اس پر غور کیا کچھ عرفا کے اقوال

دیکھے، انہوں نے فرمایا تھا کہ ہاں ایسا ممکن ہے کہ جو اللہ جل جلالہ کی اطاعتِ کاملہ کرتا ہے اسے اس دنیا میں یہ طاقت مل جاتی ہے اور بعض عرفا کا یہ قول تھا کہ اس دنیا میں تو یہ طاقت نہیں ملتی مگر جس وقت مومن جنت میں داخل ہوگا تو اسے اللہ جل جلالہ کی طرف سے جو پہلا انعام ملے گا وہ یہ ہوگا کہ اسے فرمایا جائے گا کہ آج سے تم بھی ''کن فیکون'' کے حامل ہو اب تم بھی جو چاہو خلق کر سکتے ہو بنا سکتے ہو بس یہیں سے میرے خیال کا پنچھی محوِ پرواز ہو گیا میں نے تصور میں دیکھا کہ ایک غریب مومن کو جنت میں لایا جا رہا ہے اور وہ بڑی شان سے جنت میں داخل ہو رہا ہے اور جب وہ اس دنیا کی ساری محرومیوں کے احساسات سمیٹے جنت میں داخل ہوا تو اس مالک نے فرمایا ساری زندگی تو محروم رہا ہے اب ان محرومیوں کی جزا یہ ہے کہ اب تم جس چیز کو بھی کن کہو گے وہ ہو جائے گی یہ تمہارا انعام ہے-

یہ سن کر وہ جنت میں آ بیٹھا کچھ دن تو وہ اس جنت کو حیرت سے دیکھتا رہا کیونکہ اس نے تو کسی امیر آدمی کا ڈرائنگ روم بھی کبھی نہیں دیکھا تھا اسے کیا معلوم تھا کہ شان و شوکت سے کیسے رہا جا سکتا ہے مگر یہاں حورانِ جناں کی محفلوں میں اسے بھی کچھ کچھ سمجھ آنے لگی پھر اس نے چند دنوں میں جنت کا گوشہ گوشہ دیکھ مارا

جب ہر چیز سے فارغ ہو گیا تو اس نے سوچا وہ جو خالق نے انعام دیا تھا اسے تو آزماؤں کہ اس سے میں کیا کیا بنا سکتا ہوں یہ سوچ کر اس نے پہلے تو چند چھوٹی موٹی چیزیں بنائیں پھر اس نے سوچا کہ میں کوئی بڑی چیز بنا کر تو دیکھوں وہ تھا بڑا منچلا سو اس نے ایک دو دن سوچنے میں لگا دیے کہ وہ کونسی بڑی چیز بنا سکتا ہے ایک دن اسے لیٹے لیٹے خیال آیا کہ کیوں نہ میں اس کن فیکون والے نسخے کو ایک بہت ہی بڑی چیز

تخلیق کرنے پر آزماؤں سواس نے سوچا کیوں نہ میں ایک بڑی کائنات تخلیق کر کے دیکھوں یہ سوچ کر وہ جنت کے ایک گوشے میں جا بیٹھا اس نے سوچا یہ جنت تو اتنی وسیع ہے کہ اس میں ہماری کائنات جیسی کئی کائناتیں سما سکتی ہیں اس لئے اس میں ایک گلیکسی (Galaxy) بنا دوں پھر اس میں لاکھوں نظام ہائے شمسی بنا دوں۔ یہ سوچ کر اس نے اللہ جل جلالہ کے انعام کو استعمال کرتے ہوئے کہا ہماری سابقہ کائنات سے بھی بڑی کائنات تو بن جا۔

پھر کیا تھا اس کا وہ حکم تو بگ بینگ (Big Bang) کا دھماکہ تھا آن واحد میں ایک کائنات بن گئی۔ اس نے حیرت سے کائنات کو دیکھا اس میں کئی گلیکسیز (Galaxies) کو دیکھا، کاسموس کو دیکھا پھر اس نے سوچا کیوں نہ میں اس میں سابقہ دنیا کی کائنات کی طرح کے اربوں کھربوں شمسی نظام بنا ڈالوں۔ بس پھر کیا تھا اس نے اسی مقام پر بیٹھے بیٹھے اپنے سابقہ نظام شمسی جیسا ایک نظام شمسی بنا ڈالا۔

وہ مومن تھا بڑا شارپ مائنڈڈ (Sharp Minded) اس لئے اس نے سوچا کہ میں ان نظام ہائے شمسی میں سے ایک میں اپنی دنیا جیسی ایک دنیا کیوں نہ بنا ڈالوں یہ سوچ کر اس نے اس میں اِس دنیا جیسی ایک دنیا بنا ڈالی کیونکہ جنت تو بہت وسیع ہے اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ ''مکان'' نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی بلکہ جو مادّہ پیدا ہوتا ہے وہ اپنا مکان خود بنا لیتا ہے جیسے ایک (Balloon) بیلون میں ہوا اپنا مکان خود بناتی ہے بس اس نے اس میں ایک دنیا بنا ڈالی۔

جب اس نے اپنی بنائی ہوئی دنیا کو دیکھا تو اس میں اسی دنیا جیسے سبزہ زار اور پہاڑ نظر آئے اس میں وہی رونقیں اسے نظر آئیں مگر اس میں اس نے دیکھا کہ ایک چیز

کی کمی ہے اور وہ ہے انسانوں کی کمی کیونکہ اس میں سب کچھ تھا مگر اس میں انسان نہ تھے اس نے سوچا کہ میں اللہ جل جلالہ کے عطا کردہ انعام کو اس معاملے میں استعمال کر کے تو دیکھوں یہ سوچ کر اس نے اسی جنت میں ایک نیا آدم بنایا۔

اور جو ملکوت اس جنت میں اس کی خدمت پر معمور تھے انہیں بلایا اور کہا دیکھو یہ میرا شہکار ہے میں اسے اپنی خلق کی ہوئی زمین پر اپنا خلیفہ بناؤں گا وہ کہتے ہیں تم یہ مت کرو کیونکہ یہ اس زمین میں فساد کرے گا اور تم جیسے نیک لوگوں کے ساتھ اس کی اولاد وہی حشر کرے گی کہ جو دنیا پرست لوگوں نے تمہارے ساتھ کیا تھا مگر وہ کہتا ہے کہ میں تو اسے زمین پر اپنا نائب بناتا ہوں جب میں اس میں روح داخل کروں تو تم اس کو سجدہ کرنا

وہ سارے حیران ہوتے ہیں کہ یہ تو ہمارا مالک ہے ہمیں اس کا غلام بنایا گیا ہے اس لئے اس کی اطاعت ہم پر واجب ہے یہ سوچ کر وہ اس نئے آدم کو سجدہ کرنے کیلئے تیار ہو جاتے ہیں اور جب وہ کن فیکون سے ایک نئی روح خلق کر کے اس میں ڈالتا ہے تو سارے ملکوت اس کو سجدہ کر لیتے ہیں

وہ اس نئے آدم کو کچھ عرصہ جنت میں رکھتا ہے اور اسے آزمانے کیلئے کہ کیا یہ میرا حکم مانتا بھی ہے یا نہیں وہ اسے حکم دیتا ہے کہ اس جنت میں ایک شجرہ طیبہ ہے اس کی خواہش نہ کرنا مگر ایک دن وہ اس کی خواہش کر بیٹھتا ہے اور وہ اسے زمین پر بھیج دیتا ہے اور یہاں وہ اس کی نسل کا ایک جوڑا بناتا ہے تاکہ یہ تنہائی کی وحشت محسوس نہ کرے اور اس کی نسل بھی جاری ہو جائے تاکہ میں بھی تو دیکھوں ہمارے بابا آدم کی نسل کیسے جاری ہوئی تھی سو وہ اس کی ایک بیوی بناتا ہے اور ان کو وہاں آباد کر دیتا

ہے اور اس طرح ان کی نسل کا ایک سلسلہ چل نکلتا ہے اور یوں گویا ایک نئی انسانیت کا سلسلہ چل نکلتا ہے۔

وہ مومن اپنی بنائی ہوئی مخلوق کے اسبابِ حیات کا انتظام کرتا ہے انہیں رزق دیتا ہے اولاد بھی وہی دیتا ہے آرام وراحت الغرض سارے اسبابِ حیات انہیں دیتا ہے۔

ایک دن یہ مومن محسوس کرتا ہے کہ نئی انسانیت کی زندگی بے مقصد اور بے لگام ہے اس لئے انہیں قوانین فطرت سکھانے کیلیئے وہاں ہادی بھیجنا لازم ہے یہ سوچ کر وہ ایک ملکوتی نور کو ''کن فیکون'' سے پیدا کرتا ہے پھر اس کے کئی حصے کرتا ہے اور ہر حصے سے ایک ہادی بناتا ہے اور اس نوری ہادی کو اس آدمِ جدید کی اولاد جیسی بشریّت کا لباس پہناتا ہے تاکہ وہ اس سے اجنبیت محسوس نہ کریں اور انہیں اس آدم کی نسل کے کسی فرد کے گھر میں بیٹا بنا کر پیدا کر دیتا ہے تاکہ وہ ان نوری فرشتوں سے مانوس ہو جائیں تو وہ ان کی قوانینِ فطرت کی طرف رہنمائی کریں اور اس آدم کی اولاد کو خالقِ حقیقی کا اور خود اس بنانے والے مومن کا بھی تعارف کروائیں۔

دوستو! یہ تو آپ کو یاد ہے کہ میں نے بات کہاں سے شروع کی تھی میں پھر یاد دلا دوں کہ میں نے ایک حدیث قدسی دیکھی تو اسے دیکھ کر مجھے جو خیال آیا تھا میں وہی بیان کر رہا ہوں کہ ایک مومن جنت میں کس طرح اپنے پہلے انعام یعنی کن فیکون کو استعمال کرتا ہے۔

ہاں تو دوستو وہ اس اپنی پیدا کردہ انسانیت کی ہدایت کیلیئے اپنے تعارف کیلیئے اور اپنے اللہ کے تعارف کیلیئے اپنے نوری ملکوت کو ان کے بشری لباس میں بھیج دیتا ہے

اور وہ انہیں تبلیغ کرتے ہیں اور انہیں خالق حقیقی اور ان کے بلا واسطہ خالق و ولی الامر سے متعارف کرواتے ہیں۔

وہ لوگ ان ہادیوں کی بات پر یقین نہیں کرتے اور ان کی اس بات کو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ یہاں اپنی حکومت قائم کرنے اور اپنی چودھراہٹ کیلئے یہ سب باتیں کر رہے ہیں پھر کچھ غریب لوگ ان کی باتوں پر ایمان لاتے ہیں یہ دیکھ کر وہ جنتی مومن بہت خوش ہوتا ہے کہ چلو کچھ لوگ تو بات کو سمجھ گئے ہیں مگر اس کے بعد ان میں سے کچھ لوگ بگڑنے لگ جاتے ہیں وہ انہیں بار بار سزائیں بھی دیتا ہے مگر اس کے حسب منشاء نتیجہ نہیں نکلتا اس طرح وہ بار بار ہادی بھیجتا ہے ملکوتی لوگوں کو ان کا بشری لباس پہنا کر بھیجتا ہے اس طرح اس کی کوشش سے کل لوگوں میں سے ایک تہائی لوگ ان کی تبلیغ سے متاثّر ہو جاتے ہیں اور کلمہ پڑھ لیتے ہیں کیونکہ ملکوتی ہادی انہیں اللہ جل جلالہ کا مکمل تعارف کرواتے ہیں کہ ہمارا تمہارا ایک اللہ ہے جو کائنات کا خالق ہے اور وہ اللہ ہے جو نہ کسی کا بیٹا ہے اور نہ کوئی اس کا بیٹا ہے، وہ بہت قدرت کا حامل ہے، لم یزل ولا یزال ہے، بہت کریم ہے، رحیم ہے، مدرک ہے، مرید ہے وہ ہادیانِ ملکوتی جملہ صفات ثبوتیہ و سلبیہ ان کے سامنے رکھ دیتے ہیں اس طرح لوگ پوری طرح خالق کو ماننا شروع کر دیتے ہیں لیکن ہوتا یہ ہے کہ جب ہادیانِ ملکوتی انہیں اللہ جل جلالہ کے بارے میں یہ بتاتے ہیں کہ وہ خالقِ حقیقی ہے تو اس بات کا مطلب وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا بھی بلا واسطہ خالق اللہ ہی ہے اس طرح وہ اپنے بلا واسطہ خالق یعنی ولی الامر کی عظمت سے انکار کرنا شروع کر دیتے ہیں

وہ ہادیانِ ملکوتی انہیں بتاتے ہیں کہ دیکھو تمہیں اللہ نے پیدا نہیں کیا بلکہ اس تمہاری

دنیا سے پہلے ایک دنیا تھی اور اس میں انسان رہتے تھے اور ان سے خالق نے وعدہ فرمایا تھا جیسا کہ تمہارے ساتھ وعدہ ہے کہ اگر تم اس کی اطاعت کرو گے تو تمہیں جنت دی جائے گی تمہاری طرح اس دنیا کے لوگوں نے انکار کیا تھا لیکن ان میں کچھ مومنین نے کلمہ بھی پڑھا اور اطاعت بھی کی اور انہیں جنت ملی اور انہیں اختیار کن فیکون بھی ملا سوان مومنین میں سے ایک مومن تھا جس نے ان اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے تمہاری کائنات کو خلق کیا تمہیں خلق کیا تمہارے رزق کا اہتمام کیا ہے اور ہم جنت میں اس کی غلامی پر مامور تھے اس نے ہمیں تمہاری ہدایت کیلئے بھیجا ہے اور وہی تمہیں رزق دیتا ہے وہی تمہارا خالق ہے ہاں یہ اختیار اسے اللہ جل جلالہ نے انعام میں دیا ہے۔

جب انہیں ہادیان ملکوتیہ بتاتے ہیں کہ رازق حقیقی اللہ ہے تو وہ نئی نسل بشر کے لوگ اس مومن یعنی اپنے ولی العصر کی ذات کے اختیارات سے انکار کرنا شروع کر دیتے ہیں اس طرح ان میں دو گروپ بن جاتے ہیں اور ان میں بحث شروع ہو جاتی ہے کہ جس نے ہمیں خلق کیا ہے یہ تو بے بس ہے سبھی کام اللہ اپنے ہاتھوں سے کرتا ہے اللہ تو اللہ ہے یہ مومن ہمارا اولی الامر تو عاجز ہے اس کا اس سے کیا مقابلہ ہے یہ اس کا محتاج ہے جیسے جیسے انہیں اللہ کا تعارف کروایا جاتا ہے تو وہ اپنے بنانے والے مومن کے اختیارات سے انکار کرتے چلے جاتے ہیں۔

ایک دن وہ مومن دیکھتا ہے کہ ان میں ایک بحث چھڑی ہوئی ہے اور بڑی گرما گرم بحث ہے۔ ایک فریق کہتا ہے کہ ہمیں صرف اللہ سے مدد مانگنا چاہیے کیونکہ اصل مدد کرنا اللہ کا کام ہے ہماری مدد اللہ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔

دوسرا گروپ کہتا ہے کہ دیکھو بھائی اللہ اور اپنے بنانے والے کا مقابلہ نہ کرو یہ جو کچھ کرتا ہے اس کے عطا کردہ اختیارات سے کرتا ہے اور ہمارے سارے کام یہی کرتا ہے مگر وہ ایک نہیں مانتے وہ انہیں مشرک کہتے ہیں کافر کہتے ہیں ان میں سے بعض کو وہ قتل بھی کر دیتے ہیں اور بعض کو جلاوطن کر دیتے ہیں اس طرح یہ سلسلہ صدیوں تک چلا جاتا ہے اور اس نئے بشر کی نسل میں ہمیشہ ہادی آتے رہتے ہیں اور ان میں دو دھڑے بنتے چلے جاتے ہیں۔

ایک دن وہ جنتی مومن دیکھتا ہے کہ نئے بشر کی نسل کے لوگ آپس میں جھگڑ رہے ہوتے ہیں۔ ایک گروپ کہتا ہے کہ ہمیں ہادیان کی بات ماننا چاہیے اور ہمیں یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ ہمارا بلا واسطہ رازق ہمارا بنانے والا ہی ہے اور ہمارے رزق کے اسباب وہی پیدا کرتا ہے۔

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ تم یہ شرک کر رہے ہو قادر مطلق اللہ کو چھوڑ کر ایک عاجز مومن کو اپنا رازق بنا رہے ہو یہ شرک ہے

وہ کہتے ہیں کہ دیکھو دوستو وہ عاجز ہے تو اللہ جل جلالہ کے سامنے ہے مگر ہمارے سامنے وہ قادر ہے کیونکہ اللہ جل جلالہ کے اختیارات ہی کو تو وہ استعمال میں لاتا ہے اس لئے وہ ہمارے معاملات میں کلّی طور پر قادر ہے یعنی جن چیزوں کی ہمیں ضرورت ہے وہ چیزیں عطا کرنے پر اسے پوری قدرت حاصل ہے اور اللہ نے جو اختیارات اسے عطا فرمائے ہیں ان میں وہ اپنی مداخلت کو جائز نہیں سمجھتا ہمارا بنانے والا جتنا ہی عاجز کیوں نہ ہو ہمارے اسبابِ حیات کے معاملے میں کلّی طور پر قادر ہے۔

یہ سن کر وہ لوگ اپنے بنانے والے کی حمایت کرنے والوں پر کفر وشرک کے فتوے لگانا شروع کر دیتے ہیں اور وہ مومن جنت میں بیٹھا سوچ رہا ہوتا ہے کہ جب میں نے اللہ کے مقابلے میں خود کو کھڑا نہیں کیا تو یہ جہال مجھے اللہ کا شریک کیسے مان رہے ہیں ہاں میں ان کے معاملے میں تو پوری طرح اختیار رکھتا ہوں ان کی زمین کو آسمان کروں آسمان کو زمین کروں ان کی کائنات کو جس طرح میں نے کُن سے بنایا ہے اسی طرح کن سے فنا بھی کر سکتا ہوں اور اس سے اللہ جل جلالہ کے اختیارات میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا تو یہ کس طرف جا رہے ہیں مگر انہیں کون سمجھائے۔

ایک دن وہ مومن جنت کے جھروکوں سے دیکھتا ہے کہ ان خدا پرستوں نے اپنی عبادت گاہیں بنا لی ہیں اور ان میں عبادت کروانے کا کام کروانے کیلئے انہوں نے کسی کو منتخب کرنے کا پروگرام بنایا ہے۔ یہ دیکھتا ہے کہ وہ کیا کرتے ہیں یہ کس طرح اپنا حاکم بناتے ہیں؟

ایک دن سارے لوگ عبادت گاہ میں جمع ہو جاتے ہیں اور اس میں کسی کو منتخب کرنے کا عمل شروع ہوتا ہے۔ یہ سوچتا ہے کہ میں نے انہیں بنایا ہے تو ان کا حاکم بنانے کا بھی مجھے اختیار ہے یہ خود کیوں بنا رہے ہیں کیونکہ یہ تو یہ بھی نہیں جانتے کہ جسے وہ میرا نائب بنا رہے ہیں وہ کیسا ہے کیا ان کے معاملات میں کفایت کرے گا بھی یا نہیں۔

یہ دیکھ کر وہ اپنے ہادیان ملکوتی میں سے ایک کو بھیجتا ہے کہ تو جا کر کہہ دے کہ تمہارے بنانے والے کا نائب میں ہوں یہ نائب جاتا ہے تو وہ الیکشن کروا رہے ہوتے ہیں یہ جا کر کہتا ہے کہ میں تمہارے بنانے والے مومن کا نائب ہوں تم مجھے اپنا حاکم تسلیم

کرو۔

یہ سن کر وہ کہتے ہیں کہ تم بھی نیابت کی سیٹ کیلئے درخواست دے دو اور درخواست کے بعد جاؤ اپنے قبیلے والوں کو بلا لاؤ اور اپنا ورک (Work) کرو اگر تمہارے ووٹ زیادہ ہوئے تو ہم تمہیں اپنا حاکم بنالیں گے۔

یہ کہتا ہے کہ جب تمہارا بنانے والا مجھے اپنا نائب تسلیم کرتا ہے تو پھر تمہیں ووٹ کروانے کی کیا ضرورت ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ دیکھو صرف حاکم بنانا تو کافی نہیں ہے اس کے احکامات کو ماننا بھی پڑتا ہے اس لئے جس قبیلے کے افراد زیادہ ہوں گے وہ اپنے بڑے کا کہنا مانیں گے اور اس کے قبیلے والے دوسروں پر افرادی برتری کی وجہ سے اپنی بات جلدی منوا سکیں گے اور جو تلوار کی نوک پر احکام کی پابندی نہیں کروا سکتا وہ خلیفہ کیسے بن سکتا ہے؟ یہ کہہ کر وہ اسے بھگا دیتے ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ مومن جنت میں پریشان ہو جاتا ہے کہ یہ تو اپنی تباہی کی طرف بڑی تیزی سے جا رہے ہیں اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہتا ہے اور مخلوق بگڑنے میں دن دونی اور رات چوگنی ترقی کر رہی ہوتی ہے وہ سوچتا ہے کہ میں انہیں بنا تو بیٹھا ہوں اور یہ مجھے بہت پریشان کر رہے ہیں اب انہیں ایک دم مٹانا بھی اچھا نہیں لگتا کیونکہ ایک بچہ بھی جب کوئی گھروندا بناتا ہے تو اسے بھی وہ گھروندا عزیز ہوتا ہے اس لئے مجھے یہ بہت عزیز ہیں کیونکہ یہ تو میرے کھلونے ہیں مگر یہ کھلونے خود میرے گلے پڑ رہے ہیں چلو اب ایسا کرتا ہوں کہ میں خود ان میں چلا جاتا ہوں اور امید ہے یہ میرے جانے پر ضرور سدھر جائیں گے اور میرے جانے کا لحاظ کریں گے میں انہیں جب یہ بتاؤں گا کہ میں نے تمہیں بنایا ہے اور میں ہی تمہارا سب کچھ ہوں تو یہ ضرور میری قدر کریں گے

اور میرے بارے میں ان کے جملہ عقائد درست ہو جائیں گے یہ سوچ کر وہ اپنی بنائی دنیا میں آ جاتا ہے۔

جب اس دنیا میں آتا ہے اور اپنی بنائی ہوئی ساری مخلوق سے کہتا ہے کہ میں نے ہی تمہیں بنایا تھا اور میں ہی تمہارا رزق فراہم کرتا ہوں اس لئے اب اپنی بک بک بند کر دو۔

جب سارے لوگ اسے دیکھتے ہیں اور اس کی باتیں سنتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ارے ہم تو سمجھتے تھے کہ ہمارا بنانے والا کوئی فرشتہ ہوگا اس کا ایسا تاج ہوگا وہ ایسا ہوگا ایسا ہوگا یہ تو ہماری طرح کا ایک بشر ہی ہے یہ بیچارہ کیا کر سکتا ہے۔

وہ سارے لوگ اس کا مذاق اڑاتے ہیں اور کوئی اس کی بات پر یقین نہیں کرتا۔

ایک دن وہ انہیں چیلنج کرتا ہے کہ تم مجھے اپنا بنانے والا نہیں مانتے، تم میرے اختیاراتِ خداداد سے انکار کرتے ہو آؤ مجھ سے میری قدرت اور اختیارات کا جو جی چاہے ثبوت مانگو۔

وہ کہتے ہیں کہ تم ہمارے سورج کو مغرب سے طلوع کر سکتے ہو؟

وہ یہ بھی کر کے دکھا دیتا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ تو بہت بڑا جادوگر ہے۔

پھر کہتے ہیں کہ کیا چاند کو دو ٹکڑے کر کے دکھا سکتے ہو؟

وہ یہ بھی کر کے دکھا دیتا ہے چاند دو ٹکڑے ہو کر اس کے بغلوں میں سے گزر جاتا ہے کیونکہ وہ اپنے کن فیکونی کے اختیارات کو استعمال کر کے اسے چھوٹا کر دیتا ہے اور اسے اپنی بغل سے گزار کر دکھا دیتا ہے۔

وہ کہتے ہیں بھائی اس جیسا جادوگر تو دیکھا ہی نہیں تھا کیونکہ سارے جادوگروں کے

جادوصرف زمین پر چلتے ہیں اس کا جادو تو آسمان کے سر چڑھ کر بول رہا ہے
ہاں کئی لوگ اس کی بات پر یقین بھی کرتے ہیں مگر وہ بھی ایک بے یقینی جیسا یقین کرتے ہیں اسی طرح وہ وقتاً فوقتاً اس اپنی بنائی ہوئی دنیا میں آتا رہتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہوتا یہ ہے کہ کوئی اسے اپنا مالک ومختار ماننے کیلئے تیار نہیں ہوتا۔
یہاں میں پھر آپ کو یاد دلا دوں کہ میں نے ایک حدیثِ قدسی دیکھی تھی اور اس کے بعد میرے خیال میں جو فلم چل گئی تھی میں اس کی آپ کو سٹوری سنا رہا ہوں۔
ہاں تو میں عرض کر رہا تھا کہ وہ مومن جنت کی پرسکون فضاؤں کو چھوڑ کر ان لوگوں کی خیر کیلئے اس دنیا میں آتا رہا مگر ہوتا یہ رہا کہ جب بھی وہ اس دنیا کے بدمزاج معاشرے میں آیا لوگوں نے اسے زیادہ عرصہ یہاں ٹکنے نہ دیا اور اسے مجبوراً واپس جانا پڑا کبھی قتل کی کوششیں کی گئیں حالانکہ اسے قتل نہیں کیا جا سکتا تھا کیونکہ وہ تو جنت کا باشندہ تھا اس لئے اس پر تو موت آ ہی نہیں سکتی تھی کیونکہ جنت میں پہنچ جانے والوں کیلئے تو خالدین فیہا کا فیصلہ ہو چکا ہے اس لئے اسے کوئی مار ہی نہیں سکتا تھا مگر پھر بھی اسے قتل کرنے کی کوششیں جاری رہیں، کبھی زہر دیا گیا، کبھی اسے تلوار سے قتل کرنے کی کوشش کی گئی، اس کی اپنی بنائی ہوئی مخلوق اس کے درپئے آزار رہی اسی طرح ایک بار جب وہ آیا تو ساری مخلوق نے ایکا کر لیا کہ اسے ضرور شہید کریں گے اور اسے اس طرح ماریں گے کہ وہ پھر اس دنیا میں آنے کا نام بھی نہ لے اور ہم اس دنیا پر اپنی خدائی آپ کریں گے۔
یہ سوچ کر انھوں نے ایک بہت ہی خطرناک پلان بنایا اور اس کے گھر پہنچ گئے اور اس کا گھیرا ڈال لیا اور جب معاملہ یہاں تک پہنچا تو اس دنیا کے بنانے والے نے

سوچا کہ اب تو غائب ہونے کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں ہے کیونکہ انہیں میں ختم کرنا نہیں چاہتا اور یہ میری جان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اس لئے اب تو مجھے فوراً غائب ہوجانا چاہیے تاکہ میں انہیں ایک مدّت کیلئے مہلت دے دوں اور یہ جی بھر کے اپنے گناہوں کا ڈول بھرلیں ہاں میں بھی ایک دن اپنے خالق کی طرح ان پر قیامت لاؤں گا اور ان میں سے جو اس دور میں بھی میرے ساتھ جڑے رہیں گے میں انہیں اپنے ساتھ جنت کی فضاؤں میں جگہ دوں گا اور انہیں اس جنت میں اپنی خدمت کا اعزاز دوں گا اور جو میری مخالفت پر قائم رہیں گے میں ان کیلئے ان کی ہی ذات میں ایک جہنّم بنادوں گا اور وہ ہمیشہ ہمیشہ اس میں معذّب رہیں گے -

یہ سوچ اس دنیا کے بنانے والے نے غیبت اختیار کر لی اور ان کا ولی الامر غائب ہوگیا-

دوستو! یہاں تک تو تھی میرے خیال کی فلم کی سٹوری مگر یہ بھی آپ کو بتادوں کہ جب میرے خیال کی فلم ختم ہوئی تو مجھے خیال آیا کہ کہیں ہمارے ساتھ بھی تو ایسا نہیں ہو رہا؟

کیونکہ اسی دنیا میں ہمارے باوا آدمؑ سے پہلے بھی کئی باوا آدمؑ گزرے ہیں ان کی اولاد پر قیامت بھی آئی اسی طرح کئی دنیائیں تخلیق ہورہی ہیں اور اسی طرح اسی وقت کئی دنیائیں فنا ہورہی ہیں یہ تخلیق وفنا کا عمل جاری وساری ہے کل یوم ھو فی شـــــان کا مظاہرہ جاری ہے کیونکہ جس ذات نے کن فیکون سے یہ کائنات بنائی تھی اس کی وہ صدا مسلسل جاری ہے اور ہمیں معلوم ہی نہیں کہ ہماری اس کائنات سے ماوریٰ کتنی کائناتیں بنتی چلی جارہی ہیں اس لئے کئی کائناتیں ہر لمحہ اپنی قیامت سے دوچار ہورہی ہیں اور ان میں کئی نظام شمسی ایسے ہوں گے کہ جن میں انسانیت آباد

ہوگی اوران میں سے کئی لوگ جہنّم میں پہنچ چکے ہوں گے اور کئی جنت میں انعام کن فیکون سے بہرہ یاب ہو رہے ہوں گے اور مجھے یہ لگا کہ شاید یہ بھی ہماری اس کائنات کی کہانی ہے کیونکہ اس کائنات کے خلق فرمانے والوں کے ساتھ ہمارا بھی یہی رویّہ ہے وہ ہمارے ولی الامر ہم سے فرماتے ہیں کہ نحن صنائع اللہ و الخلق بعد صنائعنا ہم اللہ کی صنعت عظیم ہیں اور یہ تمہاری کائنات اوراس کی مخلوق خود ہماری تخلیق شدہ ہے مگر ہم آج بھی ان کی اس بات کو تسلیم نہیں کرتے انہوں نے اپنے اختیارات وقدرتوں کے جومظاہرے فرمائے ہم نے انہیں کبھی نعوذ باللہ جادوگر کہا کبھی اپنے جیسا بشر کہا اوران کے اختیارات اِلٰہیہ سے ہمیشہ انکار کیا اوران کے پاک کردار میں سے اپنی بدذہینت کے کیڑے نکالتے رہے اوران کے ساتھ اس دنیا کی مخلوق نے وہ رویّہ رکھا کہ ہمارے ولی الامر عجل اللہ فرجہ الشریف کے آبائے طاہرین علیھم الصلوات و السلام کو پوری زندگی سکھ کا سانس نہیں لینے دیا اوران میں سے کوئی بھی اس دنیا سے بغیر ظلم وستم اٹھائے تشریف نہیں لے گئے اور جو ہمارے ولی الامر عجل اللہ فرجہ الشریف ہیں ان کے ساتھ بھی ہمارا وہ رویّہ تھا کہ انہیں بھی غیبت اختیار کرنا پڑ ی ہے۔

دوستو! جب میں اس بارے میں سوچ رہا تھا تو خود مجھے اپنی دنیا اوراس میں موجود ہم جیسے لوگوں کی ایک ایک بات یاد آنے لگی۔

کیونکہ اس بات سے کوئی بھی انکارنہیں کرتا کہ جب مومن اس دنیا سے جائے گا اور قیامت میں فوزِعظیم کے حصول کے بعد جنت میں جائے گا تو اسے یہ انعام ضرور ملنا ہے اور وہ اسے استعمال کرنے میں پوری طرح بااختیار ہوگا اور وہ وہاں اگر ایسا

قدم اٹھاتا ہے اور ایک نئی کائنات بناتا ہے اور اس میں اپنے جیسی مخلوق آباد کرنا چاہے بھی تو اس پر پابندی نہیں ہوگی کیونکہ عطا و انعام دینے کے بعد اس پر کسی قسم کی پابندی لگانا دینے والے کی توہین ہوتی ہے اور اس جنت میں اتنی گنجائش بھی ہے کہ اس میں یہ کائنات بنائی اور بسائی جاسکتی ہے جیسا کہ جناب جبریل علیہ السلام کے واقعہ میں ہے کہ وہ ہماری کائنات کو طے کرنے میں ایک سیکنڈ لگاتے ہیں مگر جب انہوں نے جنت کی سیر کا ارادہ فرمایا تو ہزاروں برس پرواز کے باوجود ہزاروں گنا زیادہ رفتار اور پر ملنے کے باوجود صرف ایک مومن کی ملکیت کے قطعۂ جنت کو عبور نہ کر سکے تھے یعنی ایک مومن کو جو کچھ ملنے والا ہے اس میں بھی اس کائنات جیسی کروڑوں کائناتیں سما جانے کی صلاحیت موجود ہے اور وہاں کوئی ایسا کھیل کھیلے تو کیا اس کائنات کا پیدا کرنے والا ہوگا یا نہیں؟

وہ اس مخلوق کا مالک و خالق و رازق ہوگا یا نہیں؟

اگر ہم بھی اپنے ولی الامر عجل اللہ فرجہ الشریف کو اسی طرح کا مالک ہی سمجھ لیں تو کیا ہرج ہے کیونکہ اس عجل اللہ فرجہ الشریف طرح کا مالک تو ایک عام مومن بھی ہوسکتا ہے تو مالک کو مالک ماننے میں کیا مانع ہے؟

ہمارے اولیائے امر علیہم الصلوات و السلام نے ہم سے فرمایا کہ اوّل ما خلق اللہ نوری ہمارا نور سب سے پہلے نور الٰہی سے اختراع ہوا تھا

ہم نے کہا نہیں آپ ہم جیسے بشر ہیں

انہوں نے فرمایا ہم چاہیں تو ہر ناممکن ممکن ہوسکتا ہے

ہم نے جواب دیا کہ معجزہ اللہ کا فعل ہے آپ نعوذ باللہ ہماری طرح بے اختیار ہیں

انہوں نے فرمایا ہم موت وحیات پر قادر ہیں ہم نے کہا جی نہیں اللہ کے علاوہ کوئی موت وحیات پر قادر نہیں ہے

انہوں نے فرمایا ہم تمہیں رزق اوراولاد عطا فرماتے ہیں

ہم نے کہا جی یہ کام بھی اللہ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا

انہوں نے فرمایا ہم ہر شخص کی مدد فرما سکتے ہیں

ہم نے کہا جی اللہ کے علاوہ کسی سے مدد مانگنا بھی جائز نہیں ہے

اب بتائیں ہم نے اپنے اولیائے امر کو کیا مقام دیا؟ اب ان کے پاس ہم نے کیا چھوڑا ہے؟

کئی لوگ جواب دیتے ہیں کہ ہم انہیں دین کا مالک مانتے ہیں میں نے گذارش کی کہ آپ تو انہیں نعوذ باللہ ایک عام مولوی سے زیادہ مقام دے ہی نہیں سکے - انہوں نے کہا جی ہم انہیں دینی امور میں مالک مانتے ہیں میں نے کہا جناب آپ بتائیں کہ کیا آپ یہ مانتے ہیں کہ یہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر سکتے ہیں؟ اس نے کہا جی یہ اختیار بھی اللہ کو ہے -

میں نے عرض کیا جناب پھر تو آپ انہیں نعوذ باللہ وہی قلی، استنجا اور استبرا بتانے والا مولوی ہی سمجھتے ہیں کہ جس کا کام یہی ہے کہ جو فقہی مسائل کہیں لکھے ہوئے ہیں وہی ہم کو بتائیں اور زیادہ سے زیادہ انہیں اجتہاد کی اجازت بھی نہیں دیتے کہ کہیں کوئی حلال حرام نہ ہو جائے -

اب خود سوچیں کہ کیا ولی الامر اور ولی اللہ ایسے ہوتے ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ ان کے پاک انوار علیھم الصلوات و السلام کے مقاماتِ عالیہ کو کوئی سمجھ

ہی نہیں سکتا کیونکہ جن چیزوں ہم کو اللہ جل جلالہ تک محدود سمجھتے ہیں وہ ان سے بہت بلند ہے اور وہ چیزیں اس دراطہر کے غلاموں کے اختیار میں ہیں۔

دوستو! یہ جو میں نے عرض کیا ہے یہ ولی الامر کے مرتبے کی طرف ایک اشارہ تھا ورنہ ان کا مقام تو اس سے بہت بلند ہے اور اس کی بلندی کا آپ اس سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ ایک عام مومن جس کو ان کی نعلین چومنے کی وجہ سے جنت عطا ہو گی وہ بھی ایک کائنات کا ولی الامر ہو سکتا ہے تو ان کا مقام کیا ہو گا کہ جو اس کے مالک ہیں اور اللہ کے قائم مقام ہیں اس کے ولی الامر عجل الله فرجه الشريف ہیں۔

اب اس سے زیادہ ولی الامر کے مقام اور مرتبے کو میں بیان نہیں کر سکتا ہاں آپ اس حکایت سے سوچنے کیلئے ایک راستہ ضرور تلاش کر سکیں گے اور مالک پاک عجل الله فرجه الشريف کی توفیق بھی شاملِ حال ہوئی تو آپ اصل منزل تک پہنچ جائیں گے

دوستو! یہ وقت ہے کہ ہم سب مل کر دعا کریں کہ وہ روز سعید جلدی آئے جب ہم اپنے مالک و منعم ولی الامر عجل الله فرجه الشريف کی شاہی اور اقتدارِ الٰہی کا اس دنیا پر مظاہرہ دیکھیں اور اپنی گناہ گار آنکھوں سے ان کے جاہ و جلالِ الٰہی کا مشاہدہ کریں۔

آمین یارب العالمین

اللهم صل علیٰ محمدؐ وآل محمدؐ و عجل فرجهم بقائمهمؑ صلوات الله علیه والسلام

يا هو يا من هو لا هو الا هو الحی القیوم یا هو یا من لا یعلم ما هو الا هو الحی القیوم العلی العظیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک

خیرۃ اللہ ص

عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه

الحمد لله رب العالمين و صل علىٰ محمد ص و آلہٖ اجمعين خصوصاً على حجة الله فى العالمين عجل الله فرجه الشريف و آبائه المعصومين و امهاته الطاهرين الطيبين صلوات الله عليهم اجمعين و لعنة الله علىٰ اعدائهم اجمعين من يوم الازل الى يوم الدين

اے آشیانیٔ سدرۂ عرفان!

یہ تو آپ جانتے ہیں کہ ہم اپنے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے اسمائے مبارکہ کی تشریحات پر گفتگو جاری رکھے ہوئے ہیں اور آج ہمارے پیشِ گفتگو جو اسم مبارک ہے وہ ہے

''خیرۃ اللہ عجل الله فرجه الشريف''

اس اسم مبارک کو بھی جب ہم دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ بھی شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف کے دوسرے اکثر اسمائے مبارکہ کی طرح مرکب اسم ہے اور یہ دو الفاظ کا مرکب ہے ایک ہے ''خیرہ'' اور دوسرا لفظ ہے ''اللہ''

اس میں پہلا لفظ ہے خِیَرَ ةُ اوراس کا مادّہ خَارَ ہےاور یہ نَصَرَ کے باب میں آ تا ہے خَارَ ، خَیرَةَ ، خِیَرَةَ و خَیراً و خَیَّرَ کے جو معانی اہل لغت نے درج کیئے ہیں وہ ہیں پسند کرنا ،منتخب کرنا ، مختار بنایا ، سبقت دینا ، چن لینا ، خیر ، نیکی ، بھلائی ، تخیر" و اختارہ چن لینا ،منتخب کرنا ، ذخیرہ کرنا ، خیر وخیور ، خیر ، بھلائی ، کسی چیز کا اپنے کمال کو پہنچنا

خیر کے معنٰی ہیں شرافت ، بزرگی ، اصل ہیئت ، عمدہ چیز اس کی جمع ہے خیرات وغیرہ

الخیرة من القوم یعنی قوم میں سے افضل واعلیٰ یا الاخیرة من الشی کے معنی ہیں چیز سے افضل واعلیٰ

دوستو! اہل لغت نے اس میں بہت سی موشگافیاں کی ہیں جو ہمارے موضوع سے خارج ہیں ہم تو صرف یہی عرض کریں گے کہ لفظ خیر میں اچھائی کے ساتھ دو چیزیں جمع ہوتی ہیں مسابقت میں چننا ، مسابقت میں پسند کرنا۔

اور خیرة کے معنی ہیں کسی اچھی چیز کو چن لینا اب اسی سے مختار ہے یعنی کسی کو اپنی نیابت کیلیئے یا اپنی نمائندگی کیلیئے اختیار کرنا یعنی منتخب کرنا یا کسی کام کیلیئے اسے دوسروں پر برتری دینا ، جیسا کہ ارشاد قدرت ہے

☆وَاخْتَارَ مُوسَی قَوْمَهُ سَبْعِيْنَ رَجُلاً لِّمِيْقَاتِنَا

یعنی جناب موسیٰ نے ستر آمی ہماری ملاقات کیلیئے منتخب فرمائے یعنی ساری قوم موجود تھی مگر انہوں نے ستر آدمی ان میں سے کسی فضیلت کی یا صلاحیت کی بنیاد پر منتخب فرمائے۔

اسی طرح ایک اور مقام پر ہے کہ ربك یخلق مایشاء ویختار یعنی اللہ جو چاہتا

ہے پیدا فرماتا ہے اور جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے یا مختار بنا دیتا ہے

اب ہم اس اسم مبارک کو جب دیکھتے ہیں تو اس کے دو معنی سامنے آتے ہیں

() اللہ جل جلالہ کا انتخاب () اللہ جل جلالہ کا اختیار

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ انتخاب کیا ہے؟ دوستو! انتخاب کے اصطلاحی معنی ہیں الاختیار ھو الانتخاب و الانتفاء للشی من بین امثالہ یعنی انتخاب ہوتا ہے کسی چیز کو ان کی مثلوں میں سے چن لینا۔

دوستو! آپ کیلئے یہ لفظ اجنبی نہیں ہے کیونکہ ہمارے ہاں آئے دن انتخابات ہوتے ہیں اور ہم اپنے لئے نمائندے منتخب کرتے ہیں ایم این اے ایم پی اے ممبرز آف ڈسٹرکٹ کونسل ممبر آف لوکل باڈیز وغیرہ ہم چنتے رہتے ہیں یعنی انسانوں کی ایک بڑی جماعت ہوتی ہے جو ان درخواست دہندگان کی مثل ہوتی ہے اس کی نوع سے تعلّق رکھتی ہے اور اس میں سے ایک کو کسی سیٹ کیلئے منتخب کیا جاتا ہے۔

دوستو! کبھی آپ نے یہ بھی سنا ہے کہ گدھوں کی ایک جماعت میں سے انتخاب کر کے ایک آدمی کو ممبر بنایا گیا ہو؟

بات یہ ہے کہ انتخاب اس صورت میں ہوتا ہے جب ایک جماعت ہو یا قوم ہو اس میں سے ایک کو منتخب کیا جاتا ہے جیسا کہ آموں کے ڈھیر میں سے چند آم منتخب کئے جاتے ہیں اسی طرح گھوڑوں میں سے کوئی آدمی اپنی پسند کا گھوڑا منتخب کرتا ہے یعنی انتخاب میں منتخب ہونے والے جیسے دوسرے افراد کا ہونا بھی لازم ہے جو اس کی نوع سے تعلّق رکھتے ہوں جو اس کی مثل ہوں جو اس جیسے سمجھے جا سکتے ہوں پھر ان میں سے انتخاب ہو اور ان میں سے کسی کو منتخب کیا جائے۔

اب دیکھئے اپنے انوار ازلیہ اوّلیہ علیھم الصلوات و السلام کیلئے اللہ جل جلالہ فرماتا ہے کہ ان کا ہر فرد اللہ جل جلالہ کا منتخب شدہ ہے یعنی اس نے اسے خود چنا ہے اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس نے کب چنا ہے؟

اس کے بارے میں عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اللہ نے انہیں ساری مخلوق میں سے انتخاب فرمایا یعنی جمادات، نباتات، حیوانات، انسان و جنّات و ملکوت میں سے منتخب فرمایا حالانکہ انتخاب کے بارے میں تو شرط ہے من بین امثالہٖ یعنی اس کی امثال میں سے اس کی ہم مثل جماعت میں سے جو ہو وہی انتخاب ہوتا ہے نہ کہ دیگر انواع کے افراد میں سے جیسا کہ انسانوں میں سے انتخاب علیحدہ ہے، جانورں میں سے علیحدہ ہوتا ہے

دوستو! انتخاب کی تین صورتیں ہوتی ہیں ( ) انتخاب بین الانواع ( ) انتخاب بین الاقسام ( ) انتخاب بین الافراد

اگر ہم اس کائنات کا ایک عمومی جائزہ لیں تو ہمیں اس میں مخلوق کی تین حیثیتیں نظر آتی ہیں ایک تو اس میں جتنی مخلوق ہے اس کی نوع جدا جدا ہے اس لئے ایک اس کی نوعی حیثیت ہوتی ہے پھر نوع کے اندر جدا جدا اقسام ہوتے ہیں جیسا کہ نوعِ حیوان کے اندر کروڑوں قسم کے جاندار پائے جاتے ہیں جیسا کہ گھوڑا ہے، گدھا ہے، بندر ہے، چیتا ہے، شیر ہے یہ ایک علیحدہ موضوع ہے کہ ایک قسم کے اندر پھر کئی اقسام ہوتی ہیں جیسا کہ درندے، چرندے، پرندے، حشرے، وائرس وغیرہ پھر ان کے اندر ان کی Families پائی جاتی ہیں جیسا کہ شیر، چیتا، پینتھر جیگوار، پوما وغیرہ کو ”Cat Family“ کہا جاتا ہے- یہ بھی ہے کہ پھر ہر فیملی کے اندر بھی کئی اقسام ہوتے

ہیں یعنی اگر ہم ان کے ٹری Tree دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ ایک ایک نسل کئی کراس بریڈز سے ارتقاء کے مراحل سے گزرتی ہے، گھوڑوں کو Eohippus فیملی کہا جاتا ہے مگر اس کی کئی دیگر اقسام ہیں جیسا کہ Pliohippup ہے اس کے بعد اس کی دو قسمیں بن جاتی ہیں ( ) Asinus ( ) Equus پھر ان کے اندر کئی قسمیں ہیں یعنی Asinus کے اندر ایک Donkey [گدھا فیملی] اور Mule فیملی ہوتی ہے دوسری طرف Zebra اور Ass فیملی ہوتی ہے۔

دوسرے گروپ میں Equus فیملی میں سارے گھوڑے آجاتے ہیں پھر ان گھوڑوں میں بنیادی طور پر چار قسمیں ہیں کہ جن کے میل سے ماڈرن گھوڑا بنتا ہے اسی طرح اس ماڈرن گھوڑے کے اندر پھر دو قسم کی نسلیں ہوتی ہیں یعنی ایک نسل کو پونی Pony Type کہا جاتا ہے اور دوسری کو Horse Type کہا جاتا ہے پھر ان کے اندر دو دو قسمیں ہیں اور آج جو ہمارے ہاں موجود گھوڑے ہیں ان کے اندر بنیادی تین قسمیں ہیں کہ جن سے ہم پہچان سکتے ہیں ان کی Identification Key میں تین قسمیں لائی جاتی ہیں یعنی Heavy Horse ( ) Light horse ( ) Pony ( ) اس کے بعد ان کی مخلوط نسلیں شروع ہو جاتی ہیں کہ جن میں عربیک ہارس، فیرو ہارس، منگول ہارس، آئرش ہارس، ڈائیل وغیرہ جیسی ہزاروں قسمیں آجاتی ہیں۔

اب یہ تو آپ نے معلوم کر لیا کہ جانوروں کی ایک ایک نسل کے اندر پھر ہزاروں نسلیں اور اقسام موجود ہوتی ہیں اور جب انتخاب ہوتا ہے تو جس قدر اندر اتر کر ہوگا اس سے باہر والی چیزیں باہر رہ جاتی ہیں۔

اب یہ جو تصور ہے کہ اس پاک نور کو منتخب کیا گیا تو عام مخلوق کے افراد میں سے ان کا

انتخاب ہوا تھا تو یہ تو ایک جاہلانہ اور غیر حقیقت پسندانہ نظریہ ہے کیونکہ اگر کوئی کہے کہ میں نے شیروں میں انتخاب کروایا ہے اور اس میں سے ایک گھوڑے کو چن لیا ہے تو یہ بات کسی حماقت سے کم نہیں ہے کیونکہ جن میں سے انتخاب ہو رہا ہے وہ اور ہیں اور جسے چنا جا رہا ہے وہ اور ہے۔

دوستو! اب ہمارے سامنے سوال یہ تھا کہ اس نورِ پاک کے افراد کو کس جماعت میں سے چنا گیا تو اس کا جواب یہی ہے کہ یہ اپنے ہی جیسے انوار اوّلیہ میں سے منتخب ہوئے تھے نہ کہ عام مخلوق میں سے، کیونکہ انتخاب ہوتا ہی اپنے جیسوں میں سے ہے اس میں جناب عدنان علیہ الصلوات و السلام سے لے کر آخری شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف تک سارے انوار علیهم الصلوات و السلام موجود تھے اور ان میں سے انتخاب ہوا اس کی تفصیل کیلئے مناسب ہوگا کہ ہم ایک بار پھر تخلیق عالمین سے قبل کے زمانے کی ایک ونڈو Window کھولیں تا کہ ہم اس حقیقت کو سمجھ سکیں۔

ایک زمانہ تھا جسے ہم زمانہ بھی نہیں کہہ سکتے ہاں اس میں اللہ جل جلالہ کے نور ذات سے ایک نور جدا ہوا پھر اس نور نے ایک طویل عرصہ شمعِ وحدت کے گرد پروانۂ واحد کی طرح طواف کرتے ہوئے گزارا اور اس کے بعد اس نور سے ایک اور نور جدا ہوا اس سے پھر یہ کل چودہ نور بن گئے اور اس کے بعد ان کا پورا شجرۂ طیبہ ظاہر ہوا اور یہ سب اپنے اصلِ نور کے طواف میں مصروف ہوئے اور اس میں ان ساری ذوات نورانیہ علیهم الصلوات و السلام نے تسبیح و تہلیل میں گزاری مگر ایک نور نے اس طرح حمد کی کہ اللہ جل جلالہ کو فرمانا پڑا کہ آپ تو احمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ہیں کیونکہ آپ نے میری کمال حمد کی ہے اس لئے ہم آپ کو اس بزم نور کے مقابلے میں مختار بناتے ہیں

اسی دن سے یہ احمد مختار صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم قرار پائے اور اللہ جل جلالہ نے یہی اسم مبارک جملہ کتب سماویہ میں بیان فرمایا تاکہ کوئی اس کی حمد کر کے کبھی مختار بننے کی سعی لاحاصل نہ کرے

دوستو! یہاں یہ وضاحت کرنا لازم ہے کہ اُس دور میں جن انوار قدسیہ علیہم الصلوات و السلام نے عالمِ وجود کو زینت بخشی تھی ان کی نمود ایک شجرۂ طیبہ جیسی تھی یعنی ارضِ الوہیت میں سے بذرِ محمد یہ البیضا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے اذن نمود پایا کیونکہ یہ اس شجرۂ طیبہ کا تخم (Seed) تھا اور اس بذریت کا جو انداز تھا اس میں مقام اصلیت [جڑ کا درجہ] ملکۂ عالمین صلوات اللہ علیہا کو حاصل ہوا اور اس کے بارے میں پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے اس کی حیثیت سے یہ ام ابیھا بھی قرار پائی تھیں۔

اس کے بعد اس اصل سے دو تنے برآمد ہوئے جو شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اور شہنشاہ ولایت امیرالمومنین علیہ الصلوات و السلام تھے پھر ان دو سے پانچ اور پانچ سے چہاردہ معصومین علیہم الصلوات و السلام کامل ہوئے اس کے بعد اس گھر کے انوار متعالیات کا ظہور ہوا جن میں جناب عدنان علیہ الصلوات و السلام سے لے کر جناب عبد المطلب علیہ الصلوات و السلام تک کا سلسلہ تھا جو سولہ پشت کا سلسلہ ہے اور اس کے ساتھ ہی طاؤس بطحا جناب عبداللہ علیہ الصلوات و السلام اور جناب سید البطحا جناب ابوطالب علیہ الصلوات و السلام بھی اپنی پاک اولاد سمیت شامل تھے اور ان کی شمولیت کے بعد اس شجرۂ طیبہ کی تکمیل ہوئی۔

اب یہاں یہ تو بتانے کی ضرورت نہیں کہ اس موضوع پر کوئی حدیث بھی ہے یا نہیں کیونکہ جو صاحبان مطالعہ ہیں وہ جانتے ہیں کہ بہت سی احادیث میں فرمایا گیا ہے کہ

ہمارے نور کے بعد جناب آدم علیہ السلام کی تخلیق سے ہزاروں برس قبل جناب عبدالمطلب علیہ الصلوات و السلام اور آلِ جناب عبدالمطلب علیہم الصلوات و السلام کی تخلیق ہوئی جس میں جناب ابوطالب علیہ الصلوات و السلام اور جناب طالب اور جناب جعفر و جناب عقیل علیہم الصلوات و السلام کے انوار کو اذن نمود حاصل ہوا۔

یہاں یہ بات بھی عرض کردوں کہ جب جناب آدم علیہ السلام کی جبین مبین کو سرور کونین صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا نور حاصل ہوا تھا تو ان کے زمین پر آنے کے بعد وہ نور واپس ہو گیا تھا پھر یہ نور جناب نوح علیہ السلام کے زمانے میں اس وقت نازل ہوا تھا کہ جب وہ اپنی کشتی پر سوار ہونے جا رہے تھے پھر جب انہوں نے دوبارہ زمین پر قدم رکھا تو یہ نور ان کی جبین مبین سے واپس اپنے مقاماتِ عالیہ کی طرف عروج فرما گیا تھا پھر یہ نور جناب ابراہیم علیہ السلام کی جبین مبین میں اس وقت نازل ہوا جب آپ کو نارِ نمرود میں ڈالا جا رہا تھا جب ان پر آگ گلزار ہو گئی تو اس کے بعد یہ نور واپس چلا گیا تھا اس کے بعد یہ نور جناب اسماعیل علیہ السلام کی پیشانی میں اس وقت نازل ہوا جس وقت انہیں قربانی کیلئے خنجر کے نیچے لٹایا جا چکا تھا جب ان کے بدلے میں دنبہ قربان ہو گیا تو یہ نور واپس چلا گیا اگر ہم اس تواتر نزول کو دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے یہ نور ہمیشہ انبیا و رسل کی حفاظت کیلئے نازل ہوتا رہا تھا ورنہ ہمیشہ اپنے مقاماتِ عالیہ میں متمکن رہا ہاں جب جناب عدنان علیہ الصلوات و السلام کا زمانہ آیا تو پھر اس نور نے ہمیشہ کیلئے اس دنیا کو زینت بخشنا شروع کر دی، یہ وہ زمانہ تھا کہ جب جناب عدنان شام میں تھے اور وہاں ان پر شامی قبائل نے حملہ کیا تو آپ نے خالق سے عرض کی کہ خالق ہمیں اپنی وہ مدد عطا فرما جو ہم سے اور ہمارے وارث سے کبھی

بھی جدا نہ ہو- یہ دعا آپ نے جبل جیرون پر کھڑے ہو کر کی اور اس طرح کئی رات دن مسلسل یہی دعا فرماتے رہے تب آسمان سے حبیب ذوالجلال صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا نور ان کی جبین مبین میں متجلّی ہوا آواز آئی کہ اب آپ اس نور کے امین ہیں اور یہ نور ہمیشہ اس نور کے اہل کے سپرد فرمانا- اس کے بعد سے یہ نور ہمیشہ جناب عدنان علیہ الصلوات و السلام کے منصب نبوّت وعلم وکرامت کے ورثا ہی میں منتقل ہوتا رہا اسی لئے جب عرب کے نساب لوگوں نے آ کر شہنشاہ معظم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے سامنے ان کا شجرہ ظاہری بیان کرنا شروع کیا اور جب جناب عدنان علیہ الصلوات و السلام سے آگے بیان کرنا چاہا تو آپ نے ایک عمومی حکم صادر فرمایا اذا بلغ نسبی الی عدنان علیہ الصلوات و السلام فامسکوا کہ جب بھی ہمارا شجرۂ ظاہر بیان کرنا شروع کرو تو جب جناب عدنان علیہ الصلوات و السلام تک پہنچو تو فوراً رک جاؤ کیونکہ آگے کی ترتیب کسی کو معلوم نہیں ہے-

جناب عدنان علیہ الصلوات و السلام کے بعد یہ نور ہمیشہ معصومین وطاہرین کی جبینوں میں چمکتا رہا اس طرح سولہ پشتیں گزر گئیں-

ممکن ہے کوئی اس بات سے یہ سمجھے کہ یہ جناب عدنان علیہ الصلوات و السلام کی نسل سے اس طرح متعلّق ہیں جیسے ایک عام بیٹا اپنے باپ سے ہوتا ہے یہ ہرگز نہیں سوچنا چاہیے کیونکہ ان کی نسبی حیثیت جناب عیسیٰ علیہ السلام جیسی ہے کیونکہ جناب عیسیٰ علیہ السلام کو بھی ذریت ابراہیم علیہ السلام سے قرار دیا گیا ہے حالانکہ ان کا شجرۂ نسب والدہ کی طرف سے تو بن سکتا ہے مگر والد کی طرف سے ہے ہی نہیں مگر انہیں پھر بھی ذریت ابراہیم علیہ السلام میں سے شمار کیا گیا ہے اسی طرح ان کا شجرہ ظاہری ہے جیسا

کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام کا ہے کیونکہ وہ بھی کلمۃ اللہ تھے اسی طرح ان کا نور ہمیشہ اپنے والدینِ ظاہری کی جبینوں میں نازل ہوتا رہا ہے نہ کہ کسی ہیومن پراسس (Human Process) کے ذریعے انتقال ہوتا رہا اس پر آپ سے پھر کبھی تفصیلی بات ہوگی یہاں تو صرف اختصار کے ساتھ عرض کرنا تھا۔

دوستو! یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ کسی حالت میں معصوم کو غیر معصوم کا مطیع نہیں بنایا جاتا جیسا کہ جناب مریم سلام اللہ علیہا کے زمانے میں ان کا جب کوئی معصوم کفو نہیں تھا تو انہیں غیر انسانی طریقے سے اولاد سے نوازا گیا کیونکہ فرمان ہے الرجال قوامون علی النسا یعنی مرد عورتوں کے حاکم ہیں اور وہ ان کی مطیع ہیں اور یہ بھی ایک مسلّمہ ہے کہ کسی بھی غیر معصوم کو معصوم کا وسیلۂ ظہور نہیں بنایا جاتا

دوستو! میں اس بات کا کئی مرتبہ اعادہ کر چکا ہوں کہ جب بھی کسی سے کوئی معصوم ظہور پذیر ہوتا ہے تو اس کیلئے لازم نہیں ہے کہ وہ نبی یا رسول یا امام ہو اس میں یہ صلاحیت کلّی طور پر ہوتی ہے مگر یہ عہدہ صرف انہیں ملتا ہے کہ جن کے انوار سے ازل میں میثاق ہوا اور انہیں ازل کے دن یہ عہدہ دیا گیا ورنہ معصوم جو بھی ہو اس میں صلاحیت ہوتی ہے جیسا کہ شہنشاہ وفا جناب ابوالفضل العباس علیہ الصلوات و السلام ہیں یا شہزادہ علی اکبر علیہ الصلوات و السلام ہیں یا اسی طرح دیگر امام زادگان علیہم الصلوات و السلام ہیں تو ان سب میں اس منصب کی صلاحیت تو تھی مگر امامت کی سیٹ ایک تھی اس لئے انہیں یہ منصب نہیں ملا۔ یہ نہیں کہ ان میں نعوذ باللہ کوئی کمی تھی ہاں معصوم کیلئے اس دنیا میں آنے کیلئے جو وسائل بنائے گئے ہیں وہ بھی کلّی طور پر معصومین کا سلسلہ تھا اور انہیں یہ شعور بھی دیا گیا تھا کہ آپ کی جبین مبین کو ان انوار مقدّسہ علیہم الصلوات و

السلام کا امین بنایا گیا ہے اور یہ امانت آپ نے بغیر اجازت کسی کے سپرد نہیں فرمانا اور جن کو ان انوار مطاہرہ ومتعالیہ علیہم الصلوات و السلام کا امین بنایا گیا تھا ان ذوات اقدس علیہ السلام کے اجسام وابدان ظاہری کو بھی نور قدسی سے گوندھا گیا تھا تاکہ ظرف ومظروف میں ایک مناسبت پیدا ہو جائے جیسے بجلی کے جاری کرنے کیلئے اشیاء کا موصل ہونا لازم ہے اسی طرح ان کے نور کے قیام کیلئے نوری ظرف ہونا لازم ہے کیونکہ اگر ظرف اور مظروف میں مناسبت نہ ہو تو یہ فعل دو طرح سے باطل ہے ایک وجہ تو یہ ہے کہ ایسا کرنا ظلم ہے کیونکہ کسی چیز کو اس کی مناسبت کے خلاف ظرف دینا اس کی تحقیر ہے اور یہ ظلم ہے اور ظلم کی تعریف بھی یہی ہے وُضع الشی فی غیر محله یعنی کسی چیز کو اس کے مقام ومرتبے کے خلاف جگہ پر رکھنا اور اللہ جل جلاله عادل ہے اس سے ظلم کا صدور محال ہے اس لئے وہ اپنے انوار کے ظروف کو بھی نوری بناتا ہے اور معصوم بناتا ہے۔

دوسری وجہ عقلی ہے وہ یہ ہے کہ عقل کا تقاضہ یہ ہے کہ ظرف کا مظروف کے شایان شان ہونا عقل کا تقاضہ ہے اگر کوئی آدمی جوتی میں دودھ ڈال کر پینا شروع کر دے تو سب اسے جاہل اور عقل سے عاری سمجھیں گے کیونکہ اس سے ایک ایسا فعل سرزد ہوا ہے کہ جو خلافِ عقل ہے۔

ان دو وجوہات کی بنا پر ہمیں ماننا چاہیے کہ ان کا سارے کا سارا سلسلہ نور کا ہے جیسا کہ ہمارے سامنے لا تعداد احادیث ہیں کہ جن میں جناب عبدالمطلب علیہ الصلوات و السلام اور ان کی اولاد میں سے جناب عمران علیہ الصلوات و السلام جناب عبداللہ علیہ الصلوات و السلام اور ان کے پاک فرزندان علیہم الصلوات و السلام کے نور ہونے کا اثبات

ہوتا ہے کیونکہ یہ ازل میں بھی اپنے اصل نور سرورکونین صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ہی سے پھوٹے تھے اوران کا تعلّق اس وقت بھی سرورکونین صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے نور سے تھا جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ اس کا وہاں سلسلہ ایک شجر کی طرح کا تھا اور اس دنیا میں بھی جب ظہورِ اجلال ہوا تو یہ سلسلہ بھی اسی طرح کا تھا جیسے ایک شجر کا ہوتا ہے آپ نے دیکھا ہوگا کہ درخت کب کامل اور جوان شمار ہوتا ہے؟ جب کسی درخت کا جزوِاوّل اس کے جزوِآخر کے طور پر ظاہر ہو جائے جیسا کہ ایک درخت ہوتا ہے تو اس کا جزوِاوّل اس کا بیج ہوتا ہے اور جب درخت جوان ہوتا ہے تو پھول لاتا ہے پھر پھل لاتا ہے پھر پھل کو جب کھولا جاتا ہے تو اس میں وہی جزوِاوّل ظاہر ہوتا ہے بس یہی وہ بات کہ جو اس حقیقت کو سمجھنے میں تھوڑی سی مدد کرسکتی ہے کیونکہ جونورِاوّل اس نوری شجر کا جزوِاوّل تھا وہی جب اس شجر طیب کے آخر میں ظاہر ہوا تو پھر معلوم ہوا کہ اب یہ شجر جوان وکامل ہے اور اس مقام پر انسان سوچتا ہے کہ اب کون فیصلہ کرے کہ بیج پہلے تھا یا درخت؟ اور آخر میں یہی کہہ کر رہ جاتا ہے کہ ع

وہی اوّل وہی آخر وہی یٰسین وہی طٰہٰ

یہ شجر اس دنیا میں جب مکمل ہوا تو اس کے آخری مراحل میں جناب عبدالمطلب علیہ الصلوات و السلام کی شاخ پر دو پھول پھل بنے ان میں سے ایک نورانی ثمر سے کہ جو پورے انوارِ الٰہیہ کا ثمر تھا اس میں سے نور سرورکونین صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا ظہور رہوا اور دوسرا پھل جو تھا وہ بھی انوار ازلیہ الھیہ علیہم الصلوات و السلام کا ثمر تھا اس سے نور امیرالمومنین علیہ الصلوات و السلام کا ظہور رہوا اور اس طرح یہ شجر اپنی ایک پشت میں مکمل ہوگیا مگر اس کی کلّی تکمیل تو اس وقت ہونا ہے کہ جب ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ

فرجہ الشریف کا ظہور ہونا ہے کیونکہ وہی جزوِ اوّل جب سب سے آخر میں ظاہر ہوں گے تو اعلان ہوگا

والله متم نوره ولوكره المشركون ( )

اس ظاہری شجرۂ طیبہ کا سسٹم بھی عجیب ہے کیونکہ اس میں شہنشاہ امیرالمومنین علیہ الصلوات و السلام کے علاوہ جناب عمران علیہ الصلوات و السلام اوران کی پاک اولاد کو شاخوں کا مقام ملا ہے جیسا کہ فرمایا گیا تھا

خلق الناس من شجرة شتى و خلقت انا و على ابن ابى طالب عليهم الصلوات و السلام من شجرة واحدة اصلى على عليه الصلوات و السلام و فرعى جعفر عليه الصلوات و السلام ( )

ساری مخلوق مختلف شجرے سے خلق ہوئی اور ہم اور ہمارے بھائی امیرالمومنین علیہ الصلوات و السلام ایک ہی شجرے سے ہیں امیرالمومنین علیہ الصلوات و السلام ہماری اصل سے تعلّق رکھتے ہیں اور جناب جعفرطیار علیہ الصلوات و السلام ہماری شاخ ہیں

اب اس موضوع پر بھی زیادہ تفصیل سے بات نہیں ہوسکتی کیونکہ ہم نے آگے سفر کرنا ہے

دوستو! اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ انتخاب کیسا تھا اور اس میں کون کامیاب ہوا اور کون ناکام ہوا؟ کیونکہ جہاں بھی انتخاب ہوتا ہے اس میں ایک جماعت ہوتی ہے اور اس میں سے انتخاب ہوتا ہے اور اس میں ایک کامیاب ہوتا ہے اور باقی ناکامیاب ہوتے ہیں۔ یہاں کیا ہوا؟

دوستو! کبھی آپ نے یہ بھی سنا ہے کہ کسی انتخاب میں شامل سارے افراد کامیاب

ہوئے ہوں؟

ازل میں جو ہوا یہ بھی ایک عجیب انتخاب تھا کہ اس میں کوئی ناکامیاب نہیں ہوا بلکہ سارے کامیاب ہی ہوئے۔آپ پوچھیں گے یہ کیسے ہوسکتا ہے؟

میں عرض کروں گا کہ یہ انتخاب ازل میں اس وقت ہوا جب اللہ اپنی وحدانیت کی قبائے تفرد میں تھا اس کے علاوہ کوئی اور تھا ہی نہیں اور پھر اس نے ایک نور کو اپنے نور سے جدا فرمایا اور پھر اس نور سے کئی انوارِ اطہار علیھم الصلوات و السلام کو اختراع فرمایا اس کے بعد ان کے مابین انتخاب کا عمل شروع ہوا اور یہ کسی ایک کا انتخاب نہ تھا بلکہ اس میں سارے عہدہ ہائے الٰہی کیلئے انتخاب تھا نبوّت و رسالت کیلئے انتخاب تھا ولایت کیلئے انتخاب تھا وصایت کیلئے انتخاب تھا یعنی پہلے ایک کو منتخب کیا گیا کہ انہوں نے خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم بن کر دنیا میں ظہور فرمانا ہے پھر انتخاب ہوا کہ ان کی محافظت اور نگرانی کیلئے کسے منتخب کیا جائے تو اس میں جناب عمران علیہ الصلوات و السلام کو منتخب فرمایا گیا جیسا کہ اللہ جل جلالہ نے فرمایا أَلَم یجدك یتیماً فآویٰ یعنی ہم نے آپ کو جب یتیم پایا تو کیا پناہ میں نہیں لے لیا تھا اس میں اوّلین جو ہمزہ ہے استفہام کے ساتھ تذکر احسان کا مفہوم بھی دے رہا ہے۔

اس میں لفظ یتیم کے معنی یکتا و منفرد کے ہیں جیسا کہ صاحبان علم السانیات جانتے ہیں کہ یتیم کے حقیقی معنی بھی یہی ہیں کیونکہ یتیم کے معنی ہیں

کلُّ متفردٍ یتیم ‘‘ و یقالُ دُرَّۃِ الیَتِیمَۃِ وَ بَیت’’ یَتِیم‘‘ ()

یعنی ہر اس چیز کو یتیم کہا جاتا ہے کہ جو اپنے آپ میں منفرد اور یکتا ہو جس کا کوئی جوڑا یا مقابل یا نظیر کوئی نہ ہو اس لئے ہر اس موتی کو جو صدف سے اکیلا برآمد ہو دُرِ یتیم کہا

جا تا ہے اور ہر وہ گھر جو بے مثل و یکتا ہو اسے بیت یتیم کہا جا تا ہے کیونکہ جب کوئی بچہ باپ سے جدا ہوتا ہے تو وہ اکیلا رہ جا تا ہے اس لئے اسے استعارتاً یتیم کہا جا تا ہے۔

بات یہ ہے کہ جب شہنشاہ انبیاصلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو عالمین کی ہدایت کیلئے منتخب فرمایا گیا تو انہیں یہ سوچ کر کہ اس ذات نے انسانیت میں جامہ بشری اوڑھ کر ہدایت کیلئے جانا ہے اوران کا اپنی بزم قدس سے انقطاع ہی ہوگا اور وہاں تو کوئی اپنے جیسا نہ ہوگا تو یہ تنہا ہوں گے اسی وقت خالق نے دیکھا کہ یہ تو اکیلا پن محسوس فرما رہے ہیں بس فوراً دوسرا انتخاب فرمایا کہ اس بزم قدسی میں سے کون کون ان کے ساتھ جائے گا اورکس کس حیثیت سے جائے گا؟ اس پر جناب عبدالمطلب علیہ الصلوات و السلام کے نورکوان کے دادا کے عہدے کیلئے منتخب فرمایا جناب عبداللہ علیہ الصلوات و السلام کوان کے والد کے عہدے پر منتخب فرمایا اور جناب ابوطالب علیہ الصلوات و السلام کوان کے سرپرست اور پناہ گاہ کے طور پر منتخب فرمایا اوراسی بات کو اللہ جل جلالہ نے اپنے لب و لہجے میں قرآنِ کریم میں نقل فرمایا ہے ألم يجدك يتيماً فآوىٰ یعنی جب ہم نے آپ کواکیلا پایا تھا تو کیا ہم نے آپ کو جناب ابوطالب علیہ الصلوات و السلام جیسی پناہ گاہ عطا نہیں فرمائی تھی؟

دوستو! یہ ایک مسلّمہ ہے کہ انفرادی طور پر اللہ جل جلالہ معصوم کے علاوہ کسی کے فعل کو اپنا فعل قرار نہیں دیتا یعنی اگرکسی فرد کے فعل کو وہ اپنا فعل کہتا ہے تو وہ فرد لازماً معصوم ہوگا جیسا کہ ولٰکن اللہ رمیٰ ہے یاید اللہ فوق ایدیھم ہے یاقتلھم اللہ ہے تو یہ معصومین ہی کے افعال ہیں کہ جنہیں اللہ اپنے افعال قرار دے رہا ہے اسی

طرح جناب ابو طالب علیہ الصلوات و السلام کے فعل کو اس کا اپنا فعل فرمانا ان کی عصمت کا ثبوت ہے۔

تو دوستو! میں عرض کر رہا تھا کہ ازل میں انتخاب ہو رہا تھا بلکہ یوں سمجھ لیں کہ اس بات کا انتخاب ہو رہا تھا کہ دنیا میں جامہ بشری پہن کر کس کو کیا کیا کردار ادا کرنا ہے اور وہاں کردار سونپے جا رہے تھے اور ان کیلئے انتخاب ہو رہا تھا نہ کہ تفضیل و تشرف کیلئے ہو رہا تھا

پھر امامت کیلئے انتخاب ہوا کہ کس کس کو امام و وصی بن کر جانا ہے اور ان کی نمبرنگ کیا ہو کہ کون کس نمبر پر جائے یہ ساری باتیں طے ہو رہی تھیں اور یہ بھی انتخاب ہو رہا تھا کہ کون اللہ جل جلالہ کی کون سی صفات کا مظہر بن کر جائے گا اس طرح عظمت، جلالت، حلم، شجاعت، صبر، علم، قدرت، ہیبت، غیبت تک ساری صفات کے مظاہر کیلئے انتخاب ہوا جب سارا کام مکمل ہو گیا تو پھر ان سب میں سے ایک ایسی ہستی کو ایسے نور کو منتخب کرنا بھی لازم تھا کہ جو سب سے آخر میں جا کر حکومت اِلٰہیہ کا قیام فرمائے اور یہ سارے راز کھول کر ساری مخلوق کو دکھا دے کہ ان انوار اِلٰہیہ علیہم الصلوات و السلام کی ازلی حقیقت کیا ہے؟

دوستو! آپ نے دیکھا کہ یہ سب سے منفرد انتخاب تھا کہ اس میں شامل سارے افراد کامیاب ہی ہو رہے ہیں کوئی محروم نہیں ہو رہا یہی تو عدل اِلٰہی ہے ایک جیسوں میں انتخاب پر کسی کو بلا جواز محروم کرنا عدل کے خلاف تھا اس لئے ان میں سے کسی کو بھی ناکامیاب قرار نہیں دیا جا رہا سبھی کامیاب ہو رہے ہیں۔

اب جب کہ یہ انتخاب اپنے آخری مرحلہ کو پہنچا تو اس میں اس کائنات پر حکومت

اِلٰہیہ کے قیام کیلئے ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجه الشريف کو منتخب فرمایا گیا اسی لئے ان کا ایک اسم مبارک ہے خیرۃ اللہ یعنی اللہ جل جلالہ کے منتخب شدہ اور چنے ہوئے جناب، یعنی اللہ نے انہیں بیک وقت کئی چیزوں کیلئے منتخب فرمایا ہے مثلاً

( ) حکومتِ اِلٰہیہ کے قیام کیلئے منتخب فرمایا

( ) اوّلین وآخرین کے مظلومین کے انتقام کیلئے منتخب فرمایا

( ) اپنے اظہارِ جلال و جبروت کیلئے منتخب فرمایا

( ) حساب وایابِ خلق کیلئے منتخب فرمایا

( ) مخلوق کی بھلائی کیلئے انہیں منتخب کیا گیا

خیرۃ کے ایک معنی ہیں خیر [بھلائی] اگر ہم اس معنی میں بھی لیں تو یہ اللہ کی طرف سے مخلوق کی بھلائی ہیں

( ) انہیں اللہ کے اختیارات کیلئے بھی منتخب فرمایا گیا کیونکہ خیرۃ کے ایک معنی اختیار کے بھی ہیں جیسا کہ کلام اِلٰہی میں ہے

☆مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْراً أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِم

یعنی جب اللہ اور اس کے پاک حبیب صلی الله علیه و آلہٖ وسلم کسی معاملے میں کوئی فیصلہ فرما دیتے ہیں تو اس میں کسی مومن یا مومنہ کو کوئی خیرۃ [اختیار] نہیں ہے یعنی اس میں کسی تبدیلی کا انہیں کوئی اختیار نہیں ہے

اسی طرح فرمایا ...... ربك يخلق ما يشاه و يختار ما كان لهم الخيرة

فرمایا اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سارے اختیارات تمہارے رب کو

حاصل ہیں وہ جسے چاہے خلق فرمائے اور جسے چاہے چن لے یا مختار بنادے اور اس معاملے میں ان اغیار کو کوئی خیرۃ [اختیار] نہیں ہے

اس سے ثابت ہوا کہ خیرۃ کے معنی اختیار کے بھی ہیں

اب ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف کا اسم مبارک ہے خیرۃ اللہ یعنی ''اللہ کا اختیار''

اب دوستو! یہ تو ایک کلید ہے کہ جس سے مسائل کے بند دروازوں پر لگے ہوئے اوہامِ باطلہ کے تالے کھولے جا سکتے ہیں۔ یہ اب آپ کی صلاحیتوں پر منحصر ہے کہ آپ کتنے دروازے کھول سکتے ہیں میں تو آپ کو صرف چند کلیوز (Clues) دوں گا باقی کام آپ کا ہے

( ) اب آپ دیکھیں کہ کیا کوئی زمانہ ایسا فرض کیا جا سکتا ہے کہ جس میں اللہ تو ہو مگر اس کا اختیار نہ ہو؟

یہ تو سارے مکاتیب فکر مانتے ہیں کہ جب سے اللہ ہے وہ تب سے بااختیار و صاحب قدرت ہے اب میں اس پر کوئی تبصرہ نہیں کروں گا

( ) یہ بھی دیکھیں کہ کیا کسی جگہ کو اللہ کے اختیار سے باہر بھی سمجھا جا سکتا ہے؟

جب یہ ساری باتیں مانتے ہیں کہ کوئی جگہ اللہ کے اختیار سے خالی نہیں ہے اور نہ کوئی جگہ ایسی ہے کہ جو اللہ جل جلالہ کے اختیار سے باہر ہے تو پھر یہ حاضر و ناظر والا اختلاف کیوں ہے کیونکہ یہ تو اللہ کے اختیار ہیں اور ان سے کوئی جگہ خالی ماننا اسلام کے خلاف ہے۔

( ) کیا یہ بھی فرض کیا جا سکتا ہے کہ اللہ نے کسی بھی چیز کو اپنے اختیار کے بغیر خلق فرمایا

ہو؟

دیکھئے دوستو! اللہ جل جلالہ جس چیز کو بھی خلق فرماتا ہے وہ اپنے اختیار کو استعمال کرتا ہے اور چیز کو خلق فرماتا ہے اور کوئی بھی چیز اسے کے اختیار کے بغیر خلق نہیں ہوئی اور یہ ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف خود اللہ کا اختیار ہیں تو ثابت ہوا کہ کوئی چیز ایسی نہیں ہے کہ جس کی تخلیق میں اللہ جل جلالہ نے ان سے کام نہ لیا ہو

اب اگر یہ فرمادیں کہ نحن صنائع اللہ و الخلق بعد صنائعنا یعنی ہم تو اللہ کی صنعت ہیں اور باقی ساری مخلوق ہماری خلق شدہ ہے تو اس پر اعتراض کیسا؟

() کیا اللہ اپنے اختیار کا بھی خالق ہوسکتا ہے یعنی کیا اس کا اختیار بھی اس کی مخلوق ہے؟

دوستو! فلاسفہ اور صاحبان علم کلام کہتے ہیں کہ اللہ کی کوئی صفت اس کی مخلوق نہیں ہے بلکہ وہ اس کی ذاتی صفت ہے اور وہ اس کی ایسی صفت ہے کہ جو اسی کی عین ذات ہے جبکہ عام مخلوق کی صفات اس کی ذات کی غیر ہوتی ہیں اگر ہم صفات کو غیر از ذات مانیں گے تو یہ اللہ جل جلالہ کی وحدت کے منافی ہے اسی طرح اگر یہ بھی فرمادیں گے وادفعوا عنا ذلۃ کن یعنی ہم سے کن فیکون کی ذلّت کو دور رکھو کیونکہ ہم کن سے پیدا نہیں کیئے گئے بلکہ ہمارا رشتہ اللہ کے ساتھ ایسا ہے جیسے سورج کے ساتھ سورج کی شعاعوں کا ہے اور سورج اپنی شعاعوں کا خالق نہیں مانا جاتا اس سے زیادہ کہنا شاید مناسب نہ ہوگا۔

() کیا ذات و اختیار میں اختلاف بھی ہوسکتا ہے؟ یعنی ذات کچھ اور چاہتی ہو اور اختیار کچھ اور چاہتا ہو؟

دوستو! اللہ جل جلالہ کے اختیار اور ذات میں اختلاف ناممکن مانا جاتا ہے جو ذات چاہتی ہے وہی اختیار کرتا ہے یعنی ذات کا کام چاہنا ہے اور اختیار کا کام ہے کرنا اسی لئے تو فرمایا گیا تھا ما تشاؤن الا ان یشاء اللہ یعنی یہ کچھ نہیں چاہتے مگر جو اللہ چاہتا ہے اور یہ فرماتے ہیں و شئنا شاء اللہ جب ہم چاہتے ہیں تو اللہ بھی چاہتا ہے یعنی جب اللہ چاہتا ہے کہ کچھ خلق فرمائے یا کوئی کام کرے تو وہ اپنے اختیار یعنی اپنے نور اوّل کی وحدانیت کو استعمال فرماتا ہے اور پھر کام ہو جاتا ہے اب یہاں کوئی آدمی یہ نہ سوچنا شروع کر دے کہ میں غلو کی طرف جا رہا ہوں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ غلو اور عرفان کے درمیان ایک لطیف سی دیوار ہے جسے ظاہر بین نگاہ نہیں دیکھ سکتی۔

دوستو! آپ اس بات کو سمجھیں کہ اختیار ہمیشہ ذات کے ماتحت ہوتا ہے ذات اختیار کے ماتحت نہیں ہوتی یعنی ذات اختیار کو استعمال کر سکتی ہے مگر اختیار ذات کو استعمال نہیں کر سکتا یہی ان کے اور ان کے محبوب حقیقی جل جلالہ کے مابین فرق ہے لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ کی ذات اور اختیارات کبھی جدا نہیں ہوتے عام مخلوق میں اختیار عرض فارق کی طرح ہوتا ہے کہ کسی بھی وقت جدا ہو سکتا ہے مگر اللہ جل جلالہ کی کوئی صفت عرض کی حیثیت نہیں رکھتی اس لئے اس کی ذات اور اس کے اختیارات میں کبھی دوئی کا تصور نہیں کرنا چاہیے اس لئے فرمایا اللہ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے نور میں افتراق نہ سمجھو ورنہ بھٹک جاؤ گے۔ ان کے کلام کو اللہ کا کلام سمجھو، ان کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت سمجھو، ان کی محبت کو اللہ کی محبت سمجھو، ان کے در کو اللہ کا در سمجھو، ان کے گھر کو اللہ کا گھر سمجھو، ان کی ہر بات کو اللہ کی بات سمجھو گے تو

حقیقت تک پہنچ سکو گے ورنہ ہمیشہ گمراہیوں کے درمیان بھٹک کر رہ جاؤ گے کیونکہ ذات اور اختیار کے دو علیحدہ علیحدہ وجود نہیں مانے جا سکتے ہیں اگر ایسا فرض بھی کر لیا جائے تو یہ شرک ہے۔

یہ عرفا کا مسلّمہ ہے کہ کن سے پہلے کے جو مراتب ہیں وہ اللہ کے داخلی مراتب ہیں ان کے بارے کوئی حتمی بات کرنا ممکن نہیں ہے دوسری طرف یہ فرماتے ہیں کہ ہم سے کن کی ذلّت کو دور رکھو کیونکہ ہم کن سے خلق نہیں ہوئے بلکہ کن فیکون سے بھی قبل ہم موجود تھے اس لئے یہ بھی اللہ جل جلالہ کے داخلی مراتب میں شامل ہیں جن کے بارے میں کوئی حتمی رائے قائم نہیں کی جا سکتی۔

دوستو! اب تو آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف کے اسم مبارک خیرۃ اللہ عجل الله فرجه الشريف کے اندر کیا کیا راز مخفی ہیں اور یہ بھی جو میں نے بیان کئے ہیں مکمل بیان نہیں کئے اور جو مجھے معلوم ہیں وہ بھی اس اسم مبارک کے حقیقی اسرار کا کھربواں حصہ بھی نہیں ہیں۔

اب ہمیں دعا کرنا چاہیے کہ ہمارے منعم حقیقی عجل الله فرجه الشريف کا ظہورِ اجلال جلدی ہو اور اس دنیا پر حکومت اِلٰہیہ کا جلدی قیام ہو اور سارے مومنین کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور ان کے کرم سے کوئی مومن اور عزادار اور ماتمدار کبھی محروم نہ ہو۔

آمین یارب العالمین

اللهم صل علیٰ محمدؐ وآل محمدؐ و عجل فرجهم بقائمهمؑ صلوات الله عليه والسلام